DATA ENTERED

شمائلِ کبریٰ

رسول اللہ صلعم کے اخلاقِ عظمیٰ پر محققانہ و مورخانہ
جدید اور دلآویز اسلوب بیان میں نہایت اہم کتاب

تالیف
مولانا ابونعیم عبدالحکیم خاں نشتر جالندھری
مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری (مرحوم)
نظرِ ثانی: مولانا غلام رسول مہر

شیخ غلام علی اینڈ سنز - پرنٹرز و پبلشرز
کشمیری بازار لاہور — نذر باغ پشاور — ہسپتال روڈ حیدر آباد — بندر روڈ کراچی — اردو بازار لاہور

Marfat.com

(جملہ حقوق بحق ناشرین محفوظ)

سلسلہ مطبوعات ۳۲۴

★

۲۹۷۶۷
۵۱۰ ش
65998

طابع ——— شیخ نیاز احمد

مطبع ——— علمی پرنٹنگ پریس لاہور

اشاعت اوّل ——— ایک ہزار

قیمت ——— Rs. 12.00

دسمبر ——— ۱۹۶۲ء

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، کشمیری بازار، لاہور

Marfat.com

فہرست ابواب

باب	صفحہ	باب	صفحہ
مقدمہ	۷	صدق	۷۹
پہلا باب		گیارھواں باب	
شمائل نبویؐ	۹	میانہ روی	۸۶
دوسرا باب		بارھواں باب	
نظافت پسندی	۱۴	ایثار	۸۹
تیسرا باب		تیرھواں باب	
والدین کے حقوق	۲۲	اُخوّت و مساوات	۱۰۰
چوتھا باب		چودھواں باب	
اولاد کے حقوق	۳۹	رحم	۱۲۰
پانچواں باب		پندرھواں باب	
ازواج کے حقوق	۴۷	عدل و انصاف	۱۲۵
چھٹا باب		سولھواں باب	
ہمسایے کے حقوق	۵۲	شرم و حیا	۱۶۷
ساتواں باب		سترھواں باب	
غلاموں اور زیردستوں کے حقوق	۵۸	عفّت و پاکبازی	۱۷۳
آٹھواں باب		اٹھارھواں باب	
عام انسانی حقوق	۶۲	امانت و دیانت	۱۸۲
نواں باب		اُنیسواں باب	
جانوروں کے حقوق	۷۴	رقّت قلب	۱۸۷
دسواں باب		بیسواں باب	

Marfat.com

صبر و تحمل ۲۰۲
اکیسواں باب
انکسار و تواضع ۲۰۹
بائیسواں باب
جُود و سخا ۲۱۳
تئیسواں باب
زہد و قناعت ۲۲۹
چوبیسواں باب
اخلاق و حُسنِ نیّت ۲۶۹
پچیسواں باب
اتحاد و اتفاق ۲۸۳
چھبیسواں باب
اصلاحِ ذات البین ۲۹۷
ستائیسواں باب
احسان ۳۰۸
اٹھائیسواں باب
استقامت ۳۳۱
اُنتیسواں باب
ایفاءِ عہد ۳۴۸
تیسواں باب
اکلِ حلال ۳۶۳
اکتیسواں باب
اثرِ صحبت ۳۸۰

بتّیسواں باب
کلام کا اعجاز ۳۹۰
تینتیسواں باب
شجاعت ۴۱۷
چونتیسواں باب
اعداء سے کریمانہ سلوک ۴۰۳
پینتیسواں باب
اداءِ قرض کا اہتمام ۴۳۹
چھتّیسواں باب
امر معروف و نہی منکر ۴۴۴
سینتیسواں باب
اخلاقِ نبوی ازواجِ مطہراتؓ کی زبان سے ۴۵۱
اڑتیسواں باب
اخلاق و تشدّد ۴۶۴
اُنتالیسواں باب
اتلافِ حقوق ۴۷۰
چالیسواں باب
اسراف و تبذیر ۴۷۸
اکتالیسواں باب
عہد شکنی اور غدّاری ۴۸۷
بیالیسواں باب
دریوزہ گری ۵۰۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے، لیکن وہ اس خطابِ فضیلت کا مستحق اسی صورت میں قرار پا سکتا ہے کہ مکارمِ اخلاق کے اعتبار سے باقی ساری مخلوق پر فائق ہو۔ دورِ حاضر میں یہ افسوسناک مظاہر پے بہ پے سامنے آرہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس غرض سے پیدا کیا تھا اور کامیاب زندگی بسر کرنے کے لیے جو اصول و قواعد بتائے تھے، انھیں وہ یکسر فراموش کر بیٹھا۔ اس لیے اشد ضرورت ہے کہ اسے ضلالت و رذالت کے ٹیڑھے راستے سے ہٹا کر ہدایت و شرافت کی صراطِ مستقیم پر لایا جائے تاکہ وہ انسانیت کی معراجِ کمال پر پہنچ کر حقیقی و کامل انسان بن جائے اور مذکورۂ صدر خطاب کا مرصّع خلعت اس کے جسم پر پورا اترے۔

ابتدائے آفرینش سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے انبیاء کو مبعوث کرتا رہا ہے تاکہ وہ احکامِ خداوندی لوگوں تک پہنچائیں اور خود عملی نمونہ ان کے سامنے رکھیں۔ اس طرح بنی آدم کی اخلاقی حالت درست کر کے خالق سے مخلوق کے تعلقات مضبوط بنائیں، جس سے انسان زندگی کا اصل مقصد بطریقِ احسن پورا کرتے ہوئے فرائضِ بندگی کما حقہٗ انجام دے اور بارگاہِ ایزدی میں سرخرو ہو۔

خدائے بزرگ و برتر کی بھیجی ہوئی بے شمار برگزیدہ ہستیوں نے دعوتِ الی الحق کا مقدس و اہم فریضہ ہمت و استطاعت کے مطابق انجام دیا اور اخلاقِ عظمیٰ کے عملی نمونے لوگوں کے سامنے پیش کر کے انھیں تہذیب و شرافت اور فوز و فلاح کی راہ دکھائی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخِ عالم کا صفحہ صفحہ بلکہ سطر سطر انگشتِ شہادت بن کر زبانِ حال سے اس ناقابلِ انکار صداقت کا اعلان کر رہی ہے کہ کسی رسول، کسی پیغمبر اور کسی داعیٔ حق کی سیرت و کردار کا ہر جزئیہ اور کتابِ اعمال کا ہر لفظ کلیتہً ایسی صحت و درستی سے محفوظ و موجود نہیں، جیسے رسولِ خدا

Marfat.com

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیفۂ حیات کا محفوظ و موجود ہے اور قرآن و حدیث اس ارفع و اقدس اُسوۂ حسنہ کی یکتائی و بے مثالی پر شاہدِ عادل و گویا ناطق ہیں۔

اگرچہ دُنیا بھر کی مختلف و متعدد زبانوں میں سیرتِ رسولؐ پر ضخیم کتابیں موجود ہیں اور اُردو کا وسیع دامن بھی ان گہر ہائے شہوار سے لبریز ہے لیکن حق یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کے شمائلِ کبریٰ پر کتنی ہی وسعت و ہمہ گیری اور کتنی ہی تفصیل و اطناب سے روشنی ڈالی جائے، اس مقدس فریضے کی انجام دہی سے کماحقہٗ عہدہ برآ ہونا سہل نہیں، بس اسی بناء پر زیرِ نظر کتاب کی تالیف و ترتیب عمل میں لائی گئی ہے۔

ابوالقاسم دلاوری مرحوم نے اس کتاب کے مجوزہ ابواب میں سے ابھی چند ہی سپردِ قلم کیے تھے کہ انھیں قدرت کی طرف سے بلاوا آ گیا اور سلسلۂ تحریر سے مجبوراً دستکش ہونا پڑا۔ میں نے وہ تمام بقیہ ابواب لکھ کر کتاب پر نظرِ ثانی کی تو پھر بھی تشنۂ تکمیل نظر آئی۔ چنانچہ یہ حقیقت ملحوظ رکھتے ہوئے کہ رسول اللہ صلعم نے فضائل پر عمل کرنے کا حکم دینے کے علاوہ رذائل سے باز رہنے کی بھی تلقین فرمائی ہے، اس پاکیزہ سلسلے کا دامن اَور وسیع کر کے اس میں امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر کا بھی اضافہ کر دیا۔ اب یہ کتاب میرے خیال میں موضوع کے اعتبار سے مکمل ہو گئی ہے، لیکن اگر اربابِ فکر و دانش کو اس میں کچھ فروگذاشتیں نظر آئیں تو براہِ کرم انھیں میری کوتاہیِ علم و نظر پر محمول کرتے ہوئے مفید مشوروں سے مستفیض فرمائیں جو شکریے کے ساتھ قبول کیے جائیں گے۔

نشتر جالندھری

Marfat.com

پہلا باب

شمائلِ نبویؐ

حلیۂ مُبارک رسُول اللہ صلعم کا قد مبارک میانہ اور جسم موزون تھا، رنگ سُرخ و سفید، جبین مبارک کُشادہ اور ابرو ملے ہوئے تھے۔ ناک قدرے دراز، چہرہ متناسب دہانہ کشادہ اور دندانِ مبارک ذرا جُڑے ہوئے تھے۔ گردن بلند، سر بڑا اور سینہ فراخ تھا۔ سر کے بال کسی قدر گھنگریلے تھے۔ آنکھیں سیاہ، سُرمہ لگی ہوئی اور مژگانِ مبارک دراز تھیں۔ شانے پُر گوشت تھے۔ سینے سے ناف تک باریک بالوں کی لکیر سی تھی۔ کلائیاں لمبی اور کفِ دست پُر گوشت و کشادہ تھیں۔ ایڑیاں نازک و سبک اور تلوے درمیان سے قدرے خالی تھے۔

صحابہؓ حضورؐ کے حُسن و جمال سے نہایت متاثر ہوتے تھے۔ حضرت جابرؓ بن سمرہ سے کسی نے پوچھا: "آپ کا روئے مبارک شمشیرِ آبدار کی طرح تابناک تھا؟" کہا: "نہیں شمس و قمر کی طرح" (مشکوٰۃ) انہیں صحابی کا بیان ہے: "ایک چاندنی رات میں جب مطلع صاف تھا، میں کبھی حضورؐ کے روئے تاباں پر نظر ڈالتا تھا، کبھی چاند پر، آپ مجھے چاند سے حسین تر معلوم ہوتے تھے" (مشکوٰۃ)

حضورؐ کے عرقِ بدن میں ایک طرح کی خوشبو تھی (صحیح مسلم) رُخِ روشن پر پسینے کی بُوندیں دُر و گوہر کی طرح ضو فشاں تھیں (بخاری) حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ "آپ کا رنگ نہایت کھلتا ہُوا تھا۔ عرقِ تن موتی نظر آتا تھا۔ میں نے حریر و دیبا بھی آپ کی جلد سے ملائم تر نہیں دیکھے اور مشک و عنبر میں بھی جسم مبارک سے زیادہ خوشبو نہ تھی" (مشکوٰۃ)

مُہرِ نبوت شانوں کے درمیان بیضۂ کبوتر کے برابر مُہرِ نبوت تھی۔ یہ بظاہر سُرخ اُبھرا ہُوا گوشت سا تھا (صحیح مسلم) حضرت جابرؓ بن سمرہ روایت کرتے ہیں:

رویت الخاتم بین کتفی   مَیں نے حضورؐ کے دونوں شانوں کے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غدۃ حمراء مثل بیضۃ الحمامۃ۔	درمیان مُہر دیکھی تھی، جو بیضۂ کبوتر کے برابر سرخ غدہ تھا۔

(شمائلِ ترمذی)

موئے مُبارک فرقِ مبارک کے بال بیشتر شانوں پر پڑے رہتے تھے۔ اولاً حضورؐ اہلِ کتاب کی مانند چھوٹے ہوئے بال رکھتے تھے۔ پھر مانگ نکالنے لگے۔ بالوں میں بیشتر تیل ڈالتے۔ اور تیسرے دن کنگھی کرتے تھے۔ ریشِ لطیف میں خال خال سفید بال تھے۔

رفتار آنحضرتؐ بہت تیز چلتے تھے۔ دورانِ رفتار میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پھسلواں زمین پر اتر رہے ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضورؐ کا سایہ نہ تھا، مگر محدثین کی رائے میں یہ روایتیں ساقط الاعتبار ہیں۔

گفتار اور تبسم آنحضرتؐ کی گفتار میں بے حد حلاوت اور دلکشی تھی۔ آہستہ آہستہ گفتگو فرماتے تھے۔ فقرہ فقرہ جدا ہوتا۔ ایک ایک بات تین تین بار فرماتے۔ اہم بات کئی مرتبہ فرماتے۔ دورانِ گفتار میں بیشتر آسمان کی جانب نظر ہوتی تھی۔ آواز بلند تھی۔ حضرت ام ہانی رضؓ کہتی ہیں "رسول اللہ صلعم کعبے میں قرآن خوانی فرماتے تھے اور ہم لوگ گھروں میں چارپائیوں پر لیٹے لیٹے سنتے تھے" (ابن ماجہ)

حضرت امام حسن رضؓ نے ہند سے، جو حضرت خدیجہ رضؓ کے پہلے شوہر سے تھے۔ پوچھا: "آنحضرتؐ کس طرح تقریر فرماتے تھے"؟ انھوں نے جواب دیا "حضورؐ ہمیشہ فکرمند رہتے تھے۔ بیشتر خاموش رہتے۔ ضرورت کے بغیر کبھی گفتگو نہ فرماتے۔ فقرہ فقرہ جدا، صاف اور واضح ہوتا تھا۔ اشارہ کرتے تو پورا ہاتھ اٹھاتے۔ حیرت کا اظہار کرتے وقت ہتھیلی کا رُخ پلٹ دیتے۔ دورانِ تقریر میں کبھی ہاتھ پر ہاتھ مارتے۔ گفتگو کے دوران میں عالمِ راحت طاری ہوتا تو آنکھیں نیچی ہو جاتیں۔

حضورؐ شاذ و نادر ہی ہنستے تھے۔ ہنسی آنے لگتی تو تبسم فرما دیتے۔ کبھی اس زور سے نہ ہنستے کہ ڈاڑھ کے دانت نظر آنے لگیں۔

Marfat.com

لباس کبھی کسی خاص نوع کا لباس نہ پہنتے۔ چادر، قمیص اور تہمد عام لباس تھا۔ پاجامہ کبھی زیب تن نہ فرمایا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضورؐ نے بازارِ منیٰ میں پاجامہ خریدا تھا۔ حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں ؛۔

"اس سے قیاس ہوتا ہے کہ استعمال میں بھی آیا ہوگا" موزے پہننے کے عادی نہ تھے، البتہ نجاشی کے ارسال کردہ سیاہ موزے زیب پا فرمائے۔ عمامے کا شملہ کبھی دوشِ مبارک پہ اور کبھی ہر دو شانوں کے درمیان پڑا رہتا۔ عمامہ بیشتر سیاہ ہوتا، جس کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی ہوتی۔

یمن کی دھاریوں والی چادریں بہت زیادہ مرغوب تھیں۔ کبھی کبھی تنگ آستین کی شامی عبا بھی استعمال فرمائی۔ نوشیروانی قبا بھی بزیرِ استعمال رہی۔

پیوند لگے ہوئے کمبل اور گاڑھے کے تہمد میں حضورؐ کا وصال ہوا۔

حدیثوں میں ہے کہ آنحضرتؐ نے سبز، سرخ، سیاہ، زعفرانی، ہر رنگ کا لباس زیب تن فرمایا، مگر سفید رنگ بہت پسند تھا (ابو داؤد)

نعلین مبارک چپل کی مانند تھے۔ بستر چرمی گدا ہوتا، جس میں روئی کی جگہ کھجور کے پتے بھرے ہوتے۔ چارپائی بان کی ہوتی۔ جس سے بیشتر بدن مبارک پر بدھیاں پڑ جاتیں۔

انگوٹھی رسول اللہ صلعم نے ایک نقرئی انگوٹھی بنوائی تھی، لیکن وہ بھی محض اس وجہ سے کہ آپ نے فرمانروائے حلبشہ اور شاہ روم کو مکتوب ارسال کرنے چاہے تو لوگوں نے گزارش کی کہ بادشاہ بے مُہر تحریر قبول نہیں کرتے۔ انگوٹھی میں اوپر نیچے تین سطروں کے اندر محمدؐ رسول اللہ تحریر تھا۔ حدیث میں ہے کہ حضورؐ فقط مُہر لگاتے وقت اسے استعمال میں لاتے اور داہنے ہاتھ کی اُنگلی میں پہنتے تھے۔

غذا اور طریق طعام سرورِ عالم صلعم ایثار و قناعت کے باعث پُرتکلف غذا نہیں کھاتے تھے، پھر بھی چند کھانے آپ کو بالخصوص مرغوب تھے، مثلاً کدو، حلوا، روغن زیتون، شہد، سرکہ، حلیس کو بے حد پسند فرماتے تھے۔

Marfat.com

یہ ایک کھانا ہوتا ہے، جو گھی میں پنیر اور کھجور ڈال کر پکایا جاتا ہے۔

حضرت سلمیٰؓ کہتی ہیں کہ ایک خاص چیز حضورؐ کی محبوب ترین غذا تھی، جو اس طرح پکائی جاتی ہے۔ پہلے جَو کا آٹا پیس کر ہانڈی میں چڑھا دیا جاتا ہے، پھر اس میں روغن زیتون، زیرہ اور کالی مرچ ڈال دی جاتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک نہایت لذیذ کھانا پک کر تیار ہو جاتا ہے۔

نبی اکرم صلعم دُنبہ، بھیڑ، بکری، خرگوش، گورخر، اُونٹ، مُرغ، بٹیر اور مچھلی نوش جان فرمایا کرتے تھے۔ دست کا گوشت بے حد مرغوب تھا۔ حضورؐ تربوز کو کھجور سے ملا کر کھاتے تھے۔ پتلی ککڑیاں پسند تھیں۔ ٹھنڈا پانی بہت پسند تھا۔ دودھ کبھی خالص پیتے، کبھی پانی ملا کر۔

معمولاتِ طعام میز کرسی لگا کر کھانا پسند نہ فرماتے کیونکہ یہ اُمراء کی علامت فخر و امتیاز تھی۔ جو سالن آگے ہوتا، اس میں ہاتھ ڈالتے۔ اِدھر اُدھر ہاتھ نہ بڑھاتے اور دوسروں کو بھی اس سے منع فرماتے تھے۔ کھانا صرف تین اُنگلیوں سے تناول فرماتے (شمائل ترمذی، زاد المعاد)

خوش پوشی اگرچہ سردارِ دو عالم صلعم جاہ پسندی اور تکلف سے متنفر تھے لیکن گاہے گاہے بیش بہا اور خوب صورت لباس بھی زیب تن فرماتے تھے۔

یعنی بادشاہوں اور رئیسوں نے نہایت قیمتی کپڑے بطور ہدیۂ ارسالِ خدمت کیے تھے۔ حضورؐ کبھی کبھی انھیں پہن لیتے۔

مرغوب و نامرغوب رنگ رسُولِ اکرم صلعم زرد رنگ کو بہت پسند فرماتے تھے۔ سفید رنگ بھی نہایت مرغوب تھا اور فرماتے تھے کہ یہ رنگ سب رنگوں میں اچھا ہے۔

سُرخ لباس ناپسند تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ سُرخ پوشاک پہن کر آئے تو فرمایا: "یہ کیا لباس ہے" انھوں نے جا کر کپڑے جلا ڈالے۔ حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا: "جلانے کی کیا ضرورت تھی، کسی عورت کو دے دیے ہوتے

Marfat.com

(ابوداؤد)

سواری کا شوق رسول اللہ صلعم گھوڑے کی سواری بے حد پسند فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ اُونٹ اور خچر پر بھی سوار ہوتے تھے حضورؐ کے خاص گھوڑے کا نام لحیف، اُونٹنیوں کا قصوا، عضباء اور خچر کا دلدل اور تر تھا۔

گھُڑ دوڑ آنحضرتؐ کو گھڑ دوڑ سے نہایت دلچسپی تھی۔ مدینہ سے باہر ایک طویل و عریض میدان میں اسپ دوانی کی مشق کرائی جاتی تھی، جو چالیس دن میں ختم ہوتی تھی۔ حضورؐ کے ایک گھوڑے نے بازی جیتی تو بے حد محظوظ ہوئے۔ (دار قطنی)

گھڑ دوڑ کا اہتمام حضرت علی رضہ کے ذمے تھا۔ انھوں نے یہ خدمت سراقہ بن مالک کے سپرد کی اور اس کے حسبِ ذیل قاعدے وضع کیے (دار قطنی):

۱۔ گھوڑوں کی صفیں مرتب کی جائیں اور تین مرتبہ اعلان کر دیا جائے کہ جسے لگام درست کرنی یا بچے کو ساتھ رکھنا یا زین علیحدہ کر دینا ہو، علیحدہ کر لے۔

۲۔ جواب میں کوئی آواز نہ آئے تو تین بار تکبیریں کہہ چکنے کے بعد فوراً گھوڑے میدان میں ڈال دیے جائیں۔

۳۔ گھوڑے کے کان آگے نکل جانے پر قرار دیا جائے گا کہ وہ آگے نکل کر بازی جیت لے گیا۔

اُونٹوں کی دوڑ بھی کرائی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلعم کا ناقہ عضباء ہمیشہ میدان مار لیتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی بدو کا اُونٹ عضباء سے آگے نکل گیا۔ اس سے مسلمانوں کو شدید قلق ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا: خدا پر حق ہے کہ دنیا کی ہر گردن فراز چیز کو نیچا دکھائے۔ (صحیح بخاری و نسائی و دار قطنی)

شہسوارِ رسالت صلعم کو صندلی، مُشکی اور کمیت رنگ بہت مرغوب تھا۔ (نسائی) حضورؐ نے گھوڑوں کی دُم کاٹنے سے منع فرمایا کہ مکھی جھلنے کا مورچھل ہے (کتب سنن)

Marfat.com

دوسرا باب

نظافت پسندی

حضور خیر المرسلین صلعم کے مزاج گرامی میں جو نظافت پسندی تھی اور آپ نے پاکیزگی اور ستھرائی کی تعلیمات سے امت کو نفاست کے جس ذروۂ کمال پر پہنچایا تاریخِ مذاہب اس کی نظیر پیش کرنے سے بھی قاصر ہے۔

گھروں اور گرد و پیش کو صاف ستھرا رکھنا اسلامی شریعت کے ضروری احکام میں داخل ہے۔ آج کل صفائی کے موضوع پر اخباروں میں مضمون لکھے جاتے ہیں صفائی حقیقت میں بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس سے آب و ہوا کی اصلاح ہوتی ہے۔ ہمارے آقا و مولا آج سے چودہ سو سال پہلے اس کی تاکید فرما گئے تھے۔ آپ نے اس سلسلے میں فرمایا:

"حق تعالیٰ پاک و طیب ہے، پاکیزگی اور ستھرائی کو پسند کرتا ہے وکریم ہے کرم کا طلب گار ہے۔ جواد ہے، جود و بخشش کو محبوب رکھتا ہے سو تم اپنے صحنوں کو پاک و صاف رکھو اور (کوڑا جمع رکھنے میں) یہود سے مشابہت نہ کرو۔" (ترمذی)

بعض لوگ کھانے پینے کے برتن ننگے رکھ چھوڑتے ہیں۔ یہ بڑا ناپسندیدہ فعل ہے۔ نبی صلعم نے فرمایا: "برتن ڈھانک کر، باسن الٹا کر اور مشکوں کے منہ باندھ کر رکھو۔" (مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنہ) ایک مرتبہ حضرت ابو حمید انصاری رض نقیع سے آپ کے پاس دودھ کا پیالہ لائے اور اسے یونہی ننگا چھوڑ کر چلے گئے تو آپ نے فرمایا: "تم نے اسے کیوں نہ ڈھک دیا۔ اگر کوئی اور چیز موجود نہ تھی تو اس پر ایک آڑی لکڑی ہی رکھ دیتے" (بخاری و مسلم)

بعض لوگ ہاتھ دھوئے بغیر پانی یا کھانے کے برتن میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ یہ بھی مذموم حرکت ہے۔ ہادی انام صلعم نے فرمایا: "نیند سے بیدار ہونے کے بعد کوئی

Marfat.com

شخص ہاتھ پانی میں نہ ڈالے، جب تک اسے تین مرتبہ نہ دھو لے کیونکہ وہ نہیں جانتا، اس کا ہاتھ پاک جگہ رہا یا ناپاک مقام پر۔" (صحیح مسلم)

اُمورِ پنجگانہ انسان بالطبع میل کچیل اور کثافت و غلاظت سے نفرت کرتا ہے، لیکن حالت یہ ہے کہ یہودیوں کے سوا کوئی غیر مسلم ختنہ نہیں کراتا، غیر مسلم عموماً اور سکھ خصوصاً نہ تو موئے زیرِ ناف اور بغلوں کے بال صاف کرتے ہیں اور نہ مونچھیں کٹاتے ہیں۔ نبی صلعم نے فرمایا: "پانچ چیزیں فطرتِ انسانی میں داخل ہیں۔ ختنہ کرانا، اُسترہ لینا، ناخن تراشنا، لبوں کے بال کٹانا اور بغل کے بال اکھاڑنا یا منڈانا (بخاری و مسلم) اور نبی صلعم نے فرمایا: "داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ۔" (بخاری و مسلم) مونچھوں کے کتروانے میں صفائی اور داڑھی رکھنے میں وقار ہے۔

"افضل یہ ہے کہ مسلمان ہر ہفتے ناخن اور مونچھیں کٹوائے، موئے زیرِ ناف صاف کرے اور غسل کرکے بدن صاف ستھرا بنائے۔ اگر ایسا نہ کرے تو دو ہفتے میں نظافت حاصل کرے اور اگر چالیس دن گزر جائیں تو ان امور کے ترک پر عند اللہ کوئی عذر قابلِ پذیرائی نہ ہوگا۔ پس ہفتہ افضل، پندرہ دن اوسط اور چالیس دن بعید ترین مدت ہے اور جس نے چالیس دن میں بھی صفائی کی طرف التفات نہ کیا، وہ وعید کا مستحق ہے۔" (کبیری شرح منیۃ المصلی)

اُجلا اور نفیس لباس نبی صلعم کو اُجلا اور صاف ستھرا لباس پسند تھا۔ ابوالاحوص نے اپنے باپ سے روایت کی کہ "میں بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوا تو میں نے ناکارہ اور ذلیل لباس پہن رکھا تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا تمہارے پاس کچھ مال ہے؟ میں نے کہا، ہاں۔ پوچھا، کیا مال ہے؟ میں نے کہا، ہر قسم کا مال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ، گائیں، بکریاں، گھوڑے اور غلام ہر قسم کا مال عطا فرمایا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، اگر ایسا ہے تو چاہیے کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور نوازشوں کا اثر ظاہر ہو۔" (احمد، نسائی)

اور فرمایا "جو شخص ہرگز جنت میں داخل نہ ہو سکے گا، جس کے دل میں ذرہ بھر بھی

Marfat.com

غرور اور تکبر پایا جاتا ہو۔ یہ سن کر حاضرین میں سے ایک شخص کہنے لگا: "یا رسول اللہ! ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا لباس پاکیزہ اور پاپوش نفیس ہو۔ آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ جمیل ہے، جمال اور ستھرائی کو پسند کرتا ہے۔" (صحیح مسلم)

یعنی اچھی پوشش غرور اور گھمنڈ میں داخل نہیں کیونکہ اچھا لباس پسندیدہ ہے بلکہ غرور یہ ہے کہ دوسروں کو حقیر جانے۔ لیکن یاد رہے کہ نفیس لباس پہننا تو اچھا ہے مگر لباسِ شہرت محمود نہیں۔ چنانچہ نبی صلعم نے فرمایا: "جس نے دنیا میں لباسِ شہرت پہنا، خدا قیامت کے دن اسے ذلت کا لباس پہنائے گا" (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ) یعنی اس نیت سے فاخرہ لباس پہنے کہ لوگوں میں اس کا نام ہو اور ہر طرف اس کی پوشاک کا چرچا ہو اور بعض نے کہا کہ لباسِ شہرت ایسا لباس ہے جس کا پہننا شرعاً جائز نہیں۔

امام ابن جوزی رح "تلبیس ابلیس" میں لکھتے ہیں۔

"سلف صالحین اوسط درجے کا لباس پہنا کرتے تھے اور جمعہ، عید اور بھائیوں کی ملاقات کے لیے انھیں کپڑوں میں سے نفیس لباس اختیار کرتے اور بہت نفیس لباس پہننا ان کے نزدیک کچھ بھی معیوب نہ تھا اور بروایت صحیح مسلم حضرت عمر فاروق رض نے سنہری دھاریوں والا ایک ریشمیں حلّہ مسجد کے قریب فروخت ہوتا دیکھا اور جا کر رسول اکرم صلعم سے اس کا ذکر کیا اور التماس کی: "یا رسول اللہ! اگر آپ نماز جمعہ کے لیے اور وفود کی آمد پر ان کی ملاقات کے لیے یہ حلّہ خرید لیں تو بہت خوب ہے" آپ نے فرمایا: "ریشمیں لباس وہ لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔"

امام ابن جوزی رح فرماتے ہیں: "نبیؐ نے اس حلّے سے آرائش کرنے پر انکار نہیں فرمایا بلکہ اس کے ریشمیں ہونے کے باعث اسے ناپسند فرمایا" اور ابو العالیہ سے مروی ہے: "اسلاف کرام کا معمول تھا کہ جب کہیں جاتے آتے تھے تو زیب و زینت کرتے تھے۔" اور مروی ہے کہ "حضرات مہاجرین و انصار اونچے درجے کا لباس پہنا کرتے تھے۔" اور مروی ہے کہ "تمیم داری رض نے ایک حلّہ ہزار درہم میں خریدا تھا، اسے اس رات پہنا کرتے تھے جس میں لیلۃ القدر کی امید کی جاتی تھی۔ تمیم داری رض اس حلّے

سے نماز تہجد ادا کیا کرتے تھے"۔

جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ نہایت نفیس لباس پہنا کرتے تھے۔ اور بہت عمدہ خوشبو لگاتے تھے۔ اور امام حسن بصری رحؒ اعلیٰ درجہ کی پوشاک پہنتے تھے۔ ایک مرتبہ حسن بصری رحؒ ایک بیش قیمت جبّہ پہنے اور ایک گرانبہا چادر اوڑھے ہوئے باہر نکلے۔ انھیں فرقد نے اس لباس میں دیکھ کر کہا: "اے استاد! کیا آپ کا لباس ایسا ہونا چاہیے"؟ انھوں نے فرمایا: "اے فرقد! کیا تم نہیں جانتے کہ صوف کا لباس پہننے والوں میں اکثر لوگ اہل دوزخ ہیں"؟ اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ کے نفیس کپڑے پہنا کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل رحؒ کا کپڑا تقریباً ایک دینار میں خریدا جاتا تھا۔

حسب بیان ابن جوزی رحؒ سلف کی عادت تھی کہ پرانے کپڑے اپنے گھر پر پہنتے تھے، لیکن جب باہر جاتے تو زیب و زینت کرکے جاتے۔ صاحب لباس کے لیے عیب دار لباس وہ ہے جس میں زہد اور افلاس کا اظہار ہو۔ ایسا لباس گویا خدا سے برتر کا شکوہ و شکایت کرنے کی زبان اور پہننے والے کی حقارت کا سبب ہے اور یہ سب مکروہ و ممنوع ہے۔

ایک مرتبہ سرور عالم صلعم حضرت جابر انصاری رضؓ سے ملنے کو ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک آدمی کو میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا: "کیا اس شخص کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے کپڑے دھو لے"۔ (تلبیس ابلیس)

میلے کپڑے اور بدبو نبی صلعم اگر کسی کو میلے کپڑوں میں دیکھتے تو آپ کو سخت ناگوار ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص میلا کچیلا لباس پہنے خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے صحابہ رضؓ سے فرمایا: "اس سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ کپڑے دھو لیا کرے"۔ (ابوداؤد) ایک مرتبہ بعض کاروباری لوگ مسجد نبوی میں میلے کچیلے کپڑوں میں چلے آئے۔ مسجد تنگ تھی۔ ساری مسجد میں بو پھیل گئی۔ آپ نے فرمایا: "نہا کر آتے تو بہتر تھا"۔ (بخاری) آپ نے حکم دیا کہ مسجدوں میں چھوٹے بچے اور دیوانے نہ آنے پائیں اور خرید و فروخت کی اجازت نہ دی جائے اور یہ بھی حکم دیا کہ جمعہ کے روز مسجدوں میں خوشبو کی انگیٹھیاں جلائی جائیں (ابن ماجہ) ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ کا بیان ہے کہ ایک بار

Marfat.com

نبی صلعم کے لیے سیاہ چادر تیار کی گئی۔ آپ نے اسے پہنا، لیکن جب پسینا آیا تو آپ نے اس میں صوف کی بو پائی۔ آپ نے اسے اتار کر پھینک دیا۔" (ابو داؤد)

چیتھڑے لٹکائے پھرنے کی عادت

بعض لوگوں کی عادت ہے کہ اچھے کپڑوں کی موجودگی میں چیتھڑے لٹکائے پھرتے ہیں۔ آنحضرت صلعم کو یہ عادت سخت ناگوار تھی۔ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی کا بیان ہے کہ "ہم غزوۂ ذات الرقاع کے لیے حضرتِ اقدس صلعم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ یہ غزوہ ہجرت کے تیسرے سال ہوا تھا۔ میں اور میرے چند ساتھی ایک درخت کے نیچے اُترے ہوئے تھے۔ اتنے میں آپ بھی ہمارے پاس تشریف لائے۔ میں نے گزارش کی: یا رسول اللہ! یہاں ہمارے پاس سایے میں آجائیے۔ آپ تشریف لائے تو میں نے اپنے جھولے میں سے ایک ککڑی نکالی اور توڑ کر آپ کے سامنے حاضر کی۔ آپ نے پوچھا: "کہاں سے آئی؟" میں نے کہا: "یا رسول اللہ! ہم مدینہ سے اپنے ساتھ لائے تھے۔"

حضرت جابر رضی کہتے ہیں: "ہمارے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا، جس کا سامانِ سفر ہم نے مہیا کیا تھا اور اُسے جانور چرانے پر متعین کر رکھا تھا۔ جب وہ ہمارے پاس سے جانور چرانے کے لیے جانے لگا تو سیدِ موجودات صلعم نے اس کی پھٹی پرانی چادریں، جو چندی چندی ہو گئی تھیں، دیکھ کر فرمایا: کیا اس کے پاس اور کپڑے نہیں؟ میں نے کہا: نہیں، لیکن گٹھڑی میں بند ہیں۔ آپ نے فرمایا: اُس سے کہو، وہ کپڑے پہن لے۔ میں نے اسے بلایا اور اس نے وہ کپڑے گٹھڑی سے نکال کر پہن لیے۔"

حضرت جابر رضی کہتے ہیں: "جب وہ جانے لگا تو حضور علیہ نے فرمایا: خدا اس کی گردن مارے! اس نے پرانے کپڑوں کی موجودگی میں چندیاں لگا رکھی تھیں۔ کیا اب پہلے سے اچھا نہیں معلوم ہوتا؟ یہ سن کر وہ شخص کہنے لگا: "یا رسول اللہ! میری تمنا ہے کہ اللہ کی راہ میں میری ہی گردن کٹے۔" آپ نے فرمایا: ہاں اللہ ہی کی راہ میں کٹے گی۔" چنانچہ (اسی غزوے میں) اس کی گردن اللہ کی راہ میں ماری گئی۔ (موطائے امام مالک رح)

قریب مرگ شخص کا نئے کپڑے پہننا

حاملِ نبوت صلعم کو صفائی اور نظافت

کا اتنا احساس تھا کہ آپ قریب مرگ شخص کے لیے بھی میلا کچیلا لباس پسند نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت ابو سعید خدری رضؓ کا وقت مرگ قریب پہنچا تو انھوں نے نئے کپڑے منگوا کر پہنے اور فرمایا: "میں نے رسولؐ خدا سے سنا تھا کہ مُردہ انھیں کپڑوں میں اٹھایا جائے گا، جن میں وہ جان دیتا ہے" (ابوداؤد) اور حامل وحیؐ کو نہ صرف زندوں کے پہننے کے لیے سفید لباس مرغوب تھا بلکہ آپ میّت کے لیے بھی سفید کپڑے پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ ابن عبّاس رضؓ سے مروی ہے کہ نبیؐ نے فرمایا: "سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ وہ تمھارے کپڑوں میں بہتر کپڑے ہیں اور اپنے مُردوں کو بھی سفید کپڑوں میں کفناؤ" (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

پراگندگیِ مُو کی ناگواری بعض لوگ سر پر بڑے بڑے بال رکھ لیتے ہیں اور ڈاڑھی بھی خاصی لمبی ہوتی ہے لیکن ان کے درست کرنے اور سنوارنے کا اصلا احساس نہیں رکھتے اور اسی ڈراؤنی ہیئت و وضع میں لوگوں کے پاس آتے جاتے ہیں۔ یہ ژولیدہ بالی پن، جو تہذیب و شائستگی کے خلاف ہے، پیشوائے امتؐ کو سخت ناگوار تھا۔ ایک دفعہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اتنے میں ایک شخص، جس کی ڈاڑھی اور سر کے بال پریشان تھے، اور ڈراؤنی وضع و ہیئت تھی، مسجد میں داخل ہوا۔ آپ نے اسے اشارہ کیا کہ مسجد سے باہر جا کر بال درست کرنے کے بعد آؤ۔ وہ بال سنوار کر آیا تو آپ نے فرمایا: "کیا تمھاری موجودہ حالت اس سے بہتر نہیں، تم میں سے کوئی ایسی حالت میں آئے کہ اس کے سر کے بال اس طرح پراگندہ ہوں گویا وہ شیطان ہے۔" (رواہ مالک فی مؤطاہ)

سرِ راہ بول و براز بعض لوگوں کی عادت ہے اور عربوں کا عام معمول تھا کہ راستے میں بول و براز کرتے تھے۔ نبی صلعم اسے نہایت ناپسند کرتے اور اس کی ممانعت فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا: "تم لوگ لعنت کے دو کاموں سے بچو" صحابہ رضؓ نے کہا: "وہ کون سے دو کام ہیں"؟ فرمایا: "ایک تو وہ شخص ہے جو لوگوں کی گذرگاہ پر یا لوگوں کے سایے میں پاخانہ پھرے۔" (مسلم)

علماء نے فرمایا ہے کہ اس ممانعت سے وہ راستہ مراد ہے کہ اکثر لوگ وہاں سے گذرتے ہوں اور وہ راہ مراد نہیں، جس پر لوگوں کی بہت کم آمد و رفت ہو اور سایہ سے مراد وہ درخت یا دیوار ہے، جس کے سایہ میں لوگ بیٹھا یا سویا کرتے ہوں۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ وہ ٹھہرے ہوئے پانی میں موتتے ہیں۔ پانی ٹھہرا ہوا ہو یا جاری، اس میں ہرگز نہ موتنا چاہیئے لیکن ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا زیادہ برا ہے۔ حضرت جابر انصاری رضؓ کا بیان ہے کہ رسولؐ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔ (رواہ مسلم)

برتن میں سانس لینے کی ممانعت

حامل وحی صلعم نے اپنے پیروؤں کو یہ بھی سکھایا کہ پانی پیتے وقت سانس لینا چاہئے تو برتن کو منہ سے جدا کر لو تاکہ منہ یا ناک سے کچھ پانی میں نہ گرے۔ چنانچہ فرمایا: "جب پانی پیو تو برتن میں سانس نہ لو اور بیت الخلاء جاؤ تو ستر کو داہنا ہاتھ نہ لگاؤ اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کرو" (بخاری و مسلم) آپ نے برتن میں سانس لینے اور کھانے پینے کی چیز میں پھونکنے سے منع فرمایا (ابوداؤد) اور فرمایا: "پیشاب کرتے وقت کوئی شخص داہنا ہاتھ عضو مخصوص کو نہ لگائے اور نہ بیت الخلاء میں داہنے ہاتھ سے ڈھیلے پونچھے اور نہ پانی پیتے وقت برتن میں سانس لے" (بخاری و مسلم) اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبیؐ نے برتن میں سانس لینے یا اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا (ابوداؤد و ابن ماجہ) اور ابوسعید خدری رضؓ کا بیان ہے کہ نبیؐ نے پینے کی چیز میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ ایک شخص کہنے لگا کہ اگر پانی میں تنکے ہوں تو آپ نے فرمایا: "تنکوں کی طرف کا تھوڑا سا پانی گرا دو" (ترمذی و دارمی)

مساجد کی تطہیر و تعطیر

اہل عرب بدویت کے اثر سے نظافت اور صفائی کا نام تک نہ جانتے تھے، اس لیے آپ کو اس کا بڑا اہتمام کرنا پڑتا تھا۔ خصوصاً مساجد کی تطہیر اور تعطیر سے آپ کو بڑا شغف تھا۔ جاہل عرب، جو تہذیب و شائستگی کے نام سے آشنا نہ تھے، اول اول جب مسجد نبویؐ میں آتے تو جہاں چاہتے تھوک دیتے

تھوک دیتے، آپ کو اس سے بڑی تکلیف ہوتی۔ بذاتِ خود دھبے چھڑا دیتے۔

ایک مرتبہ تھوک کا دھبا مسجد کی دیوار پر دیکھا تو اس قدر ناخوش ہوئے کہ چہرہ مبارک سُرخ ہو گیا۔ ایک انصاری خاتون نے دھبے کو محو کیا اور چونکہ یہ دھبا آپ ﷺ کے رنج و ملال کا باعث ہوا تھا، اس لیے بڑے اہتمام سے خوشبو لا کر وہاں مَلی۔ آپ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور انصاریہ کی تحسین فرمائی (نسائی کتاب المساجد) آپ نے حکم دیا کہ مسجدوں میں چھوٹے بچے اور دیوانے نہ آنے پائیں اور خرید و فروخت کی اجازت نہ دی جائے اور جمعہ کے دن مسجدوں میں خوشبو کی انگیٹھیاں جلائی جائیں (ابن ماجہ)

ایک دفعہ مسجد میں تشریف لائے اور دیکھا کہ دیواروں پر جا بجا تھوک کے دھبے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ٹہنی تھی، اس سے کھرچ کھرچ کر تمام دھبے مٹائے۔ پھر لوگوں کی طرف خطاب کر کے ناراضی کے لہجے میں فرمایا "کیا تم پسند کرتے ہو کہ کوئی شخص تمہارے سامنے آ کر تمہارے منہ پر تھوک دے؟ جب نمازی نماز پڑھتا ہے تو ربّ العالمین اس کے سامنے اور ملائکہ اس کی داہنی طرف ہوتے ہیں اس لیے انسان کو مسجد میں تھوکنے سے حذر کرنا چاہیے" (ترغیب ترہیب منذری)

حضرت جابر انصاری رضؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ مسجد میں تشریف لائے اور دیکھا کہ کسی جگہ بلغم لگا ہوا ہے۔ آپ نے اسے لکڑی سے چھڑا دیا۔ پھر فرمایا: "تم میں سے کسے یہ گوارا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے منہ پھیرے؟" اس کے بعد فرمایا "عبیر لاؤ"۔ ایک انصاری نوجوان دوڑ کر گھر گیا اور جھٹ خوشبو لے آیا۔ آنحضرت ﷺ نے خوشبو لے کر لکڑی کی نوک میں لگائی اور جس جگہ سے بلغم صاف کیا تھا، وہاں مل دی۔ (ابوداؤد)

جب ہجرت کر کے مدینۂ منورہ پہنچے تو آپ نے محلوں میں مسجدیں بنانے اور انھیں معطّر و خوشبودار رکھنے کا حکم دیا (ابن ماجہ) بعض علماء نے عطر اور زعفران سے مسجد کا معطّر کرنا مستحب اور کارِ ثواب بتایا ہے۔ مروی ہے کہ جب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضؓ خطبے کے لیے منبر پر بیٹھتے تو لوبان اور عود کی دھونی کی جاتی۔

Marfat.com

ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ نے کعبۂ معلّٰی کی جدید تعمیر کی تو اس کی دیواروں پر کستوری ملوائی۔

پیاز اور لہسن سے نفرت

پیغمبر خدا صلعم کو پیاز، لہسن، مولی اور اس قسم کی بُودار چیزوں سے سخت نفرت تھی۔ حضرت جابر انصاری رضؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ نبیؐ کے پاس ترکاری کی ہنڈیا لائی گئی، لیکن آپ نے اس میں بُو محسوس کی اور حکم دیا کہ اسے فلاں شخص کے پاس پہنچا دو اور فرمایا: "میں اسے نہیں کھاؤں گا کیونکہ میں خدا سے برتر سے مناجات کرتا ہوں۔" (بخاری و مسلم)

جب آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو حضرت ابوایوب انصاری رضؓ کے مکان پر فروکش ہوئے۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس کھانا آیا، لیکن آپ نے کھائے بغیر حضرت ابوایوب رضؓ کے ہاں واپس کر دیا۔ انھوں نے آکر دریافت کیا: "یا رسول اللہ! آج آپ نے کھانے کو چھوا تک نہیں۔" آپ نے فرمایا: "کھانے میں لہسن ہے۔" وہ پوچھنے لگے: "کیا لہسن کا کھانا حرام ہے؟" فرمایا: "حرام تو نہیں لیکن مجھے اس سے اس کی بو کے باعث نفرت ہے۔" (ترمذی)

١٥٤٦٠

اگر پیاز اور لہسن وغیرہ پکا کر ان کی بُو زائل کر دی جائے تو ان کا کھانا جائز ہے اور اگر پکانے کے بعد بھی ان کی بُو زائل نہ ہوئی ہو تو ان کا کھانا مکروہ ہے۔ مولی کا بھی یہی حکم ہے بلکہ مولی تو پیاز سے بھی بدتر ہے کیونکہ اس کی بو مطلقاً پکانے سے بھی زائل نہیں ہوتی۔

پیاز اور لہسن کھا کر مسجد میں جانا

ایک تو بُودار چیزوں مثلاً پیاز، لہسن اور مولی سے نبی صلعم کو نفرت تھی، دوسرے بودار چیزوں کے مسجد میں لے جانے کی آپ نے ممانعت فرما دی تھی اس لیے حکم تھا کہ اس قسم کی کوئی چیز کھا کر لوگ مسجد میں نہ آئیں۔ فرمایا: "جو شخص پیاز، لہسن کھائے، وہ ہمارے پاس نہ آئے اور ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے۔" (بخاری) آپ نے فرمایا: "جو شخص پیاز اور لہسن (کچے) کھائے، وہ ہم سے یکسو رہے۔" یا فرمایا: "ہماری مسجد سے یکسو رہے۔" یا

65998

فرمایا: "وہ گھر میں بیٹھ رہے۔" (بخاری و مسلم) اور فرمایا: "جس نے پیاز یا لہسن یا گندنا کھایا ہو وہ ہماری مسجد کے قریب بھی نہ پھٹکے۔" (ترمذی) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی ایک مرتبہ اپنے عہدِ خلافت میں خطبۂ جمعہ دینے کو کھڑے ہوئے تو اس میں فرمایا: "لوگو! تم لہسن اور پیاز کھاتے ہو اور میں انھیں خبیث جانتا ہوں۔ اگر کوئی انھیں کھانا چاہے تو خوب پکا کر کھائے۔" (ابن ماجہ) اور مسلم اور نسائی کی روایت میں فرمایا: "تم لوگ پیاز اور لہسن کھا کر مسجد میں آتے ہو، حالانکہ میں نے نبی صلعم کو دیکھا تھا کہ کوئی شخص یہ چیزیں کھا کر مسجد میں آتا تو آپ حکم دیتے کہ مسجد سے نکال کر بقیع پہنچا دیا جائے۔" (سیرۃ النبی صلعم حصہ اوّل بحوالہ مسلم و نسائی)

حضرت خیر الانام صلعم کو ہر وہ چیز، جس کی بُو خوش گوار نہ ہوتی، ناپسند تھی۔ ایک دفعہ ایک عورت نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی سے پوچھا: "خضاب لگانا کیسا ہے؟" بولیں: "کچھ مضائقہ نہیں، لیکن میں اس لیے ناپسند کرتی ہوں کہ میرے حبیب رسولِ خدا کو حنا کی بُو ناگوار تھی۔" (نسائی)

خوش بُو کا استعمال حضرت خیر الانام صلعم کے مزاجِ مبارک میں نفاست، لطافت اور طہارت بہت تھی، اس لیے آپ جس طرح بد بُو سے متنفر تھے، اسی طرح آپ کو خوش بُو کی طرف بڑی رغبت تھی۔ امام محمد بن علی معروف بہ امام محمد باقر قدس سرہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی سے دریافت کیا کہ "کیا رسولِ خدا عطر استعمال فرماتے تھے؟" انھوں نے کہا: "ہاں، مردانہ خوشبو مشک اور عنبر سے شوق فرماتے تھے۔" (نسائی) نبی نے فرمایا: "مردوں کی خوشبو وہ ہے، جس کی بو پھیلے لیکن رنگ نہ ہو اور زنانہ خوشبو وہ ہے، جس کا رنگ ظاہر ہو مگر خوشبو ظاہر نہ ہونے پائے۔" (نسائی)

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں: "آنحضرت صلعم کو خوشبو بہت پسند تھی، کوئی شخص خوشبو کی چیز ہدیۃً بھیجتا تو کبھی رد نہ فرماتے۔ ایک خاص قسم کی خوشبو یا عطر ہوتا ہے، جسے سُکّہ کہتے ہیں، وہ ہمیشہ آپ کے استعمال میں رہتا تھا۔ صحابہ رضی کہتے ہیں کہ جس گلی کوچے سے آپ نکل جاتے، وہ معطر ہو جاتا۔ کبھی کبھی مجلسِ عالی میں خوشبو کی انگیٹھیاں جلائی جاتیں، جن میں عموماً اگر اور کبھی کبھی کافور ہوتا۔" (سیرت النبی صلعم)

Marfat.com

پیشاب کے قطروں سے احتیاط بول و براز ناپاک ہیں، اس لیے ہادیٔ امت ﷺ نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ ان دونوں نجاستوں سے بدن اور کپڑے بچائیں، کیونکہ نماز اور عبادت الٰہی کے لیے لازمی شرط ہے کہ نمازی کا بدن اور کپڑے ہر قسم کی نجاست سے پاک ہوں۔ عرب میں پیشاب سے کپڑوں کے بچانے یا پیشاب کے بعد استنجا کرنے کا مطلق رواج نہ تھا اور کسی غیر مسلم کو اس کا احساس نہ تھا کہ پیشاب ناپاک ہے۔ ایک دفعہ آپ راہ میں جا رہے تھے۔ دو قبریں نظر آئیں۔ فرمایا: "ان میں سے ایک پر اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ کپڑے پیشاب سے محفوظ نہیں رکھتا تھا۔" (صحیح بخاری عذاب القبر)

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا وقار کے خلاف اور چار پایوں سے مشابہت ہے۔ اس کے علاوہ پیشاب کے قطرے اڑ کر بدن اور کپڑے ناپاک کر دیتے ہیں، اس لیے نبی ﷺ نے اہل ایمان کو اس کی ممانعت فرمادی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے ایسی حالت میں دیکھا کہ میں کھڑا ہوا پیشاب کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا: "اے عمر رضی اللہ عنہ! کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "اس کے بعد میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔" (ترمذی و ابن ماجہ)

اگر بیٹھ کر بھی سخت زمین پر پیشاب کیا جائے تو پیشاب کے قطرے اڑتے ہیں اور بدن ناپاک ہو جاتا ہے لہٰذا پیشاب کے لیے نرم جگہ مطلوب ہے۔ انھیں معنی میں ہادیٔ امت ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے جو کوئی پیشاب کا قصد کرے، اس کے لیے نرم جگہ تلاش کرے۔" (ابو داؤد)

ڈھیلا لینا اور پانی سے استنجا نبی صلعم قضائے حاجت کے لیے بہت دور نکل جاتے یہاں تک کہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے (ابو داؤد) اور اگر کسی جگہ کی زمین سخت ہوتی تو آپ کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ایک لڑکا (غالباً عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) ساتھ جاتے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں پانی کا لوٹا ہوتا اور دوسرے کے ہاتھ میں برچھی۔ موخر الذکر پیشاب کے لیے زمین نرم کر دیتا اور ڈھیلے

فراہم کردیتا۔ ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد آپ پانی سے استنجا کرتے۔ (بخاری و مسلم مع الشرح)

آپ نے حکم دیا تھا کہ بیت الخلاء کو جاؤ تو قبلے کی طرف منہ نہ کرو اور پیٹھ اور استنجے کے لیے تین پتھر (یا ڈھیلے) لو۔ آپ نے لید اور ہڈی سے استنجا کرنے کو منع کیا اور داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے کی بھی ممانعت فرمائی (ابن ماجہ و دارمی) دیہات کی بعض عورتیں بسا اوقات پاخانے کے لیے کھیتوں میں اکٹھی جا بیٹھتی ہیں، پھر نہ صرف ایک دوسری کو برہنہ دیکھتی ہیں بلکہ باتیں بھی کرتی ہیں۔ یہ سخت مذموم حرکت ہے۔ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا: "اگر دو آدمی پاخانے کے لیے جاکر ایک دوسرے کے سامنے اپنی شرم گاہیں کھول دیں اور باہم گفتگو کریں تو اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتا ہے" (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

استنجے کے بعد ہاتھ زمین پر ملنا

ہر شخص استنجے کے بعد دونوں ہاتھ پانی سے دھو لینا کافی سمجھتا ہے، لیکن سالار انبیاء صلعم کے مزاج گرامی میں بہت زیادہ نفاست تھی۔ آپ استنجا کرنے کے بعد ہاتھ دھونے سے پہلے دونوں ہاتھ زمین پر مَلا کرتے تھے تاکہ نجاست کا اثر کلیتہً زائل ہو جائے اور کمال درجے کی صفائی حاصل ہو۔ جو کوئی سنتِ نبویؐ کا شیفتہ ہے، اُسے اس پر عمل کرنا چاہیے۔ اس بارے میں چند روایتیں ملاحظہ ہوں:

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ جب رسولؐ خدا بیت الخلاء کو جاتے تو پانی سے استنجا کرتے۔ اس کے بعد زمین پر دونوں ہاتھ رکھ کر مٹی سے خوب رگڑتے (ابن ماجہ)

تجدیدِ وضو کی ترغیب

صفائی اور طہارت کا کمال یہ ہے کہ آدمی ہر وقت باوضو رہنے کی کوشش کرے اور اگلی نماز کا وقت آنے پر وضو ہونے کے باوجود تجدیدِ وضو کرے۔ نبیؐ کا یہی معمول تھا اور یہی تعلیم تھی۔ عبداللہ بن حنظلہؓ سے مروی ہے کہ نبیؐ ہر نماز کے لیے وضو کرنے کے مامور ہوئے اور آپ نے صحابہؓ کو یہی حکم دیا کہ طاہر ہوں یا غیر طاہر، ہر نماز کے لیے وضو کیا کریں، لیکن جب اس میں دشواری ہوئی تو حدث ہونے کے وقت وضو کرنا ضروری قرار دیا گیا، مگر عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا کہ ان میں ہر نماز کے وقت نیا وضو کرنے کی طاقت

ہے اس لیے وہ مدت العمر اسی عزیمت پر عمل پیرا رہے" (احمد) آنحضرتؐ نے وضو پر وضو کرنے کی فضیلت کے حصول کی ترغیب دی اور صحابہ رضؓ عموماً وضو ہونے کے باوجود ہر نماز کے لیے نیا وضو کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

مسواک کا استعمال

دانتوں کی صفائی بھی امت محمدیہؐ کی ایک خصوصیت اور طغرائے امتیاز ہے۔ صفائی دنداں کی ایک نمائش پہلی عالمگیر جنگ (۱۹۱۴ء) میں بمقام لندن منعقد ہوئی تھی، جس میں مختلف مغربی اقوام کے علاوہ عرب بھی شریک ہوئے تھے۔ اس نمائش میں عربوں کے دانت سب سے زیادہ مجلّیٰ مصفّیٰ ثابت ہوئے۔ ظاہر ہے کہ عربوں کا یہ تفوق پیغمبر عربیؐ کی اس پاک تعلیم کا نتیجہ تھا جو مسواک کے متعلق امت کو ملی اور خود اس پر عمل کیا۔ چند روایتیں ملاحظہ ہوں:

فرمایا: "مسواک منہ کو پاک کرنے والی اور پروردگار کی رضا جوئی کا ذریعہ ہے۔" (احمد، بخاری، نسائی، دارمی) اور فرمایا: "اگر میں اپنی امت کے لیے اس میں دشواری نہ جانتا تو لوگوں کو ہر نماز کے وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔" (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد) اور فرمایا: "وہ نماز جس کے لیے مسواک کی گئی ہو، اس نماز سے ستر گنا افضل ہے، جس کے لیے مسواک نہ کی گئی ہو۔" (مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی) اور فرمایا: "چار چیزیں انبیاءؑ و مرسلینؑ کی سنّت ہیں، ختنہ کرنا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔" (ترمذی) اور فرمایا: "جبریلؑ جب بھی میرے پاس آئے، مجھے مسواک کی تاکید کرتے گئے اور میں اس کثرت سے مسواک کرتا ہوں کہ مجھے منہ کے اگلے حصے کے چھل جانے کا خدشہ رہتا ہے۔" (احمد)

شُریح بن ہانی نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ سے دریافت کیا کہ جب رسول اللہؐ اپنے آستانِ مبارک میں ورود فرما ہوتے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے؟ فرمایا: مسواک کرتے تھے۔ (صحیح مسلم) اور حضرت حذیفہ رضؓ سے مروی ہے کہ جب رسولِ خداؐ رات کو تہجد کے لیے اُٹھتے تو مُنہ مسواک سے ملتے۔ (بخاری و مسلم) اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا: "رسولِ خدا رات کو یا دن کو جب بھی سوتے، بیداری کے بعد وضو کرنے

Marfat.com

سے پہلے مسواک کرتے۔" (احمد و ابوداؤد)

آپ کو مسواک سے اس درجہ شغف تھا کہ مرض الموت میں بھی اس میں کمی نہ آئی۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا بیان ہے: "آپ کے مرض وفات میں میرے بھائی عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکر رضؓ عیادت کے لیے ہمارے گھر آئے۔ اس وقت عبدالرحمٰن رضؓ کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ آپ مسواک کی طرف دیکھنے لگے۔ میں نے عبدالرحمٰن رضؓ کے ہاتھ سے مسواک لی۔ اسے چھیل کر چبایا اور حضورؐ کے ہاتھ میں دی۔ آپ نے میرے سینے سے تکیہ لگا کر مسواک کی۔" (بخاری)

آپ نے اوائل میں حکم دیا تھا کہ طاہر اور غیر طاہر ہر شخص ہر نماز کے وقت وضو کرے، لیکن جب باوضو لوگوں کو بھی ہر نماز کے لیے تازہ وضو کا التزام کرنا پڑا تو ان پر شاق اور سان کے لیے یہ عمل باعث تکلیف ہوا۔ یہ دیکھ کر آپ نے طہارت کی حالت میں نیا وضو نہ کرنے کی اجازت دے دی، مگر حکم دیا کہ اگر تجدید وضو نہیں تو کم از کم مسواک ہر نماز کے ساتھ کی جائے۔" (ابوداؤد) اس سے مسواک کی اہمیت اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔

آنحضرتؐ نے اپنے قول و فعل سے اہل ایمان کو مسواک کا اس درجہ شائق بنا دیا تھا کہ بعض حضرات مسواک کو قلم کی طرح ہر وقت کان پر رکھے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت زید بن خالد جہنی رضؓ نے سرورِ انبیاءؐ کی زبان مبارک سے آپ کا یہ ارشاد سُنا: "اگر میں اپنی اُمت کے لیے مشکل نہ جانتا تو ہر نماز کے ساتھ (وجوباً) مسواک کرنے کا حکم دیتا۔" اس کے بعد ان کا یہ معمول ہو گیا کہ جب پانچوں نمازوں کے وقت مسجد نبویؐ میں حاضر ہوتے تو ان کے کان پر مسواک اس طرح رکھی ہوتی، جس طرح کاتب کان پر قلم رکھ لیتے ہیں اور کوئی نماز ایسی نہ پڑھتے جس کے لیے انھوں نے مسواک کر کے اسے حسب معمول کان پر نہ رکھ لیا ہو۔ (ترمذی و ابوداؤد)

غسلِ جمعہ حضرت رسالت مآب صلعم نے مسلمانوں کے لیے کم از کم ہفتے میں ایک مرتبہ غسل کرنا لازم قرار دیا اور فرمایا: "جو کوئی نماز جمعہ کے لیے آئے وہ غسل

کرکے آیا کرے اور جب استطاعت پاکیزگی وطہارت حاصل کرے، تیل لگائے، خوشبو کا استعمال کرے اور اگر اپنے پاس خوشبو موجود نہ ہو تو بیوی سے لے لے" (بخاری)
اور فرمایا: "جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور جس قدر ہو سکے، پاکیزگی حاصل کرے اور تیل، خوشبو لگائے، پھر مسجد میں پہنچ کر دو بیٹھنے والوں کے درمیان (گھس کر اُن میں) مفارقت نہ ڈالے، پھر نماز پڑھے اور جب امام خطبہ دے تو خاموشی سے سُنے تو اس کے وہ تمام (صغیرہ) گناہ بخش دیے جاتے ہیں جو گزشتہ جمعہ سے اس جمعہ تک کیے ہوں۔" (بخاری)

بعض لوگ شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر دوسروں کے سامنے ننگے نہانے لگتے ہیں۔ ایک مرتبہ رسُول خدا نے کسی شخص کو میدان میں (بے پردہ) نہاتے دیکھا۔ آپ منبر پر چڑھے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: "حق تعالیٰ بہت حیادار اور بہت پردہ پوش ہے۔ حیا و ستر کو پسند کرتا ہے۔ پس جب تم میں سے کوئی شخص غسل کرے تو اس پر لازم ہے کہ پردہ کر لے۔" (ابوداؤد و نسائی)

غسل خانے میں پیشاب کرنا بھی ممنوع ہے کیونکہ اس سے غسل خانہ ناپاک ہو جاتا ہے اور چھینٹے اُڑ کر غسل کرنے والے کو ناپاک کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ دل میں یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ بدن پاک ہوا یا نہیں؟ چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص غسل خانے میں پیشاب نہ کرے کیونکہ اس سے اکثر وسواس پیدا ہوتے ہیں۔" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

غُسلِ جنابت جنسی اختلاط کرنے یا احتلام ہو جانے کے بعد غُسل کی جو حاجت ہوتی ہے، اسے غسلِ جنابت کہتے ہیں۔ یہ طہارت بھی اسلام کی خصوصیتوں میں سے ہے کیونکہ غیر مسلم قومیں غسل جنابت نہیں کرتیں اور ان کے بدن اُس وقت تک برابر ناپاک رہتے ہیں جب تک غسل نہ کر لیں۔ پیشوائے اُمت ﷺ نے غسل جنابت کو مسلمان مرد اور عورت دونوں کا لازم فرض قرار دیا اور اس کے متعلق نہایت مؤکد احکام نافذ فرمائے۔ اگر کوئی لڑکا پندرہ برس کی عمر سے پہلے بالغ ہو جائے اور اسے پہلا احتلام

ہو تو اس پر احتیاطاً غسل واجب ہے اور اس کے بعد جو احتلام ہو یا پندرہ برس کی عمر کے بعد محتلم ہو تو اس پر غسل فرض ہے۔ پھر یہ نہیں کہ ان لوگوں کے لیے سرسری سا غسل کافی ہو بلکہ حامل نبوت صلعم نے تاکید فرمائی کہ بدن کا کوئی بال اور کسی بال کی کوئی جڑ بھیگنے سے نہ رہ جائے۔

چنانچہ آپ نے فرمایا: "ہر بال کے نیچے جنابت (نجاست) ہے، لہٰذا جس نے غسل میں بال برابر جگہ بھی دھونے میں چھوڑ دی، قیامت کے دن اس پر آگ مسلط کی جائے گی۔ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کا بیان ہے کہ جب سے میں نے حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ تاکید سنی، میں اپنے بالوں کا دشمن ہو گیا۔ حضرت علی رضؓ سر کے بال کتراتے تھے۔" (ابو داؤد، احمد، ابن ماجہ دارمی)

غسل حیض و نفاس

حائضہ اور نفساء کو قطع خون کے بعد غسل اور حصولِ نظافت کی جو تعلیم اسلام نے دی، وہ بھی تمت حنیفی کی خصوصیات میں سے ہے۔

مروی ہے کہ ایک انصاری خاتون نے فخر عالم صلعم سے غسل حیض کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا: "جس طرح غسل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کیا جائے۔ پھر پھاہے سے (جس میں کستوری یا کوئی اور خوشبو) ہو، طہارت حاصل کی جائے۔" انصاریہ کہنے لگیں: "اس سے کیونکر طہارت حاصل کی جائے؟" آپ نے شرما کر منہ پھیر لیا اور فرمایا: "سبحان اللہ! اس سے پاکیزگی حاصل کرو۔" یہ حالت دیکھ کر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ نے اس خاتون کو اپنی طرف کھینچ لیا اور فرمایا: "اس خوشبو کو خون کے نشان پر لگا دو۔" (بخاری و مسلم)

علماء نے فرمایا ہے کہ غسل حیض کے بعد خوشبو لگانے کی تاکید ہے تاکہ حیض کی بدبو کلیتہً زائل ہو جائے۔ باوجودیکہ سوگ والی عورت کو ہر قسم کی زینت اور خوشبو استعمال کرنے کی ممانعت ہے تاہم نبیؐ نے اس بو کے زائل کرنے کے لیے اسے بھی تھوڑی سی خوشبو استعمال کرنے کی اجازت دی (فتح الباری)

جو خون ہر مہینے عورتوں کو آتا ہے، اسے حیض کہتے ہیں۔ جب یہ خون بند ہو جائے تو حائضہ پر غسل کرنا واجب ہے اور جو خون بچہ پیدا ہونے کے بعد آتا ہے، اسے نفاس

Marfat.com

کہتے ہیں۔ اس کے بند ہونے پر فیصلہ کے لیے غسل کرنا واجب ہے۔

غسل میّت عالمِ برزخ کے رہرو کو دنیا کی سرائے فانی سے رخصت کرتے وقت پاک صاف کرنا بھی اسلامی خصوصیات میں داخل ہے۔ زندوں پر واجب ہے کہ مرنے والے کو غسل دیں اور کفن پہنائیں۔ غسل کے پانی میں بیری کے پتّے ڈال کر جوش دے لیں۔ بیری کے پتّے میل کچیل صاف کرتے، کیڑے دفع کرتے اور عفونت کے قاطع ہیں۔ آخری مرتبہ کے غسل پر پانی میں کافور ملالیں۔ کافور خوشبودار ہونے کے علاوہ بدن کو صاف کرتا، جسم کو سخت کرتا اور اسے جلد سڑنے سے باز رکھتا ہے۔

اُمّ عطیہ صحابیہؓ کا بیان ہے کہ جب ہم پیغمبرؐ کی صاحبزادی (زینبؓ یا اُمّ کلثومؓ) کو غسل دے رہی تھیں تو آنحضرتؐ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "انھیں تین یا پانچ بار یا ضرورت ہو تو اس سے بھی زیادہ مرتبہ پانی اور بیری کے پتّوں سے نہلاؤ اور آخری مرتبہ پانی میں کافور بھی ڈال لو۔" دوسری روایت میں آپ نے فرمایا: "تین یا پانچ یا سات طاق مرتبہ غسل دو اور داہنی طرف سے اور وضو کے اعضاء سے شروع کرو۔" (بخاری و مسلم)

کھانے سے پہلے اور پیچھے ہاتھ دھونا ایک نظافت اور اسلامی تہذیب یہ ہے کہ کھانا کھانے سے پہلے اور کھانا کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھوئے جائیں اور اگر منہ نہ دھوئیں تو کم از کم ہاتھ ضرور دھوئیں۔ نبی صلعم نے فرمایا: "کھانے سے پہلے اور کھانا کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھویا کرو۔" (ترمذی)

سیّدۃ النّساء حضرت فاطمہ زہراؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا: "جو کوئی ایسی حالت میں سوئے کہ (اس نے کھانا کھانے کے بعد ہاتھ نہ دھوئے ہوں اور) اس کے ہاتھ سے کھانے کی بُو آتی ہو تو اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے (مثلاً کوئی چیز کاٹ کھائے) تو وہ خود اپنے آپ کو ملامت کرے۔" (ابن ماجہ) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آپ نے فرمایا: "جو شخص اس حال میں رات گزارے کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہو اور اس نے اسے دھویا نہ ہو، پھر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔"

(ترمذی و ابو داؤد)

نجس جانوروں سے پرہیز

کتا سخت نجس جانور ہے۔ غیر مسلم قومیں اس سے کچھ پرہیز نہیں کرتیں لیکن مصلح عالم صلعم نے اسے سخت نجس قرار دیا اور فرمایا: "اگر کتا برتن میں مُنہ ڈال دے تو اسے سات بار دھوئیں، جن میں سے پہلی مرتبہ مٹی سے دھوئیں" (ابو داؤد) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور حدیث کے مطابق تین دفعہ دھونا بھی کافی ہے۔

اقوامِ غیر کھانے پینے میں حلال و حرام جانوروں کی حلّت و حُرمت کا بہت کم لحاظ کرتی ہیں، یہاں تک کہ عیسائیوں نے سُور جیسے نجس جانور کو بھی اعتقاداً و عملاً حلال کر رکھا ہے، حالانکہ بائیبل کے رُو سے خنزیر سخت نجس جانور ہے۔ چنانچہ بائیبل کی کتاب احبار میں ہے:

"اور سُور کہ کھُر اس کا دو حصّے ہوتا ہے اور اُس کا پاؤں چرا ہے، پر وہ جگالی نہیں کرتا، وہ بھی تمھارے لیے ناپاک ہے۔ تم ان کے گوشت میں سے کچھ نہ کھائیو اور ان کی لاشوں کو نہ چھوئیو کہ یہ تمھارے لیے ناپاک ہیں"۔
(احبار باب ۱۱ ورس ۷)

بھیڑ، بکری، گائے اور دوسرے جگالی کرنے والے بہائم کا گوشت حلال ہے، لیکن پیغمبر خاتم صلعم کی نظافت پسندی اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اگر یہی حلال جانور جُلّالہ ہو جائیں تو آپ نے انھیں حلال جانوروں کے کھانے اور ان کا دُودھ پینے کی ممانعت فرمادی۔ جُلّال یا جلّالہ سے یہ مراد ہے کہ وہ بیشتر اوقات میں نجاست خوری کے عادی ہو جائیں (ترمذی)

ایسے جانور کا گوشت کھانا یا دُودھ پینا اُس وقت تک حرام ہے، جب تک اسے باندھ کر نجاست کا اثر زائل نہ کر دیا جائے۔

Marfat.com

تیسرا باب

والدین کے حقوق

ماں باپ کا بلند ترین درجہ اسلام کی تعلیم میں والدین کی اطاعت پر بہت زور دے کر بتایا گیا ہے کہ توحید و رسالت کے بعد انسانی رشتوں میں ان کا درجہ سب سے بلند ہے اور اطاعت خدا و رسولؐ کے ساتھ ساتھ ان کی اطاعت ضروری قرار دی گئی ہے۔ دین فطرت کے احکام میں مسئلۂ اطاعتِ والدین کی تمام جزئیات کھول کر بیان کر دی گئی ہیں مثلاً یہ کہ ماں کا مرتبہ باپ سے بھی بڑا ہے، کیونکہ وہ فطری کمزوری کے باوجود حمل، وضع حمل اور تربیت اولاد کی شدید تکلیفیں بطیب خاطر برداشت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ووصّینا الانسان بوالدیه، حملته امّه وهنًا علیٰ وهنٍ و فصاله فی عامین (لقمان۔۲)	(اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے لیے تاکید کی۔ اس کی ماں نے اسے تھک تھک کر اپنے پیٹ میں رکھا اور دو برس تک دودھ پلایا۔
ووصّینا الانسان بوالدیه احسانًا حملته امّه کرهًا ووضعته کرهًا وحمله وفصاله ثلاثون شهرًا (احقاف۔۲)	اور ہم نے انسان کو تاکید کی کہ وہ اپنے ماں باپ سے نیکی کرے۔ اس کی ماں نے اسے تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے جنا۔ پیٹ میں رکھنا اور دودھ پلا کر چھڑانا تیس مہینے ہیں۔

ماں کا حق باپ پر فائق ایک مرتبہ کسی شخص نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: "میرے حسن سلوک کا سب سے

زیادہ حق دار کون ہے؟" ارشاد ہُوا: "تیری ماں" دریافت کیا: "پھر کون؟" فرمایا: "تیری ماں" سوال کیا: "پھر کون"؟ فرمایا: "تیری ماں" تین بار حضورؐ نے یہی فرمایا۔ چوتھی دفعہ استفسار پر ارشاد ہُوا: "تیرا باپ" ایک صحابی نے گذارش کی: "یا رسول اللہ! میں جہاد میں شریک ہونے کے لیے آپ کی رائے لینا چاہتا ہوں" فرمایا: "کیا تیری ماں زندہ ہے؟" جواب دیا: "جی ہاں" ارشاد ہُوا: "تو اسی سے چمٹے رہو کہ جنّت اس کے پاؤں کے پاس ہے" (ترغیب وترہیب منذری بحوالہ ابن ماجہ ونسائی وحاکم)

سب سے بڑا انسانی جہاد

ماں کے بعد باپ کا مرتبہ ہے کیونکہ بچے کی پرورش و تربیت وغیرہ میں اس کی جسمانی و مالی جدوجہد شامل ہے۔ اس بناء پر جب بچہ والدین کی مشترکہ مساعی سے پروان چڑھے تو اس کا فرض ہے کہ اپنی اس قوت وقابلیت کا شکرانہ خدمت و اطاعت والدین کی شکل میں ادا کرے۔ اسلام نے پہلی آسمانی کتابوں کی طرح والدین کی "عزت" اور ان سے "ڈرتے رہنے" کی نصیحت کرنا ہی کافی نہیں سمجھا بلکہ ان کی فرمانبرداری، خدمت، امداد، دلجوئی وغیرہ فرض قرار دے دی اور یہاں تک کہہ دیا کہ ان کی اطاعت وخدمت سب سے بڑا جہاد انسانی ہے۔ اس ضمن میں ارشاد خداوندی ہے:

واذ اخذنا میثاق	اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے
بنی اسرائیل لاتعبدون	عہد لیا کہ تم نہ پوجو گے مگر اللہ
الا اللہ وبالوالدین	کو اور ماں باپ سے نیکی کرو۔
احساناط	(بقرہ-۱۰)

نیکی کرنے کا جامع لفظ اطاعت، خدمت اور عزت کے مفہوم کا حامل ہے۔
اسی سورت میں فرمایا:

قل ما انفقتم من خیر	فائدے کی جو چیز تم خرچ کرو وہ
فللوالدین والاقربین	ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے

(بقرہ-۲۶)

Marfat.com

ایک اور جگہ حکم توحید اور منعِ شرک کے ساتھ ہی ماں باپ سے نیکی کی تلقین کی جاتی ہے :-

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً و بالوالدین احساناً (نساء-۶)

اور خدا کو پوجو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ سے نیکی کرو۔

والدین کی نافرمانی حرام ہے

کفار کو حقیقتاً حرام چیزوں سے آگاہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم الا تشرکوا بہ شیئاً و بالوالدین احساناً (انعام-۱۹)

کہہ - اے پیغمبر! آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے پروردگار نے تم پر کیا حرام کیا ہے؟ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ سے نیکی کرنا یعنی شرک اور والدین کی نافرمانی حرام ہے۔

قرآن اور اطاعتِ والدین

*(قرآن مجید میں توحید کے بعد اطاعتِ والدین کے باب میں ارشاد ہوا:

وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احساناً ط اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلٰھما فلا تقل لھما اف و لا تنھرھما و قل لھما قولاً کریماً ہ واخفض لھما جناح الذل

اور تیرے پروردگار نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ سے نیکی کرنا۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک بھی نہ کہو اور نہ ان پر خفا ہو اور ان سے ادب کے ساتھ بولو اور ان کے لیے اطاعت

Marfat.com

من الرحمۃ وقل	کا بازو محبت سے جھکا دو اور کہو
رب ارحمھما کما ربّینی	کہ اے میرے پروردگار! تو ان پر
صغیراً ہ	رحمت فرما، جس طرح انھوں نے بچپن
(بنی اسرائیل-۳)	میں مجھے پالا۔

مُشرک والدین کی خدمت کا حکم

اللہ تعالیٰ نے شرک کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے، پھر بھی اسے اطاعتِ والدین کا اتنا پاس دیکھیے کہ ماں باپ کے مُشرک ہونے کی صورت میں بھی ان کی نافرمانی کا حکم نہیں دیا اور فرمایا کہ برابر ان کی خدمت کیے جاؤ۔ ہاں، اگر وہ تمھیں شرک کی دعوت دیں تو اسے قبول نہ کرو:

ووصّینا الانسان بوالدیہ	اور ہم نے انسان کو جتا دیا کہ والدین
حسناً وان جاھدٰک	سے نیکی کرو اور اگر وہ تجھے مجبور
لتشرک بی مالیس لک	کریں کہ تو خدا کے ساتھ اسے شریک کرے
بہٖ علمٌ فلا تطعھما	جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا
الیّ مرجعکم فانبّئکم	کہنا نہ مان۔ تم سب کو میرے پاس
بما کنتم تعملون۔	لوٹ کر آنا ہے تو میں تمھیں تمھارے
(عنکبوت-۱)	کرتوت سے آگاہ کروں گا۔

رحیم وعادل خدا نے اس سے بھی آگے بڑھ کر اطاعتِ والدین پر زور دیا اور فرمایا کہ اگر تمھارے بُت پرست والدین تمھیں بت پرست بن جانے پر مجبور کریں تو ان کے صرف اس حکم کے سوا باقی تمام احکام بسروچشم مان کر دل وجان سے ان کی اطاعت و خدمت کرو۔ فرمایا:

ووصّینا الانسان بوالدیہ	اور ہم نے انسان کو جتا دیا کہ اپنے
حملتہ امّہٗ وھناً علیٰ	والدین سے نیکی کرو۔ اس کی ماں نے
وھنٍ وّ فصالہٗ فی عامین	اسے تھک تھک کر پیٹ میں رکھا

ان اشکر لی ولوالدیک	اور دو سال میں اس کا دودھ چھڑایا
الیّ المصیر وان جاھدٰک	کہ وہ میرا اور اپنے والدین کا احسان
علیٰ ان تشرک بی مالیس	مانے۔ میرے ہی پاس پھر آنا ہے۔
لک بہٖ علمٌ فلا تطعھما	اگر وہ دونوں اس پر تجھے مجبور کریں
وصاحبھما فی الدّنیا	کہ میرے ساتھ اسے شریک کر جسے
معروفاً	تو نہیں جانتا تو ان کا یہ کہنا نہ مان
(لقمان ۔۲)	اور دنیا میں ان کے ساتھ نیکی سے گذار کر۔

حضرت ابراہیمؑ کا باپ مشرک تھا، لیکن اس کے باوجود انھوں نے خدا سے یہ دعا مانگی:

ربّنا اغفرلی ولوالدیّ	اے میرے پروردگار! مجھے اور
(ابراہیمؑ ۔۶)	میرے والدین کو بخش دے!

حضرت نوح ؑ نے بھی دعا میں یہی الفاظ کہے:

ربّ اغفرلی ولوالدیّ	اے میرے پروردگار! مجھے اور
(نوحؑ ۔۲)	میرے والدین کو بخش دے!

خدمتِ والدین کا صلہ، جنّت جو لوگ ماں باپ سے اچھا برتاؤ کرتے ہیں، ان کی خدمت کا فریضہ بہ طریقِ احسن انجام دیتے ہیں، ان کی فرمانبرداری کو اپنا اہم اصولِ زندگی قرار دے کر اسے لباسِ عمل پہناتے ہیں اور ان کے لیے بارگاہِ ایزدی میں دعائے خیر کرتے ہیں، خدائے غفور اس نیکی کے عوض اُن کے تمام گناہوں پر خطِ عفو کھینچ دیتا اور ان کا دامنِ امید اپنی رضا کے گوہر ہائے شہوار سے بھر دیتا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے:

ووصّینا الانسان بوالدیہ	اور ہم نے انسان کو تاکید کر کے
احسانًا حملتہ امّہٗ کرھًا	کہہ دیا کہ اپنے والدین سے نیکی
ووضعتہ کرھًا وحملہٗ	کرنا۔ اس کی ماں نے اسے تکلیف

وفصلهٗ ثلثون شهرًا
حتّٰى اذا بلغ اشدّهٗ
وبلغ اربعين سنةً
قال ربّ اوزعني ان
اشكر نعمتك التي
انعمت عليّ وعلى والديّ
وان اعمل صالحًا ترضٰه
واصلح لي في ذرّيّتي
انّي تبت اليك وانّي
من المسلمين اولٰئك
الّذين نتقبّل عنهم
احسن ما عملوا ونتجاوز
عن سيّاٰتهم في اصحٰب
الجنّة ط وعد الصّدق
الّذي كانوا يوعدون
(احقاف-۲)

کر کے پیٹ میں اٹھایا اور تکلیف
کر کے جنا اور تیس مہینوں تک اسے
پیٹ میں رکھنا اور دودھ چھڑانا
حتیٰ کہ وہ بچے سے بڑھ کر جوان ہوا
اور چالیس سال کا ہوا۔ اس نے کہا
میرے پروردگار! مجھے توفیق دے
کہ تیرے اس احسان کا شکر ادا کروں
جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین
پر کیا اور اس کی۔ بھی توفیق عطا کر۔
کہ میں وہ کام کروں جو تو پسند کرے
اور میری اولاد نیک کر میں تیری
طرف لوٹ کر آیا اور میں تیرے
فرمانبرداروں میں ہوں۔ یہی وہ ہیں
جن کے اچھے کام ہم قبول اور ان کے
برے کاموں سے درگزر کرتے ہیں
یہ جنت والوں میں ہوں گے۔ یہ سچائی
کا وہ عہد ہے، جس کا ان سے وعدہ
کیا گیا۔

اطاعتِ والدین اور ارشادِ رسول ﷺ

اللہ تعالیٰ کی طرح اس کے محبوب رسول اللہ ﷺ نے بھی اطاعتِ والدین کی بہت زیادہ تاکید فرماتے ہوئے اس کے ثواب وجزا پر تیز روشنی ڈالی ہے۔ ایک بار حضور انور ﷺ نے فرمایا: "وہ خوار ہوا، وہ خوار ہوا، وہ خوار ہوا۔" صحابہؓ نے عرض کی: "کون یا رسول اللہ ﷺ؟" فرمایا: "وہ جس نے اپنے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو پیری

...ور ان کی خدمت سے جنت حاصل نہ کرلی۔" ایک اور مجلس میں صحابہؓ نے ...ر تعالیٰ کو ہمارے تمام کاموں میں سے کون سا کام زیادہ پسند آتا ہے"؟ ...ت پر نماز پڑھنا۔" التماس کی: "پھر کون سا؟" فرمایا: "والدین سے نیکی کرنا" ...سا؟" فرمایا: "خدا کی راہ میں محنت اٹھانا (جہاد)۔"

جس طرح کتاب اللہ میں اطاعت خداوندی کے ساتھ ساتھ اطاعت والدین کا ذکر ہے، اسی طرح احادیث میں بھی ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم نے صحابہؓ سے فرمایا: "خدا نے تم پر ماؤں کی نافرمانی حرام کی ہے۔" ایک دفعہ حضورؐ نے حاضر خدمت صحابہؓ سے فرمایا: "تمھیں بتاؤں کہ دنیا میں سب سے بڑے گناہ کیا ہیں؟" انھوں نے عرض کی: "ضرور یا رسولؐ اللہ!" فرمایا: "خدا کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی اور ہاں جھوٹی گواہی۔" (صحیح بخاری، ترمذی، مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہؓ کا سلوک اپنی والدہ سے

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ خلیفۂ مروان کی حیثیت سے ذی الحلیفہ میں تھے اور ان کی والدہ علیحدہ ایک اور مکان میں مقیم تھیں۔ جب کبھی وہ اپنی قیام گاہ سے باہر آتے، والدہ کے مکان پر جاکر کہتے: "السّلام علیکم یا امتاہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔" والدہ جواب دیتیں: "وعلیک یا بنی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔" پھر حضرت ممدوح فرماتے: "اللہ تعالیٰ آپ پر اسی طرح رحمت نازل فرمائے، جس طرح آپ نے بچپن میں میری پرورش کی۔" وہ جواباً کہتیں: "اللہ تعالیٰ تم پر بھی اسی طرح رحمت نازل فرمائے جس طرح تم نے جوان ہو کر مجھ سے برتاؤ کیا۔" جب وہ واپسی پر اپنے مکان میں داخل ہوتے تو بھی ایسا ہی کرتے۔ (ادب المفرد)

جب تک حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ بقید حیات رہیں، انھیں چھوڑ کر فریضۂ حج کی ادائی کے لیے بھی نہ گئے۔ (ادب المفرد)

چوتھا باب

اولاد کے حقوق

حقوقِ اولاد میں اسلام کی انفرادیت

یہ حقیقت مسلّم ہے کہ اولاد پر والدین کے حقوق ہیں، لیکن یہ حقیقت بھی ناقابلِ تردید ہے کہ والدین پر بھی اولاد کے حقوق ہیں۔ عنوانِ باب کے اعتبار سے اسلام کو دنیا بھر کے مذاہب پر فضیلت حاصل ہے اور اس بے مثال انفرادیت پر اسے ناز اور بجا ناز ہے۔ ادیانِ عالم میں سے دینِ اللہ کے سوا کوئی بھی دین یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے چھوٹوں پر بڑوں کے حقوق کے ساتھ ہی بڑوں پر چھوٹوں کے حقوق بھی قائم و تسلیم کیے ہیں۔ اس ضمن میں رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد بلیغ و جامع اور ان تمام حقوق پر محیط ہے:

لیس منا من لم یرحم	جو ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ
صغیرنا ولم یوقر	کرے اور ہمارے بڑے کا ادب
کبیرنا۔ (ترمذی)	نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔

یہ وہ زرّیں اور عدیم النظیر اصول ہے کہ اگر صحیح معنی میں اسے لباسِ عمل پہنایا جائے تو زندگی کے کسی شعبے میں چھوٹوں اور بڑوں کے درمیان کوئی ناخوشگواری پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب کبھی کسی جماعت کے باہمی تعلقات میں رخنہ نظر آیا تو اس کی وجہ یہی ہوئی کہ ترازو کے یہ دونوں پلڑے متوازن نہ رہے۔

اولاد کشی کا انسداد

اولاد کا اپنے والدین پر اوّلین حق یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کی طرف سے بے پروا نہ ہوں یا ان کا نقشِ حیات محو کرنے کا باعث نہ بنیں بلکہ ان کی امکانی پرورش اور تعلیم و تربیت کر کے ان کے لیے کامیاب زندگی کے تمام وسائل مہیا کریں۔ اسی بنا پر اسلام نے عربوں کی یہ جاہلانہ رسم بیخ و بن

Marfat.com

سے اُکھاڑ کر رکھ دی کہ بچّے کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالا جائے یا لڑکی کو زندہ گاڑ دیا جائے۔ جاہل اور سنگ دل عرب یہ سفّاکانہ کام خوشی اور مرضی سے انجام دیتے تھے۔ اس کی ایک وجہ تو مذہبی تھی یعنی والدین مَنّت مانتے تھے کہ اگر فلاں کام ہو جائے تو وہ اپنے بچّے کو ذبح کر کے فلاں دیوتا کی خوشنودی کے لیے بھینٹ چڑھا دیں گے، یہ مکروہ و افسوسناک رسم عرب کے علاوہ دوسرے متعدد ملکوں میں بھی جاری تھی۔ کتاب اللہ نے بہ بانگِ دہل دُنیا بھر کی بُت پرست قوموں کا یہ عقیدہ باطل کر کے رکھ دیا:

وکذالک زین کثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکاؤھم لیردوھم ولیلبسو علیھم دینھم ولو شاء اللہ ما فعلوہ فذرھم وما یفترون۔	جس طرح کھیتوں اور جانوروں میں خدا کے برحق کے ساتھ ان کے دیوتاؤں نے اپنا حصّہ لگا لیا ہے۔ اسی طرح بہت سے مُشرکوں کو ان کے دیوتاؤں نے یہ بات خوب صورت کر کے دکھائی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل کر دیں تاکہ یہ دیوتا انھیں ہمیشہ کے لیے ہلاک کر دیں اور ان کے دین کو ان پر مشتبہ کر دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو ان مُشرکوں کو اور جو کچھ خدا پر وہ افترا کرتے ہیں کہ اللہ نے انھیں ایسا حکم دیا ہے، اسے چھوڑ دے۔
(انعام - ۱۶)	

اسی ضمن میں آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے:

قد خسر الذین قتلوا اولادھم سفھًا بغیر علم۔	گھاٹے میں ہیں وہ، جنھوں نے اپنی اولاد کو نادانی سے بے جانے قتل کیا۔

(انعام - ۱۶)

اللہ سب کو روزی دیتا ہے

اس ہولناک گناہ کی دوسری وجہ عربوں کی عام ناداری تھی۔ انھیں یہ گمان تھا کہ اولاد ہو جانے پر اس کے گوناگوں مصارف کا انتظام کرنا پڑے گا، لہٰذا وہ اس کے عالم وجود میں آتے ہی اسے نیست و نابود کر دیتے تھے۔ اسلام نے آکر انھیں بتایا کہ ہر بچہ اپنی روزی اور قسمت ساتھ لاتا ہے اور خدا ہی ساری مخلوق کو مختلف ذرائع و وسائل سے کھلاتا پلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وما من دابة في الارض الا على الله رزقها (ہود-۱)

اور زمین پر کوئی جاندار نہیں لیکن یہ کہ اس کی روزی کا فرض خدا ہی پر ہے۔

لہٰذا جاہل عربوں کو بتایا گیا:

ولا تقتلوا اولادكم خشية املاق نحن نرزقهم واياكم ان قتلهم كان خطأ كبيرا۔ (اسراء-۴)

اور اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے خوف سے مار نہ ڈالا کرو۔ ہمیں انھیں اور تمھیں دونوں کو روزی دیتے ہیں۔ ان کا مار ڈالنا بے شبہ بڑا گناہ ہے۔

قتل اولاد اور شرک

اللہ تعالیٰ نے قتل اولاد کے اہم گناہ کو شرک جیسا بدترین گناہ قرار دے کر پیغمبر عالم ؐ کے ذریعے سے جاہل عربوں کو بتایا کہ حقیقتاً انسان کے لیے حرام چیزیں کون سی ہیں:

قل تعالوا اتل ما حرم ربكم عليكم الا تشركوا به شيئا وبالوالدين احسانا ولا تقتلوا اولادكم

کہہ دے اے پیغمبر! آؤ میں تمھیں پڑھ کر سناؤں کہ تمھارے پروردگار نے تم پر کیا حرام کیا ہے۔ کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا اور مفلسی

Marfat.com

من املاق نحن نرزقکم — کے ڈر سے اپنے بچّوں کو نہ مار ڈالو۔
و ایاکم۔ — ہم تمھیں اور انھیں دونوں کو روزی
(انعام-۱۹) دیتے ہیں۔

ایک مرتبہ کسی صحابی نے عرض کی: اے خدا کے رسولﷺ! سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا: شرک۔ گزارش کی: اس کے بعد؟ ارشاد ہُوا: والدین کی نافرمانی۔ پھر التماس کی: اس کے بعد؟ فرمایا: یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے مار ڈالو، وہ تمھارے ساتھ کھائے گی۔ (صحیح بخاری) اس تعلیم نبویﷺ نے وہ معجزہ دکھایا کہ عرب میں اس گناہ کا کلیتہً استیصال کر دیا اور ایمان و یقین کی بدولت یہ خطہ اس لعنت سے ہمیشہ کے لیے پاک ہو گیا۔

لڑکی کی پیدائش پر سوگ

لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا اولاد کُشی کی سب سے زیادہ بھیانک اور تاسف خیز صورت تھی۔ جب کسی گھر میں لڑکی پیدا ہوتی تو والدین سوگ کرتے۔ باپ کو اتنا حزن و ملال ہوتا کہ وہ شرم کے مارے لوگوں کو منہ نہ دکھاتا۔ عرب یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فرشتے خدا کی لڑکیاں ہیں۔ قرآن نے کہا، تمھیں لڑکی ہو تو تمھارے لیے ننگ و عار کا موجب بنے اور اللہ کو لڑکیوں کا باپ کہو تو شرم نہ آئے:

و اذا بشر احدھم — اور جب ان میں کسی کو اس کے ہونے
بما ضرب للرحمٰن — کی خوش خبری دی جائے، جس کی تہمت
ظل وجھہ مسوداً — وہ رحمت والے خدا پر باندھتے ہیں
وھو کظیم۔ — تو اندر ہی اندر غصّے کے مارے اس کا
(زخرف-۲) منہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔

ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ باپ اس پیکرِ ننگ و عار کو پیوندِ زمین کر کے اس آفت سے مخلصی حاصل کرنے کی تدبیریں کرتے۔ قرآنِ حکیم نے عربوں کی اس حالت کی تصویر ان لفظوں میں کھینچی ہے:

و اذا بشر احدھم — اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی

Marfat.com

بالانثیٰ ظل وجہہٗ	کہ خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا
مسودًا وھو کظیم ط	مُنہ کالا پڑ جاتا ہے اور غصے کے
یتواری من القوم من	گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ اس
سوء ما بشر بہٖ	خوش خبری کے رنج کے باعث وہ
ایمسکہٗ علیٰ ھونٍ	لوگوں سے مُنہ چھپاتا پھرتا ہے کہ
ام یدسہٗ فی	آیا ذلت اٹھا کر اسے اپنے پاس رہنے
التراب ط	دے یا اسے مٹی میں چھپا دے —
(نحل - ۷)	زندہ دفن کر دے —

لڑکیوں کو زندہ گاڑنا اور بنی تمیم سارے عرب میں بالعموم اور بنی تمیم میں بالخصوص یہ بُری رسم رائج تھی۔ اس قبیلے کے رئیس قیس بن عاصم نے خود رسول اللہ صلعم کے روبرو اعتراف کیا کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے آٹھ دس لڑکیاں زندہ دفن کی ہیں (ابن جریر و ابن کثیر وغیرہ) جب قیس مسلمان ہو گئے تو یہی واقعہ حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ فرمایا: "اے قیس! ہر لڑکی کے کفارے میں ایک غلام آزاد کرو۔" گزارش کی: "اے خدا کے رسولؐ! میرے پاس اُونٹ ہیں۔" فرمایا: "اے قیس: ہر لڑکی کے کفارے میں ایک اُونٹ قربانی کرو۔" (تفسیر ابن جریر طبری بروایت قتادہ تابعی وغیرہ)

اس ہولناک گناہ کے ارتکاب میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شریک تھیں چنانچہ ایک عورت نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: "میں نے نذر مانی تھی کہ اپنے لڑکے کی قربانی کروں گی۔" فرمایا: "ایسا نہ کرو، بلکہ کفارہ دے دو۔" (موطا امام مالک)

لڑکیوں کی پرورش کا صلہ جنت اولاد کُشی کی رسمِ بد کے سیاہ و مہیب ناک بادلوں سے سرزمین عرب کی فضا تیرہ و تار ہو رہی تھی۔ جب نبوتِ محمدیؐ کا آفتاب طلوع ہوا تو شقاوت و سنگ دلی کی یہ کالی

گھٹائیں چھٹ کر انوارِ رحمت کی بارش ہونے لگی۔ وہی لڑکیاں، جو آفات و مصائب کا سرچشمہ سمجھی جاتی تھیں، اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور رافت و سعادت کا مبدار بن گئیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا: "جو کوئی ان لڑکیوں میں سے کسی لڑکی کی مصیبت میں مبتلا ہو، پھر اس سے محبت و مہربانی کا سلوک کرے تو وہ اسے دوزخ کے عذاب سے بچالے گی۔ وہ اس کے اور دوزخ کے درمیان پردہ بن کر حائل ہو جائے گی"۔

پھر ارشاد ہوا: "جو شخص دو لڑکیوں کی بھی پرورش کرے حتیٰ کہ وہ جوان ہو جائیں تو قیامت میں میرا اور اس کا مرتبہ (دو انگلیاں اٹھا کر فرمایا) یوں برابر ہو گا" (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم)

عورتوں سے بیعتِ توبہ رسول اللہ صلعم نے اس رسم بد کے انسداد کے لیے بیشتر موقعوں پر عورتوں اور مردوں سے بیعت لی۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد حکم ہوا کہ جو عورتیں مسلمان ہو جائیں، ان سے بیعتِ توبہ میں ایک دفعہ یہ بھی ہو کہ:

ولا یقتلن اولادھن — وہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی۔

(ممتحنہ)

اسی طرح فتح مکہ کے دن اور عید کے اجتماع عام میں عورتوں سے بالخصوص یہ عہد لیا گیا۔

لڑکیوں کا زندہ دفن کرنا حرام حضرت عبادہ رضی بن صامت کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ دربار رسالت میں حاضر تھے۔ نبی اکرم صلعم نے فرمایا: "ہم سے اس پر بیعت کرو کہ تم کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہراؤ گے، چوری نہ کرو گے، بدکاری نہ کرو گے اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے۔ جو اس عہد کو پورا کرے گا، اس کا معاوضہ خدا پر ہے اور اگر کسی نے ان میں سے کسی فعل کا ارتکاب کیا اور اسے قانونی سزا دی گئی تو یہ اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ اگر اس کا یہ گناہ دنیا میں پوشیدہ رہا تو اللہ کو اختیار ہے، چاہے بخش دے، چاہے عذاب دے"۔ (صحیح بخاری) صحابہ رضی سے فرمایا: "اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور لڑکیوں کا زندہ دفن

Marfat.com

کرنا حرام کیا ہے۔" (صحیح بخاری)

بایّ ذنبٍ قُتلت

علاوہ بریں قرآن حکیم کی ایک چھوٹی سی آیت نے اس رسم بد کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ کر قعرِ فنا میں دفن کرنے کے لیے وہ کام کیا، جو ضخیم کتابوں سے بھی انجام پانا غیر ممکن تھا۔ عدل گاہِ محشر میں تمام مجرم حاضر ہیں منصفِ حقیقی، انصاف کی کرسی پر متمکّن ہے۔ اعمال نامے پیش ہو رہے ہیں کہ اتنے میں ننھی ننھی معصوم بچیاں خون آلود لباس میں وہاں آموجود ہوتی ہیں شہنشاہ قہّار پوچھتا ہے:
"اے ننھی معصوم جانو! تم کس گناہ میں ماری گئیں"؟

واذا الموءدۃ سُئلت	یاد کرو، جب — قیامت میں
بایّ ذنبٍ قُتلت۔	— زندہ دفن ہونے والی لڑکی
(کورت)	سے پوچھا جائے گا کہ تو کس جرم میں ماری گئی؟

اس کا اعجازی اثر یہ ہوا کہ ننھی منّی معصوم بچیوں کو لوگ ہاتھوں میں اٹھانے لگے اور ایک ایک لڑکی کی پرورش کے لیے بیک وقت چار چار گودیں خالی ہونے لگیں۔ وہی اولاد، جو پہلے آفت و مصیبت تھی، قرۃ العین بن گئی:

والذین یقولون ربنا	— جنت انھیں بھی ملے گی، جو —
ھب لنا من ازواجنا	اور جو کہتے ہیں کہ ہمارے پروردگار!
وذریّتنا قرّۃ اعین	ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے
(فرقان۔ ٦)	ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما۔

اولاد کے حقوق اور وحیِ الٰہی

اسلام نے اولاد کی پرورش، دودھ پلانا، خبر گیری اور خرچ، ان تمام چیزوں کا بوجھ والدین پر رکھا ہے۔ اس کے بعد اولاد کی باطنی و روحانی تربیت کا درجہ ہے۔ قرآن پاک نے یہ حق یوں ادا کیا ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو
قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ	اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے
نَارًا (تحریم-۱)	بچاؤ۔

اس آگ سے مراد دوزخ کی آگ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بزرگِ خاندان پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے، وہ اولاد کی اخلاقی تربیت، دینی تعلیم اور نگہداشت کا کام بہ طریقِ احسن انجام دے کر ان تمام برائیوں سے اہل و عیال کی حفاظت کرے، جو آخر انسان کو نارِ جہنم کا سزاوار بنا دیتی ہیں۔

بچّے کو باپ کا بہترین عطیّہ

ایک موقع پر رسُول اللہ صلعم نے فرمایا: "باپ کا اپنے بچّے کو کوئی ادب سکھانا ایک صاع صدقے سے بہتر ہے"۔ ایک اور موقع پر ارشاد ہُوا: "کوئی باپ اپنے بچّے کو اس سے بہتر کوئی عطیّہ نہیں دے سکتا کہ وہ اسے اچھی تعلیم دے" (ترمذی)

ایک حدیث میں ہے: "جس کے لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ رہنے دے اور اس کی بے توقیری نہ کرے اور نہ اس پر لڑکے کو ترجیح دے، اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا" (سنن ابی داؤد)

حقوقِ اولاد میں مساوات

ایک حدیث یُوں ہے: "ایک صحابی رضؓ نے اپنے ایک لڑکے کو ایک غلام ہبہ کیا اور چاہا کہ اس پر رسُول اللہؐ کی شہادت ہو۔ انھوں نے دربارِ نبویؐ میں حاضر ہو کر اپنا مقصد ظاہر کیا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا، "کیا تم نے اپنے تمام لڑکوں کو ایک ایک غلام دیا ہے؟" عرض کی "نہیں"۔ فرمایا "تو میں ایسے ظالمانہ عطیّے پر گواہ نہ بنوں گا" (ابو داؤد)

اس سے اس قانون کی اصلاح کر دی گئی، جو مختلف قوموں، مثلاً رومیوں، اسرائیلیوں، ہندوؤں وغیرہ میں جاری تھا اور اب بھی ہے کہ جائداد صرف بڑے لڑکے کو ملے۔ اس طرح باپ کے نزدیک تمام لڑکوں کا حق برابر ہو گیا اور قانون کے رو سے چھوٹوں پر جو ظلم ہو رہا تھا، اس پر بھی خطِ نسخ کھینچ دیا گیا۔

حضرت امّ سلیمؓ کی تربیتِ اولاد

صحابۂ کرامؓ اولاد جیسی خداداد نعمت کی کماحقہٗ قدر کرتے ہوئے اس سے انتہائی محبت رکھتے اور اس کے حقوق پوری طرح ادا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ صحابیاتؓ بھی اسی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں۔ چنانچہ جب حضرت امّ سلیمؓ رفاقتِ شوہر سے محروم ہو گئیں تو حضرت انسؓ بن مالک بہت کم سن تھے، لہٰذا انھوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ جب تک بیٹے کی پرورش اور تربیت پوری طرح نہ ہو جائے گی، وہ عقدِ ثانی نہ کریں گی۔ چنانچہ وہ اس عہد پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ حضرت انسؓ خود متشکرانہ انداز میں اقرار کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ میری والدہ کو جزائے خیر دے، جنھوں نے میری پرورش، تربیت، نگہداشت اور سرپرستی کا حق پورا پورا ادا کیا۔ (طبقات ابن سعد)

Marfat.com

پانچواں باب

ازواج کے حقوق

بیویوں میں عدل و انصاف

بیوی کے حقوق ادا کرنے میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے۔ ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو انصاف کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ دورِ جاہلیت میں عجب اندھیر مچا ہوا تھا۔ اگر کوئی شخص حسن و جمال یا دولت و مال کی بناء پر کسی یتیم لڑکی سے عقد کر لیتا تو اس کی لاوارثی کے پیش نظر برائے نام باندھتا اور اس کے حقوق کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اسے لونڈی کے برابر سمجھتا۔ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے والے اور بھی زیادہ کھل کھیل کر ظلم و ستم پر کمر باندھ لیتے تھے۔ رسول اللہ صلعم۔ نے اس خرابی کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر بطریقِ احسن اس کی اصلاح فرمائی۔

خدا اور رسولؐ کے فرمان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اگر تم عدل و انصاف کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتے تو کسی یتیم لڑکی کو حبالۂ عقد میں نہ لاؤ۔ دنیا میں عورتوں کی قلت نہیں۔ جہاں چاہو، نکاح کر لو۔ ایک ہی وقت میں چار بیویوں تک کی اجازت ہے، لیکن ان میں مساوات نہ ہو سکے تو ایک بیوی پر اکتفا کرو۔" (سورۂ نساء)

اس ضمن میں نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے: "جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں انصاف نہ کرے بلکہ کسی ایک طرف مائل ہو جائے، قیامت کے روز اس کا حشر ایسے حال میں ہوگا کہ نصف دھڑ (مفلوج اور) لُنجا یعنی ایک طرف کو جھکا ہوگا۔ جس طرح وہ دنیا میں ایک طرف مائل تھا۔" (ترمذی و ابوداؤد)

بیویوں میں فرق کرنے کی سزا

بعض لوگ دو بیویوں سے نکاح کر لیتے ہیں اور ایک پر دوسری کی نسبت زیادہ

لطف وکرم کی نظر رکھتے ہیں پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اپنی اس روش میں کوئی خرابی محسوس نہیں کرتے، حالانکہ آنحضرت نے فرمایا ہے: "جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی وقعت و خاطرداری دوسرے سے زیادہ کرے، روزِ قیامت کو اس حالت میں آئے گا کہ اپنا ایک طرف کا دھڑ کھینچتا ہوگا۔ یہ دھڑ گرتا یا جھکتا ہوا ہوگا۔"

اُسوۂ رسولؐ

ازواج مطہرات کے ساتھ حضور انورؐ کا سلوک بہترین تھا۔ آپ نے بیویوں سے عدل و مساوات روا رکھنے کی جو مثال قائم کی، وہ ربع مسکون میں ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی۔ انتہا یہ ہے کہ مرضِ وصال میں بھی آپ شدید تکلیف برداشت کرکے ہر حرم محترم کے گھر میں باری باری تشریف لے جاتے رہے۔

بیویوں سے انصاف برتنا ہر مرد پر واجب ہے لیکن وہیں تک جہاں تک ضروریاتِ زندگی یا حقوق خانہ داری کا تعلق ہے۔ دلی وابستگی اور محبت و شیفتگی میں مرد بے بس ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں: "رسول اللہ صلعم اپنی بیویوں کے درمیان تقسیم میں پورا پورا انصاف ملحوظ رکھتے تھے، مگر ساتھ ہی فرمایا کرتے تھے، الٰہی میری یہ تقسیم انھیں امور میں ممکن ہے، جو میری قدرت میں ہیں، پس مجھے اس چیز میں ملامت نہ کرنا، جس کا تُو مالک ہے۔" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

حضرت عائشہؓ اور حضرت خدیجہؓ

رسول اللہ صلعم کی محبوب ترین حرم حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ تھیں، لیکن لباس و زیور سے اس محبت کو کوئی تعلق نہ تھا۔ چنانچہ وہ خود فرماتی ہیں:-

ما کانت لاحد منا	ہم تمام بیویوں کے پاس صرف ایک
الا ثوب واحد۔	ایک کپڑا تھا۔

(بخاری)

حضرت عائشہ رضؓ کے گھر میں کام کاج کے لیے کوئی خادمہ نہ تھی۔ وہ خانہ داری کے فرائض خود انجام دیتی تھیں۔ چنانچہ اپنے ہاتھ سے چکی پیسنا، آٹا گوندھنا اور کپڑے دھونا ان کا معمول تھا۔ آنحضرتؐ کو دوسری بیویوں کے مقابلے میں حضرت عائشہ رضؓ سے زیادہ محبت

Marfat.com

اس بناء پر تھی کہ وہ پرہیزگاری، خوفِ خدا، احکام کی نگہداشت اور مسائل کے سمجھنے میں تمام ازواج سے بہت آگے تھیں۔ حضرت خدیجہ رضؓ کو بھی آپ بہت چاہتے تھے کیونکہ آغاز تبلیغ میں ان سے اسلام کو جو تقویت ملی، وہ اس سے زیادہ تھی جو مدینۂ منورہ میں حضرت عائشہ رضؓ کی بدولت نصیب ہوئی۔

حضرت زینبؓ اور حضرت عائشہ رضؓ

ازواجِ مطہراتؓ میں صرف حضرت زینبؓ کو حضرت عائشہ رضؓ سے ہم چشمی کا دعویٰ تھا۔ وہ دوسری بیویوں سے بہ فخر و مباہات کہا کرتی تھیں: "رسول اللہ صلعم سے میرا عقد خود رب العالمین نے ہفت افلاک پر کیا اور تمہارے نکاح تمہارے اولیاء نے کیے" (ابن ماجہ) سرورِ عالمؐ کو حضرت عائشہ رضؓ سے انتہائی الفت و محبت تھی اور دوسری بیویاں، خصوصاً حضرت زینبؓ آرزومند تھیں کہ حضور انورؐ اس قلبی رجحان میں بھی عدل و مساوات سے کام لیں، لیکن یہ چیز آپ کے اختیار و امکان میں نہ تھی۔

صفائی میں حضرت عائشہ رضؓ کی تقریر

روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلعم حضرت عائشہ رضؓ کے گھر میں مقیم تھے۔ حضرت زینبؓ بے اجازت طیش میں بھری ہوئی اندر داخل ہوئیں اور کہنے لگیں: یارسول اللہؐ! آپ کی نظر میں تو ابوبکر رضؓ کی بیٹی کے سوا کوئی اور ہے ہی نہیں۔" ساتھ ہی درشت کلامی بھی کی، لیکن حضورؐ خاموش رہے۔ اب وہ حضرت عائشہ رضؓ کی طرف متوجہ ہوئیں اور سخت گوئی کرنے لگیں، مگر وہ بھی ضبط و تحمل سے کام لے کر مُہر بہ لب رہیں۔ جب حضرت زینبؓ جوشِ غضب میں حد سے تجاوز کر گئیں تو آنحضرتؐ نے حضرت عائشہ رضؓ کو اپنی طرف سے صفائی پیش کرنے کے لیے فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے، جو ایک فصیح البیان خطیبہ تھیں، اپنی صفائی میں ایسی شستگی سے تقریر کی کہ حضرت زینبؓ دم بخود رہ گئیں۔ یہ دیکھ کر نبی اکرمؐ کا روئے انور جگمگا اٹھا۔

(ابن ماجہ)

Marfat.com

حضرتِ معاذ بن جبلؓ اور حقوقِ ازواج

کئی بیویوں میں انصاف برتنا بے حد مشکل ہے چنانچہ ارشادِ باری ہے:-

ولن تستطیعوا ان	اور تم لوگوں میں متعدد عورتوں کے
تعدلوا بین النساء	درمیان انصاف کرنے کی طاقت
(سورۂ نساء)	نہیں ۔

یہ حقیقت مسلّم ہے لیکن بعض صحابۂ کرام رضؓ نے یہ امرِ مشکل سہل کرکے رکھ دیا۔ حضرت معاذ بن جبل رضؓ کی دو بیویاں تھیں۔ وہ ان میں ترازوئے عدل کے دونوں پلڑے یوں برابر رکھتے تھے کہ جب ایک کی باری ہوتی تو اس روز نہ دوسری کے گھر کا پانی پیتے اور نہ اس سے وضو کرتے (نزہۃ الابرار و مناقب الاخیار)

Marfat.com

چھٹا باب

ہمسایے کے حقوق

ہمسایوں پر موالات کی ذمہ داری

انسان فطرتاً مدنی الطبع ہے۔ تمدنِ انسانی کی بنیاد باہمی امداد اور اشتراکِ عمل پر قائم ہے۔ خدمتِ خلق اور انسانی ہمدردی ہر شخص کو اپنا فرض سمجھنا چاہیئے۔ شکم سیر کو چاہیے کہ بھوکے کو کھانا کھلائے، تندرست کو چاہیے کہ بیمار کی دیکھ بھال کرے۔ ایک کو کسی قسم کی تکلیف ہو تو دوسرے کو چاہیے، اس سے عملی ہمدردی کرے۔ اسی اصول کے پیشِ نظر ہر مذہب نے ہمسایوں پر باہمی محبت اور تعاون کی ذمہ داری عائد کی ہے۔ کیونکہ وقت آنے پر وہی اوروں سے پہلے ایک دوسرے کی امداد کو پہنچ سکتے ہیں۔ دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ آدمی کو اسی سے تکلیف پہنچنے کا احتمال زیادہ ہوتا ہے، جو اس سے قریب تر رہتا ہو، اس لیے ہمسایوں کے باہمی مراسم کا خوش گوار رکھنا ایک سچے مذہب کا اوّلیں فرض ہے تاکہ پڑوس جہنم کے بجائے جنت بن جائے۔

اسی نظریے کی بناء پر اسلام نے ہمسایے سے حسنِ سلوک کو ایک خاص انتظام کے تحت منضبط کر دیا ہے۔ عرب میں اسلام سے پیشتر بھی دوسرے ملکوں کی نسبت پڑوسیوں سے اچھا برتاؤ کیا جاتا تھا، لیکن اسلام نے عربوں کی اس امتیازی خصوصیت کے حسن کو چند تبدیلیوں اور اصلاحوں سے چار چاند لگا دیے۔

ہمسایوں کی قسمیں

شریعتِ اسلامی نے پڑوسی کے ساتھ ساتھ ایک اور قسم کے ہمسایے کو انسان کا پہلو نشین بنا دیا ہے، جو پڑوس میں نہ بسنے کے باوجود پڑوسی ہی کی طرح اس کا ساتھی بنا رہتا ہے، مثلاً ایک جماعت کے دو متعلم، ایک دکان کے دو حصہ دار، ایک دفتر کے دو ملازم، ایک استاد کے دو شاگرد، دو رفیقِ سفر وغیرہ۔ اصل میں یہ بھی ایک قسم کی ہمسایگی ہے، جس کا دوسرا نام رفاقت

اور مصاحبت ہے۔ ان تمام ہمسایوں میں تقدم کا حق دار وہ ہے جسے پڑوس کے علاوہ رشتہ داری، ہم مذہبی وغیرہ کا لگاؤ بھی ہو۔ اس کی عملی تشریح میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب۔ (نساء-٦)

اور خدا نے قریب ہمسایے، بیگانہ ہمسایے اور رفیقِ پہلو سے نیکی کا حکم دیا ہے۔

"قریب" اور "بیگانہ" کے معنی میں اختلاف ہے کسی کی رائے میں "قریب" کے معنی ہیں خویش اور تعلق دار، "بیگانہ" سے مراد ہے پرایا اور اجنبی۔ کوئی کہتا ہے، "قریب" کا مطلب ہے ہم مذہب اور "بیگانہ" کا مفہوم ہے دوسرے مذہب کا۔ اسلام کے نزدیک اس کا منشا یہ ہے کہ ترجیح اس ہمسایے کو ہے جس سے پڑوس کے علاوہ ربط والفت کا کوئی دوسرا لگاؤ بھی ضرور ہو، خواہ وہ کسی نوع کا ہو۔

ہمسایے کی عزت اور ارشادِ نبویؐ

خدا کے اس فرمان کی تفسیر رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے سنیے۔ ایک روز مجلسِ قدس میں آنحضرتؐ نے فرمایا: "واللہ وہ مومن نہ ہوگا، واللہ وہ مومن نہ ہوگا، واللہ وہ مومن نہ ہوگا" صحابہؓ نے عرض کی: "کون یا رسول اللہؐ؟" فرمایا: "جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں" (صحیح بخاری) ایک اور موقع پر ارشاد ہوا: "جو خدا اور روزِ جزا پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اپنے ہمسایے کی عزت کرے" (صحیح بخاری)

ایک موقع پر حضور انورؐ نے حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا: "جبریلؑ نے مجھے حقوقِ ہمسایہ کے لیے اس قدر تاکید کی کہ میں سمجھا، کہیں اسے وراثت کا حق نہ دلا دیں" (صحیح بخاری) اس میں یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ پڑوسی کا تعلق عزیزوں کے تعلق کے قریب قریب پہنچ جاتا ہے۔

Marfat.com

تعلقِ ہمسایگی کی استواری

ہمسایگی کا تعلق گہرا اور مضبوط یوں ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو تحفہ بھیجا جائے۔ اس تحفے کے لیے ضروری نہیں کہ قیمتی ہی ہو، بلکہ عام چیزیں بھی کافی ہیں۔ کھانے پینے کی چیزوں میں سے گوشت کا شوربا ہی بھیج دینا چاہیے۔

چونکہ ایسے تحفے بھیجنے کا زیادہ موقع عورتوں کو ملتا ہے، اس لیے رسول اللہ صلعم نے بالخصوص عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "اے مسلمانوں کی بیویو! تم میں کوئی ہمسائی اپنی ہمسائی کے لیے حقیر خیال نہ کرے، خواہ بکری کا کھُر ہی کیوں نہ ہو۔" (صحیح بخاری)

مومن کون ہے؟

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا: "مومن وہ نہیں، جو خود سیر ہو اور اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا رہے" (مشکوٰۃ)

یوں تو ہر بدی بدی ہے اور ہر گناہ گناہ، لیکن وہ بدی اور وہ گناہ عام بدیوں اور گناہوں سے بہت زیادہ قبیح ہے، جس کا ارتکاب اس جگہ کیا جائے جہاں نیکی ہونی لازم ہو۔ یعنی پڑوسی کے گھر میں کوئی گناہ کرنا انتہائی شرمناک ہے۔ اسی بناء پر تورات میں ہے: "تُو اپنے ہمسایے پر جھوٹی گواہی مت دے۔ تُو اپنے ہمسایے کے گھر کا لالچ مت کر۔ تُو اپنے ہمسایے کی جورو اور اس کے غلام ...... اور اس کی لونڈی اور اس کے بیل اور اس کے گدھے اور کسی چیز کا جو تیرے ہمسایے کی ہے، لالچ نہ کر۔" (خروج ۲۰-۱۷)

"تُو اپنے ہمسایے سے دغابازی نہ کر، نہ اس سے کچھ چھین لے" (احبار ۱۹-۱۳)

بدترین بدکاری اور بدترین چوری

شریعتِ اسلامی میں اس گناہ کی صرف ممانعت پر اکتفا نہیں کی گئی، بلکہ اسے دس گنا زیادہ بُرا کر کے دکھایا گیا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"زنا حرام ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے اسے حرام کیا ہے، لیکن

دس بدکاریوں سے بڑھ کر بدکاری یہ ہے کہ کوئی اپنے ہمسایے کی بیوی سے بدکاری کرے۔ چوری حرام ہے، اللہ اور اس کے رسولؐ نے اسے حرام کیا ہے۔ لیکن دس گھروں میں چوری کرنے سے بڑھ کر یہ ہے کہ کوئی اپنے ہمسایے کے گھر سے کچھ چرالے"۔ (ادب المفرد امام بخاری)

جہنمی اور جنتی

ایک صحابیہؓ بہت عبادت گزار تھیں۔ لیکن ان کی زبان درازی سے ہمسایے نالاں تھے۔ لوگوں نے یہ بات حضورؐ کی خدمت میں عرض کی۔ فرمایا: "ان میں کوئی نیکی نہیں، وہ جہنم میں داخل ہوں گی"۔ پھر صحابہؓ نے ایک اور بیوی کی کیفیت سنائی، جو صرف فرض نماز ادا کر لیتیں، مگر ہمسایوں کو دُکھ نہ دیتیں فرمایا: "اس کے لیے جنت ہے"۔

حضرت عیسیٰؑ نے ارشاد فرمایا:

"تو اپنے ہمسایے کو ایسا پیار کر، جیسا کہ اپنے آپ کو" (مرقس ۱۲-۳۰)

رسول اللہ صلعم نے ہمسایے کو اپنی طرح پیار کرنے کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ جو ایسا نہ کرے گا۔ اس کا ایمان چھن جانے کا خطرہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

"تم میں کوئی مومن نہ ہوگا، جب تک اپنے ہمسایے کی جان کے لیے

محبت ہمسایہ کا مقام

وہی پیار نہ رکھے، جو خود اپنی جان کے لیے رکھتا ہے"۔ (صحیح مسلم)

اس سے بھی زیادہ یہ کہ آنحضرتؐ نے ہمسایے کی محبت کو خدا و رسولؐ کی محبت کا معیار ٹھہرایا۔ فرمایا:۔

"جسے یہ پسند ہو کہ اللہ اور اس کا رسولؐ اسے پیار کریں یا جسے اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کا ادّعا ہو، اسے چاہیے کہ اپنے ہمسایے کا حق ادا کرے"۔ (مشکوٰۃ)

خوش اخلاق کون ہے؟

اسی بناء پر فرمایا کہ قیامت کے روز خدا کی عدالت میں سب سے پہلے دو ہمسایہ مدّعی اور مدّعا علیہ

Marfat.com

پیش ہوں گے (احمد بن حنبل) خوش اخلاق انسان وہ ہے جس کے سلوک کی تعریف اس کا ہمسایہ کرے۔ چنانچہ ایک روز صحابہ رضہ نے عرض کی: "یا رسول اللہؐ! ہمیں اپنے اچھا یا برا کرنے کا علم کیونکر ہو؟" فرمایا: "جب تم اپنے ہمسایے کو اپنے متعلق اچھا کہتے سنو تو سمجھو کہ اچھا کر رہے ہو اور جب برا کہتے سنو تو سمجھو کہ برا کر رہے ہو" (سنن ابن ماجہ)

بُرے ہمسایے سے انتقام کی ممانعت

اگر آپ کا کوئی ہمسایہ آپ سے اچھا سلوک نہ کرے تو مکان بدل کر اچھی ہمسائگی کے مقام پر سکونت اختیار کر لیں۔ لیکن ہمسایے کے برے برتاؤ کا انتقام نہ لیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی صحابی نے عرض کی "یا رسول اللہؐ! میرا ہمسایہ مجھے تنگ کرتا ہے" فرمایا: "جاؤ صبر کرو" ہمسایہ انھیں ستانے سے باز نہ آیا اور صحابی نے دو دفعہ اور حضورؐ کی خدمت میں شکایت کی۔ آخر آپ نے فرمایا: "جاؤ، گھر کا سامان اٹھا کر راستے میں بکھیر دو" صحابی نے تعمیل ارشاد کی۔ آئندو روند نے دریافت کیا، معاملہ کیا ہے؟ انھوں نے واقعہ سنایا۔ سب نے ہمسایے پر لعن طعن کی۔ وہ شرم سے پانی پانی ہو گیا اور انھیں منا کر واپس گھر لے آیا۔ ساتھ ہی وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی ایسا نہ کرے گا (ادب المفرد بخاری و داؤد)

حضرت جابرؓ اور حضرت عمرؓ

اس بہترین تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر صحابی اپنے ہمسایے کو بھائی سمجھ کر اس کی خدمت کرنے لگا۔ ایک بار حضرت جابر رضہ گوشت لیے جا رہے تھے کہ حضرت عمر رضہ نے انھیں دیکھ کر پوچھا، کیا ہے؟ حضرت جابر رضہ نے بتا دیا۔ فرمایا: "اے جابر رضہ! کیا اپنے ہی پیٹ کی فکر ہے، ہمسایے یا عزیز کا کچھ خیال نہیں؟ کیا یہ آیت بھول گئے؟

یوم یعرض الذین جس روز کافر دوزخ پر

كفروا على النار اذهبتم طيبٰتكم في حياتكم الدنيا واستمتعتم بها۔
پیش ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا، تم اپنے مزے اپنی دنیا کی زندگی میں لے جاچکے اور اس سے فائدہ اٹھاچکے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور یہودی ہمسایہ

اسلامی تعلیمات کا خوشگوار اثر یہ ہوا کہ ہمسایوں میں یگانہ و بیگانہ اور مسلم و غیر مسلم کا امتیاز بھی اٹھ گیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ رضؓ بن عمرؓ نے ایک بکری ذبح کی۔ ان کا ہمسایہ ایک یہودی بھی تھا۔ انھوں نے اہل خانہ سے پوچھا کہ کیا یہودی ہمسایے کو بھی گوشت بھیجا ہے؟ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے سنا ہے: "جبریلؑ مجھے ہمسایے سے حسن سلوک کی اس قدر تاکید کرتے رہے کہ میں سمجھا، وہ اسے ہمسایے کے ترکے کا مستحق بنا دیں گے۔"

(ابو داؤد)

ساتواں باب

زیردستوں اور غلاموں کے حقوق

تاریخ عالم کے مطالعے سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ فاتحین نے مفتوحوں کو غلام بنا لیا۔ فاتح قوم خود تختِ حکومت پر متمکن ہو کر راحت و فراغت سے زندگی بسر کرنے لگی اور رعایا کو خدمت و محنت کے کاموں کے لیے وقف کر دیا۔ ہندوستان میں اچھوت قومیں غلاموں ہی کی صف میں آتی ہیں۔ مصر، روم اور عرب میں بھی محکوموں، کمزوروں اور زیردستوں سے محنت و مزدوری اور مشقت کے کام لیے جاتے تھے۔ غلاموں کا یہ بیکس و بے بس طبقہ انتہائی فلاکت و مصیبت کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

قبولِ اسلام میں غلاموں کی سبقت اسلام جو بلند و پاکیزہ مقاصد لے کر دنیا میں آیا تھا، ان میں ایک یہ بھی تھا کہ کمزوروں اور غلاموں کی حمایت کرے اور انہیں قعرِ پستی سے نکال کر اوجِ بلندی پر پہنچائے۔ چنانچہ جب پیغمبرِ عالم صلعم نے اسلام کی دعوت و تبلیغ کا آغاز فرمایا تو قریش کے امراء و رؤساء سے پہلے ان کی کنیزیں اور غلام شمعِ توحید کی طرف پروانہ وار کھنچے چلے آئے۔ غلاموں میں زید رضؓ بن حارثہ، بلال حبشی رضؓ، عمار رضؓ، صہیب رومی رضؓ وغیرہم اور کنیزوں میں لبینہ رضؓ، ام عبیس رضؓ اور سمیہ رضؓ سب سے پہلے اسلام کی سعادت سے بہرہ مند ہوئیں۔

ہزاروں غلاموں کی آزادی اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنے اور ان سے عمدہ سلوک روا رکھنے پر بالخصوص زور دیا بلکہ آزادیٔ غلام کو خدا درجہ کارِ ثواب قرار دیا۔ چنانچہ مکہ کی زندگی کے خطرناک حالات میں بھی حضرت خدیجہ رضؓ، حضرت ابوبکر رضؓ اور اکثر آسودہ حال مسلمانوں نے بے شمار غلاموں کو کثیر رقم سے خرید خرید کر آزادی کی نعمت سے شاد کام کر دیا تھا۔

Marfat.com

مدینہ میں غلام آزاد کرنے کی تحریک نے خوب زور پکڑا ۔ صحابہ رضہ نے جاں سپارانہ سعی و جہد سے کام لے کر اسے اوجِ کمال پر پہنچا دیا اور غلاموں کی تاریک دنیا آزادی کی تجلیوں سے بقعۂ نور بن گئی ۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت حکیم رضہ بن خرام نے سو ، حضرت عائشہ رضہ نے چالیس ، حضرت عبد اللہ رضہ بن عمر رضہ نے ایک ہزار اور حضرت عبد الرحمٰن رضہ بن عوف نے تیس ہزار غلام آزاد کیے ۔

غلاموں سے حسن سلوک کا فرمانِ الٰہی امتناعِ شرک کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسرا حکم یہ دیا کہ اس کے بندوں سے نیکی کی جائے ۔ ان بندوں میں غلاموں کا طبقہ بھی شامل ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے :

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا	اور اللہ کو پوجو اور ماں باپ سے
بہ شیئًا و بالوالدین	نیکی کرو اور رشتہ دار سے اور یتیموں
احسانًا و بذی القربٰی	سے اور عزیز پڑوسی اور بیگانہ پڑوسی
والیتٰمٰی والمساکین	سے اور پہلو کے رفیق سے اور مسافر
والجار ذی القربٰی	سے اور اس سے جس کے تمہارے
والجار الجنب والصاحب	ہاتھ مالک بن گئے (یعنی غلام) اور اللہ
بالجنب وابن السبیل	غرور اور فخاری کرنے والے
وما ملکت ایمانکم	کو پسند نہیں کرتا ۔
ان اللہ لا یحب من	٥
کان مختالاً فخورًا	(نساء ۔ ۶)

غلاموں سے مساوات کا فرمانِ رسولؐ اس آخری فرد سے مراد غلام ہے ۔ دیکھیے اسلام نے اس طبقے کے متعلق کیا حکم دیا ہے ۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا : "کوئی آقا اپنے غلام کو میرا عبد نہ کہے بلکہ فتائی ، میرا جوان کہے" اور غلاموں کے بارے میں فرمایا : "وہ اپنے آقاؤں کو رب نہ کہیں بلکہ مولا کہیں" (صحیح بخاری) ساتھ ہی حقارت کے الفاظ بھی ختم کر دیے اور فرمایا :

Marfat.com

"یہ جنھیں تم غلام کہتے ہو، یہ بھی تمھارے بھائی ہیں، جنھیں اللہ نے تمھارے تحت کر دیا ہے۔ پس جسے اللہ نے تمھارے تحت کر دیا ہے، اسے وہ کھلاؤ، جو تم خود کھاتے ہو اسے وہی پہناؤ، جو تم خود پہنتے ہو اور اسے اتنا کام نہ دے دو، جو اس پر بھاری ہو جائے اور جو بھاری کام بھی دے تو اس کے کام میں خود بھی شریک ہو کر اس کی مدد کرے۔"
(صحیح بخاری)

غلام اور آقا میں مساوات صحابہ رضؓ نے رسول اللہ صلعم کے اس فرمان پر پوری طرح عمل کیا غلام اور آقا میں کوئی فرق و امتیاز نہ رہا۔

حضرت فاروق اعظم رضؓ نے فوجی حکام کے نام فرمان جاری کیا تھا کہ حلقہ بگوشِ اسلام ہونے والے رومی اور عجمی آزاد غلاموں کو ان کے قدیم مالکوں کے گھرانوں کے افراد سمجھو۔ جو اُن کا حق ہو، وہ اِن کا ہو اور اگر یہ غلام چاہیں تو اپنا ایک مستقل قبیلہ بنا لیں۔
(کتاب الاموال ابی عبید قاسم بن سلام)

لوگ غلاموں کی شادی کر دیتے، لیکن جب چاہتے، اپنی مرضی سے میاں بیوی کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیتے۔ چنانچہ ایک شخص نے اپنے غلام کی شادی اپنی لونڈی سے کر دی۔ پھر جبراً ان میں تفریق کرنی چاہی۔ غلام نے دربار نبوی ؐ میں حاضر ہو کر شکایت کی۔ رسول اللہ صلعم نے منبر پر خطبہ ارشاد فرمایا: "لوگ کیوں غلاموں کا عقد کر کے پھر علیحدگی کرانا چاہتے ہیں؟ نکاح و طلاق کا اختیار شوہر کے سوا کسی کو نہیں۔"
(سنن ابن ماجہ)

اس شفقت اور حُسنِ سلوک کا یہ خوشگوار نتیجہ رونما ہوتا تھا کہ بسا اوقات کفار تک کے غلام بھاگ بھاگ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تھے اور حضور ؐ انھیں آزادی جیسی نعمت سے بہرہ یاب فرما دیتے تھے۔

دین فطرت کی اس تعلیم اور رحم و شفقت نے غلاموں کو اسلام کا آقا اور سلطنتوں کا فرمانروا بنا دیا جس کی پُرزور و ناقابل تردید شہادت تاریخ اسلام کے زرّیں اوراق زبانِ حال سے دے رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

صحابۂ کرامؓ غلاموں اور زیردستوں کے حقوق کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ ان لوگوں سے مساویانہ سلوک ان کا معمول تھا۔ کھانے پینے اور پہننے میں کوئی فرق وامتیاز روا نہ رکھا جاتا تھا۔ غلاموں کو زدوکوب کرتے اور ان پر لعنت بھیجنے کو بہت بُرا سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے دوست کی ملاقات کو آئے۔ وہ کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ انھیں پیاس لگی تو ان کی حرم سے پانی طلب کیا۔ اس نے کنیز کو دودھ مانگ لانے کے لیے ہمسایے کے گھر بھیجا۔ کنیز دیر تک واپس نہ آئی تو ملاکہ نے اسے لعنت و ملامت کی۔ یہ سن کر حضرت عبداللہؓ واپس چلے۔ اتنے میں دوست بھی آ گئے۔ وہ بولے: "کیا آپ سے کوئی پردہ تھا ہے تکلف اندر چلے جاتے، کچھ کھاتے پیتے۔" کہا: "سب کچھ کر لیا، مگر آپ کی اہلیہ نے کنیز کو لعنت و ملامت کی اور رحمۃ للعالمینؐ نے فرمایا ہے کہ لعنت کے بے موقع ہونے کی صورت میں وہ خود لعنت کرنے والے پر عود کر آتی ہے، لہٰذا میں ڈر گیا کہ شاید کنیز معذور ہو، وہ لعنت آپ کی حرم پر عود کر آئے اور اس کی وجہ میں قرار پاؤں۔ یہ سوچ کر گھر سے باہر چلا گیا۔" (مسند ابن حنبل)

Marfat.com

آٹھواں باب

عام انسانی حقوق

والدین، اولاد، ازواج کے بعد دوسرے عزیزوں اور عام انسانوں کے حقوق ہیں:

رشتہ داروں کے حقوق اسلام نے اخلاقی تعلیم کے اعتبار سے رشتہ داروں کے حقوق پر تمام مذاہب کی نسبت زیادہ زور دیا ہے۔ قرآنِ عزیز میں متعدد مقامات پر اس کی صریح تاکید کی گئی ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

فآت ذا القربیٰ حقہ — تو قرابت دار کو اس کا حق ادا کر۔

(روم-۴)

پھر فرمایا:-

وآت ذا القربیٰ حقہ (اسرائیل-۳) — اور قرابت والے کو اس کا حق ادا کر۔

ایک اور جگہ فرمایا:-

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان و ایتاء ذی القربیٰ۔ — بے شک خدا انصاف، حسن سلوک اور قرابت دار کو دینے کا حکم کرتا ہے۔

(نحل-۱۳)

اگر کسی رشتہ دار سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو مال داروں کو اس کی امداد سے دست کش نہ ہونا چاہیے۔ فرمایا:

ولا یاتل اولوالفضل منکم والسعۃ ان — اور جو لوگ تم میں بڑائی اور کشائش والے ہوں، وہ قرابت مندوں

یؤتوا اولی القربیٰ والمساکین۔ اور محتاجوں کو دینے کی قسم نہ نہ کھا بیٹھیں۔

(نور۔ ۳)

کتاب اللہ میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

واتقوا اللہ الذی تسائلون بہ والارحام۔ (اور جس خدا کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے درخواست کرتے ہو، اس کا اور رشتوں کا خیال رکھو۔) (نساء۔ ۱)

اس آیت کی تشریح حسب ذیل حدیث سے ہوتی ہے:۔

(ایک مرتبہ کسی شخص نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں عرض کی: "اے خدا کے رسول! مجھے کوئی ایسی بات بتائیے، جو مجھے جنت میں لے جائے" فرمایا "اللہ کی عبادت کرو کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ نماز پوری طرح ادا کرو، زکوٰۃ دو اور قرابت کا حق ادا کرو" (صحیح بخاری))

مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رض کا بیان ہے کہ نبی اکرم ؐ نے فرمایا: "جسے یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں وسعت اور عمر میں برکت ہو، اسے چاہیے کہ صلۂ رحمی کرے" (صحیح بخاری) اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعمال حسنہ کے صلے میں مال و دولت اور عمر زیادہ کرتا ہے کیونکہ صلۂ رحم کی صورتیں دو ہی ہیں، ایک یہ کہ ضرورت مند اہل قرابت کو مالی امداد دی جائے۔ دوسری یہ کہ خداداد عمر کا کچھ حصہ ان کی خدمت میں صرف کیا جائے۔ پہلی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ مالی کشادگی عطا کرتا ہے اور دوسری کا یہ کہ عمر میں برکت ہوتی ہے۔

یتیموں کے حقوق مکہ معظمہ کے یتیم پیغمبر ؐ نے سایۂ پدری سے محروم بچوں کے لیے یہ احکام صادر فرمائے: "ہر مسلمان کا فرض ہے کہ یتیم بچے سے محبت اور پیار کرے۔ اس کی امکانی خدمت کرے۔ اس کے متروکہ مال کی حفاظت

اور اس کی تعلیم و تربیت کی فکر کرے۔ بلوغت کے بعد اس کے باپ کی متروکہ جائیداد اسے واپس دے۔ علاوہ بریں یتیم لڑکیوں کی حفاظت کرے۔ اور ان کے عقد و نکاح کا خاص خیال رکھے۔

اسلام سے قبل جو مذاہب تھے، ان میں یتیموں کی پرورش وغیرہ کا ذکر خال خال ملتا ہے۔ اس مظلوم طبقے کی حقیقی دادرسی اُس وقت ہوئی، جب یتیم مکہ صلعم دین اللہ کی کامل شریعت لے کر مبعوث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ حضورؐ سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے:-

الم یجدک یتیما	کیا اللہ نے تجھے یتیم نہیں پایا؟
فآوی ۰ فاما الیتیم	تو اس نے پناہ دی ... تو یتیم
فلا تقھر۔	کو نہ دبا۔

(الضحیٰ)

رسول اللہ صلعم مکہ معظمہ میں امیروں کو یتیموں کے بیکس طبقے پر رحم و کرم کی ہدایتیں فرماتے رہے۔ مدینہ میں ورود فرما ہوئے تو یہ اخلاقی ہدایات قانونی دفعات بنا دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وآتوا الیتٰمیٰ اموالھم	اور یتیموں کو ان کے وارثوں کا چھوڑا ہوا
ولا تتبدلوا الخبیث	مال دے دو اور ان کے اچھے
بالطیب ولا تاکلوا	مال کو اپنے برے مال سے بدلا نہ کرو
اموالھم الیٰ اموالکم	اور نہ اپنے مال کے ساتھ اُن کا مال
انہ کان حوبا	کھا جاؤ۔ یہ بڑے گناہ کی بات
کبیرا ۰	ہے۔

(نساء۔۱)

سورۂ اسراء میں آٹھ اخلاقی اصول بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نیت بہبود اور خیالِ اصلاح کے سوا جائداد والے یتیموں کی جائداد کے پاس تک نہ پھٹکنا چاہیے

اور ہمیشہ دامن بچا کر دیانت داری سے کام لینا چاہیے۔

صاحب جائیداد یتامی کی نسبت تو یہ تعلیم دی گئی اور نادار یتیموں کے متعلق فرمایا گیا کہ ان کی پرورش اور امداد عام مسلمانوں کا فرض ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا:

"مسلمانوں کا بہترین گھر وہ ہے، جس میں کسی یتیم سے بھلائی کی جا رہی ہو اور بدترین گھر وہ ہے، جس میں کسی یتیم سے بدسلوکی کی جاتی ہو" (ترغیب و ترہیب منذری) پھر ارشاد ہوا:

"میں اور کسی یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے۔" (صحیح بخاری)

یتیموں کی دادرسی سب سے پہلے اسلام نے کی۔ یتیم خانہ سب سے پہلے عرب میں قائم ہوا۔ کفالت یتامیٰ کی اہم ذمہ داری سب سے پہلے اسلامی حکومت نے محسوس کی۔ دنیا بھر کی اسلامی سلطنتوں نے یتیموں کے متعلق بہترین قوانین بنائے، جن کی تقلید میں سارے جہان کی غیر مسلم حکومتوں نے اپنے اپنے آئین نامے مرتب کیے۔

حاجت مندوں کے حقوق

ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ حاجت مندوں کی امکانی امداد کرے کیونکہ تاریخ انسانیت میں ایسے واقعات ہمیشہ پیش آئے اور ہمیشہ پیش آتے رہیں گے کہ ہر شخص، عام اس سے کہ وہ امیر ہو یا غریب، کبھی نہ کبھی ایسے مصائب کا ہدف بن جاتا ہے کہ اسے دوسروں سے مدد لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واما السائل فلا تنهر (ضحیٰ - ۱۰)	اور تو سوال کرنے والے کو جھڑکا نہ کر۔

رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتے ہیں

من كان فی حاجة اخيه كان الله فی حاجته ومن خرج عن مسلم كربة	جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا رہے گا، خدا اس کی ضرورت پوری کرتا رہے گا اور جو مسلمان کی کوئی مصیبت دور کرے گا، خدا

Marfat.com

خرج اللہ عنہ کربۃ من کربات یوم القیامۃ۔ قیامت کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت اس سے دور فرمائے گا۔ (صحیحین)

ایک حدیث یوں ہے:

واللہ فی عون عبدہ ما کان العبد فی عون اخیہ۔ خدا اپنے بندے کی مدد میں اس وقت تک رہتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔ (ترمذی)

واضح رہے کہ یہ ان حاجت مندوں کا معاملہ ہے بوجوہ اتفاقیہ کسی تکلیف سے دوچار ہو جائیں، اور امداد کے بغیر وہ دور نہ ہو سکے، یہ مقصود نہیں کہ سوال اور گداگری کی وہ صورت پیدا ہو جائے، جس کا تجربہ عموماً ہوتا رہتا ہے۔ سوال اور گداگری بہت بری چیز ہے، جو آگے چل کر ایک مستقل باب میں واضح ہوگا۔

بیماروں کے حقوق بیماروں کی جماعت بھی ہماری ہمدردیوں کی حقدار ہے، مریضوں سے اولین ہمدردی اسلام نے یہ دکھائی کہ بہت سے فرائض جن کے ادا کرنے سے وہ معذور ہیں، یا تو معاف کر دیے یا ان میں تخفیف کر دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا علی المریض حرج۔ اور نہ بیمار پر کوئی تنگی ہے۔ (نور۔ ٨)

لیس علی الاعمیٰ حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج۔ (فتح۔ ٢) نہ اندھے پر تنگی ہے ــ کہ وہ جہاد میں شریک ہو ــ اور نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر۔

لیس علی الضعفاء ولا نہ کمزوروں پر اور نہ بیماروں پر

علی المریض۔ ——— جہاد کے عدم شرکت کی

(توبہ-۱۲) باز پرس ہے۔

خدا نے بیماروں کو وضو اور تہجد کی نماز معاف کردی۔ احکامِ حج میں رعایت فرمادی۔ روزہ توڑنے کی اجازت دے دی۔ یہاں تک احسان کیا کہ فرمایا: کھڑے ہوکر نماز نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھ لو۔ بیٹھ بھی نہ سکو تو لیٹ کر ادا کرلو۔ جب اللہ تعالیٰ نے بیماروں کو اپنے فرائض تک معاف کردیے تو بندوں کو بھی حتی الامکان ان کے لیے ہمدردی اور غمخواری کا دامن وسیع کردینا چاہیے۔

اسلام کہتا ہے کہ دنیا میں مومن کی تکلیف اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ رسول اللہ صلعم نے عیادتِ مریضاں کے لیے خاص تاکید فرمائی ہے۔ صحابہؓ کہتے ہیں: "نبی اکرم ؐ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا تھا، جن میں ایک بیمار کی عیادت ہے۔" (سنن ابوداؤد) صحابۂ کرام ؓ نے حضورؐ کی تعلیم سے نہایت متأثر ہوکر اس باب میں مسلم اور غیر مسلم کی بھی تفریق نہ کی، چنانچہ آپ نے یہودیوں کی عیادت فرمائی ہے (صحیح بخاری) منافقوں کی بیمار پرسی کو تشریف لے گئے ہیں (صحیح بخاری) اور اسی بناء پر علماء نے غیر مسلموں کی عیادت کی بھی اجازت دی ہے (مجمع البحار)

غزوات میں بعض خواتین نے زخمیوں کی تیمارداری اور مرہم پٹی کی (صحیح مسلم) ایک صحابیہ رفیدہ حصول ثواب کے لیے مجروحوں کی دوا دارو اور خدمت کیا کرتی تھیں۔ (سیرت ابن ہشام)

ایک مرتبہ سرورِ عالمؐ نے عیادت کی فضیلت اس معجزانہ اسلوبِ بیان میں ظاہر فرمائی: "قیامت کے دن خدا پوچھے گا: "اے ابنِ آدم! میں بیمار پڑا تو تُو نے میری عیادت نہ کی" وہ جواب دے گا: "تُو تو سارے جہان کا رب تھا، میں تیری عیادت کیونکر کرتا؟" اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "کیا تجھے خبر نہ ہوئی کہ میرا بندہ بیمار ہُوا، لیکن تُو نے اس کی عیادت نہ کی۔ اگر کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔" (صحیح مسلم)

مہمانوں کے حقوق | یہ مسلمہ حقیقت مشہورِ عالم ہے کہ اہل عرب بہت زیادہ مہمان نواز

ہوتے ہیں۔ اسلام نے آکر مہمانوں کے حقوق کی اہمیت میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ قرآن شریف میں حضرت ابراہیم ؑ کے مہمانوں کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

هل اتٰك حديث ضيف	اے پیغمبر ـــ ابراہیم ؑ کے
ابراهيم المكرمين ۝	معزز مہمانوں کی حکایت بھی تم
اذ دخلوا عليه فقالوا	تک پہنچی ہے کہ جب ـــ
سلٰمًا قال سلامٌ	یہ لوگ ـــ ان کے پاس آئے تو
قومٌ منكرون	ـــ آتے ہی ـــ سلام علیک
فراغ الىٰ اهله	کی۔ ابراہیم ؑ نے سلام کا جواب دیا
فجآء بعجلٍ سمينٍ ۝	ـــ اور دل میں کہا کہ یہ ـــ
فقرّبهٗ اليهم قال	لوگ ـــ تو کچھ ـــ اجنبی ـــ سے
الا تاكلون فاوجس	معلوم ہوتے ـــ ہیں۔ پھر جلدی
منهم خيفةً ط	سے اپنے گھر جا ـــ ایک ـــ
قالوا لا تخف و	موٹا تازہ بچھڑا ـــ ان کا گوشت
بشّروه بغلامٍ	بھنوا کر مہمانوں کے لیے سلائے
عليمٍ ۝	اور ان کے سامنے رکھا تو ـــ انھوں
(ذاریات ـ ۲)	نے ـــ تامل کیا ـــ ابراہیم ؑ نے ـــ

پُوچھا، آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں؟ ـــ اس پر بھی انھوں نے کھانے سے انکار کیا تو ـــ ابراہیم ؑ ان سے جی ہی جی میں ڈرے ـ انھوں نے ـــ ان کی یہ حالت دیکھ کر ـــ کہا کہ آپ ـــ کسی طرح کا ـــ اندیشہ نہ کریں اور انھیں ایک ہوشیار فرزند کی خوشخبری بھی دی ـ

اس سے واضح ہُوا کہ مہمان اور میزبان کے درمیان سب سے پہلے سلام کا مبادلہ ہونا چاہیے۔ طعام مہمان کا فوری انتظام کرنا چاہیے لیکن اس کی نظر بچا کر، کوئی حیلہ کر کے کچھ دیر کے لیے مہمان سے علیحدہ ہو جانا چاہیے تاکہ وہ آزادی اور آسانی سے

آرام یا دوسری ضروریات سے فارغ ہو سکے۔ مہمان کے آگے بہتر سے بہتر کھانا رکھنا چاہیے لیکن اسے کھانے کا حکم نہ دینا چاہیے۔ مہمان کے کھانا کھا لینے پر خوش اور نہ کھانے پر ملول ہونا چاہیے۔ کھانا نہ کھانے کی صورت میں مہمان کو اچھے لفظوں میں عذر پیش کرنا چاہیے۔

میزبان پر مہمان کے آرام کے علاوہ اس کے حفظِ آبرو کا فریضہ بھی عائد ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص مہمان کی توہین کا مرتکب ہو تو میزبان کو مہمان کی طرف سے مدافعت کرنا لازم ہے۔ کیونکہ یہ امر خود میزبان کی توہین کے مترادف ہے۔

رسول اللہ صلعم نے مہمان نوازی کو جزوِ ایمان ٹھہراتے ہوئے فرمایا: "جو شخص اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان لایا ہے، اسے چاہیے کہ مہمان کا جائزہ عزت سے دے"۔ عرض کی گئی، "اے خدا کے رسول! اس کا جائزہ کیا ہے؟" فرمایا، "ایک دن اور ایک رات۔ مہمانی تین دن کی ہے، اس کے آگے مہمان پر صدقہ ہو گا"۔ (بخاری) پھر فرمایا: "اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان لانے والے کو چاہیے کہ مہمان کی عزت کرے"۔

خود مہمان کی ذاتی ذمہ داری کے متعلق نبی اکرمؐ نے فرمایا: "مہمان کو کسی کے پاس تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہرنا چاہیے کیونکہ اس سے میزبان کو تکلیف ہو گی اور اس پر بار پڑے گا"۔ (بخاری)

مسلمانوں کے باہمی حقوق

اسلام سے پہلے عرب میں عداوت و کینہ اور فتنہ و فساد کی آندھیاں چل رہی تھیں اور ہر شخص ہر وقت اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کو خطرے میں سمجھتا تھا۔ رسول اللہ صلعم اپنے ساتھ خون اور قرابت کے رشتے سے کہیں مضبوط دین کا ایسا رشتہ لائے، جس سے اتحاد و یگانگی کے انوار کی بارش ہونے لگی اور تمام عداوتوں کا کلیتہً استیصال ہو گیا۔ اس طرح اسلامی برادری کے قیام سے سب مسلمان بھائی بھائی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یا ایھا الذین امنوا اتقوا	اے مسلمانو! خدا سے ڈرو، جیسا
اللہ حق تقتہ ولا تموتن	کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور

Marfat.com

اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا	نہ تم مرو، لیکن مسلمان اور خدا کی رسّی سب مل کر مضبوطی سے پکڑے رہو اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو اور تم اپنے آپ پر خدا کا احسان یاد کرو کہ تم دشمن تھے تو خدا نے تمہارے دل جوڑ دیے۔ پھر تم بھائی بھائی ہو گئے۔

(آل عمران - ۱۱)

اسی اتحاد و یگانگی کو ملّتِ اسلامیہ کے جسم میں روح کی حیثیت حاصل ہے۔ سب مسلمانوں کو اتفاق و محبت سے رہنا چاہیے۔ اگر کسی معاملے میں اختلاف واقع ہو جائے تو اللہ اور رسولؐ کے حکم کو حکَم قرار دے کر یہ بہترین فیصلہ منظور کر لینا چاہیے۔ اگر خدانخواستہ جھگڑا رفع نہ ہو اور جنگ کی نوبت آجائے تو انصاف پسند مسلمانوں کو واجب ہے کہ وہ فریق ظالم سے لڑ کر اسے صلح پر مجبور کریں اور دونوں میں عادلانہ سمجھوتا کرا دیں۔

اس ضمن میں رسول اللہ صلعم نے فرمایا:

اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا۔	تم اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔

(بخاری)

صحابہ رضؓ نے گزارش کی: "اے خدا کے رسولؐ! مظلوم کی امداد تو سہل ہے، ظالم کی امداد کا طریقہ کیا ہے؟" فرمایا: "یوں کہ اس کے ہاتھ ظلم سے روک دیے جائیں۔"

مسلمانوں کی باہمی اخوّت، محبت اور مہربانی کی مزید تشریح و تاکید حبیب خدا صلعم

نے یوں فرمائی: "مسلمانوں کو ایک دوسرے پر رحم، محبت اور شفقت کرنے میں جسم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ اس کے ایک عضو میں بھی تکلیف ہو تو جسم کے تمام اعضاء بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔" (صحیح بخاری)

ایک اور موقع پر رحمت عالم ؐ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص کسی مسلمان کی دنیوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دُور کرے گا، خدا قیامت کو اس کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دُور کرے گا اور جو کسی تنگ دست پر آسانی کرے گا، خدا دنیا اور عاقبت میں اس پر آسانی کرے گا اور جو کسی مسلمان کا پردہ رکھے گا، خدا دنیا اور آخرت میں اس کا پردہ رکھے گا اور خدا اپنے بندے کی مدد میں رہتا ہے، جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں معروف رہتا ہے۔" (سنن ابی داؤد)

صحیح بخاری میں ہے: "لوگوں نے دریافت کیا اے خدا کے رسول ؐ! سب سے اچھا مسلمان کون ہے"؟ فرمایا "جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان بچے رہیں۔"

حجتہ الوداع کے مشہور خطبے میں حضور ؐ نے فرمایا: "دیکھو، میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔" ایک موقع پر ارشاد ہوا: "سب سے بڑا ربا کسی مسلمان کی آبرو کی طرف بے سبب ہاتھ بڑھانا ہے۔" (سنن ابی داؤد)
ایک حدیث یہ ہے: "آپس میں کینہ نہ رکھو، حسد نہ کرو اور ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے بُرا نہ کہو۔ اے خدا کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ اور کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ بولنا چالنا چھوڑ دے۔" (صحیح بخاری)

ایک مرتبہ فرمایا: "مومن کو لعنت کرنا یا اس پر کفر کی تہمت رکھنا اس کے قتل کے برابر ہے۔" (صحیح بخاری) ایک حدیث میں ہے: "جو کوئی قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مارے گا، خدا اس کے لیے دوزخ واجب اور جنت حرام کرے گا۔ ایک شخص نے عرض کی: "اے خدا کے رسول ؐ! اگر کوئی معمولی سی چیز ہو تو بھی"؟ فرمایا: "درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو۔" (صحیح مسلم)

پیغمبر عالم ؐ نے فرمایا: "ہر مسلمان پر اس کے مسلمان بھائی کے پانچ حق ہیں، سلام کا جواب دینا، اس کے چھینکنے پر "خدا تم پر رحمت کرے" کہنا، اس کی دعوت قبول کرنا، بیمار ہو تو عیادت کرنا اور مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ چلنا" (سنن ابی داؤد)

رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی کامل مومن نہ ہوگا، جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے" (صحیح بخاری)

غرض ہر فرزند اسلام کو چاہیے کہ وہ دوسرے مسلمان سے ایسی محبت کرے جیسی وہ اپنی ذات سے کرتا ہے، اس کا فائدہ اپنا فائدہ اس کا ضرر اپنا ضرر خیال کرے۔

عام انسانی حقوق اور صحابۂ کرام رضؓ

اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضؓ کو عام انسانوں سے حسن سلوک کی خاص توفیق عطا فرمائی تھی۔ ایک یتیم نے کسی آدمی کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا کہ فلاں نخلستان اس کا نہیں، میرا ہے۔ سرورِ عالم ؐ کا فیصلہ مدعی کے خلاف ہوا۔ یتیم رونے لگا۔ حضور ؐ کو رحم آگیا اور فریق ثانی سے فرمایا، "یہ نخلستان اس کے حوالے کر دو، اللہ تعالیٰ تمھیں اس کے عوض بہشت میں نخلستان عطا کرے گا" وہ نہ مانا۔ حضرت ابوالدحداح رضؓ نے جو وہاں موجود تھے مدعا علیہ سے کہا: "تم میرے باغ کے بدلے میں اپنا نخلستان فروخت کرتے ہو؟" اس نے رضامندی کا اظہار کیا۔ وہ دربارِ نبوی ؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: "جو نخلستان آپ یتیم کے لیے طلب فرماتے تھے، اگر میں دے دوں تو اس کے بدلے میں مجھے بہشت کا کوئی نخلستان ملے گا؟" فرمایا: "ہاں"۔ (استیعاب)

وفد عبد القیس شہنشاہ کونین صلعم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ حضور ؐ نے انصار سے فرمایا: "اپنے بھائیوں کی خاطر تواضع کرو کیونکہ وہ شکل و صورت، وضع قطع اور اسلام میں تم سے بہت ملتے جلتے ہیں اور بطیب خاطر مسلمان ہوئے ہیں"۔ انصار نے ان کے آگے دیدہ و دل فرشِ راہ کر دیے۔ صبح کو ارکانِ وفد حاضر ہوئے تو حضور ؐ نے فرمایا: "تمھارے بھائیوں نے تمھاری خاطر مدارات کیسی کی؟" عرض کی: "وہ بہت نیک آدمی ہیں، ہمارے لیے نرم و ملائم بستر بچھائے، لذیذ کھانے کھلائے اور ساری رات

کتاب و سنت کا درس دیتے رہے۔ آپ بے حد محظوظ ہوئے اور ہر رکن نے جو کچھ پڑھا تھا سنایا۔
(مسند ابن حنبل)

صحابۂ کرام رضا ایک دوسرے سے بے حد محبت رکھتے تھے، چنانچہ جب کسی صحابی کو کوئی تکلیف پہنچتی تو دوسرے صحابۂ بیتاب ہوجاتے۔ جب ابن لولو نے حضرت عمر رضا کو مجروح کیا تو تمام صحابہؓ کو اتنا حزن و ملال ہوا، گویا ان پر کبھی ایسا کوہ الم نہیں ٹوٹا۔ حضرت عائشہ رضا اشک بار تھیں (البخاری) حضرت صہیبؓ قریب آئے اور "اخیاہ" واہ اخیاہ" کہہ کر رونا شروع کردیا (نسائی) حضرت عمر رضا نے وفات پائی تو تمام صحابہؓ جنازے کے گرد جمع ہو کر دعائیں مانگنے لگے (سنن ابن ماجہ) ان کی تجہیز و تکفین سے فراغت ہوئی تو کھانے کا انتظام کیا گیا، مگر درد و قلق کے باعث کسی نے کھانے کو چھونا بھی پسند نہ کیا۔ آخر حضرت عباس رضا کے اصرار سے سب نے کھانا کھایا۔ (طبقات ابن سعد)

صحابۂ کرام رضا پریشانی، مصیبت، تنگ دستی وغیرہ میں نہایت کشادہ دلی سے ایک دوسرے کی اعانت فرماتے تھے، چنانچہ حضرت زبیر رضا فوت ہوئے تو لاکھوں روپے قرض چھوڑ گئے۔ حضرت عبداللہ رضا بن زبیر رضا ادائے قرض کی فکر میں تھے۔ ایک دفعہ حضرت حکیم بن حزام رضا ان سے ملے۔ پوچھا: "یہ قرض کس طرح ادا کروگے؟ ضرورت پڑے تو مجھ سے کہہ دینا، میں امداد دوں گا۔" یہ محض زبانی دعویٰ نہ تھا بلکہ وہ چار لاکھ سے ان کی امداد پر آمادہ بھی ہوئے، مگر انھوں نے قبول نہ کی (بخاری)

Marfat.com

نواں باب

جانوروں کے حقوق

جانوروں پر ظلم

انسان کے ذمے اس کی اپنی برادری کے علاوہ جانوروں کے حقوق بھی ہیں۔ اسلام نے حیوانوں سے مختلف طریق پر سلوک کرنے کی تاکید کی ہے۔

عہد جاہلیت میں اہل عرب وحشت و سنگ دلی کے باعث جانوروں کو شدید مظالم کا تختۂ مشق بناتے تھے۔ کبھی وہ انھیں مار کر گرا دیتے اور لوگ ان کے دعوت دینے پر تنور شکم گرم کر لیتے۔ دو آدمی شرط باندھ کر اونٹ پر اونٹ ذبح کرنے کا مقابلہ کرتے۔ جو کسی وجہ سے ٹھہر جاتا وہ بازی ہار جاتا۔ پھر ان جانوروں سے دعوتیں اڑائی جاتیں اور یہ کام بڑی بھاری سخاوت سمجھے جاتے۔ ان دنوں رواج تھا کہ جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس کی سواری کا جانور قبر پر باندھ دیا جاتا۔ اسے کھانے پینے کو کچھ نہ دیتے اور وہ یونہی بھوکا پیاسا مر جاتا۔ اسلام نے آتے ہی ایسی شقاوت و قساوت کا قلع قمع کر دیا۔

زندہ جانور کے قطع اعضاء کی ممانعت

عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ جانور کو باندھ کر نشانہ بازی کی مشق کرتے تھے۔

رسول اللہ صلعم نے ایسے جانوروں کا گوشت ناجائز قرار دے کر عام حکم صادر فرمایا کہ کسی جانور کو یوں نشانہ نہ بنایا جائے (ترمذی)۔ حضرت عبداللہ رضؓ بن عمر رضؓ نے خود آنکھوں سے دیکھا کہ لوگ مرغیوں کو باندھ کر تیر کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ وہ سخت برہم ہوئے اور انھیں منع کرتے ہوئے فرمایا، ایسا نہ کرو، نبی اکرمؐ نے ایسے لوگوں کو ملعون قرار دیا ہے (بخاری)۔ ایک نہایت سنگ دلانہ رواج یہ تھا کہ لوگ زندہ اونٹ کا کوہان اور دنبے کی چکتی کاٹ کر کھا جاتے تھے۔ حضور انورؐ نے بالعموم زندہ جانوروں کے اعضاء کاٹنے سے منع فرمایا اور ایسا کرنے والوں پر لعنت بھیجی (بخاری)

کبیرہ گناہ

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کسی جانور کو بے ضرورت قتل کرنا بہت بڑا

گناہ ہے (مستدرک حاکم) ایک موقع پر سرورِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص چڑیا یا اس سے بھی کوئی چھوٹا جانور اس کے حق کے بغیر ذبح کرے گا تو اللہ اس سے اس کے بارے میں بازپرس کرے گا۔ صحابہؓ نے گزارش کی: "اے خدا کے رسول ﷺ! اس کا حق کیا ہے"؟ فرمایا: "یہ کہ اسے ذبح کرے اور کھائے، یہ نہیں کہ اس کا سر کاٹ کر پھینک دے" (مشکوٰۃ)۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھانے میں نہیں آتا اور وہ درندہ بھی نہیں، اُن کا مارنا ناجائز ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص چڑیا کو بے ضرورت مارے گا، وہ قیامت کو بارگاہِ الٰہی میں فریاد کرے گی کہ فلاں نے مجھے بے ضرورت مارا ہے اس سے اس کا کوئی فائدہ نہ تھا (سنن نسائی) بے ضرر یا فائدہ بخش جانوروں کا مارنا بھی روا نہیں، چنانچہ رحمت عالم ﷺ نے بالخصوص ہدہد، شہد کی مکھی اور چیونٹی کے مارنے سے منع فرمایا ہے (مشکوٰۃ)

جانوروں کو دُکھ پہنچانا روا نہیں

سردار دو عالم ﷺ نے حکم دیا کہ ضرورتاً مارے یا ذبح کیے جانے والے جانوروں سے بھی مارنے یا ذبح کرنے میں انتہائی نرمی سے کام لینا چاہیے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض قرار دیا ہے، لہٰذا کسی جانور کو مارتے اور ذبح کرتے وقت اچھا طریقہ اختیار کرو۔ ہر شخص کو چھری تیز کر لینا اور ذبیحے کو آرام پہنچانا چاہیے۔" (مسلم)

ایک حدیث یوں ہے۔ ایک صحابی نے عرض کی، اے خدا کے رسول ﷺ! جب میں بکری کو ذبح کرتا ہوں تو مجھے اس پر رحم آتا ہے۔ فرمایا، اگر تم بکری پر رحم کرتے ہو تو اللہ تم پر رحم کرے گا (مسند ابن حنبل) یہی سبب ہے کہ حضور ﷺ نے دانت سے کاٹ کر یا ناخن سے خراش دے کر جانوروں کے ذبح کرنے سے منع فرمایا (نسائی) کیونکہ اس سے جانوروں کو اذیت پہنچتی ہے۔ آپ نے کنکر، پتھر یا غلیل چلانے سے بھی منع کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے نہ شکار ہو سکتا اور نہ دشمن شکست کھا سکتا ہے، البتہ اس سے دانت ٹوٹ سکتا اور آنکھ پھوٹ سکتی ہے (بخاری) حاصل یہ کہ بے ضرورت جانوروں اور پرندوں کو

Marfat.com

تکلیف دینا روا نہیں۔ جانوروں سے بیدردانہ برتاؤ کی حقیقی وجہ یہ تھی کہ اہل عرب ان ذی روح چیزوں کو صدمہ پہنچانا گناہ نہیں سمجھتے تھے۔ لہٰذا رحمۃ للعالمین نے انہیں آگاہ فرمایا کہ انسانوں کی طرح جانوروں کو دکھ درد پہنچانا بھی شرعی گناہ ہے۔

بلی کو مارنے پر عذاب

ایک عورت کے متعلق حضورؐ نے فرمایا، وہ محض اس وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوئی کہ اس نے ایک بلی کو باندھ دیا اور اسے بھوکا پیاسا رکھا۔ آخر وہ یونہی بندھی بندھی ختم ہو گئی (بخاری)۔ جو لوگ انسانوں کے مقابلے میں جانوروں کو زیادہ ایذا دیتے ہیں، وہ اس باب میں بہت زیادہ مجرم ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا، تم لوگ جانوروں سے جو بدسلوکیاں کرتے ہو، اگر اللہ انہیں معاف کر دے تو سمجھو کہ اس نے تمہارے بیشتر گناہ معاف فرما دیئے (مسند ابن حنبل)

چیونٹیوں پر شفقت

ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم صحابہؓ کے ساتھ شریک سفر تھے۔ منزل آئی تو قیام فرمایا۔ آپ کسی ضروری کام کے باعث کہیں تشریف لے گئے تھے۔ واپسی پر دیکھا کہ ایک صاحب نے چولھا ایسی جگہ گرم کر رکھا ہے، جہاں زمین میں یا درخت پر چیونٹیوں کا سوراخ تھا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ ایسا کس نے کیا ہے؟ ان صاحب نے عرض کی، اے خدا کے رسولؐ! ایسا میں نے کیا ہے۔ فرمایا، بجھاؤ، بجھاؤ (مسند ابن حنبل) مقصد یہ تھا کہ چیونٹیوں کو ایذا نہ پہنچ جائے یا جل نہ جائیں۔

چیونٹیوں کے جلانے پر خدائی انتباہ

ایک دفعہ کوئی پیغمبر کسی درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک چیونٹی نے انہیں کاٹ لیا۔ انھوں نے تمام چیونٹیوں کو جلا ڈالا۔ اس پر اللہ نے انھیں وحی کے ذریعے سے انتباہ کیا کہ ایک ہی چیونٹی کو کیوں نہیں جلایا؟ (بخاری) یعنی سزا کی مستوجب صرف کاٹنے والی چیونٹی تھی، باقی چیونٹیاں بے قصور تھیں۔

جہاد کے ایک سفر میں صحابہ کرامؓ نے ایک چڑیا کے دو بچے پکڑ لیے۔ چڑیا مامتا سے بیتاب ہو کر ان کے گرد چکر کاٹنے لگی۔ آنحضرتؐ نے دیکھا تو فرمایا کہ اس کے

Marfat.com

بچے کس نے پکڑے ہیں؟ انھیں چھوڑ دو۔ صحابہ رضؓ نے چیونٹیوں کا ایک گھر بھی نذرِ آتش کر دیا تھا۔ دریافت کے بعد آپ نے فرمایا کہ آگ کی سزا دینا صرف اللہ کو سزاوار ہے۔

(ابوداؤد)

ایک صحابی نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ میں نے اپنے اونٹوں کے لیے حوض بنائے ہیں۔ کبھی کبھی بھولے بھٹکے اونٹ بھی وہاں آجاتے ہیں۔ کیا انھیں پانی پلانے سے مجھے ثواب ملے گا؟ فرمایا کہ ہر پیاسے اور جاندار سے سلوک کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

(ابن ماجہ)

کُتّے کو پانی پلانے پر مغفرت

ایک شخص سفر کے دوران میں پیاس کی شدت سے بیتاب ہو گیا۔ اتفاقاً ایک کنواں نظر پڑا، جس میں اتر کر اس نے پانی پی لیا۔ باہر نکلا تو اس نے ایک کُتّے کو پیاس سے سخت بے قرار دیکھا۔ ترس کھا کر اسے بھی پانی پلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس عمل سے خوش ہو کر اسے بخش دیا۔ صحابۂ کرام رضؓ نے یہ واقعہ سن کر عرض کی، اے خدا کے رسولؐ! کیا جانوروں سے سلوک کرنے میں بھی ثواب ملتا ہے؟ فرمایا کہ ہر جاندار سے سلوک کرنا موجبِ ثواب ہے (بخاری)۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جانداروں کے علاوہ نباتات کی پرورش و خدمت کرنے سے بھی ثواب ملتا ہے۔ جو مسلمان کوئی درخت لگاتا یا زراعت کرتا ہے اور اس سے انسان و حیوان فائدہ اٹھاتے ہیں تو وہ ایک صدقہ یعنی کارِ ثواب بن جاتا ہے۔

(بخاری)

حیوانوں سے سلوک کے اصول

اس کے بعد رسول اللہ صلعم نے حیوانوں سے سلوک کرنے کے متعلق چند اصول بتائے:

۱۔ ہر جانور سے وہی کام لینا چاہیے، جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ ایک شخص بیل پر سوار کہیں جا رہا تھا۔ بیل نے مڑ کر کہا، مجھے اللہ نے سواری کے لیے نہیں، بلکہ فقط زراعت کے لیے پیدا کیا ہے (بخاری)۔ پھر فرمایا، اپنے جانوروں کی پیٹھ کو منبر نہ بناؤ۔ اللہ نے انھیں تمھارا تابع محض اس غرض سے کیا ہے کہ وہ تمھیں دُور دراز اور مشقت طلب مقامات پر

آسانی سے پہنچا دیں۔ تمھارے لیے اللہ نے زمین پیدا کی ہے۔ اپنی ضروریات اسی پر پوری کرو۔ (ابوداؤد)

۲۔ جانوروں کے آرام کا خیال رکھنا لازم ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، سرسبزی و شادابی کے زمانے میں سفر کرتے وقت اونٹ کو زمین کی سبزی سے فائدہ پہنچاؤ، قحط کے دنوں میں سفر کرو تو اسے تیز چلاؤ (مسلم) تاکہ وہ راستے میں پیش آنے والی گھاس، چارے کی تکلیف سے مخلصی حاصل کرے۔

۳۔ جانوروں کے منہ پر نہ مارو اور نہ اس پر داغ دو۔ ایسا کرنے والا ملعون ہے۔ (ابوداؤد)

۴۔ جانوروں کو آپس میں لڑانے سے باز رہو (ابوداؤد) اس طرح زخمی ہو کر انھیں اذیت پہنچتی ہے۔

جانوروں پر حضرت عبداللہؓ کی شفقت

صحابۂ کرام رضؓ کو جہاں انسان کی تکلیف اور درد کا گہرا احساس تھا، وہاں ان کا دل حیوانوں کی اذیت پر بھی تڑپ اُٹھتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کوئی گڈریا کسی جگہ بکریاں چرا رہا تھا کہ اس پر حضرت عبداللہؓ بن عمر رضؓ کی نظر پڑ گئی۔ انھیں اس اعتبار سے ایک اور مقام بہتر معلوم ہوا فرمایا: "بکریاں وہاں لے جاؤ، کیونکہ میں نے رحمتِ عالمؐ سے سُنا ہے، روزِ قیامت کو ہر راعی سے اس کی رعایا کے باب میں سوال کیا جائے گا۔" (ادب المفرد)

دسواں باب

صدق

صدق یا سچائی وہ بنیاد ہے، جس پر انسان کے قول اور عمل کی درستی قائم ہوتی ہے۔ دل اور زبان ایک دوسرے کے مطابق اور ہم نوا ہوتے ہیں۔ جو صادق نہ ہو، اس کا قول تمام برائیوں کا سرچشمہ بن سکتا ہے۔ جو صادق ہو، اس کے لیے گوناگوں اچھائیوں سے دامن بھر لینا آسان ہو جاتا ہے۔ صدق ایک جلی اور بالاترین عنوان ہے، جس کے ذیل میں بہت سے اوصاف اور فضائل آجاتے ہیں۔

صدق کی بدولت انسان متعدد برائیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ جو صادق ہوگا، وہ راست باز ہوگا۔ وعدہ ایفا کرے گا۔ دلیر ہوگا۔ ریاکاری، نفاق اور خوشامد سے دُور رہے گا۔ لوگ اس کے قول و عمل پر بھروسا کریں گے۔ غرض ہر لحاظ سے صدق متعدد مکارم اخلاق کی اساس قرار پاتا ہے۔

سب سے زیادہ سچا خدا ہے، اسی وجہ سے اس کی ساری شریعت سچی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۔ — اور ہم ہیں سچے۔

(انعام-۱۸)

پھر ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط — کہہ — اے پیغمبر! — اللہ نے سچ فرمایا تو ابراہیم حنیف کے دین کی پیروی کرو۔

(آل عمران-۱۰۰)

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ — اور جو سچائی لے کر آیا اور اس سچائی کو سچ مانا، وہی تو پرہیزگار ہیں۔

(زمر-۴)

Marfat.com

قصرِ نبوت کا سنگِ بنیاد صدق پیغمبروں کی سب سے پہلی فضیلت ہے، کیونکہ اسی پر نبوت کی عالی شان عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا جاتا ہے۔ خدا نے متعدد انبیاء کو صدق سے بالخصوص متصف کیا ہے۔ فرمایا:

واذکر فی الکتٰب	اور کتاب میں ابراہیمؑ کا حال بیان
ابراھیم انہ کان	کر کہ وہ بڑے سچے اور نبی تھے۔
صدیقًا نبیًّا	(مریم ۔۳)

پھر فرمایا:

واذکر فی الکتاب	اور کتاب میں ادریسؑ کا حال بیان
ادریس انہ کان	کر کہ وہ بڑے سچے اور نبی تھے۔
صدیقًا نبیًّا	(مریم ۔۴)

پھر ارشاد ہوا:

و امہ صدیقۃ	اور اُن ــــ عیسٰیؑ ــــ کی ماں بڑی سچی تھیں۔
(مائدہ ۔۱۰)	

پھر فرمایا:

یوسف ایھا الصدیق	یوسفؑ! اے بڑے سچے!
	(یوسفؑ ۔۶)

مزید ارشاد ہوا:

واذکر فی الکتاب	اور کتاب میں اسمٰعیلؑ کا ذکر کر۔
اسمعیل انہ کان	بے شبہ وہ وعدے کا سچا اور
صادق الوعد و	بھیجا ہوا نبی تھا۔
کان رسولا نبیًّا	(مریم ۔۴)

صدق کا مقام بلند

راست بازوں کا درجہ ملاحظہ فرمائیے :۔

ان المسلمین والمسلمات	بیشک اسلام قبول کرنے والے مرد
والمؤمنین والمؤمنات	اور عورتیں، ایمان لانے والے مرد
والقنتین والقنتت	اور عورتیں اور فرمانبردار مرد اور
والصادقین والصادقات	عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں
الآیہ ...... اعد اللہ	...... خدا نے ان کے لیئے مغفرت
لھم مغفرۃ و اجراً	اور بڑی مزدوری رکھی ہے ۔
عظیماً ہ	(احزاب ۔ ۵)

اسلام میں صدق کی اہمیت کا درجہ بہت بلند کر دیا گیا ہے ۔ صدق پر کاربند ہونے کے حکم پر حکم دینے کے علاوہ یہ تاکید بھی کی گئی ہے کہ ہمیشہ سچوں کا ساتھ دو ۔ سچوں ہی کی جماعت سے تعلق رکھو اور انھیں کے پاس اٹھو بیٹھو تاکہ ان کی سچائی تمھیں بھی سچا بنا دے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

یاایھا الذین امنوا	اے ایمان والو! خدا سے ڈرو
اتقوا اللہ وکونوا	اور سچوں کے ساتھ ہو ۔
مع الصادقین ۔	(توبہ ۔ ۱۵)

صدق کے معنی میں بڑی وسعت ہے اور وہ محض قول کی نہیں، بلکہ عمل کی بھی ہر سچائی پر مشتمل ہے ۔ سچائی کی تین بڑی بڑی قسمیں قرار دی جا سکتی ہیں :۔

۱۔ زبان کی سچائی ۲ ۔ دل کی سچائی ۳ ۔ عمل کی سچائی

زبان کی سچائی

یعنی زبان سے جو لفظ یا جملہ نکلے، وہ سچائی پر مبنی ہو ۔ اس کی پابندی ہر مسلمان پر فرض ہے ۔ یہ اسلام اور ایمان کا نمایاں نشان ہے ۔ اس کے برعکس ہر قسم کا جھوٹ دل کے نفاق کے مترادف ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لیجزی اللہ الصادقین	تاکہ خدا سچوں کو ان کی سچائی کا عوض

Marfat.com

بصدقھم و یعذب — دے اور منافقوں کو سزا
المنافقین ان شاء — دے، اگر چاہے۔۔۔
الآیہ — (ع-۳)

اس آیت میں صادق کا مقابل منافق کو بتایا گیا ہے، جس سے ظاہر ہوا کہ صدق سے ایمان اور جھوٹ سے نفاق پیدا ہوتا ہے۔ یہی حقیقت رسول اللہ صلعم کے ارشادات میں مختلف اسالیب بیان سے واضح کی گئی ہے۔ ایک موقع پر حضور انور نے فرمایا:

"مومن ہر خصلت سے پیدا ہوسکتا ہے، بجز خیانت اور جھوٹ کے" (عن ابی امامۃ مسند احمد وغیرہ)۔ پھر فرمایا: "کسی بندے کا ایمان پورا نہیں ہوگا، جب تک وہ جھوٹ کو ہر طرح ترک نہ کردے، حتیٰ کہ مذاق اور جھگڑے میں بھی، اگرچہ وہ حق ہی پر کیوں نہ ہو" (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، نبی اکرم صلعم نے فرمایا: "منافق کی علامتیں تین ہیں:

۱۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے ۲۔ جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اور ۳۔ جب امین بنایا جائے تو بے ایمانی کا مرتکب ہو" (صحیح بخاری)

ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا: "سچ بولنا نیکی کا راستہ بتاتا ہے اور نیکی جنت کو لے جاتی ہے اور آدمی سچ بولتا جاتا ہے اور سچ بولتے بولتے وہ صدیق ہو جاتا ہے اور جھوٹ بدکاری کا راستہ بتاتا ہے اور بدکاری دوزخ کو لے جاتی ہے اور آدمی جھوٹ بولتا جاتا ہے حتیٰ کہ جھوٹ بولتے بولتے وہ خدا کے ہاں جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے"

(صحیح بخاری)

دل کی سچائی

یعنی جو بات کی جائے، اس کی شہادت زبان کے علاوہ دل بھی دے۔ بعض اوقات زبان سے نکلی ہوئی سچی بات بھی اس وجہ سے جھوٹ بن جاتی ہے کہ وہ دل کی گہرائی سے نہیں نکلتی۔ سچائی یہ ہے کہ دل میں جو بات ہو، اسے من وعن زبان سے ادا کردیا جائے، ورنہ اسے نفاق کہیں گے۔ ایک حدیث یوں ہے کہ "قیامت کے دن خدا کے سامنے تین آدمی یعنی ایک عالم ایک شہید اور ایک دولت مند پیش ہوں گے اور ہر ایک اپنے علم و دولت اور جانبازی کے کارنامے بیان کرے گا، لیکن یہ کارنامے

Marfat.com

سُن کر خدا کہے گا کہ تم جھوٹ بکتے ہو اور فرشتے بھی یہی کہیں گے۔" (ترمذی) اگرچہ یہ کارنامے واقعات کے اعتبار سے صحیح ہوں گے، لیکن وہ چونکہ خلوص سے خالی ہوں گے اور ان کی بناء حصولِ شہرت پر رکھی گئی ہوگی، اللہ خدا انہیں جھوٹ کہے گا۔ کیونکہ ان کا اصل مدعا رضائے الٰہی نہیں بلکہ حصولِ ناموری ہوگا، جس کا اللہ کے نزدیک کوئی صلہ نہیں۔

عمل کی سچائی اس سے یہ مراد ہے کہ ظاہری اعمال باطنی اوصاف کے مطابق ہوں۔ مثلاً کوئی شخص بڑے خشوع وخضوع سے نماز پڑھتا ہے اور اس سے مدعا محض دکھاوا ہے تو وہ یقیناً ریاکار اور جھوٹا ہے۔ لیکن ایک عمل جھوٹ اس سے بھی نازک تر ہے۔ مثلاً کوئی شخص دکھاوے کے لیے ایسا نہیں کرتا۔ پھر بھی بظاہر اس کی نماز سے جس خشوع وخضوع کا اظہار ہوتا ہے اس کے باطن میں وہ خشوع وخضوع مفقود ہے۔ اللہ اس کے ظاہری اعمال باطنی سے ہم آہنگ نہیں، اس وجہ سے بھی وہ اپنے ان اعمال میں صادق نہیں۔ اسی بناء پر جو مسلمان پختہ ایمان کے بعد راہِ خدا میں جان ومال سے جہاد کر گئے انہیں اللہ تعالیٰ نے سچے قرار دیا۔ ارشاد باری ہے:۔

انما المومنون الذین	مسلمان تو وہی ہیں کہ جو اللہ اور اس
آمنوا باللہ ورسولہ	کے رسولؐ پر ایمان لائے۔ پھر
ثم لم یرتابوا و	کسی طرح کا شک وشبہ
جاھدوا باموالہم	نہیں اور اللہ کے راستے میں اپنی
وانفسہم فی سبیل	جان ومال سے جہاد کیا۔ یہی سچے
اللہ اولئک ھم	لوگ ہیں۔
الصٰدقون۔	(حجرات-۲)

اس عملی صدق کا ایک مرتبہ یہ ہے کہ ارادہ کرنے کے بعد اس میں کوئی کمزوری یا تذبذب نہ پایا جائے۔ اس طرح کا صادق العزم مومن کامل کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا، کیونکہ منافق لوگ اس کڑی آزمائش میں ناکام رہتے ہیں۔

عملی صدق کا اس سے بالاتر مرتبہ یہ ہے کہ وعدہ کرنے کے بعد مقررہ وقت آنے پر

اسے پورا کر کے بھی دکھایا جائے۔

عملی صدق کی سب سے اونچی قسم یہ ہے کہ زبان کا ہر لفظ، دل کا ہر عزم اور عمل کی ہر حرکت حق وصداقت کی تصویر بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ایسے ہی حضرات کو صدیق کا خطاب دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔

والذین آمنوا باللہ ورسلہ اولٰئک هم الصدیقون۔	اور جو خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ وہی صدیق ہیں۔

(حدید۔ ۲)

گویا صدیقیت کی نعمت اس کامل ایمان کی بدولت ملتی ہے جو ہمیشہ عمل سے پیوستہ رہتا ہے۔

غرض اسلامی تعلیم نے صدق کی تلقین بے اندازہ وسعت وجامعیت سے کی ہے اور اس نکتے پر تیز روشنی ڈالی ہے کہ جب کوئی مسلمان زبان، دل اور عمل تینوں کے اعتبار سے صدق کا پیکر بن جائے تو وہ کامل راست باز اور صادق کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔

حضرت کعبؓ کی حق گوئی

صحابۂ کرام رضؓ کے نزدیک جھوٹ بدترین خلق تھا۔ غزوۂ تبوک میں بعض اصحاب شریک نہ ہوسکے۔ نبی اکرمؐ نے بازپرس فرمائی۔ منافقین نے تو یونہی جھوٹے سچے عذر پیش کر دیئے مگر حضرت کعبؓ بن مالک نے دروغ گوئی سے یکسر احتراز کرتے ہوئے سچی بات من وعن کہہ دی: "میں جھوٹ موٹ کوئی عذر پیش نہیں کروں گا، کیونکہ اگر میں ایسا کر کے حضورؐ کی ناراضی سے بچ بھی جاؤں تو ڈرتا ہوں کہ مبادا اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے یعنی وحی کے ذریعے سے حقیقت کا علم ہو جائے۔ اگر راست گوئی سے کام لوں گا تو گو حضورؐ مجھ سے خفا ہو جائیں گے، لیکن خدائے رحیم سے معافی کی امید رہے گی۔ واللہ میں ہرگز معذور نہ تھا۔ واللہ میں آج کل سے زیادہ کبھی بالدار اور چاق چوبند نہ تھا۔" حضورؐ نے فرمایا: "اس

نے سچ سچ کہہ دیا"۔ اگرچہ آپ تو ان سے بے حد خفا ہوئے، لیکن بارگاہِ ایزدی میں ان کی توبہ قبول ہوگئی تو وہ خود اس صدق بیانی پر فخر کرنے لگے۔ چنانچہ خود ان کا قول ہے:-

ما انعم الله علی من	اسلام لانے کے بعد اللہ نے مجھ
نعمة قط بعد ان	پر کوئی ایسا احسان نہیں کیا جس کی
هدانی للاسلام اعظم	عزت میرے دل میں اس سچائی سے
فی نفسی من صدقی	زیادہ ہو، جس کا اظہار میں نے آپ
لرسول الله ان لا	کے سامنے کیا۔ اگر میں جھوٹ بولتا
اکون کذبته فاهلك	تو اسی طرح ہلاک ہو جاتا، جس طرح
کما هلك الذین	وہ لوگ ہلاک ہوئے، جو جھوٹ
کذبوا۔	بولتے تھے یعنی منافقین۔

(بخاری)

گیارھواں باب

میانہ روی

میانہ روی یا اعتدال کے معنی ہیں کسی امر میں افراط و تفریط سے بچ کر درمیانی راہ پر چلنا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو امتہً وسطاً کہا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کا مذہب کمی و بیشی کے درمیان ہے (تفسیر کبیر فخر رازی ؒ) لہٰذا اس نے اعتدال کی تعلیم پر بہت زور دیا ہے، حتیٰ کہ عبادات میں یہی اصول پیشِ نظر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ولا تجهر بصلوتك	اور تو نہ پکار اپنی دعا (یا نماز) میں
ولا تخافت بها وابتغ	اور نہ چپکے پڑھ اور ڈھونڈ لے
بين ذالك سبيلا۔	اس کے درمیان راستہ۔

(بنی اسرائیل - ۱۲)

رسول اللہ صلعم نے فرمایا:۔

اكلفوا من الاعمال	عمل کا التزام اتنا ہی کرو، جتنا
ما يطيقون۔	کر سکو۔

(صحیح بخاری)

لفظ عمل میں عمومیت کے علاوہ خاص مفہوم یہ رکھا گیا ہے کہ صوم و صلوٰۃ وغیرہ عبادات میں اعتدال برتو، یعنی نفل اتنے پڑھو، جتنے آسانی سے پڑھ سکو اور ہمیشہ کے لیے یہ التزام قائم رکھ سکو۔

چال ڈھال کے متعلق ارشاد باری ہے:۔

واقصد في مشيك	اور درمیانی چال چل۔

(لقمان - ۱)

Marfat.com

تمام مذاہب میں سخاوت اور بخشش کی شدید تاکید کی گئی ہے اور جو شخص زیادہ سے زیادہ مال خیرات میں صرف کرے، اس کی زیادہ سے زیادہ تعریف کی جاتی ہے، لیکن اسلام نے اس امر میں بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور یہ روش پسند نہیں کی کہ دوسروں کا گھر بھرے جاؤ اور خود نان و نفقہ کے محتاج ہو جاؤ۔ قرآنِ عزیز میں ہے:۔

ولا تجعل یدك مغلولةً	اور نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن میں
الیٰ عنقك ولا تبسطها	باندھ لے اور نہ اسے بالکل کھول
کل البسط فتقعد ملومًا	دے کہ تو بیٹھ جائے، ملامت کا
محسورًا ۔	نشانہ بن کر تھکا ہارا۔

(بنی اسرائیل۔۳)

مسلمانوں کے اخلاقی خصائص کے باب میں فرمایا:۔

والذین اذا انفقوا لم	اور جو خرچ کریں تو فضول خرچی
یسرفوا ولم یقتروا	نہ کریں اور نہ بہت تنگی کریں اور ہو
وکان بین ذالك	اس کے درمیان اعتدال سے۔
قوامًا ۔	

(فرقان۔۶)

یعنی اسراف اور بخل چھوڑ کر درمیانی راہ پر گامزن ہونا چاہیے:۔

احادیث میں اس حقیقت پر تیز روشنی ڈالی گئی ہے کہ اعتدال کی تعلیم نے زندگی کے تمام شعبے دامن میں سمیٹ لیے ہیں پیغمبر عالم ؐ نے فرمایا:۔

ما احسن القصد فی	امارت میں اعتدال کتنا اچھا ہے
الغنا، ما احسن القصد	محتاجی میں اعتدال کتنا اچھا ہے
فی الفقر، ما احسن	عبادت میں اعتدال کتنا اچھا
القصد فی العبادت	ہے۔

مطلب یہ ہے کہ نہ انسان اتنا مال دار ہو کہ قارونِ زمانہ بن کر خدا کو بھول جائے ورنہ اتنا حاجت مند کہ انتہائی پریشانیوں کے باعث اس کا دامنِ اخلاق گوہرِ حق سے خالی

Marfat.com

ہو جائے۔ بالعموم لوگ مالدار ہو کر ایسے شاہانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرنے لگتے ہیں کہ جادۂ اعتدال سے بھٹک جاتے ہیں اور بعض حاجت مندی کی حالت میں ایسی رذالت و سفاہت پر اتر آتے ہیں کہ تمام شریفانہ فضائل کو خیرباد کہہ دیتے ہیں یہ بھی بے اعتدالی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اسلام میانہ روی کی تعلیم دیتے ہوئے کہتا ہے کہ نہ تو مالداری کی حالت میں انسان کو انتہائی بلندیوں کی فضا میں پرواز کرنا چاہیے اور نہ حاجت مندی کی حالت میں رذائل کی پاتال میں گر جانا چاہیے۔

اسلام نے عبادت میں بھی میانہ روی پوری طرح ملحوظ رکھی ہے۔ عبادت نہ اتنی کم ہو کہ بندہ خدا سے غافل ہو جائے اور نہ اتنی زیادہ کہ دوسرے کاموں کے ناقابل ہو جائے۔ چنانچہ جب حضرت عثمان بن مظعون نے دن کو روزہ رکھنے اور رات کو نماز پڑھنے میں مداومت اختیار کی تو رسول اکرم ص نے انھیں منع فرما کر میانہ روی کی نصیحت کی اور فرمایا: "دوسرے حقوق بھی تمھارے ذمے ہیں۔"

Marfat.com

بارھواں باب

ایثار

جس چیز کی اپنے آپ کو حاجت نہ ہو، اُس کا کسی محتاج یا غیر محتاج کو دے دینا سخاوت ہے ایثار یہ ہے کہ دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضرورتوں پر مقدم رکھیں۔ انسان خود بھوکا رہے، دوسروں کا پیٹ بھرے۔ خود تکلیف اٹھائے اور برادرانِ ملت کو آرام پہنچائے۔ حاجت کے ہوتے ہوئے دوسرے کو دے دینا بڑا مشکل کام ہے۔

بعض بخیل مال میں اس درجہ بخل کرتے ہیں کہ بیمار ہو جائیں تو دوا نہیں کرتے یا کسی چیز کے کھانے کی خواہش ہو تو نہیں خریدتے، البتہ اگر مفت ملے تو کھا لیتے ہیں ایسے لوگ حاجت کے باوجود اپنی ذات کے ساتھ بخل کرتے ہیں۔ اور ایثار پیشہ انسان حاجت کے باوجود اپنی ذات پر دوسرے کی حاجت مقدم رکھتا ہے۔

ذیل میں ایثار نبوی ؐ کے چند واقعات ہدیۂ احباب ہوں گے۔ اس کے بعد دکھایا جائے گا کہ آنحضرت صلعم کی تعلیماتِ حقہ سے سبق آموز ہو کر امت کے ممتاز افراد میں ایثار کی روح کس طرح سرایت کر گئی تھی۔

ایثارِ نبوی ؐ حضرت خیر الانام صلعم کی ۶۳ سالہ حیاتِ طیبہ کا ہر سال، ہر مہینا، ہر دن اور ہر دن کی ہر ساعت ایثار اور فیض گستری کی مظہر تھی۔ خاصی بڑی آمدنی تھی، جس کا ایک ایک حبہ آپ ملت کی اجتماعی اور انفرادی ضروریات پر خرچ کر ڈالتے تھے اور کل کے لیے ایک پیسا بھی پس انداز نہ کرتے تھے۔ آپ خود، ازواجِ مطہرات اور اولادِ اطہار نے جس غریبانہ معیشت میں زندگی گزاری، اس کی تفصیل زہد کے باب میں بصیرت افروزِ ناظرین ہوگی۔ اس ضیق اور تنگ دستی کے باوجود آپ کی داد و دہش کا جو بحرِ بیکراں موج زن رہتا تھا، اگر اس کا احصا کیا جائے تو یقین ہے، ایثار ہی کے صد ہا واقعات معرضِ تسوید میں آ جائیں گے۔ بطورِ نمونہ چند واقعات درج کیے جاتے ہیں:-

Marfat.com

یہودی عالم کے باغات کا وقف

مخریق نامی ایک یہودی عالم، جو بہت بڑا زمیندار تھا، اپنے سات باغ اور سارا مال و متاع حضرت خیرالانام صلعم کے نام وصیت کر گیا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے

مخریق رضؓ نے تورات اور دوسرے صحفِ سماویہ میں خاتم الانبیاء صلعم کے صفات اور خصائص پڑھ کر دل میں آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے تھے۔ وہ کبھی کبھی آستانِ نبوت پر حاضر ہو کر شرف ملاقات بھی حاصل کر جایا کرتے تھے، مگر علانیہ قبول اسلام کو انھوں نے کسی اور موقعے کے لیے ملتوی کر رکھا تھا۔

آخر جس دن اُحد کا معرکہ پیش آیا تو شنبہ تھا۔ حضرت مخریق رضؓ نے اپنی قوم یہود سے کہا "تم جانتے ہو کہ محمد (صلعم) تمھارے ہمسایہ ہیں اور اعداء نے ان پر نرغہ کیا ہے۔ اس لیے تم پر لازم ہے کہ ان کا ساتھ دو۔ یہود کہنے لگے کہ آج تو ہفتہ کا دن ہے۔ مخریق رضؓ نے فرمایا: "تمھیں ہفتہ کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا"، مگر انھوں نے کوئی توجہ نہ کی۔

اب انھوں نے اعلان کیا کہ "میں نبی آخرالزماں کی تائید میں جاں سپاری کے لیے جاتا ہوں۔ اگر میں راہ خدا میں مارا جاؤں تو میرے باغات اور سارا مال، اسباب محمد (صلعم) کی ملک ہوگا"۔ اس وصیت کے بعد انھوں نے ہتھیار سنبھالے اور رسولِ خدا کے ساتھ شریک غزا ہو کر چند اعدائے دین کو نہنگِ شمشیر کے حوالے کیا۔ آخر خود بھی جام شہادت پی کر روضۂ رضواں میں چلے گئے (سیرت ابن ہشام)

پیشوائے امت صلعم نے ساتوں باغ وقف فی سبیل اللہ کر دیے۔ وہاں سے جو کچھ پیدا ہوتا وہ غرباء و مساکین میں بانٹ دیا جاتا تھا (اصابہ) حضرت مخریق رضؓ کا نام رجال کی بعض کتابوں میں مخیریق لکھا ہے۔ یہود بنی نضیر میں سے تھے۔ واقدی کا بیان ہے کہ مخریق رضؓ بہت بڑے عالم تھے۔

سیدۃ النساء رضؓ کو لونڈی دینے سے انکار

سید موجودات صلعم کی تینوں بڑی صاحبزادیاں حضرت زینب رضؓ حضرت رقیہ رضؓ اور حضرت اُمّ کلثوم رضؓ رحلت فرما چکی تھیں۔ اولاد ذکور بھی باقی نہ رہی تھی

اب آلِ عبداللہ میں صرف دو فرد سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا رضؓ اور آپ دارالہجرت میں باقی رہ گئے تھے، اس لیے سیدہ رضؓ سے آپ کی محبت غیر معمولی طور پر بڑھ گئی تھی علاوہ ازیں سیدہ کی ذاتی طہارت، پاک باطنی اور تعلق باللہ نے انھیں اَور بھی آپ سے زیادہ قریب کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ آتیں تو آپ فرطِ محبت سے کھڑے ہو جاتے، پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ بایں ہمہ حالت یہ تھی کہ چکّی پیستے پیستے سیدۃ النساء رضؓ کے ہاتھوں میں نشان پڑ گئے تھے، پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے سینہ مبارک میں درد رہنے لگا تھا اور جھاڑو دینے میں کپڑے خاک آلودہ ہو جاتے تھے۔

عہدِ رسالت میں اور اس سے پہلے عرب کے اندر قید خانوں کا کہیں وجود نہ تھا۔ اسیرانِ جنگ آتے تو انھیں حضور صلعم صحابۂ کرام رضؓ کے گھروں میں تقسیم کر دیتے۔ یہ اسلامی گھر ان قیدیوں کے لیے بہترین تربیت گاہوں کا کام دیتے تھے۔ ایک مرتبہ سرورِ کائنات صلعم کے پاس کسی لڑائی سے قیدی آئے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ جنابِ زہرائے بتول رضؓ سے کہنے لگے "آج رسولِ خدا کے پاس قیدی آئے ہیں، کاش تم اپنے والدِ محترم کے پاس جا کر ایک لونڈی مانگتیں"۔ یہ اشارہ پا کر حضرت فاطمہ رضؓ آستانِ نبوت پر گئیں، لیکن یہ دیکھ کر کہ حضورِ انور صلعم کے پاس چند آدمی بیٹھے باتیں کر رہے ہیں، واپس چلی آئیں۔

دوسرے دن پھر حاضرِ خدمت ہوئیں۔ آنحضرت صلعم پوچھنے لگے: "بیٹی! کیا کام ہے؟" وہ تو چپ رہیں لیکن حضرتِ علی رضؓ، جو جنابِ سیدہ رضؓ کے جانے سے پہلے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر تھے، بولے: "یا رسول اللہ! بات یہ ہے کہ چکّی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں گھٹّے پڑ گئے ہیں اور پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے سینے میں درد رہنے لگا ہے۔ اب حضور صلعم کے پاس قیدی آئے ہیں۔ میں نے انھیں صلاح دی تھی کہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر ایک لونڈی کے لیے درخواست کریں تاکہ اس مشقت میں تخفیف ہو۔"

سرورِ کائنات صلعم نے صاحبزادی سے خطاب کر کے فرمایا: "فاطمہؓ! خدا سے ڈرو اور اپنے پروردگار کا حکم بجا لاؤ۔ اپنے گھر کے کام خود ہی کرتی رہو۔" اس کے بعد فرمایا: "سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ، الحمدللہ ۳۳ مرتبہ اور اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ یہ تمھارے لیے خادم سے بہتر ہو گا۔" غرض آپ نے اپنی قرۃ العین کی درخواست مسترد فرما دی۔

Marfat.com

حضرت فاطمہؓ عرض پیرا ہوئیں: "یا رسولؐ اللہ! مجھے اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم بسر و چشم منظور ہے" (ابوداؤد)

اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ حضرت سیدہؓ یہی درخواست لے کر حاضر خدمت ہوئی اور ناکام واپس گئی تھیں۔ چنانچہ ابوداؤد ہی نے یہ بھی روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی دو صاحبزادیاں اُمِّ حکمؓ اور ضباعہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراؓ کے ساتھ سیدِ عالم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور تینوں تنگ دستی کا شکوہ کر کے عرض کرنے لگیں: "تمام کام اپنے ہاتھ سے کرنے پڑتے ہیں اور معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس قیدی آئے ہیں، آپ کوئی لونڈی ہمیں بھی دلوائیں۔" آپ نے فرمایا: "تم سے پہلے وہ لونڈیاں لونڈیوں کی زیادہ مستحق ہیں، جن کے باپ جنگ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ اس لیے یہ تو نہیں ہو سکتا، لیکن میں تمہیں ایک ایسی بات بتاتا ہوں جو تمہارے لیے لونڈیوں سے کہیں بہتر ہے، ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمدللہ، اور ۳۴ مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا کرو" (ابوداؤد)

اپنا کھانا مسکین کو دے دینا

پیغمبرِ خدا صلعم کی عادت تھی کہ آپ کھانا کھانے کا قصد فرماتے یا پینے کی کوئی چیز لائی جاتی اور اتنے میں کوئی محتاج آجاتا تو آپ فوراً وہ چیز اس محتاج کو دے دیتے اور خود بھوکے پیاسے رہتے (مدارج النبوۃ جلد اوّل صفحہ ۵۰) ایک دفعہ ایک غفاری آکر مہمان ہوا۔ رات کو گھر میں بکری کے دودھ کے سوا کوئی اور چیز نہ تھی۔ وہ آپ نے اس کی نذر کر دیا۔ ساری رات خانۂ نبویؐ میں فاقے سے گزری، حالانکہ اس سے پہلی شب بھی گھر میں فاقہ ہی تھا (مسند احمد جلد ۶ ص ۲۹۷)

جس طرح آپ نے ایثار کو اپنا شعار بنا رکھا تھا، اسی طرح آپ اُمت کو بھی اس پر عمل پیرا ہونے کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اور اسے پسند نہیں فرماتے تھے کہ کوئی مسلمان اپنے کھانے میں کسی نادار و مفلوک الحال مسلمان کو شریک نہ کرے۔ چنانچہ فرمایا: "ایک شخص کا کھانا دو کو، دو کا چار کو اور چار کا کھانا آٹھ آدمیوں کو کفایت کرتا ہے" (مسلم) اور

اصحابِ رسولِ مقبول ﷺ بھی اس امر کو بعید از انصاف کہتے تھے کہ کوئی مسلمان اپنا تو پیٹ بھرلے اور دوسرا مسلمان فاقہ کرے اور کھانے والے کے منہ کی طرف تکتا رہے ۔

غریب سے سلوک، خود فاقہ

ایک غریب مفلوک الحال صحابی رضؓ نے شادی کی لیکن اب دعوتِ ولیمہ کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا۔ یہ خبر بارگاہِ نبوی ﷺ میں پہنچی۔ باوجودیکہ اپنے اہل بیت اطہار کی خوراک کے مقابلے میں دوسرے کی دعوتِ ولیمہ کا اہتمام کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا، تاہم آپ نے غریب صحابی رضؓ کو احساس ناداری کے غم سے بچانے کے لیے انھیں بلا کر فرمایا: "تم میرے گھر میں جاؤ۔ عائشہ رضؓ کے پاس ٹوکری میں آٹا رکھا ہے، وہ ٹوکری مانگ لاؤ۔" وہ جا کر لے آئے حالانکہ کاشانۂ نبوت میں اس آٹے کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا (مسند احمد جلد ۴ ص ۵۸)

رفیقِ سفر کے لیے ایثار

عقبہ رضؓ بن عامر ایک صحابی کو ایک سفر میں سرورِ انبیاء صلعم کا شرفِ ہمرہی نصیب ہوا۔ آپ پہاڑ کے درے میں اونٹ پر سوار جا رہے تھے۔ آپ نے عقبہ رضؓ سے فرمایا: "آؤ اب تم سوار ہولو" انھوں نے اسے گستاخی سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ کو پیادہ بنا کر خود سوار ہوں۔ آپ نے دوبارہ کہا۔ اب انھوں نے انکار کرنا امتثال امر کے خلاف سمجھا۔ پیغمبر ﷺ خدا اپنے اونٹ سے اتر پڑے اور یہ سوار ہو لیے (نسائی)

پیشوائے امت صلعم صحابۂ کرام رضؓ کو بھی یہی حکم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی غزوے میں تشریف لے جانے لگے تو فرمایا: "اے گروہِ مہاجرین و انصار! تمھارے بعض بھائی ایسے ہیں کہ جن کے پاس نہ مال ہے اور نہ کوئی کنبہ ہے، اس لیے بہتر ہے کہ تم میں سے ہر شخص ایسے دو تین آدمیوں کو اپنے ساتھ شریک کر لے اور باری باری انھیں بھی سوار کرائیں۔"

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضؓ کہتے ہیں: "اس ارشاد کے مطابق ہر سوار نے دو دو تین تین پیدلوں کو اپنے ساتھ ملحق کر لیا۔ میرے ساتھ بھی تین آدمی تھے۔ سب

باری باری سوار ہوتے اور میں بھی اپنے اُونٹ پہ باری آنے ہی سے سوار ہوتا تھا۔ (ابوداؤد)

اپنی چادر دوسرے کو دے دینا

ایک مرتبہ آپ کی چادر پھٹ گئی۔ ایک خاتون آپ کے پاس اس ضرورت کے وقت ایک چادر لاکر عرض پیرا ہوئی: "یارسُولؐ اللہ! یہ میں آپ کو پہنانے آئی ہوں" آپ کو اس کی شدید ضرورت تھی، آپ نے اسے قبول فرما لیا۔ آپ نے پرانی چادر اُتار کر اسے پہن لیا۔ ایک شخص جو اسی مجلس میں حاضر تھا، کہنے لگا: "یارسُولؐ اللہ! یہ چادر بہت اعلیٰ ہے، یہ مجھے عطا فرما دیجئے" آپ نے معاً اُتار کر اس کے حوالے کر دی۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو اصحاب کرامؓ نے اس شخص کو ملامت کرنی شروع کی کہ تم دیکھ رہے تھے رسُولؐ خدا کو اس کپڑے کی کس درجہ احتیاج تھی، اس کے باوجود تم مانگنے سے نہ ہچکچائے اور تم جانتے ہو کہ پیغمبرؐ نے کسی درخواست کو کبھی مسترد نہیں فرمایا۔

اس شخص نے کہا: "خدا گواہ ہے، میں نے کچھ بیجا حرص نہیں کی، مگر جب میں نے دیکھا کہ حضورؐ نے اسے ایک دفعہ پہن لیا ہے تو میں نے حصول برکت کے لیے اسے مانگ لیا کہ شاید یہی متبرک چادر میرے کفن میں کام آسکے" (بخاری و ابن جریر طبری)

دو چیزوں میں ایک کا صدقہ

پیغمبرِ خدا صلعم کی عادت مبارک تھی کہ اگر کبھی کھانے کی دو چیزیں موجود ہو جاتیں تو ان میں سے ایک چیز آپ فی سبیل اللہ دے ڈالتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ اپنے فرزند حضرت عبداللہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت وہ دستر خوان پر تھے۔ انھوں نے والدِ محترم کو صدر میں جگہ دی۔ حضرت خلافت مآب کھانے میں شریک ہوئے اور دو لقمے اُٹھانے کے بعد فرمایا: "معلوم ہوتا ہے کہ گوشت میں گھی بھی ڈالا گیا ہے"

حضرت عبداللہؓ نے التماس کی: "امیر المؤمنین! موٹا گوشت بہت گراں تھا۔ اس لیے میں نے ایک درہم کا دُبلا گوشت خریدا اور اس میں ایک درہم کا گھی ڈلوایا اور دانستہ گوشت اس خیال سے لیا کہ گھر والوں کے کچھ تو حصے آئے"

یہ سُن کر امیر المؤمنینؓ نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا: "سیدِ عالم صلعم کے

Marfat.com

پاس جب دو چیزیں اکٹھی ہوتی تھیں۔ تو آپ ان میں سے ایک چیز کو کھاتے اور دوسری کو صدقہ دے دیتے تھے۔" حضرت عبداللہ رضؓ کہنے لگے: "امیر المؤمنین! اب کی مرتبہ تو کھا لیجئے۔ آئندہ جب کبھی گھی اور گوشت دونوں میسر ہوں گے، اُن میں سے ایک کو ضرور صدقہ دوں گا۔" حضرت عمر رضؓ نے فرمایا: میں (خلافِ سنت) ہرگز نہیں کھاؤں گا۔" (ابن ماجہ)

صحابۂ کرام رضؓ تربیت یافتگانِ رسولؐ انام جس طرح نوع انسان میں فرد کامل کی حیثیت رکھتے تھے، اسی طرح واہب العطایا نے انہیں اُن محاسن اخلاق سے بھی متصف کیا تھا، جو کمال کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایثار فیاضی کی اعلیٰ قسم ہے اور وہ حضرات مہاجرین و انصار میں بالعموم پائی جاتی تھی۔

انصار کا ایثار ناصر مددگار کو کہتے ہیں اور انصار اس کی جمع ہے۔ رسولِ خدا صلعم کے مکی رفقاء بے خانماں ہو کر دار الہجرت پہنچے تھے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ہر طرح حق نصرت ادا کیا، اس لیے انھیں انصار کہتے ہیں۔ انصارِ مدینہ نے نہ صرف رسولؐ خدا کو آنکھوں پر جگہ دی بلکہ آپ کے مہاجر ساتھیوں کو بھی اپنے گھروں میں ٹھہرایا، خود طرح طرح کی تکلیفیں اٹھا کر انھیں کو آرام پہنچایا اور انھیں اپنے مال و دولت کا شریک و سہیم بنایا۔ انصار نے اپنے ان اخوان مذہب کی مہمانداری کا جو حق ادا کیا، تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

انصار زراعت پیشہ لوگ اور باغات کے مالک تھے۔ انھوں نے بارگاہِ نبویؐ میں میں درخواست کی: "یا رسولؐ اللہ! آپ ہمارے کھجوروں کے باغات ہم میں اور ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرما دیں۔" آپ نے فرمایا: "مہاجر بیچارے کھیتی باڑی نہیں جانتے۔ تم لوگ خود ہی درختوں کی حفاظت اور محنت اپنے ذمے رکھو۔ جب پھل اُتر آ کا تو انھیں بانٹ دینا۔" انھوں نے اسے بسرو چشم قبول کیا (مشکوٰۃ باب الشرکتہ بحوالہ بخاری)

سرورِ عالم صلعم نے مہاجرین و انصار میں مؤاخات کا رشتہ قائم کر دیا تھا اور انصار نے مہاجرین کو ہر چیز میں اپنا شریک بنا لیا تھا۔ مؤاخات کا یہ رشتہ اس قدر مضبوط بنیاد

Marfat.com

پر قائم ہُوا کر مہاجرین انصار کے شریک وراثت بھی ہو گئے۔ اس لیے جب کوئی انصاری رہگرائے عالم جاودان ہوتا تھا تو اس کا مال و متاع اور اس کی جائداد اس کے مہاجر بھائی کو ملتی تھی۔ (بخاری کتاب الفرائض باب ذوی الارحام)

جب یہودی قبیلہ بنی نضیر کی زمین مسلمانوں کے ہاتھ آئی اور آنحضرت ﷺ نے دو انصاریوں کے سوا باقی ساری زمین مہاجرین میں بانٹ دی تو انصار نے ہنسی خوشی اور دلی خوشنودی سے یہ فیصلہ تسلیم کیا۔ اس کے بعد جب بحرین فتح ہُوا تو آپ نے انصار کو بُلا کر فرمایا: "اب بحرین کی زمین تو میں صرف آپ حضرات میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں۔ ایثار پیکروں نے التماس کی: "یا رسول اللہ ہمارے مہاجر بھائیوں میں بھی اتنی ہی زمین تقسیم فرمائیے جب ہم اسے قبول کر سکیں گے۔" (بخاری فضائل انصار)

مہاجرین مکہ کے علاوہ جو وفود اور مہاجرین دوسرے شہروں سے آتے تھے، ان کی مہمانداری کی خدمت بھی انصار ہی سے متعلق تھی اور وہ اس خدمت کو جس فیاضی و دریا دلی سے انجام دیتے تھے، اس کا اعتراف حضور خیر الانام صلعم کے سامنے وفد عبد القیس نے ان الفاظ میں کیا: "یہ لوگ کتنے اچھے بھائی ہیں۔ ہمارے لیے نرم بچھونے بچھائے۔ ہمیں نفیس غذائیں کھلائیں اور ہمیں کتاب و سنت کی تعلیم دیتے رہے۔" (مسند امام احمد جلد سوم ص ۲۰۶)

ابو طلحہ انصاری رض کا ایثار

حضرت ابوہریرہ رض سے مروی ہے کہ کوئی شخص نبی صلعم کے پاس آیا اور کہنے لگا: "میں سخت فاقہ کش اور مصیبت زدہ ہوں۔" آپ نے کسی شخص کو اپنی ایک حرم محترم کے پاس بھیجا کہ کچھ کھانے کو ہو تو لے آئیں۔ انھوں نے کہلا بھیجا: "مجھے اُسی ذاتِ برتر کی قسم، جس نے آپ کو حق و راستی کے ساتھ بھیجا، میرے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں۔" پھر دوسری زوجہ مطہرہ کے پاس بھیجا۔ وہاں سے بھی یہی جواب آیا۔ پھر یکے بعد دیگرے تمام ازواج طاہرات کے پاس پیغام بھیجا۔ ہر جگہ سے یہی جواب آیا۔ یہ دیکھ کر پیغمبر صلعم فرمانے لگے:

"جو کوئی اس شخص کی مہمانداری کرے، خدا اس پر رحم کرے گا۔"

یہ سُن کر ابوطلحہ انصاری رض کھڑے ہو گئے اور عرض کی: "یا رسول اللہ! میں انھیں اپنا مہمان بناؤں گا۔" ابوطلحہ رض اس شخص کو ساتھ لے کر گھر پہنچے اور اپنی بیوی سے دریافت کیا: "کچھ کھانے کو ہے؟" انھوں نے جواب دیا: "بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا ہے۔"

Marfat.com

ابوطلحہؓ نے فرمایا: "بچوں کو تو کسی طرح بہلا پھسلا کر سلا دو اور جب مہمان اندر آجائے تو یہ ظاہر کرو، گویا ہم بھی کھا رہے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ بظاہر بتی کا گل جھاڑنے کے لیے چراغ کی طرف جاؤ اور اسے بجھا دو (تاکہ مہمان کو ہمارے نہ کھانے کا علم نہ ہو سکے")

بیوی نے حضرت ابوطلحہؓ کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا۔ مہمان نے یہ سمجھتے ہوئے کہ میاں بیوی بھی کھا رہے ہیں، کھانا اچھی طرح تناول کیا اور خود میاں بیوی رات بھر بھوکے رہے۔ جب صبح کے وقت ابوطلحہؓ پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا خدائے برتر ابوطلحہؓ اور ان کی بیوی سے راضی ہو گیا۔" اس وقت حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (بخاری و مسلم):

والذین تبوء و الدار	اور ان لوگوں کا بھی حق ہے، جو
والایمان من قبلھم	دارالاسلام (مدینہ) میں ان مہاجروں
یحبون من ھاجر	کی آمد سے پہلے سکونت پذیر ہیں
الیھم ولا یجدون	اور اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔
فی صدورھم حاجۃ	اور جو اُن کی طرف ہجرت کر کے آتا
مما اوتوا و یؤثرون	ہے، اس سے یہ لوگ محبت کرتے
علی انفسھم ولو	ہیں اور مہاجروں کو جو کچھ بھی دیا جائے
کان بھم خصاصۃ	اس کی وجہ سے یہ اپنے دل میں کوئی طلب
(سورۂ حشر آیت ۔ ۹)	اور خواہش نہیں پاتے اور اپنے آپ پر

تنگی ہی کیوں نہ ہو (مہاجرین بھائیوں کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا ایثار

ایک مرتبہ پیشوائے امت صلعم نے حضرت عمر فاروقؓ کو عطیہ دینا چاہا لیکن انھوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ یہ اُسے دے دیجیے جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو (بخاری کتاب الزکوٰۃ)

حضرت عمرؓ نے مدینۂ منورہ کی مسلم خواتین میں چادریں تقسیم کرائیں۔ ایک عمدہ چادر بچ رہی تو کسی نے کہا: "اپنی بی بی سیدہ اُمّ کلثوم بنت علیؓ کو دے دیجیے۔" فرمایا "نہیں،

Marfat.com

اُم سُلیط رضؓ اس کی زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ غزوۂ اُحد میں مشک بھر بھر کر پانی لاتی اور مجاہدین کو پلاتی تھیں" (بخاری کتاب الجہاد)

ایک دن حُلّے تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک نہایت عمدہ حُلّہ نکلا تو لوگوں نے کہا: "اپنے صاحبزادہ عبداللہ رضؓ کو دے دیجیے" بولے "نہیں، سعید رضؓ بن عتاب یا سُلَیط رضؓ ابن سلیط کو دوں گا"(اصابہ تذکرہ عتاب) امیر المؤمنین حضرت عمر رضؓ نے اپنے عہد خلافت میں ازواج مطہرات کی تعداد کے مطابق نو پیالے تیار کرائے تھے۔ جب میوہ یا کھانے کی کوئی عمدہ چیز آتی تو ان میں بھر کر اُمّہات المؤمنین کی خدمت میں بھیجتے، لیکن سب سے آخری پیالہ اپنی صاحبزادی اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضؓ کے پاس بھجواتے تھے تاکہ جو کمی ہو وہ ان کے حصے میں آئے (مؤطائے امام مالک)

لوگوں کے وظیفے مقرر فرمائے تو لوگوں نے کہا: "رجسٹر میں پہلے اپنا نام درج فرمایئے" بولے "نہیں، اپنے آپ کو وہیں رکھوں گا، جہاں مجھے خدا نے رکھا ہے" چنانچہ قرابت داران رسول صلعم کے نام پہلے لکھوائے۔ اپنے فرزند گرامی حضرت عبداللہ رضؓ بن عمر رضؓ کا وظیفہ حضرت اُسامہ رضؓ بن زید رضؓ سے کم مقرر فرمایا تو انھوں نے کہا: "اُسامہ رضؓ کسی بات میں مجھ سے آگے نہیں رہے" تو فرمایا: "ان کے باپ تمہارے باپ سے اور وہ تم سے رسول اللہ کو زیادہ محبوب تھے"۔(فتوح البلدان)

اور اس سے بڑھ کر ایثار نفس کیا ہو سکتا ہے کہ اپنے بعد جن لوگوں کو خلافت کے لیے منتخب فرمایا، اُن میں اپنے جلیل القدر فرزند حضرت عبداللہ رضؓ بن عمر رضؓ کی نسبت صاف تصریح کر دی کہ خلافت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، چنانچہ بخاری میں یہ واقعہ بتصریح مذکور ہے ؎

حضرت عائشہ رضؓ کا ایثار

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے سید عالم صلعم اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے پہلو میں اپنی قبر کے لیے جگہ مخصوص کر رکھی تھی۔ لیکن جب امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا اور امید زیست منقطع ہوئی تو انھوں نے اُمّ المؤمنین کے پاس پیغام بھیجا کہ انھیں رسول خدا

؎ من افادات المولٰنا عبدالسلام الندوی۔

اور حضرت ابوبکر رضہ کے پاس دفن ہونے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عائشہ رضہ نے اس کے جواب میں فرمایا: "میں نے یہ تخۂ جنت خود اپنے لیے محفوظ رکھا تھا لیکن آج اپنے آپ پر آپ کو ترجیح دیتی ہوں" (بخاری کتاب المناقب)

زخمیوں کا تشنگی میں جان دینا

معرکۂ یرموک میں جو ۱۵ھ / ۶۳۶ء میں پیش آیا حضرت عکرمہ رضہ بن ابوجہل، حضرت حارث رضہ بن ہشام اور حضرت سُہیل رضہ بن عمرو مجروح ہو کر زمین پر پڑے تھے۔ نزع کا وقت تھا لیکن اس حالت میں بھی اخلاقی روح پوری طرح بیدار تھی۔ ایک شخص پانی لایا اور حضرت عکرمہ رضہ کو پلانا چاہا۔ لیکن انھوں نے دیکھا کہ سُہیل رضہ بحسرت پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ بولے: "پہلے انھیں پلاؤ"۔ حضرت سُہیل رضہ کے پاس پانی آیا تو انھوں نے دیکھا کہ حضرت حارث رضہ کی نگاہ بھی پانی کی طرف ہے بولے: "انھیں پلاؤ"۔ پانی ان کے پاس آیا تو کہنے لگے: "پہلے دوسروں کو پلاؤ"۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کے منہ میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ گیا اور سب نے تشنگی کی حالت میں جان دی۔ (استیعاب)

تیرھواں باب

اُخوّت و مُساوات

دُنیا میں ہر طرف تاریکی کی گھٹائیں چھائی تھیں۔ اسلام شمع ہدایت بن کر آیا اور اس نے تاریکی کو اُجالے سے بدل دیا۔ داعیٔ اسلام صلعم نے آکر انسانی اخوّت کا سبق دیا اور مساوات کی تعلیم دے کر آقا اور غلام کو ایک ہی دسترخوان پر بٹھا دیا۔ تمدّن کی ترقّی کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ تمام انسانوں کے حقوق مساوی ہیں، لیکن سیّدنا احمد مجتبیٰ صلعم سے پہلے تک یہ خیال کسی ملک اور کسی قوم میں کبھی پیدا نہ ہوا تھا۔ تعزیرات کے متعلق دنیا کی تمام مہذّب قوموں کا طریق عمل یہ تھا کہ مجرموں کو درجے اور رُتبے کے لحاظ سے سزائیں دی جاتی تھیں، لیکن اسلام نے اپنے ظہور کے بعد مساوات کا یہ اُصول قائم کیا کہ معیارِ فضیلت و برتری صرف تقویٰ ہے یعنی جو کوئی جتنا زیادہ تقویٰ شعار ہے، وہ عند اللہ اُسی قدر زیادہ معزز و مکرم ہے۔

رسُول اللہ صلعم کی تعلیم مُساوات

یہاں اخوّت و مساوات کے متعلق پیغمبر اخلاق سیّدنا احمد مجتبیٰ صلعم کے چند ارشادات گرامی درج کیے جاتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا لوگوں میں سب سے مکرّم وہ ہے جو سب سے زیادہ متّقی ہو (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم) اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی کہ تواضع و فروتنی اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر ظاہر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے (مسلم) اور فرمایا کہ حسب مال ہے اور بزرگی تقویٰ ہے (ترمذی و ابن ماجہ) یعنی بزرگی اور بڑائی تقوے کا نام ہے۔ جو پرہیزگار ہے وہ بڑا ہے، خواہ کسی ذات اور کسی خاندان سے ہو اور جو لباس تقویٰ سے عاری ہے، وہ بڑا نہیں، اگرچہ کسی خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔

اور حسب مال ہے یعنی جو مالدار ہو، اس کی کوئی ذات پات نہیں پوچھتا اور محتاج میں عیب نکالے جاتے ہیں۔ فرمایا کہ تمہارے یہ نسب محل طعن نہیں، تم سب آدم علیہ کی اولاد ہو۔

Marfat.com

دین اور تقویٰ کے بغیر کسی کو کسی پر فضیلت نہیں اور آدمی کو یہی برائی کفایت کرتی ہے کہ زبان دراز فحش گو اور بخیل ہو (مشکوٰۃ بحوالہ احمد و بیہقی فی الشعب) اور فرمایا کہ تم سرخ رنگ والے یا سیاہ فام سے فائق و برتر نہیں بجز اس صورت کے کہ تقوے میں ان پر فوقیت و برتری حاصل کرو (رواہ احمد)

چار بڑی خصلتیں جس طرح ہندو میں بڑی اور چھوٹی ذاتیں ہیں۔ کھتری شودروں کو رذیل سمجھتے ہیں۔ برہمن اپنے آپ کو تمام غیر برہمن ہندوؤں سے فائق و برتر بتاتے ہیں، اسی طرح عرب کے ایام جاہلیت میں بھی اعلیٰ و ادنیٰ قوموں کا امتیاز تھا۔ اعلیٰ نسب کے قبیلے دوسروں کو سخت ذلیل خیال کرتے تھے۔ اسلام نے آکر یہ تفرقہ مٹا دیا۔ حامل نبوت نے ارشاد فرمایا کہ چار خصلتیں عہد کفر کی یادگار ہیں (۱) خاندان کا غرور (۲) دوسروں کے نسب میں طعن (۳) نزولِ باران کو ستاروں کی تاثیر قرار دینا اور (۴) شیون و نوحہ گری۔ (مسلم)

پاکستان اور ہندوستان میں ہندوؤں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی نسب اور پیشے کے لحاظ سے ذاتیں بنالیں اور بالعموم شادی بیاہ میں ذات پات کا لحاظ رکھا جانے لگا، لیکن اسلام نے ہر مسلمان سے ازدواجی تعلق جائز رکھا ہے، اسلام نے تو تقوے کے بغیر آل رسولؐ ہونا بھی کچھ قابلِ فخر و امتیاز تسلیم نہیں کیا۔ بنی فاطمہ نے ہمارے ملک میں سید کا لقب اختیار کرلیا ہے کہ سرور عالم صلعم نے حسنینؓ کے متعلق سیدا شباب اہل الجنۃ (جوانانِ بہشت کے سردار) فرمایا تھا۔ ورنہ حدیث، فقہ یا تاریخ سے لفظ سید کا کوئی اور ماخذ ثابت نہیں ہوتا۔ اور یوں تو عرب میں تعظیماً سب کو سید اور سیدی کہہ دیتے ہیں۔

صرف تقویٰ بنیاد فضیلت ملکی اور وطنی خصوصیت کی نفی میں سید کائنات صلعم نے فرمایا:۔

لا فضل لعربی علی عجمی	یعنی کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت
ولا لعجمی علی عربی	نہیں اور نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر۔
کلکم ابناء ادم۔	تم سب آدمؑ کی اولاد ہو۔

(مسند احمد)

Marfat.com

وحدتِ نسلِ انسانی کے متعلق قرآنِ پاک میں یہ ارشاد ہے :-

یا ایّھا النّاس انا خلقنٰکم من ذکرٍ و انثٰی و جعلنٰکم شعوبًا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ (۴۹ : ۱۳)	اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے کنبے اور قبیلے ٹھہرائے تاکہ ایک دوسرے سے پہچانے جاؤ۔ خدا کے نزدیک سب سے معزز و مکرم وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ جاننے والا باخبر ہے۔

یعنی تمہارے قبیلے اور جتھے پہچان کے لیے جدا جدا کر دیے گئے نہ کہ نسب پر فخر کرنے کے لیے کیونکہ نسب اور ذات تو سب کی ایک ہے۔ تم میں معزز ترین وہ شخص ہے جو زیادہ متقی ہے۔ یعنی نسب اور ذات پر فخر نہ کیا کرو کیونکہ یہ فخر باہمی نفرت و نفاق اور عداوت کی آبیاری کرتا ہے اور یہ سخت کمینگی ہے کہ آباء کی بوسیدہ ہڈیوں پر فخر کیا جائے اور اپنے اندر کوئی خوبی نہ ہو۔ عارف جامیؒ نے کیا خوب کہا :

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامیؔ
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

بیشک اللہ جاننے والا باخبر ہے۔ یعنی بزرگی کے اسباب خدائے علیم کو معلوم ہیں۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسابِ ظنیہ میں اصل حال وہی جانتا ہے اور اس طرف بھی کہ انجام کار اسی کو معلوم ہے۔ بہت سے عزت دار چند روز کے بعد لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہو جاتے ہیں۔

دُنیا کے مصلحِ اعظم صلعم نے ان الفاظ میں بھی اخوت اور مساواتِ نسلِ انسانی کا اعلان فرمایا :-

اللّٰھم ربّنا و ربّ کلّ شیءٍ انا شھیدٌ انّک	اے ہمارے اور ساری کائنات کے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں

Marfat.com

عبادک کلھم اخوۃ " کہ تیرے تمام بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اقبالؔ مرحوم نے لکھا:۔

تو اے کودک منش خود را ادب کن — مسلماں زادۂ ترکِ نسب کن
برنگِ ابیض و خون و رگ و پوست — عرب نازد اگر، ترکِ عرب کن

غرورِ نسب سے نفرت

پیشوائے امت صلعم کو اپنی ذات اور نسب پر فخر کرنے والوں سے بڑی نفرت تھی۔ اس سلسلے میں آپ نے فرمایا، باپ دادوں پر فخر کرنے والے اس بُرائی سے باز آجائیں ورنہ وہ حق تعالیٰ کے نزدیک اُس گبریلے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے جو اپنی ناک سے نجاست کی گولیاں بناتا ہے۔ لاریب ربّ العزّت نے تم سے جاہلیت کی بڑائی، لاف زنی اور آباء و اجداد کا فخر دُور کر دیا ہے۔ اب تو لوگ مومن متقی ہیں یا فاجر شقی اور نسب کی حقیقت تو یہ ہے کہ سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

اسلم اور غِفار کی تحقیر

اسلم، غِفار، مُزینہ اور جُہینہ چار قبیلے مکۂ مکرمہ اور مدینۂ طیبہ کے راستے پر واقع تھے۔ اسلام سے پہلے یہ عرب میں رذیل اور کمینے خیال کیے جاتے تھے۔ ان کے مقابلے میں بنی تمیم، بنی عامر، اسد، اور غطفان نجیب و شریف سمجھے جاتے تھے۔ جب اسلام ظاہر ہوا تو اسلم، غِفار، مُزینہ اور جُہینہ حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ کچھ مدّت کے قبیلۂ بنی تمیم کے سردار اقرع بن حابس رضہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر شرفِ اسلام سے بہرہ اندوز ہوئے لیکن قبولِ اسلام کے بعد اپنے مسلمان ہونے کا احسان جتانے لگے اور ساتھ ہی قوم اسلم کی تحقیر شروع کر دی۔

آپ نے اقرع سے فرمایا "اگر اسلم، غِفار، مُزینہ اور جُہینہ، بنی تمیم، بنی عامر، اسد اور غطفان سے (عند اللہ) اچھے ہوں تو پھر کوئی خسارہ نہیں؟" اقرع نے کہا "نہیں"۔ آپ نے فرمایا "مجھے اُسی ذات برتر کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اسلم، غِفار

مُزَینہ اور جُہینہ ، بنی تمیم وغیرہ سے بہتر ہیں" (بخاری و مسلم)

آپ کے ارشاد گرامی کا منشا یہ تھا کہ خدا کے نزدیک اعلیٰ و اشرف وہی ہے جو دین کی راہ پر چلے اور لباس تقویٰ و طہارت سے آراستہ ہو گو وہ نسباً دوسروں سے کمتر ہی سمجھا جاتا ہو اور یہ کہ دینداری کے بغیر ذاتی شرافت بالکل بے حقیقت ہے۔

قیامِ تعظیمی کی ناپسندیدگی

عام رواج ہے کہ کوئی معزز آدمی آئے تو لوگ تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، لیکن مصلح عالم صلعم یہ امتیاز پسند نہیں فرماتے تھے حضرت انس رض کا بیان ہے کہ اصحاب کرام رض کو رسولؐ خدا سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ہستی محبوب نہ تھی۔ باوجود اس کے وہ آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہوتے تھے۔ کیونکہ جانتے تھے کہ آپ اس قیام کو ناپسند فرماتے ہیں (ترمذی) اور ابو امامہ باہلی رض سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ سرور دو جہان صلعم ہمارے پاس تشریف لائے ہم آپ کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ عجمیوں کی طرح کھڑے نہ ہو جایا کرو۔ (ابو داؤد)

خلافت راشدہ کے بعد ممالک اسلامیہ کے سب سے پہلے مطلق العنان فرمانروا معاویہ رض (بن ابو سفیان بن حرب) تھے۔ ایک مرتبہ وہ باہر نکلے تو عبداللہ بن زبیر رض اور ابن صفوان رض انھیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت معاویہ رض نے فرمایا: دونوں بیٹھ جاؤ کیونکہ میں نے رسولؐ خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا جو شخص اس بات کا متمنی ہو کہ لوگ اس کے لیے قیام کریں اور بُت کی طرح اس کے سامنے کھڑے رہیں، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں تلاش کرے (ترمذی)

معلوم ہو کہ قیام تعظیمی تو ناپسندیدہ ہے لیکن اگر کسی کی محبت کی وجہ سے کھڑے ہو جائیں تو وہ مساوات کے منافی نہیں۔ چنانچہ جب کبھی سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا رض تشریف لاتیں تو آپ جوش محبت میں ان کے لیے اکثر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اسی طرح آپ اپنے متبنّٰی زید بن حارثہ رض اور اپنی رضاعی ماں اور رضاعی بھائی کے لیے بھی کھڑے ہوتے تھے۔

Marfat.com

مدینہ منورہ کے ایک یہودی قبیلہ بنی قریظہ نے رسولِ خدا صلعم سے معاہدہ کر رکھا تھا لیکن غزوۂ خندق کے موقع پر وہ غداری کر کے دشمنوں سے مل گئے اور مسلمانوں کے خلاف حرب و قتال کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اختتام جنگ کے بعد لشکرِ اسلام نے بنی قریظہ کا محاصرہ کیا۔ جب وہ اس محاصرے سے پریشان ہوئے تو اس شرط پر قلعہ خالی کیا کہ قبیلہ اوس کے رئیس سعد بن معاذ رضؓ ان کے بارے میں جو فیصلہ کریں، وہ انھیں منظور ہوگا۔ حضرت سعد رضؓ غزوۂ خندق میں زخمی ہو گئے تھے۔ ابو سعید خدری رضؓ کا بیان ہے، جب پیغمبرؐ نے سعدؓ کو (بغرض تصفیہ) طلب فرمایا تو وہ سوار ہو کر آئے۔ مسجد کے قریب پہنچے تو آپ نے انصار سے فرمایا کہ اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ سردار قوم اور علماء کی تعظیم کے لیے قیام کرنا درست ہے، لیکن دوسرے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ قیام تعظیم کے لیے نہ تھا۔ سعد رضؓ زخمی تھے، انھیں سواری سے اتارنے اور سنبھالنے کے لیے آپ نے انصار کو قیام کا حکم دیا تھا۔

قریشی اور غیر قریشی کا امتیاز

کفارِ قریش کا معمول تھا کہ حج کے لیے عرفات کے بجائے مزدلفہ ہی میں قیام کرتے تھے جو حرم کے حدود میں ہے۔ اور وہیں سے مکہ معظمہ لوٹ آتے تھے۔ ان کا زعم تھا کہ اگر قریش بھی دوسرے لوگوں کی طرح حرم سے باہر مناسک حج ادا کریں تو ان کی اور دوسرے لوگوں کی حیثیت مساوی ہو جائے گی، لیکن اسلام چونکہ عدل و مساوات کا پیغام لے کر آیا تھا، وہ قریش کو کسی قسم کا تفوق نہیں دے سکتا تھا۔ اس بناء پر حق تعالیٰ نے حکم دیا:

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ	پھر تم سب اسی جگہ (عرفات) سے
أَفَاضَ النَّاسُ۔	ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جا کر
(۲:۱۹۹)	وہاں سے واپس آتے ہیں۔

آقا اور غلام میں مساوات

انسانی زندگی کی سب سے بڑی اور اہم ضرورت دو چیزیں ہیں، کھانا اور کپڑا۔ رحمتِ عالم صلعم نے امت کو تعلیم دی

Marfat.com

کہ اپنے غلاموں کو بھی وہی کھلاؤ اور پہناؤ جو خود کھاتے اور پہنتے ہو۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضؓ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا، بردے (غلام) تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تمہارے زیردست کر دیا ہے پس جس شخص کے بھائی کو اللہ تعالیٰ اُس کے زیردست کر دے، اُس پر لازم ہے کہ جو خود کھائے، اسے بھی وہی کھلائے اور وہی پہنائے جو خود پہنے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

حقیقی اشتراکیت اور تعاون

عہد حاضر میں اشتراکیت یا کمیونزم کی اصطلاح اُس روسی تحریک کے لیے استعمال کی جاتی ہے، جس میں ذاتی اور انفرادی ملکیت ختم کر کے حصول زر و مال کے جملہ وسائل حکومت کے سپرد کر دیے گئے ہیں اور افراد کی اجتماعی جد و جہد سے جو دولت حاصل ہوتی ہے، وہ بھی کلیتہً مملکت کو تفویض کر دی گئی ہے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ مشترک سرمایے کی تقسیم انصاف سے ہو سکے اور رعایا کا ہر فرد اپنی اپنی اہلیت کے مطابق اس سے بہرہ مند ہو، لیکن اس مقصد نے آج تک صحیح معنیٰ میں کبھی عملی صورت اختیار نہیں کی بلکہ اخبار میں طبقے سے یہ حقیقت مخفی نہیں) روسی رعایا کا تقریباً ہر شخص سخت ناداری، بے بسی اور مغلوک الحالی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

البتہ صحیح معنیٰ میں اشتراکیت وہ ہے جس کی تعلیم اسلام نے دی اور صحابۂ کرام رضؓ نے اس پر عمل کر کے دکھایا۔

کھانے میں دوسروں کو شریک کرنا

رحمت عالم صلعم اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ کوئی شخص اپنے کھانے میں کسی بھائی کو شریک نہ کرے۔ انھیں معنیٰ میں آپ نے فرمایا کہ ایک آدمی کا کھانا دو کو، دو کا چار کو اور چار کا آٹھ آدمیوں کو کفایت کرتا ہے (مسلم) اور اصحاب کرام رضؓ اس امر کو بعید از انصاف سمجھتے تھے کہ کوئی شخص اپنا تو پیٹ بھرے اور دوسرا مسلمان فاقہ کرے اور اس کی طرف دیکھتا رہے

اُونٹ پر سواری میں شرکت

ایک مرتبہ ہادیٔ انام صلعم کسی غزوے میں تشریف لے جانے لگے تو اپنے جاں نثاروں سے فرمایا،

اے گروہِ مہاجرین و انصار! تمہارے بعض بھائی ایسے ہیں، جن کے پاس نہ مال ہے اور نہ کوئی کنبہ ہے، اس لیے بہتر ہے کہ تم میں سے ہر شخص ایسے دو تین آدمیوں کو اپنے ساتھ شریک کرلے اور باری باری انہیں بھی سوار کرائے۔ اس حدیث کے راوی حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری کا بیان ہے کہ میں نے تین آدمیوں کو اپنے ساتھ ملحق کر لیا۔ دورانِ سفر میں برابر یہ معمول رہا کہ ہم سب آدمی باری باری سوار ہوتے تھے اور میں بھی انہیں کی طرح اپنی باری سے اپنے اونٹ پر چڑھتا تھا (ابوداؤد)

غزوۂ بدر میں بھی سواریوں کی سخت قلت تھی۔ تین تین آدمیوں کے حصے میں ایک ایک اونٹ آتا تھا۔ ہر اونٹ کا مالک بھی دوسرے شرکاء کی طرح باری باری سے چڑھتا اترتا تھا۔ خود سرورِ دوجہاں صلعم بھی ایک اونٹ میں دو اور آدمیوں کے ساتھ شریک تھے۔ رفقائے سفر جاں نثارانہ اپنی باری پیش کرتے اور التماس کرتے "یارسول اللہ! آپ سوار رہیں، ہم حضورؐ کے بدلے ہم پیادہ چلیں گے"، مگر آپ فرماتے کہ نہ تم مجھ سے زیادہ پیادہ پا چل سکتے ہو اور نہ میں ثوابِ آخرت کا تم لوگوں سے کم محتاج ہوں (مسند احمد)

دودھیل جانور عاریۃً دینا اسلام نے یہ بات پسند نہیں کی کہ کسی شخص کے پاس دودھیل گائے، بھینس اور اونٹنی ہو، اس کے دودھ سے خود تو فائدہ اٹھائے لیکن دوسروں کو محروم کرے۔ سواری کا جانور ہو۔ خود تو سواری کرے لیکن دوسروں کو سواری کے لیے نہ دے۔ کوئی اور کارآمد قابلِ استعمال چیز ہو۔ خود تو استعمال کرے اور دوسروں سے دریغ رکھے۔ ایک شخص نے داعیٔ اسلام صلعم سے دریافت کیا۔ یارسول اللہ! اونٹنی یا اونٹ رکھنے کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، اونٹنیوں کا دودھ دوہے تو حاجت مندوں کو بھی دے۔ اگر کوئی اونٹوں کے پانی پلانے کا ڈول مانگے تو پیش کر دے۔ اونٹنی کے لیے نر اونٹ مانگا جائے تو عاریۃً دے۔ دودھ پینے کے لیے محتاجوں کو اونٹنی عاریۃً دے۔ غازی کو اپنے ساتھ سوار کرے اور اس کا اسباب لاد دے (مسلم وغیرہ)

ہجرت کا نعم البدل قرآن پاک میں دارالکفر سے ہجرت کرنے کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ آنحضرت صلعم بھی ہجرت کے فضائل بیان فرمایا کرتے

تھے ، ایک نیکو کار دیہاتی کو ہجرت کا اشتیاق ہُوا تو وہ مدینہ منوّرہ آیا اور بارگاہ نبوی ؐ میں حاضر ہو کر آپ سے ہجرت کی اجازت مانگنے لگا ۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ ہجرت کا کاروبار تو بڑا دُشوار ہے لیکن تم یہ بتاؤ کہ تمھارے پاس اونٹ ہیں ؟ اس نے عرض کی کہ ہاں ہیں ۔ آپ نے پُوچھا اُن کی زکوٰۃ دیتے ہو ؟ بولا دیتا ہوں ۔ فرمایا کیا کبھی لوگوں کو اپنی اونٹنی دودھ پینے کے لیے مستعار بھی دی ہے ؟ عرض پیرا ہوا ہاں دی ہے ۔ فرمایا ، جس روز اونٹوں کو پانی پلاتے ہو ، انھیں دوہنے کے بعد دودھ محتاجوں میں بھی تقسیم کرتے ہو ؟ اس نے التماس کی ، ہاں ، یا رسُول اللہ ! محتاجوں میں دودھ بانٹتا ہوں ۔ ارشاد فرمایا ، تم اپنے گاؤں میں اسی طرح کرتے رہو ۔ تمھارے ان نیک کاموں کا اجر تمھیں برابر ملتا رہے گا (بخاری و مسلم)

امتیاز سے اجتناب

باوجودیکہ پیغمبرِ خدا صلعم تمام اوّلین و آخرین کے قائد اور کائنات عالم کے سردار تھے ، تاہم آپ عالم معاشرت اور برتاؤ میں نہ کوئی امتیازی حیثیت اختیار کرتے اور نہ کبھی آپ کا کوئی ایسا طرزِ عمل دیکھا گیا ، جس سے دوسروں پر آپ کی فوقیت ظاہر ہو ، بلکہ آپ ہر کام عامۃ النّاس کے ساتھ مل کر ایک معمولی مزدور کی طرح انجام دیتے تھے ۔

تعمیر مسجد اور خندق کی کُھدائی میں شرکت

مدینۂ منوّرہ کو ہجرت کرنے کے بعد جب مسجد نبوی ؐ کی تعمیر شروع ہوئی تو اس کام میں دوسرے لوگوں کی طرح خود ذات بابرکات سید کائنات ؐ بھی بنفسِ نفیس شریک رہے ۔ آپ بھی اپنی عظیم ترین شخصیت کا لحاظ کیے بغیر پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے ۔ جان نثار صحابہ عرض پیرا ہوتے ، یا رسُول اللہ ! ہماری جانیں قربان آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں ؟ لیکن آپ ان کی درخواست سے بے التفاتی فرما کر اپنے کام میں مصروف رہتے (بخاری) مسجد کے کام میں (بعض دفعہ) آپ تعمیر کرتے تھے اور صحابہ ؓ پتھر گارا اور غیر سامان تعمیر آپ کو دیتے جاتے تھے (ابن ماجہ)

غزوۂ احزاب کے موقع پر جب مدینۃ الرسُول ؐ کے اردگرد خندق کھودی جا رہی

Marfat.com

تھی تو صحابۂ کرام رضؓ کی طرح آپ بھی ایک معمولی مزدور کی مانند کام کرتے رہے یہاں تک کہ (ایک روز) شکم مبارک پر گرد و غبار کی تہ جم گئی تھی۔ (بخاری)

کھانا پکانے میں شرکت

ایک سفر میں اصحاب پیغمبرؐ نے ایک بکری ذبح کی اور آپس میں کام تقسیم کرنے لگے۔ ایک نے کہا، کھال میں صاف کروں گا۔ دوسرے نے کہا، گوشت میں بناؤں گا۔ تیسرے نے کہا، میں پکاؤں گا۔ پیغمبرِ خدا صلعم نے فرمایا، میں جنگل سے لکڑیاں لے آؤں گا۔ صحابہؓ عرض پیرا ہوئے، یا رسولؐ اللہ! ہماری موجودگی میں آپ کیوں تکلیف فرمائیں؟ آپ نے فرمایا، خدا اسے برتر اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ کوئی شخص اپنے رفیقوں میں ممتاز ہو کر بیٹھے اور کام میں شریک نہ ہو۔ یہ کہہ کر جنگل کی طرف روانہ ہوئے اور باوجودیکہ آپ کے جاں نثار صحابہؓ منتیں کرتے رہے، آپ جا کر لکڑیاں لے آئے۔ (زرقانی بحوالہ سیرت محب طبری)

گورکنی میں شرکت

آپ کے جذبۂ اخوت و مساوات کا عالم یہ تھا کہ بعض اوقات عازمانِ سفر آخرت کی قبریں کھودنے میں گورکنوں کا ساتھ دیتے۔ چنانچہ جب عبداللہ ذوالبجادین رضؓ نے اس سرائے فانی سے کوچ کیا تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ کے ساتھ مل کر رات کی تاریکی میں ان کی قبر کھودی۔ (سیرت ابن ہشام)

حضرت عبداللہؓ کے ذوالبجادین سے ملقب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے عدوے اسلام چچا کے زیرِ تربیت تھے۔ ہوش سنبھالتے ہی لوح دل پر دین حنیف کی خوبیاں نقش ہو گئیں اور وہ چشمۂ ایمان سے سیراب ہو گئے۔ چچا نے غضب ناک ہو کر ان سے ہر چیز چھین لی حتیٰ کہ بدن کے کپڑے تک اتروا لیے۔ عبداللہؓ لنگوٹ باندھے مادرِ شفیقہ کے پاس پہنچے، ماں کے پاس ایک چادر تھی، اسے دو ٹکڑے کر کے فرزند کے حوالے کیا۔ انھوں نے ایک کی تہ بند اور دوسرے کو چادر بنا لیا۔ پیشوائے امتؐ کو ان کے چچا کی اس قساوتِ قلبی کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ جب وہ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے

تو آپ نے انھیں دیکھ کر فرمایا کہ تم عبداللہ ذوالبجادین (دو چادر والے) ہو۔ اس دن سے ذوالبجادین مشہور ہو گئے۔

مُساوات کے عملی نمونے

اسلام نے صرف مساوات کی تعلیم پر اکتفا نہ کیا بلکہ مسلمانوں کی حیات اجتماعی میں اس کا مشاہدہ بھی کرا دیا۔

اس کے چند نظائر ملاحظہ ہوں:

مسلمانوں کی مسجدوں میں مساوات کا نظارہ ایک دفعہ نہیں، بلکہ دن میں پانچ مرتبہ مشاہدے میں آتا ہے۔ مسجد کے اندر سلطان بحر و بر اور ادنیٰ غریب نمازی میں کوئی امتیاز نہیں، امیر غریب، حاکم محکوم، کالے گورے سب دوش بدوش کھڑے ہو کر اکٹھے مصروف عبادت ہوتے ہیں۔ مساجد میں کسی کے لیے کوئی جگہ مخصوص نہیں۔ اگر کوئی مسکین اگلی صف میں یا امام کے قریب کھڑا ہے تو کوئی امیر حتیٰ کہ صدر مملکت بھی اُسے جگہ سے نہیں ہٹا سکتا۔ اسی طرح مکۂ معظمہ میں حج کے موقع پر ہر سال مساوات نسل انسانی کا حیرت انگیز نظارہ دیکھنے میں آتا ہے جب شاہ و گدا دونوں ایک ہی وضع اور ایک ہیئت میں بیت اللہ کا طواف اور دوسرے مناسک حج ادا کرتے ہیں اور کوئی امتیاز نہیں کر سکتا کہ ان میں شاہ کون ہے اور گدا کون؟

بر خلاف اس کے یہودیوں کا امام چبوترے پر کھڑا ہوتا ہے اور مقتدی پست مقام پر، لیکن اسلام نے یہ امتیاز جائز نہیں رکھا۔ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضؓ نے ایک دکان پر کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔ فارغ ہوئے تو حضرت ابو مسعود صحابی رضؓ ان سے کہنے لگے، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول خدا صلعم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے؟ حضرت حذیفہ رضؓ نے جواب دیا، واقعی آپ نے درست کہا، مجھے آپ کے متوجہ کرنے سے یاد آ گیا۔ (ابو داؤد)

تقسیم غنیمت میں مساوات

اسلام نے مال غنیمت کی تقسیم میں بھی مساوات ملحوظ رکھی ہے۔ قائد اعظم اور ادنیٰ سپاہی کا حصّہ مساوی ہے، البتہ امام وقت یعنی امیر المؤمنین کو اتنا اختیار ضرور بخشا ہے کہ غنیمت کی تقسیم سے

Marfat.com

پہلے کوئی شے، جو اسے پسند آئے، گھوڑا، ہتھیار یا کوئی اور چیز اپنے لیے علیحدہ کر لے۔ اسے شریعت کی اصطلاح میں صفی کہتے ہیں۔ اس کے سوا امیر المؤمنین کو اپنے لشکر پر کوئی امتیاز اور برتری حاصل نہیں، لیکن دنیا کے مصلح اعظم صلعم نے صفی سے بھی کبھی شاذ و نادر ہی فائدہ اٹھایا۔ صفی تو بڑی بات ہے، آپ نے غزوۂ حنین کی بے بہا غنیمت میں سے ایک حبہ اور کوئی ادنیٰ چیز بھی نہ لی۔ حالانکہ آپ کے تمام رفقا اس غزوے سے مالا مال ہو کر لوٹے تھے۔ بالخصوص نومسلموں اور غیر مسلم رفقاء کو تو آپ نے مال و منال بخش کر خوب نہال کر دیا تھا۔

زیدؓ اور اسامہؓ کی عزت افزائی

زیدؓ بن حارثہ رضؓ ام المؤمنین خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔ پیغمبر خدا صلعم نے ام المؤمنین رضؓ سے فرمایا کہ یہ غلام مجھے ہبہ کر دو۔ انھوں نے زید رضؓ کو آپ کی غلامی میں دے دیا۔ (ابن سعد) آپ نے آزاد کر کے انھیں وہ سرفرازی بخشی جس کے سامنے ہفت اقلیم کی شہنشاہی بھی ہیچ تھی، یعنی آپ نے انھیں اپنا متبنّیٰ بنا لیا جس کے بعد وہ زید بن محمد صلعم کے نام سے مشہور ہوئے (مستدرک حاکم) پھر اپنی پھوپھی کی بیٹی محترمہ زینبؓ بنت جحش اسدیہ سے، جن کی والدہ امیمہ بنت عبد المطلب تھیں، شادی کر کے زید رضؓ کو قریش کا ہمسر بنا دیا۔ اس کے بعد حضرت زید رضؓ نے قریشی گھرانوں میں اور بھی شادیاں کیں۔

رسول اکرم صلعم نے حضرت زید رضؓ کے زیر قیادت ایک سریہ موتہ واقع ملک شام بھیجا تھا۔ حضرت زید رضؓ اس غزا میں جام شہادت پی کر روضۂ رضوان کو چلے گئے (طبقات ابن سعد) شعبی کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ جو سریہ بھی کہیں بھیجتے تھے، اگر زید بن حارثہ رضؓ اس میں شامل ہوتے تو آپ لازماً انھیں کو اس کا قائد فرماتے تھے (مستدرک حاکم) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ فرمایا کرتی تھیں کہ اگر زید رضؓ آپ کے وصال کے وقت قید حیات میں ہوتے تو آپ انھیں اپنا خلیفہ و وصی مقرر فرما جاتے (ابن سعد)۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سے ساری امت مرحومہ پر ان کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔

Marfat.com

سرورِ عالم صلعم زید رضؓ کی طرح اُن کے فرزند گرامی حضرت اُسامہ رضؓ پر بھی بہت کچھ نوازشیں فرماتے تھے۔ عبداللہ بن عمر رضؓ سے مروی ہے کہ رسُول اکرم صلعم نے ایک لشکر بھیجا اور اُسامہ بن زید رضؓ کو اس کا قائد مقرر فرمایا۔ بعض لوگوں (منافقوں) نے (غلام زادہ ہونے کی بناء پر) اُسامہ رضؓ کی امارت پر طعن کیا۔ یہ سُن کر حضرت خیر الانام صلعم نے فرمایا کہ اگر تم اُسامہ رضؓ کی قیادت پر عیب گیری کرتے ہو تو اس سے پیشتر ان کے والد زید رضؓ کی امارت پر بھی لب کشائی کرتے تھے حالانکہ خدا کی قسم زید رضؓ امارت کے اہل تھے۔ وہ مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب تھے اور اُسامہ رضؓ بھی ان کے بعد تمام لوگوں سے زیادہ عزیز ہیں۔ (بخاری و مسلم)

اور مسلم کی ایک روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ میں تم لوگوں کو اُسامہ رضؓ سے حُسنِ سلوک ملحوظ رکھنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ بھی صالحین صحابہ میں سے ہیں۔ اس خطبے کا باعث یہ محرّک تھا کہ جب زید رضؓ نے غزوۂ موتہ میں جامِ شہادت نوش فرمایا تو آنحضرت صلعم نے اُسامہ رضؓ بن زید رضؓ کی قیادت میں ایک لشکر موتہ بھیجا تاکہ وہاں کے نصاریٰ سے باپ کا انتقام لیں۔ آپ نے مہاجرین و انصار کے تمام اکابر، جن میں صدّیق اکبر رضؓ اور فاروق اعظم رضؓ جیسی جلیل القدر ہستیاں بھی تھیں، اُسامہ رضؓ کے ہمراہ نامزد فرمائے۔ منافقوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ ایک غلام کو مہاجرین و انصار پر سردار بنایا گیا ہے۔

فقرائے صحابہ رضؓ کی رفعتِ شان

اللہ تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ رسُول صلعم کی نظر میں مساکینِ ملّت کی کتنی قدر و منزلت تھی، اسے اس واقعے پر قیاس کر سکتے ہیں۔ ابوسفیان بن حرب (معاہدۂ حدیبیہ کے بعد حالتِ کفر میں) مدینہ منورہ گئے اور سلمان رضؓ (فارسی) صُہیب رضؓ (رومی) اور بلال رضؓ (حبشی) اور چند دوسرے صحابہ رضؓ کے پاس (جو سب کے سب غلام رہ چکے تھے) آئے۔ یہ حضرات ان کی موجودگی میں باہم کہنے لگے افسوس ہے کہ خدائے برتر کی کسی تلوار نے اب تک اس دشمنِ خدا کی گردن الگ نہیں کی۔ حضرت صدّیق اکبر رضؓ (ابوسفیان کی استمالتِ خاطر کے خیال سے)

Marfat.com

کہنے لگے کیا تم قریش کے اس سردار کی نسبت ایسا کہتے ہو؟

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس واقعے کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا اے ابوبکر رضؓ! شاید آپ نے اس قول سے ان (حضرات) کو خشم آلود کر دیا ہوگا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اگر آپ نے انھیں ناخوش کیا تو یقیناً حق تعالیٰ کو خشمگیں کیا۔ آستانِ نبوت سے اٹھ کر حضرت ابوبکر رضؓ ان حضرات رفقائے صحابہؓ کے پاس (عذر خواہی کے لیے) آئے اور فرمایا بھائیو! میں دیکھتا ہوں، میں نے (ایک بات کہہ کر) آپ حضرات کو ناخوش اور رنجیدہ کر دیا تھا۔ انھوں نے جواب دیا، بھائی! خدا تعالیٰ آپ کو بخشے، ہم رنجیدہ نہیں ہیں۔ (رواہ مسلم)

فاروق اعظمؓ کا فقرائے صحابہؓ کو پہلے شرفِ باریابی بخشنا ایک مرتبہ ابوسفیان، حارث بن ہشام اور قریش کے چند دوسرے سردار امیر المومنین حضرت عمر رضؓ کی بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ بعض مسکین صحابہ رضؓ نے بھی اجازت طلب کی۔ حضرت فاروق رضؓ نے صُہیب رضؓ، بلال رضؓ اور عمار رضؓ کو، جو سابق میں غلام رہ چکے تھے، پہلے شرفِ باریابی بخشا۔ ابوسفیان رضؓ، جو فتحِ مکہ سے پہلے تک کفارِ قریش کے سب سے بڑے سرغنہ تھے اور کفر کے قائدِ اعظم کی حیثیت سے سیدِ عالم صلعم کے خلاف رزم خواہ ہوا کرتے تھے، اُن کے دماغ میں اب تک زمانۂ جاہلیت کا غرور باقی تھا۔ انھوں نے سخت ناگواری سے یہ کہنا شروع کیا، کیا قیامت ہے کہ ان غلاموں کو تو اندر جانے کا اذن ملتا ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے انگڑائیاں لے رہے ہیں۔ حضرت سُہیل بن عمرو رضؓ بھی ان انتظار کرنے والے عمائد میں داخل تھے۔ وہ ساتھیوں سے کہنے لگے تمھارے چہروں پر غصے کے آثار نمایاں ہیں، لیکن تم لوگوں کو خود اپنے آپ پر ملامت کرنی چاہیے۔ اسلام نے سب کے ساتھ تم لوگوں کو بھی قبولِ حق کی طرف بلایا تھا، لیکن غلام اور مساکین آگے بڑھ گئے اور تم پیچھے رہ گئے۔ (اسد الغابہ تذکرہ سُہیل بن عمرو رضؓ)

تحریرات میں غلام اور آقا کی مساوات آپ نے اوپر دنیا کی مہذب قوموں کا

طریق عمل معلوم کیا ہوگا اور عرب میں بھی یہی دستور تھا کہ مجرموں کو ان کے درجے اور رتبے کے لحاظ سے سزائیں دی جاتی تھیں، لیکن اسلام نے یہ ظالمانہ طریق بدل دیا۔ مصلح اعظم صلعم نے فرمایا: جو کوئی اپنے غلام کو قتل کرے گا، ہم بھی اسے قتل کریں گے اور جو کوئی اپنے غلام کی ناک، کان یا کوئی اور عضو کاٹے گا، ہم بھی اس کا وہی عضو کاٹیں گے۔ (ابوداؤد)

قریشی سارقہ کا ہاتھ کاٹا جانا

حضرت خالد رضؓ بن ولید کے خاندان بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی۔ پیغمبر خدا صلعم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ چونکہ اس سے پیشتر کسی اعلیٰ خاندان کے کسی مرد یا عورت کو ایسی سزا نہ دی گئی تھی، تمام قریشی اکابر قطع دست کے حکم پر ہراساں ہوئے۔ اور یہ کوشش ہونے لگی کہ مخزومیہ کی سفارش کر کے اسے سزا سے بچایا جائے۔ اب یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ سفارش کون کرے کیونکہ کسی کو حامل نبوت ؐ کے سامنے لب کشائی کی جرأت نہ تھی۔ آخر طے ہوا کہ رسولؐ خدا کے پیارے اسامہ رضؓ بن زید رضؓ سفارش کریں، کیونکہ ان کے سوا نہ کسی میں شفیع بننے کی ہمت ہے اور نہ آپ کسی دوسرے کی سفارش کو شرف قبول بخشیں گے۔ چنانچہ حضرت اسامہ رضؓ سے اس کی درخواست کی گئی اور انھوں نے بساطِ جرأت پر قدم رکھ کر مخزومیہ کی معافی کے لیے آپ سے استدعا کی۔

لیکن آپ کو یہ سفارش ناگوار ہوئی اور آپ نے فرمایا، اسامہ رضؓ! تم حدود خداوندی میں سفارش کرتے ہو؟ اس کے بعد آپ خطبہ دینے کو کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ تم سے پہلے کی امتیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ جب معزز آدمی جرم کا مرتکب ہوتا تو تسامح سے کام لیتے اور معمولی آدمی جرم کرتا تو سزا پاتا اور مجھے خدا کی قسم ہے کہ اگر فاطمہ رضؓ بنت محمدؐ چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا (بخاری و مسلم)

بنی نضیر اور بنی قریظہ میں قیام مساوات

اطراف مدینہ میں بنی نضیر اور بنی قریظہ دو یہودی قبیلے آباد تھے۔ ان میں بنی نضیر زیادہ باثر اور معزز مانے جاتے تھے اس لیے اگر کوئی

قریظی کسی نضیری کو ہلاک کر دیتا تو نضیری اسے ہلاک کر ڈالتے تھے اور اگر کوئی قریظی کسی نضیری کے ہاتھ سے مارا جاتا تو قاتل کھجوروں کے سو وسق بطور خونبہا دیتا۔ جب ہجرت کے کچھ دنوں بعد دارالہجرت میں آپ کو حاکمانہ اقتدار حاصل ہوا اور مقدمات آپ کے سامنے پیش ہونے لگے تو اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آنے پر بنی قریظہ نے اس بے انصافی کے خلاف بارگاہ نبوی صلعم میں مرافعہ کیا۔ اس پر سورۂ مائدہ کی چند آیتیں نازل ہوئیں، جن میں سے ایک یہ ہے:

وکتبنا علیھم فیھا	اور ہم نے یہود کو (تورات میں)
ان النفس بالنفس	حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان
والعین بالعین والانف	آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے عوض
بالانف والاذن	ناک، کان کے عوض کان، دانت
بالاذن والسن بالسن	کے بدلے دانت اور زخموں کے
والجروح قصاص۔	بدلے ویسے ہی زخم (معاوضہ)

امیہ

(۵ : ۴۵)

اس ارشاد خداوندی کے بموجب آپ نے قریظیوں اور نضیریوں کو ایک درجے میں رکھ کر اول الذکر کے حق میں فیصلہ کیا اور اس حکم نے عدل و مساوات کے پلے یکساں کر دیئے (ابوداؤد)

کم حیثیت کو آنحضرت صلعم کا یرحمک اللہ کہنا

ایک مرتبہ دو شخص حضور صلعم کی مجلس مبارک میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک معزز سمجھا جاتا تھا اور دوسرا کم حیثیت۔ تھوڑی دیر میں معزز صاحب کو چھینک آئی تو انھوں نے الحمد للہ نہ کہا۔ اتفاق سے دوسرے صاحب کو بھی چھینک آئی تو انھوں نے حکم شریعت کے بموجب الحمد للہ کہا اور آپ نے اس کے جواب میں یرحمک اللہ فرمایا۔ معزز صاحب نے اس امتیاز کا شکوہ کیا۔ آپ نے فرمایا

کہ اس نے خدا کو یاد کیا تو میں نے بھی کیا اور تم نے خدا نے قدوس کو بھلا دیا تو میں نے بھی تمھیں بھلا دیا (ادب المفرد امام بخاری)

خلیفہ زادوں سے امتیازی سلوک

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضہ کے صاحبزادے عبد اللہؓ اور عبید اللہؓ عراق کی کسی مہم میں شریک ہوئے۔ جب مراجعت کے وقت بصرہ آئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضہ نے، جو وہاں کے عامل تھے، بڑی گرم جوشی سے ان کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ اگر میں آپ دونوں صاحبوں کو کوئی نفع پہنچا سکتا تو ضرور پہنچاتا، لیکن میں بالکل ہی دست ہوں، البتہ میرے پاس بیت المال کی کچھ رقم ہے جو میں امیر المؤمنین رضہ کی خدمت میں بھیجنا چاہتا ہوں۔ حصولِ منفعت کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ حضرات یہاں بصرہ سے سامان تجارت خرید لیں اور مدینہ منورہ پہنچ کر اسے فروخت کر دیں۔ جو نفع ہو، وہ خود لے لیں اور اصل رقم امیر المؤمنین کو دے دیں۔ یہ کہہ کر روپیہ ان کے حوالے کر دیا اور حضرت عمر رضہ کو اس کی اطلاع دے دی۔

دونوں صاحبزادے مدینہ منورہ پہنچے اور مال تجارت کی فروخت کے بعد رقم لے کر اپنے والد محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خلافت مآب رضہ نے دریافت فرمایا کہ کیا ابوموسیٰ اشعری رضہ نے سارے لشکر سے یہی سلوک کیا ہے؟ انھوں نے کہا، نہیں۔ فرمایا، میرے لڑکے سمجھ کر مجھ سے یہ امتیازی سلوک کیا ہے، اس لیے اصل کے ساتھ نفع بھی دے دو اور وصول کر کے ساری رقم بیت المال میں داخل کر دی۔

(موطائے امام مالکؒ کتاب البیوع)

ایک عیسائی بادشاہ کا ارتداد

رسول انام صلعم نے شہر میں جن فرمانرواؤں کو تبلیغی مراسلے بھیجے، ان میں عیسائی بادشاہ جبلہ بن ایہم غسانی بھی داخل تھا۔ جب جبلہ کو آپ کا نامۂ مبارک ملا تو وہ صدق دل سے مسلمان ہو گیا اور سید انامؐ کو ہدایا و تحائف بھیجے۔ وہ دین اسلام پر نہایت راسخ تھا، لیکن حج کے موقع پر مساوات اسلامی کا ایک ایسا سانحہ پیش آیا جس نے

Marfat.com

اس کا پائے استقلال ڈگمگا دیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ عہد فاروقی رضؓ میں فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے مکۂ معظمہ آیا۔ طواف کرتے وقت قبیلہ فزارہ کے ایک شخص کا پاؤں اس کے تہبند پر جا پڑا جس سے ازار کھل گئی۔ جبلہ نے غضب ناک ہوکر فزاری کے منہ پر اس زور سے گھونسا رسید کیا کہ فزاری کی ناک کا بانسا ٹوٹ گیا۔ فزاری نے جاکر حضرت عمر رضؓ کے پاس استغاثہ دائر کیا۔ خلافت مآب نے جبلہ کو طلب فرمایا اور جب اس نے جرم کا اقرار کیا تو امیر المؤمنین نے جبلہ کو حکم دیا کہ مستغیث کو راضی کر لو تاکہ وہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائے ورنہ قصاص لیا جائے گا۔

جبلہ کہنے لگا کہ میں بادشاہ ہوں اور مستغیث محض ایک بازاری شخص ہے۔ کیا آپ اس کے لیے مجھ سے قصاص لیں گے؟ امیر المؤمنین نے فرمایا کہ اسلام نے تم دونوں کو مساوی درجے میں رکھا ہے اور تمھیں تقوے کے بغیر کسی پر فضیلت حاصل نہیں۔ جبلہ نے کہا کہ مجھ سے قصاص لیا گیا تو میں اسلام سے نکل کر دین نصاریٰ میں رجوع کر لوں گا۔
حضرت خلافت مآب رضؓ نے فرمایا کہ اگر تم اسلام سے برگشتہ ہوئے تو میں تمھاری گردن مار دوں گا کیونکہ ارتداد کی سزا قتل ہے۔ جبلہ نے عرض کی کہ مجھے آج کی رات مہلت دے دیجیے تاکہ میں اس بارے میں تامل اور غور و فکر کر لوں۔ امیر المؤمنین نے مہلت دی لیکن وہ رات کو بھاگ کر روم چلا گیا، از سر نو عیسائی ہو گیا اور حالت ارتداد ہی میں اس کا خاتمہ ہوا، نعوذ باللہ من ذالک۔ (مدارج النبوت)

مساوات اسلامی کا بیان حضرت معاذ رضؓ بن جبل کی زبان سے

شام کے ایک شہر فحل میں جنگ کی تیاریاں ہوئیں تو رومی عیسائی صلح پر آمادہ ہوئے اور انھوں نے جناب فاروق اعظم رضؓ کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ رضؓ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ کسی شخص کو سفیر بنا کر ہمارے پاس بھیجیے۔ حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے معاذ بن جبل انصاری رضؓ کو بھیج دیا۔ دوران گفتگو میں رومی قائد نے کہا: "ہمارا بادشاہ روئے زمین کا سب سے بڑا شہنشاہ

ہے اور ہم لوگ تعداد میں آسمان کے ستاروں اور ریت کے ذرّوں کے برابر ہیں" معاذؓ نے فرمایا کہ اگر تم آسمان کے ستاروں کے برابر ہو تو ہمیں قلت اور کثرت کی پروا نہیں۔ تمھیں اس پر ناز ہے کہ ایسے شہنشاہ کی رعایا ہو جسے تمھاری جان و مال کا اختیار ہے لیکن ہم نے جسے بادشاہ بنا رکھا ہے، وہ کسی بات میں دوسروں پر اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اسے دُرّے لگائے جائیں۔ چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ وہ پردے میں نہیں بیٹھتا۔ اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا۔ مال و دولت میں اسے ہم پر کوئی ترجیح نہیں۔

مستشرقین کا اعتراف

اسلامی مساوات وہ حقیقت ہے، جس کا اعتراف مغرب کی بڑی بڑی نامور ہستیوں نے کیا ہے۔ ڈاکٹر لیبان اپنی کتاب "تاریخ تمدن" میں لکھتے ہیں: "ہندوستان میں اسلام کے سرعت سے پھیلنے کا بڑا سبب یہ ہے کہ اس مذہب میں اعلیٰ درجے کی مساوات پائی جاتی ہے۔ جو لوگ ذات پات کی لعنت سے تنگ آ گئے تھے، وہ بخوشی اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے کیونکہ یہاں انھیں کامل مساوات مل سکتی ہے"۔ (تاریخِ تمدن مترجم سید علی بلگرامی صفحہ ۲۴۵)

پادری ٹیلر

پادری آئزک ٹیلر نے ۱۹۰۷ء میں چرچ کانگرس میں جو لیکچر دیا، اس میں کہا: "عیسائیت جو اخوت سکھاتی ہے وہ اگرچہ اعلیٰ درجے کی ہے، لیکن محض زبانی ہے۔ برخلاف اس کے اسلام جس اخوت کی تعلیم دیتا ہے، وہ عملی ہے۔ ہر شخص کلمہ پڑھ لینے کے بعد اسلام کی عظیم الشان برادری میں داخل ہو جاتا ہے۔ جہاں اُسے دوسرے مسلمانوں کے برابر مجلسی اور معاشرتی حقوق حاصل ہو جاتے ہیں، ہم لوگ تحریروں اور تقریروں میں تو اخوت کا بہت ذکر کرتے ہیں، لیکن عملی رنگ میں ناکام رہتے ہیں"۔

ڈاکٹر لائٹنر

پبلک لائبریری لاہور کے بانی ڈاکٹر جے ڈبلیو لائٹنر نے اپنے ایک لیکچر میں کہا: "بعض مصنفین کا قول ہے کہ محمد (صلعم) کا مذہب تا...

Marfat.com

سے اخذ کیا گیا ہے، لیکن میرے نزدیک دینِ محمدی در اصل وہ مذہب یہود ہے، جس سے فضول توہمات نکال ڈالے گئے ہیں اور وہ عیسائی مذہب ہے، جس سے پولوس کی تعلیمات خارج کر دی گئی ہیں۔ یہ بحث تو اصولی تھی۔ عملاً اسلام موجودہ زمانے کی اس مصنوعی یورپی عیسائیت سے کہیں بہتر ہے، جس کی کاغذی ناؤ حضرت مسیح کے پہاڑی وعظ پر ڈوبتی اور اُچھلتی جا رہی ہے۔ مسجد کے سب نمازی آپس میں برابری کا برتاؤ کرتے ہیں۔ وہاں کسی کے واسطے جگہ مخصوص نہیں ہوتی، امام یا مقتدیوں میں سے کوئی ایک آدمی پیش امام ہو سکتا ہے۔ اسلامی جماعت کا خاموشی اور قاعدے سے نماز کے مختلف ارکان ادا کرنا دلوں کو عبادت الٰہی کا جو سماں دکھاتا ہے، اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا ذریعہ نہیں۔" (ڈاکٹر لائٹنر کا لکچر مطبوعہ امرتسر صفحہ ۷،۴)

ڈاکٹر آرنلڈ ڈاکٹر آرنلڈ اپنی کتاب دعوتِ اسلام کے صفحہ ۲۱۳ پر لکھتے ہیں: "ہندوستان میں اسلام کو جس بات کی وجہ سے زبردست قوت حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں ذات پات کا امتیاز نہیں پایا جاتا، بلکہ کامل مساوات کی تعلیم نظر آتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی بدولت اسلام ہنود کو اپنا حلقہ بگوش بناتا ہے۔" دوسری جگہ ڈاکٹر موصوف نے سر ولیم ہنٹر کا یہ مقولہ اپنی کتاب میں درج کیا ہے: "بنگال میں اسلام کو جو کامیابی حاصل ہوئی ہے، اس کا باعث یہ ہے کہ اس نے اعلیٰ تعلیم مساوات کی بناء پر لاکھوں ہندوؤں کو گرویدہ کیا۔ اسلام میں اخوت انسانی کی اعلیٰ تعلیم پائی جاتی ہے اور اس وجہ سے بہت سے ہندو، جو ذلت و خواری کی زندگی بسر کر رہے تھے، بلا تکلف دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔"

ایک اور اعتراف ڈاکٹر مارس ڈاڈس اپنی کتاب "فطری اور الہامی مذہب پر لکچر" مطبوعہ ۱۸۷۸ء کے صفحہ ۹۸ پر لکھتے ہیں: "اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ محمد (صلعم) کی تلقین کردہ مساوات کی مثالیں ہر اسلامی ملک میں نظر آتی ہیں۔ (حضرت) عمرؓ کا واقعہ تاریخ میں موجود ہے کہ ان کا غلام اونٹ پر سوار تھا اور وہ خود اس کی مہار تھامے ہوئے جا رہے تھے، لیکن افسوس کہ عیسائی ممالک میں مساوات کی مثال کہیں نظر نہیں آتی۔"

Marfat.com

چودھواں باب

رحم

رحم اخلاق کی بُنیاد ہے رحم کو انسانی اخلاق میں بنیادی حیثیت حاصل ہے، اللہ کو رحمٰن اور رحیم کہتے ہیں۔ رحمٰن، بڑا رحم والا اور رحیم، رحم سے بھرا ہُوا۔ ہر مسلمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اچھا کام شروع کرنے سے پہلے رحمٰن اور رحیم اللہ کا نام لے۔ چنانچہ قرآن عزیز کی ہر سورت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوتی ہے۔ دنیا میں صرف اللہ کی رحمت کے جلوے ہیں اور بس۔ ملائکہ کہتے ہیں:

ربنا وسعت کل شیٔ رحمةً وعلمًا۔	(اے پروردگار! تُونے اپنی رحمت اور علم میں ہر چیز سمائی ہے)

(مومن-۱)

مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ دعاؤں میں کہیں:

وانت خیر الراحمین	اور تُو تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

مناظرِ رحم رحمتِ خُداوندی کا عکس ہیں دُنیا میں رحم کے جو مناظر دکھائی دیتے ہیں، وہ رحمتِ خُداوندی ہی کا عکس ہیں۔ رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے: "اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو ٹکڑے کیے، جن میں سے ننانوے اپنے پاس رکھ لیے اور صرف ایک ٹکڑا زمین پر اُتارا۔ اسی ایک ٹکڑے پر مخلوقاتِ عالم کے رحم کی بنیاد ہے، حتّٰی کہ گھوڑا اس ڈر سے اپنے بچے پر پاؤں نہیں رکھتا کہ کہیں اسے صدمہ نہ پہنچ جائے" (بخاری)

شفیق و رحیم رسولؐ عالمِ انسانیت میں انبیاء کرام ؑ اخلاق فاضلہ کے سرچشمے

ہیں۔ انبیاء میں سب سے بزرگ تر رسول اللہ صلعم ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ میں یہی صفت ودیعت فرمائی ہے:

لقد جاءکم رسولٌ	لوگو! — تمہارے پاس تمہیں میں
من انفسکم عزیزٌ	سے ایک رسول آئے ہیں۔ تمہاری
علیہ ما عنتم حریصٌ	تکلیف ان پر شاق گزرتی ہے۔
علیکم بالمؤمنین	اور — انھیں تمہاری بہتری کا لوبھ
رؤوفٌ رحیم۔	ہے اور مسلمانوں پر بہت شفیق —
(توبہ — ۶)	اور — رحیم ہیں۔

مسلمانوں کی رحم دلی انبیاء میں سے دو نبیوں کی امتوں کو اس خاص اخلاقی حسن کا مظہر بنایا ہے، امتِ مسیح اور امتِ محمدی۔ مسلمانوں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

والذین معہٗ اشدآءُ	اور جو لوگ محمد کے ساتھ ہیں، وہ
علی الکفار رحمآءُ	کافروں پر زور آور، ہیں، آپس میں
بینھم۔	رحم دل ہیں۔

(فتح۔ ۴)

صلۂ رحم باہمی تعلقات میں ایک دوسرے سے حسنِ سلوک صلۂ رحم کہلاتا ہے کیونکہ قرابت کے تمام رشتوں کی اساس رحم مادری ہے۔ رحیم، رحم، رحمٰن کا ماخذ ایک ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ رحم کا جذبہ رحمٰن (خدا) کی رحمت کا عکس ہے اور صلۂ رحم کے جذبے کی اصل بھی یہی ہے۔ ارشاد رسول ہے کہ:

الرحم شجنۃ من	رحم رحمٰن کی جڑ سے نکلی ہوئی شاخ
الرحمٰن۔	ہے۔

(بخاری)

یعنی قرابت کے رحم اور شفقت کی اصل خود رحمٰن کی ذات ہے اور تمام رحم دلیوں

Marfat.com

کے جذبات اس کے فروع ہیں۔ بچوں کی محبت اسی جذبے کا نتیجہ ہے۔ حضرت اسامہ بن زید رضہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلعم ایک گھٹنے پر مجھے اور دوسرے پر امام حسن رضہ کو بٹھا لیتے تھے۔ پھر دونوں گھٹنے ملا کر فرماتے تھے "اے خدا! ان دونوں پر رحم کر کیونکہ میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں۔"

اللہ تعالیٰ کا رحم ایک مرتبہ کوئی شخص رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اپنے بچے کو، جسے وہ ساتھ لایا تھا، پیار کرنے لگا۔ حضور نے فرمایا "تم اس پر رحم کرتے ہو؟" عرض کی: "ہاں" فرمانے لگے: "جس قدر رحم تم اس بچے پر کرتے ہو، اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔" (ادب المفرد)

بچوں پر رحم اور شفقت ایک دفعہ رسول اللہ صلعم نے پیار کے جوش میں حضرت حسن رضہ کا منہ چوم لیا۔ ایک بدو، جو پاس بیٹھا تھا، بول اٹھا: "میرے دس بچے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کا منہ نہیں چوما۔" حضور نے فرمایا: "جو شخص رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔"

ایک اور بدو نے نبی اکرم صلعم کی خدمت میں عرض کی: "آپ لوگ بچوں کو چومتے ہیں، لیکن ہم لوگ ایسا نہیں کرتے۔" فرمایا: "جب خدا نے تمہارے دل سے رحم خارج کر لیا تو میرا کیا زور ہے۔" (بخاری)

چھوٹوں پر رحم اور شفقت کے باب میں حضور صلعم نے فرمایا: "جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا، وہ ہم میں سے نہیں (ترمذی) یہ حدیث عمر ہی کے چھوٹوں تک محدود نہیں، بلکہ ہر حیثیت کے چھوٹوں تک کی وسعت اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔

صحابۂ کرام رضہ کی رحمدلی اسی اخلاقی صفت سے اپنی قوم کے ساتھ محبت و ہمدردی کا جذبۂ عالیہ پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضہ کی اخلاقی صفت کے ضمن میں فرمایا:

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔ وہ لوگ آپس میں رحم دل ہیں۔

حدیث میں یہ صفت بے حد دلکش مثالیہ انداز سے بیان کی گئی ہے۔

کی باہمی رحم دلی، دوستی اور مہربانی کی مثال انسان کے جسم کی ہے کہ جب کسی عضو کو دُکھ پہنچتا ہے تو سارا جسم متأثر ہو جاتا ہے (بخاری) اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جس طرح ایک عضو کے دُکھ میں سارا جسم شریک ہو جاتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان کے دُکھ میں تمام مسلمانوں کو شریک ہونا چاہیے۔

رحم کے باب میں اسلامی تعلیم رحم دلی کے سلسلے میں اسلامی تعلیم مسلمانوں سے آگے بڑھ کر سارے عالم انسانیت پر حاوی ہے چنانچہ رسول اللہ صلعم نے بارہا عام رحم کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا ہے: "جو شخص انسانوں پر رحم نہیں کرتا، خدا بھی اس پر رحم نہیں کرے گا" یہ بھی فرمایا: "رحم کرنے والوں پر، رحم کرنے والا خدا رحم کرے گا۔ زمین والوں پر تم رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا" (بخاری)

جانوروں پر رحم رحم کی تعلیم کے اس مفہوم میں انسانوں کے علاوہ حیوان بھی شامل ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ (صلعم) نے فرمایا: "اگر کوئی شخص ذبیحہ جانور پر رحم کرے گا تو اللہ قیامت کے روز اس پر رحم کرے گا" (ادب المفرد)

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جانوروں کے باہم لڑانے کی مخالفت کی، اور رسول اللہ صلعم نے اس کی ممانعت فرما دی (ابو داؤد)

ارشادِ رسولؐ اس یگانہ حدیث پر غور کیجیے:

من لا یرحم لا یرحم۔ — جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

(صحیح بخاری)

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اس مختصر سے جملے کے کوزے میں وسعت معانی کا سمندر بھر دیا ہے۔ یہی وہ بلند و پاکیزہ جذبہ ہے جس سے سرشار ہو کر ہم ہر قابلِ رحم ہستی کے لیے اپنی تمام خدمات وقف کر دیتے ہیں۔ اس لیے لائقِ صد ہزار تہنیت ہیں وہ عظیم المنزلت ہستیاں، جو رحم کرتی ہیں کہ ان پر رحم کیا جائے گا۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ کا صلۂ رحم صحابۂ کرامؓ صلۂ رحم کا بہت زیادہ خیال رکھتے

Marfat.com

تھے۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضؓ اپنے بچوں کو اکٹھے کھیلنے سے منع کرتے تھے اور ہر روز صبح کو انھیں حکم دیتے تھے کہ جدا جدا کھیلو۔ اکٹھے کھیلو گے تو لڑائی جھگڑا ہو گا۔ اس طرح قطع رحم کرو گے۔ (ادب المفرد)

صحابۂ کرام رضؓ اس قدر عالی ظرف اور وسیع المشرب تھے کہ اپنے کافر عزیزوں سے بھی ایسا ہی فیاضانہ سلوک روا رکھتے تھے۔ ایک دفعہ شہنشاہ کونین صلعم نے حضرت فاروق اعظم رضؓ کو ایک ملبوس حریر مرحمت فرمایا تو انھوں نے اسے اپنے ایک مشرک بھائی مقیم مکہ کو ارسال کر دیا۔ (ابوداؤد)

Marfat.com

پندرھواں باب

عدل وانصاف

حضرت رحمتِ عالم صلعم نے عدل وانصاف کو جس معراجِ کمال پر پہنچا دیا، جریدۂ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ عدل وانصاف صرف عدالت کی چاردیواری سے مختص نہیں، بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اس کی ضرورت ہے اور نظامِ عالم اسی عدل و انصاف کی وجہ سے قائم ہے۔ پیغمبر خاتم ؑ کے عدل وانصاف کو ذیل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں مدلّل و واضح کیا جائے گا۔

انبیاء کا وارث کوئی نہیں

پیغمبر ہاشمی صلعم کے مرسلِ صادق ہونے کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ آپ نے اپنے کسی قریبی رشتہ دار یا اپنے خاندان بنی ہاشم کے کسی معزز رکن کو اپنی جانشینی کا وصی نہ بنایا بلکہ اگر مبہم الفاظ اور غیر واضح طرزِ عمل سے کسی کے لیے محبت فرمائی اور اسے جانشین بنایا تو وہ ایک ایسے صاحب (حضرت ابوبکر صدیق رض) تھے، جن سے آپ کی کوئی خاندانی قرابت نہ تھی۔ آپ کے حقیقی چچا حضرت عباس رض اور عم زاد بھائی اور فرزند معنوی حضرت علی مرتضیٰ رض جیسے جلیل القدر ہاشمی حضرات کی موجودگی میں ان کے لیے خلافت کو مخصوص نہ فرمانا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ آپ خدا کے سچے رسول تھے، ورنہ اگر (معاذ اللہ) کوئی خانہ ساز نبی ہوتے تو اپنی بیویوں کے لیے اور اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ زہراء رض کے واسطے بہت کچھ کر جاتے اور انھیں لاکھوں کی جائداد کا مالک بنا جاتے، لیکن اس کے برعکس یہ اعلان فرما گئے کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رض سے مروی ہے کہ رسولِ امین صلعم نے فرمایا: "میرے بعد میرے وارث کوئی دینار نہیں بانٹیں گے اور جو کچھ میں چھوڑ جاؤں، میری ازواج کے نفقے اور عامل کی اجرت کے بعد جتنا بچ رہے، وہ صدقہ (مسکینوں کا حق) ہے"۔ (بخاری و مسلم)

Marfat.com

اس ارشاد کا اثر یہ ہوا کہ نہ تو آپ کی صاحبزادی اور حضرت علی رضؓ اور حضرت عباسؓ کو آپ کے ترکے سے کوئی حصہ ملا اور نہ ازواجِ مطہرات ہی آپ کے متروکات میں سے ایک حبہ یا کوئی ادنیٰ چیز پا سکیں علاقہ خیبر میں فدک نام کا ایک قلعہ تھا۔ چونکہ اس پر بغیر کسی جنگ و جدل کے قبضہ ہوا تھا، اس لیے اس میں سے لشکر کو کچھ نہ ملا تھا بلکہ حسبِ فرمانِ خداوندی (قرآن ۵۹ : ۶) خاص پیغمبرِ خدا صلعم کی ملک تھا اور آپ اس کی آمدنی اپنے اہل و عیال اور فقراء و مساکین پر خرچ کرتے اور اس سے بیواؤں اور یتیموں کی امداد فرماتے اور دوسری قومی و ملی ضروریات پوری کرتے تھے۔ آپ کی رحلت کے بعد یہ مقام آنحضرتؐ کے اقرباء کو نہ ملا اور یکے بعد دیگرے خلفائے راشدین کے قبضے میں رہا۔ وہ اس کی آمدنی انھیں ضروریات پر خرچ کرتے جن پر خود سید کائناتؐ کے عہدِ سعادت میں خرچ ہوتی تھی۔ (ابو داؤد)

وجہ کسوف کی نفی

اصح الروایات کے مطابق نبی صلعم کے تین فرزند تھے، قاسمؓ عبداللہؓ اور ابراہیمؓ۔ سب سے بڑے قاسمؓ تھے، جو قبل از نبوت پیدا ہوئے اور سترہ مہینے زندہ رہ کر نزولِ وحی سے پیشتر عالمِ بقا کو چلے گئے۔ انھیں کی نسبت سے آپ کی کنیت ابو القاسم تھی۔ عبداللہؓ ظہورِ اسلام کے بعد مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا لقب طاہر اور طیب تھا۔ خرد سالی میں ہم آغوشِ لحد ہو گئے۔ ابراہیمؓ بمقام مدینہ منورہ ۸ھ یا ۹ھ میں پیدا ہوئے، وہ بھی خرد سالی میں گزر گئے۔ صاحبزادیاں چار تھیں: زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ۔ اولاد میں سب سے بڑے قاسمؓ تھے۔ ان سے چھوٹی زینبؓ تھیں۔ ان سے چھوٹی رقیہؓ۔ ان کے بعد عبداللہؓ متولد ہوئے، ان کے بعد ام کلثومؓ، ان کے بعد فاطمہؓ، ان کے بعد ابراہیمؓ۔

جناب ابراہیمؓ سہ شنبہ ۱۰ محرم یا ۱۰ ربیع الاول کو رحلت فرما ہوئے۔ اسی دن کسوف واقع ہوا۔ ایامِ جاہلیت میں عوام الناس اس اعتقاد پر تھے کہ چاند اور سورج کو اس وقت گہن لگتا ہے جب دنیا میں کوئی حادثۂ عظیم رونما ہو۔ اس کے علاوہ کسوف بقاعدۂ نجوم ۲۸ یا ۲۹ تاریخ کے سوا نہیں ہوتا لیکن اس مرتبہ خلافِ معمول ۱۰ تاریخ

کو گہن لگا، اس لیے ہر خاص و عام نے یہی خیال کیا کہ یہ گہن حضرت ابراہیم رضؓ کی وفات کی وجہ سے لگا ہے۔

آپ سے بڑھ کر دنیا میں کون راست باز ہو سکتا تھا؟ آپ نے فرمایا: "کسوف ابراہیم رضؓ کی وفات کے باعث نہیں ہُوا بلکہ کسوف اور خسوف خدائے عزیز کی دو نشانیاں ہیں انھیں کسی کی موت یا حیات سے کوئی تعلق نہیں۔ حق تعالیٰ نے گہن کو لوگوں کی عبرت کا ذریعہ بنایا ہے تاکہ اللہ کی طرف رجوع کریں، اس لیے جب سُورج یا چاند کو گہن لگتا دیکھو تو ذکرِ خدا اور دعا و استغفار میں مشغول ہو جاؤ۔ صدقہ دو اور لونڈی غلام آزاد کرو۔" (بخاری و مسلم)

ظاہر ہے کہ اگر آپ کی جگہ کوئی خود ساختہ نبی ہوتا اور کسوف کے دن اس کا بیٹا طعمۂ اجل ہو جاتا تو وہ اسے اپنی دلیلِ صدق ٹھہراتا اور یہ کہتے ہوئے اُدھم مچا دیتا کہ میرے فرزند کی وفات کے باعث گہن لگا ہے۔ آفتابِ عالمتاب کو حکم ہُوا کہ تنویر سے عاری ہو کر میرے بیٹے کا ماتم کرے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ آفتاب کو جو خلافِ معمول ۱۰ تاریخ کو گہن لگا تو اس سے خدائے قدیر کو اہلِ نجوم کے قاعدے کا ابطال منظور تھا جن کے نزدیک کسوف ۲۸ یا ۲۹ تاریخ کے سوا وقوع پذیر نہیں ہو سکتا۔

دوسروں کے نسب میں داخل ہونا

عہدِ جاہلیت میں حضرت عباس رضؓ عمِ رسولؐ اور ربیعہ بن حرث کی عادت تھی کہ مکۂ معظمہ سے دُور دراز ملکوں کو جاتے اور وہاں کے لوگ پوچھتے کہ تم کون لوگ ہو تو اپنی عزت اور فخر ظاہر کرنے کے لیے کہتے کہ ہم آکل المرار کی اولاد ہیں۔ آکل المرار بنی کندہ کے بادشاہ کا نام تھا۔ جب بنی کندہ کا وفد اشعث بن قیس کے زیرِ قیادت مدینہ منورہ آکر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہُوا تو اشعث کہنے لگے: "یا رسول اللہ! ہم آکل المرار کی اولاد ہیں اور حضورؐ بھی اسی کی ذریت ہیں۔"

یہ سُن کر آپ متبسم ہوئے اور فرمایا: "تم جا کر یہ نسب چچا عباس رضؓ اور ربیعہ سے بیان کرو۔" اور فرمایا: "ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں۔ ہمیں اپنے آباء کا نسب بیان کرنا چاہیے اور تمھیں اپنے باپ دادا کا۔" (سیرت ابن ہشام)

Marfat.com

ظاہر ہے کہ اگر آپ کی جگہ کوئی متنبّی ہوتا تو وہ وفد کے سردار سے بہت کچھ اظہار خوشنودی کرتا کہ اس نے اس کا نسب بادشاہ سے ملایا۔ لیکن خدا کے برگزیدہ رسول ﷺ نے فرمایا: "ہم اس انتساب کو قطعاً پسند نہیں کرتے"۔ جب آپ نے اشعث بن قیس کو سمجھایا کہ دوسروں کے نسب میں داخل ہونا شرعاً حرام ہے تو اشعث نے اپنی قوم کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: "آئندہ جس شخص کی نسبت میں سنوں گا کہ اپنے آپ کو دوسرے کے نسب میں داخل کرتا ہے، اسے اسّی کوڑوں کی سزا دوں گا" (ابن ہشام)

قربتِ حائضہ کے مشورے پر ناگواری

اسلام سے پہلے عرب کے بُت پرست اور مدینہ کے یہودی طبقۂ نسواں سے سخت ظالمانہ برتاؤ کرتے تھے۔ یہود کا ایک ظلم یہ تھا کہ حیض والی عورت کو سخت درجہ نجس قرار دے رکھا تھا۔ جب کسی عورت کو ماہانہ ایام آتے تو اس بیچاری پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا۔ اسے گھر سے نکال دیا جاتا۔ اس کے ساتھ کھانے پینے سے احتراز کیا جاتا۔ آخر اسلام آیا اور عورتوں کی اس تکلیف کا سدِّ باب کیا۔ مہبطِ وحی صلعم نے حکم دیا کہ حائضہ عورتوں کو اپنے ساتھ کھلاؤ پلاؤ اور انھیں گھروں میں رکھو۔ مقاربت کے سوا کسی طرح کا میل جول منع نہیں۔ جب یہود کو آپ کے اس ارشاد کا علم ہوا تو کہنے لگے: "یہ شخص ہر بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے"۔

جب انصار نے یہود کا یہ مقولہ سنا تو حضرت عباد بن بشر انصاری رضا اور حضرت اُسید بن حُضیر انصاری رضا آستانِ نبوّت میں حاضر ہوئے اور یہود کا قول نقل کر کے التماس کی: "یا رسول اللہ! جب وہ حضورؐ کو اپنا مخالف ہی سمجھتے ہیں تو پھر ان کی پوری پوری مخالفت کیوں نہ کی جائے اور ہم حالتِ حیض میں بھی علی الرغم یہود کیوں مقاربت نہ کریں؟" چونکہ یہ مشورہ احکامِ الٰہی اور اصولِ اسلام کے خلاف اور سراسر یہود کی مخالفت پر مبنی تھا، آپ کا رُخِ انور غصّے سے سرخ ہو گیا، یہ دیکھ کر دونوں جان نثاروں کو یقین ہو گیا کہ آپ ان سے ناراض ہو گئے اب یہ دیکھ کر کہ اس وقت آپ غضب آلودہ ہیں، گھروں کو چلے۔ اتنے میں کہیں سے دودھ آ گیا۔ گو ان کا مشورہ غلط اور بے محل تھا لیکن خلوص اور حبِّ اسلام پر مبنی تھا۔ آپ نے کسی کو

Marfat.com

ان کے پیچھے بھیجا کہ انھیں جلدی سے بلا لائے۔ جب وہ آئے تو آپ نے انھیں شفقت سے دودھ پلایا۔ اُس وقت انھیں تسکین ہوئی کہ آپ ناراض نہیں۔ (ترمذی و ابوداؤد)

سرورِ دوجہاں صلعم عدل و انصاف کے اُن تمام اصولوں پر اعتقاد رکھتے تھے جو کسی صحیح العقل انسان کے فہم و فراست میں مقتضائے انصاف ہو سکتے ہیں اور ان تمام لفظوں کے سختی سے پابند تھے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

ادائے قرض میں اصولِ انصاف

قرض کے متعلق داعیِ اسلام صلعم کا اصولِ انصاف یہ تھا کہ نہ صرف نہایت حُسنِ اسلوب سے ادا کیا جائے، بلکہ جو چیز لی گئی ہو، واپسی کے وقت اُس سے بہتر چیز دی جائے اور اگر ممکن ہو تو بطیبِ خاطر کسی قدر زیادہ ادا کی جائے، بشرطیکہ قرض لیتے وقت زیادہ دینے کی شرط نہ ٹھہری ہو ورنہ زیادتی سود ہو جائے گی۔

حضرت جابر انصاری رضہ کہتے ہیں: "نبی صلعم پر میرا کچھ قرض تھا۔ آپ نے ادا کرتے وقت کچھ زیادہ دیا۔" (ابوداؤد) ایک مرتبہ آپ نے کسی سے ایک اونٹ قرض لیا، کچھ دنوں کے بعد آپ کے پاس اونٹ آئے۔ آپ نے اپنے مولیٰ (حریت یافتہ غلام) حضرت ابورافع کو حکم دیا کہ اونٹ کا قرض ادا کر دو۔ انھوں نے کہا: "یا رسول اللہ! آپ نے جو اونٹ لیا تھا، وہ دُبلا پتلا اور ادنیٰ قسم کا تھا اور یہ بہترین قسم کے ہفت سالہ اونٹ ہیں۔" آپ نے فرمایا: "ہاں، بہترین اونٹ ہی دو۔ سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو ادائے قرض میں سب سے اچھا ہو۔" (مسلم)

چونکہ ہر شخص کو آپ کے اس اصولِ انصاف کا علم تھا کہ قرض میں بہترین قسم کی چیز واپس کرنی چاہیے، اس لیے صحابۂ کرام رضہ اس کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ایک بار آپ نے کسی سے کچھ کھجوریں بطور قرض لیں۔ چند روز کے بعد وہ اپنا قرض وصول کرنے آیا۔ آپ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ اس کا قرضہ ادا کر دیں۔ انصاری بزرگ کھجوریں لائے، لیکن وہ کھجوریں ایسی عمدہ نہیں تھیں جیسی اُس نے دی تھیں، اُس نے لینے سے انکار کیا۔ انصاری کہنے لگے: "افسوس! تم رسول اللہ کی عطا کردہ کھجوریں قبول نہیں

کرتے"۔ بولا: "ہاں، رسول اللہ عدل نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا"۔ یہ سن کر آپ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور فرمایا: "بالکل سچ ہے۔ اس کے بعد انصاری نے کہیں سے بہتوں قسم کی کھجوریں لاکر دیں۔ (مسند امام احمد)

غیر مجرم عزیزوں سے مواخذہ نہ کرنا

دنیا کے مصلح اعظم صلعم کا ایک اصول انصاف اور قانون معدلت یہ ہے کہ بذات خود مجرم ہی کیفر کردار کو پہنچایا جائے، کسی دوسرے بیگناہ سے تعرض نہ کریں۔ عرب کے عہد جاہلیت میں دستور تھا کہ اگر خاندان کے کسی شخص سے کوئی قصور ہو جاتا تو اس خاندان کا ہر شخص اس جرم کا مجرم سمجھا جاتا تھا اور حقیقی مجرم کے نہ ملنے پر خاندان کے جس شخص کو چاہتے، اس کے عوض میں گرفتار کر کے سزا دے دیتے۔ اس سلسلہ بیداد میں لبسا اوقات باپ بیٹے کے جرم میں اور نواسہ، نانے کی زیادتی کے باعث تختۂ دار پر چڑھا دیا جاتا تھا، لیکن آپ نے اس ظالمانہ رسم کی سختی سے بندش فرمائی۔ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جب قریب قریب ساری اسلامی برادری مکہ معظمہ میں جمع تھی، خطبے میں فرمایا: "جو قصور کرے گا، اسی سے مواخذہ ہو گا۔ باپ کے قصور میں بیٹا اور بیٹے کے عوض میں باپ نہ پکڑا جائے گا" (ابن ماجہ)

طارق محاذلی کا بیان ہے کہ قبول اسلام سے پہلے ہم چند آدمی ربذہ سے مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے۔ شہر کے قریب پہنچ کر مقام کیا۔ ایک سفید پوش بزرگ ہمارے پاس آئے، ایک سرخ اونٹ کی قیمت دریافت کی۔ ہم نے جواب دیا کہ اتنی کھجوریں لیں گے۔ انھوں نے بلاعذر وہی قیمت منظور کر لی اور اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف چلے گئے۔ جب نظروں سے اوجھل ہو گئے تو ہم لوگ آپس میں کہنے لگے کہ نہ جان نہ پہچان قیمت وصول کیے بغیر اونٹ دے دیا۔ لوگ ایک دوسرے کو ملزم گردانتے لگے کہ تمہاری غلطی سے اونٹ ہاتھ سے گیا ہے۔

یہ دیکھ کر محمل نشین خواتین کہنے لگیں: "ہم نے کسی انسان کا چہرہ ایسا تاباں گویا چودھویں رات کا چاند ہے، آج تک کبھی نہیں دیکھا۔ ایسے شخص سے فریب کا خدشہ

ہرگز نہیں ہوسکتا"۔ شام ہوئی تو ایک شخص آکر کہنے لگا: "تمھارے لیے رسول اللہؐ نے یہ کھانا دیا ہے اور اونٹ کی قیمت میں یہ کھجوریں بھیجی ہیں"۔ علی الصباح ہم شہر میں گئے۔ آپ اس وقت خطبہ دے رہے تھے۔ ایک انصاری نے ہمیں دیکھا تو اٹھ کر کہنے لگا: "یا رسول اللہؐ! یہ لوگ قبیلہ بنی ثعلبہ کے آدمی ہیں۔ ان کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کردیا تھا۔ اجازت دیجیے کہ ہم اس کے بدلے میں ان کا ایک آدمی قتل کرلیں"۔ آپ نے فرمایا: "ہرگز نہیں، باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جاتا"۔ (دارقطنی)

اپنی قوم کی بیجا حمایت

ہر شخص کو اپنی قوم عزیز ہوتی ہے۔ وہ حق پر ہو یا خطا پر، لوگ اپنی ہی قوم کا ساتھ دیتے ہیں، لیکن اسلام نے اس عصبیت کو اسی حد تک جائز رکھا ہے کہ اپنی قوم کی طرف سے زیادتی نہ کی گئی ہو۔ ایک صاحب نے سرور دو جہاں صلعم سے دریافت کیا: "رسول اللہ! اپنی قوم سے محبت رکھنا بھی عصبیت میں داخل ہے"؟ فرمایا: "نہیں بلکہ عصبیت یہ ہے، انسان ظلم و بیداد میں اپنی قوم کا مددگار ہو"۔ (ابن ماجہ) اور واثلہ بن اسقع رضؓ نے عرض کی: "یا رسول اللہؐ! عصبیت کیا ہے"؟ فرمایا: "ظلم میں اپنی قوم کا مددگار ہونا"۔ (ابوداؤد)

سراقہ بن مالک رضؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سید عالم صلعم نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا: "بہترین شخص وہ ہے، جو اپنی قوم سے لوگوں کا ظلم دفع کرے جب تک گنہگار نہ ہو"۔ (ابوداؤد) یعنی ناحق طرف داری نہ کرے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: "جو شخص لوگوں کو عصبیت کی دعوت دے، وہ ہم میں سے نہیں اور جو کوئی عصبیت کی بناء پر مقاتلہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں اور جو شخص عصبیت پر مرے وہ ہم میں سے نہیں"۔ (ابوداؤد) اور فرمایا: "کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا بنادیتی ہے"۔ (ابوداؤد)

گری پڑی چیز کا حقدار

اگر راستے میں کوئی گری پڑی چیز مل جائے تو اکثر لوگ مالک کو تلاش کیے بغیر جھٹ اس پر مالکانہ قبضہ جما لیتے ہیں، حالانکہ یہ صریح ظلم اور بددیانتی ہے۔ کائنات کے محسن اعظم صلعم نے

فرمایا: "کسی مسلمان کی گم شدہ چیز کا اٹھالینا (جب ہضم کر جانے کی نیّت ہو اور اس کے اعلان کا قصد نہ ہو) دوزخ میں جلنے کا سبب ہے۔" (ترمذی) ایک شخص نے سوال کیا: "یا رسُول اللہ! پڑی چیز کا کیا حکم ہے؟" فرمایا: "اس کا ظرف پہچان لو اور اس کا سر بند بھی ذہن نشین رکھو۔ پھر (ایسے مقامات پر، جہاں لوگوں کے عام اجتماع ہوتے ہوں، جیسے جامع مسجد، عیدگاہ وغیرہ) اس کا اعلان ایک سال تک کرتے رہو۔ اگر اس مدّت میں اس کا مالک مل جائے تو اس کے حوالے کر دو۔ ورنہ پانے والے کو اختیار ہے۔" (بخاری و مسلم)

اسی طرح ایک شخص نے لُقطہ (پڑی چیز) کے متعلّق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا: "جو چیز عام گزرگاہ اور آبادی کے راستے پر ملے، اس کا اعلان ایک سال تک کرتے رہو۔ اگر سال تک اُس کا مالک آجائے تو اُس کے حوالے کر دو اور اگر نہ آئے تو وہ تمھاری ہے اور اگر کوئی چیز خرابات اور ویرانۂ قدیم میں ملے تو اس میں سے پانچواں حصّہ فی سبیل اللہ ہے۔" (ابوداؤد و نسائی) اور فرمایا: "جو کوئی پڑی ہوئی چیز پائے، وہ اُس پر دو عادل آدمیوں کو گواہ کر دے اور اُسے مخفی یا غائب نہ کرے۔ اگر (سال تک) اس کا مالک مل جائے تو اس کے حوالے کر دے ورنہ اللہ کا عطا کردہ مال ہے۔" (ابوداؤد)

ان روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ لُقطے کا اعلان اور مالک کا انتظار ایک سال تک کرنا کافی ہے، لیکن ایک حدیث میں مذکور ہے کہ رحمتِ عالم صلعم نے حضرت اُبَیّ بن کعب رضہ کو تین سال تک انتظار کرنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت اُبَیّ رضہ نے ایک تھیلی پڑی پائی تھی، جس میں سو دینارِ سُرخ تھے۔ وہ اسے لے کر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: "اسے اپنے پاس رکھ کر ایک سال تک اچھی طرح مشتہر کرو اور مالک کا پتا لگاؤ۔" حضرت اُبَیّ رضہ سال بھر مالک کی تلاش میں سرگرم رہے اور برابر اعلان پر اعلان کیا۔ آخر سال بھر کی ناکام جدوجہد کے بعد تھیلی لے کر پھر حاضرِ خدمت ہوئے۔ آپ نے فرمایا: "پھر لے جاؤ اور مزید ایک سال تک مالک کا کھوج لگاؤ۔"

حضرت مکرر ایک سال مالک کی جستجو میں سرگرم رہے، لیکن پھر بھی اس کا کہیں سراغ نہ ملا۔ دوسرے سال کے اختتام پہ پھر آستانۂ نبوّت میں آئے اور التماس کی: "یا رسُول اللہ!

اب تک مالک کا کچھ پتا نہیں چلا۔" آپ نے فرمایا: "مزید ایک برس تک جستجو میں رہو اور دیناروں کی گنتی، تھیلی کی وضع قطع اور بندھن کی شکل ذہن نشین کر دو۔ اگر اس مدت میں اس کا مالک آکر تمام نشانیاں ٹھیک بتائے تو اس کے حوالے کر دو۔ ورنہ اپنے خرچ میں لاؤ، لیکن اگر اس کے بعد مالک آجائے تو پھر ساری رقم تمھیں پائی پائی ادا کرنی ہوگی۔" حضرت اُبَیؓ تیسرے سال بھی دوڑ دھوپ کرتے رہے لیکن مالک کا پتا نشان نہ مل سکا۔ (بخاری ترمذی ابو داؤد)

حضرت امام ابوحنیفہ رح نے فرمایا ہے: "لُقطے کا مالک کسی طرح نہ مل سکے تو اگر پانے والا آسودہ حال ہو تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اس سے خود فائدہ اٹھائے، بلکہ یہ مسکینوں کا حق ہے اور شارع ؑ نے حضرت اُبَیّ بن کعب رض کو جو خود فائدہ اٹھانے کی اجازت دی تو اغلب ہے کہ وہ اُس وقت نادار اور محتاج ہوں گے"۔

اس مسلک کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ سفیان بن عبداللہ ثقفی نے کسی کا توشہ دان پایا تو وہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رض کے پاس لائے۔ انھوں نے حکم دیا کہ ایک سال تک اعلان کرو۔ اگر مالک کا پتا نہ چلے تو وہ تمھارا ہے۔ سال بھر تک مالک کا کوئی پتا نہ ملا تو حضرت خلافت مآب رض نے فرمایا: "اب وہ تمھارا ہے۔" بولے: "میں اس سے مستغنی اور آسودہ حال ہوں۔" حضرت عمر رض نے اسے بیت المال میں داخل کر لیا (مسند دارمی)

قاتل مقتول کا وارث نہیں ہو سکتا

رسول اکرم صلعم کا ایک اصول انصاف یہ ہے کہ قاتل مقتول کا وارث نہیں ہو سکتا۔ عرب جاہلیت میں ایک برائی یہ رائج تھی کہ قاتل بھی مقتول کا وارث ہوگا، لیکن نبی مصلح عالم صلعم نے قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم کر دیا۔ وہ نہ صرف ترکے سے محروم رہتا ہے بلکہ اس کی وصیت [illegible] کا بھی وارث نہیں ہوتا۔

ظہورِ اسلام سے پہلے احیحہ بن جلاح نام ایک شخص تھا۔ اس کا ایک چچا، جو عمر میں اس سے بہت چھوٹا تھا، اپنی ننھیال میں پرورش پا رہا تھا۔ احیحہ نے اس صغیر السن کی جائداد پر قبضہ کرنے کے لیے اسے ننھیال سے لا کر قتل کر ڈالا۔ چونکہ مقتول کا وارث قاتل کے سوا کوئی نہ تھا، اس لیے

Marfat.com

عہدِ جاہلیت کی رسم کے مطابق نہ تو اس مظلوم کے خون کا کوئی دعویٰ دار ہوا اور نہ ننھیال کو دیت کا حق ہوا، غرض اس بے گناہ کا خون رائیگاں گیا اور قاتل بھتیجے بے غل و غش اس کی جائداد پر قابض ہو گیا۔

لیکن اسلام نے آکر پوری طرح ان تمام خرابیوں کی روک تھام کر دی، عہدِ فاروقی رضؓ میں قتادہ نام ایک شخص نے، جو قبیلہ بنی مدلج میں سے تھا، اپنے بیٹے کو تلوار ماری، جو پنڈلی میں لگی۔ خون بند نہ ہوا اور لڑکا مر گیا۔ امیر المومنین حضرت عمر رضؓ نے قاتل کو حکم دیا کہ قدید کے مقام پر مقتول کا خونبہا ایک سو بیس اونٹ تیار رکھے، میں فلاں روز اور فلاں وقت وہاں پہنچوں گا۔ حضرت عمر رضؓ نے یہ خون بہا مقتول کے بھتیجے کو دے دیا اور فرمایا: "قاتل کو دیت میں سے کچھ نہ ملے گا" (موطائے مالکؒ)

سواری کے مالک کا حق

آنحضرت صلعم کا ایک اصول انصاف یہ تھا کہ سواری کے مالک کو آگے بیٹھنے کا حق ہے، عرب کے گدھے جو قدآور اور خوب صورت ہوتے ہیں، گھوڑوں کی طرح سواری کے کام آتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلعم کہیں جا رہے تھے، ایک شخص گدھے پر سوار آیا اور کہنے لگا: "یارسول اللہؐ! سوار ہو جائیے" اور آپ کو آگے سوار کرنے کے لیے سرکا۔ آپ نے فرمایا: "نہیں، آگے بیٹھنے کا حق دار وہی ہوتا ہے جو اس کا مالک ہو"۔ (ابوداؤد)

انصاف و حق شناسی سے قطع نظر اس سے آپ کے انکسار و تواضع کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔

فصل خصومات کا باب نہایت وسیع ہے جس کے استقصاء کی یہاں گنجائش نہیں، تاہم شمائل النبیؐ کے اس پہلو پر بھی یہاں بقدرِ وسعت روشنی ڈالی جاتی ہے۔ کچھ واقعات "عفو و درگزر" کے باب میں قارئین کرام کی نظر سے گزریں گے۔

عدل و داد کی ارزانی

حضرت ہادیٔ انام صلعم نے عدل و داد کو نہایت ارزاں کر دیا تھا۔ آج کل مغرب کی نام نہاد مہذب حکومتوں نے انصاف اور دادرسی کو ایسے قیود سے جکڑ رکھا ہے کہ داد خواہوں کو دعوے سے

Marfat.com

بازآنا عدالت میں جانے سے کہیں زیادہ آسان اور عافیت بخش ہے، لیکن رحمتِ عالم ؐ کا آئین اس قدر آسان تھا کہ انصاف کے حاصل کرنے میں کسی کو کوئی ادنیٰ پریشانی اور دقت پیش نہ آتی تھی۔ مقدمات کے رجوع کرنے میں کوئی صرف برداشت نہ کرنا پڑتا تھا۔ قضاۃ کو تاکید تھی کہ جب کوئی غریب سے غریب آدمی بھی داد خواہی کے لیے آئے تو اس سے نرمی اور خندہ پیشانی سے پیش آئیں تاکہ اظہارِ مدعا میں اس پر خوف و ہراس کا مطلق اثر نہ ہو۔

قاضیوں کو یہ بھی حکم تھا کہ غصے کی حالت میں کسی مقدمے کی سماعت نہ کریں۔ عبیداللہ بن ابی بکرہ کسی جگہ کے قاضی تھے۔ ان کے والد حضرت ابوبکرہ رضؓ نے انھیں لکھ بھیجا کہ غصے کی حالت میں متخاصمین کا کبھی فیصلہ نہ کرنا کیونکہ رسولِ خدا ؐ فرماتے تھے "جب حاکم غصے میں ہو تو وہ مدعی اور مدعا علیہ میں کسی بات کا فیصلہ نہ کرے۔" (ترمذی)

اسلامی دستور اور غیر اسلامی آئین

یہاں اسلامی اور غیر اسلامی آئین کا تھوڑا سا تقابل پیش کیا جاتا ہے۔ قتل کی دو قسمیں ہیں: قتل عمد اور قتل خطا۔ اول الذکر یعنی دانستہ قتل کرنے کی صورت میں خون کے بدلے خون ہے لیکن ہادیٔ عالم صلعم نے ازراہ معدلت گستری ورثائے مقتول کو یہ بھی اختیار دیا کہ خون کے عوض دیت (خون بہا یا مالی معاوضہ) لے کر قاتل کو چھوڑ دیں یا بالکل معاف ہی کر دیں۔ قتادہ رضؓ سے مروی ہے کہ امت موسوی کے لیے دیت حلال نہ تھی اور مقتول کے ورثاء مامور تھے کہ قصاص لیں یا بالکل معاف کر دیں۔ نصاریٰ کو نہ قصاص کی اجازت تھی نہ دیت کی بلکہ بالکل معاف کر دینے کا حکم تھا لیکن امت محمدیؐ کے لیے قصاص، دیت، عفو تینوں امور مشروع ہوئے۔ (تفسیر مظہری بحوالہ ابن جریر)

ان ادیانِ ثلاثہ کے مقابلے میں متحدہ ہندوستان کا انگریزی قانون جس نے مقتول کے وارثوں کو کسی قسم کا کوئی اختیار نہ دیا، سخت احمقانہ اور بعض وجوہ سے انتہائی ظالمانہ تھا۔ انگریزی قانون نے قتل عمد کے مجرم کو موت یا حبس دوام کی سزا دی اور ستم رسیدہ ورثائے مقتول کے زخم ہائے دل پر ہمدردی اور تسکین کا مرہم رکھنے کا بہت کم خیال کیا۔

انگریزی قانون کی مضرت کا ایک نمایاں پہلو ملاحظہ ہو:-

فرض کرو کہ ایک بیوہ خاتون کے دو بیٹے ہیں سوءِ اتفاق سے دلوں میں کدورت پیدا ہوئی اور رنجش یہاں تک بڑھی کہ ایک نے دوسرے کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ انگریزی قانون ستم رسیدہ بڑھیا کی مرضی معلوم کیے بغیر اس کے دوسرے بیٹے کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دے گا۔ اس کا ایک بیٹا تو بھائی سے متصادم ہو کر مر گیا تھا، دوسرا انگریزی قانون کی بھینٹ چڑھ گیا اور اس طرح بجائے دادرسی کے آفت رسیدہ بیوہ کو دوسرا اچکا لگا کر زندہ درگور کر دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ اگر ورثائے مقتول کو خونبہا مل جائے تو ان کی بہت حد تک اشک شوئی ہو جاتی ہے، لیکن یہودی قانون میں یہ خامی تھی کہ اس میں ورثائے معقول کے نقصان کی تلافی کسی طرح نہ ہوتی تھی۔ اسی طرح نصرانی دستور نہ تو قیام امن کا کفیل تھا اور نہ اس میں ورثائے مقتول سے عملی ہمدردی کا لحاظ رکھا گیا تھا۔ اور انگریزی قانون نہ مصیبت زدوں کے مالی نقصان کا معاوضہ دلاتا ہے اور نہ بیچاروں کو یہی اختیار تفویض کرتا ہے کہ عفو و درگزر سے کام لے کر ورثائے قاتل کو مرہونِ احسان کر سکیں۔ اس لیے ظاہر ہے کہ یہودی یا نصرانی اور انگریزی قوانین کے مقابلے میں اسلامی دستور العمل نہایت مکمل، قرینِ عقل اور مبنی بر انصاف ہے اور اس میں کسی خامی و کوتاہی کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔

اگر کوئی شخص اسلامی قانون پر یہ اعتراض وارد کرے کہ خون بہا یا معافی کی صورت میں کوئی سرمایہ دار بدمعاش جب چاہے گا کسی دشمن کی جان لے لیگا اور دیت دے کر بَری ہو جائے گا تو یہ اس کی جہالت اور بے خبری کی دلیل ہو گی کیونکہ خون بہا دے کر چھوٹ جانا قاتل کے بس میں نہیں، بلکہ مقتول کے ورثاء ہر طرح مجاز ہیں کہ چاہیں تو جان کے بدلے جان لیں یا خون بہا قبول کریں یا معاف کر کے فریق مقابل کی طرف احسان کا ہاتھ بڑھا جائیں۔

معلوم ہو کہ مقتول کا خون بہا دس ہزار درہم یا پاکستانی روپے سے اس کی مقدار

تقریباً تین ہزار روپیہ ہے۔ اس سے کم جس رقم پر فریقین باہم رضامند ہو جائیں، حکام اسی کے منظور کرنے کے مامور ہیں۔

ایک خون بہا کی ادائی انگریزی عملداری میں محکمۂ مال اور پولیس کے آدمی دیہات میں جا کر طرح طرح کے ظلم ڈھاتے تھے، یہاں تک کہ بعض اوقات ان کے ہاتھوں رعایا کے آدمی ہلاک بھی ہو جاتے تھے، لیکن سرکاری عملہ سے کوئی باز پرس نہ ہوتی تھی اور کبھی نہ دیکھا یا سنا گیا کہ حکومت نے مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کر کے عدل و انصاف کا ثبوت دیا ہو، مگر دنیا کے مصلح اعظم صلعم کی معدلت گستری کا یہ عالم تھا کہ اگر کبھی سرکاری محصّل بھی کسی چیرہ دستی کا ارتکاب کر بیٹھے تھے تو آپ مظلوموں کی پوری طرح دادرسی فرماتے تھے۔

ابوجہم بن حُذیفہ قُرشی مکۂ معظمہ کے ایک نو مسلم تھے۔ انھوں نے فتح مکہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہو کر التماس کی: "یا رسول اللہ! مجھے تحصیل زکوٰۃ پر مامور فرما دیجیے۔" آنحضرتؐ نے ان کی درخواست کو شرف قبول بخش کر انھیں ایک نو مسلم قبیلے کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے کو بھیجا۔ وہاں جا کر کسی شخص سے جھگڑ بیٹھے اور اس کا سر پھوڑ کر اُسے شہر میں پہنچا دیا۔ قبیلے کے لوگ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر کہنے لگے: "یا رسول اللہ! قصاص دلائیے۔" آپ نے فرمایا: "اچھا، تم اتنا مال لے لو۔" وہ راضی نہ ہوئے۔ آپ نے رقم بڑھا کر فرمایا: "اچھا اتنا لے لو۔" وہ اس پر راضی ہو گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا: "میں آج سہ پہر کو لوگوں کے سامنے خطبہ دوں گا، جس میں تمھاری رضامندی کا اظہار کروں گا۔" انھوں نے کہا: "ہاں ضرور کیجیے۔"

سہ پہر کے وقت آپ نے خطبہ دیا، جس میں فرمایا: "قبیلہ لیث کے لوگ میرے پاس قصاص کے لیے آئے، میں نے انھیں اتنا مال دینے کا وعدہ کیا ہے اور یہ اس پر راضی ہو گئے ہیں۔" پھر انھیں کو مخاطب کر کے پوچھا: "کیا تم راضی ہو؟" انھوں نے کہا: "ہم راضی نہیں۔" یہ سن کر صحابۂ کرام رضہ کو سخت طیش آیا اور حضرات مہاجرین رضہ ان کی تادیب و گوشمالی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، کیونکہ انھوں نے ازراہ نادانی صادق امین صلعم کو

جھٹلایا تھا) آپ نے مہاجروں کو اس سے منع کیا اور فرمایا: "سب لوگ اپنے ہاتھ روک لیں" حضرات مہاجرین رضوان کی ایذا رسانی سے دست بردار ہو گئے۔

آپ نے داد خواہوں کو بڑی شفقت سے دوبارہ بلا بھیجا اور بہت سا اور مال دینے کی پیشکش کی اور ان سے پوچھا: "اب تو راضی ہو؟" انھوں نے کہا: "یا رسول اللہ! اب ہم بالکل مطمئن ہیں۔" آپ نے فرمایا: "اچھا، میں لوگوں کے سامنے خطبہ دوں گا اور اس میں تمھاری رضامندی کا ذکر کروں گا۔" کہنے لگے: "بہتر ہے۔" سو اب آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور سب کے سامنے ان سے پوچھا: "تم لوگ راضی ہو گئے؟" انھوں نے کہا: "ہم خوش ہیں۔" (سنن ابو داؤد، موطائے امام مالک)

تورات، قرآن اور تعزیراتِ ہند

تورات میں ضربِ جسمانی کی سزا اسی کی مثل بتائی گئی۔ چنانچہ لکھا ہے: "وہ جو انسان کو مار ڈالے گا، سو مار ڈالا جائے گا اور جو کوئی حیوان کو مار ڈالے تو وہ حیوان کے عوض حیوان دے۔ اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگائے، سو جیسا کرے گا، ویسا ہی پائے گا، توڑنے کے بدلے توڑنا، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت، جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے، اس سے ویسا ہی کیا جائے۔" (احبار باب ۲۴ درس ۱۷-۲۰)

اسلام نے اس حکم کو بحال رکھا لیکن ساتھ ہی مالی معاوضہ لینے یا بالکل معاف کرنے کا بھی اختیار دیا۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص ط فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ۔

(۵:۴۶)

اور ہم نے تورات میں یہود پر یہ امر لازم کیا تھا کہ شخص کے بدلے شخص قتل کیا جائے اور آنکھ کے عوض آنکھ (پھوڑی جائے) ناک کے بدلے ناک اور کان کے عوض میں کان (قطع کیے جائیں) اور دانت کے بدلے دانت (نکالے جائیں) اور زخموں کا حکم بھی مماثلت کے اعتبار سے ہے لیکن جو کوئی اسے معاف کر دے تو یہ عفو اس کا کفارہ ہے۔

Marfat.com

گو یہ حکم یہود پر فرض کیا گیا تھا لیکن شریعت محمدی میں بھی مامور بہ ہے۔ آیت مذکور میں قصاص اور معافی دو باتوں کا ذکر ہے اور دیت مذکور نہیں لیکن حامل وحی صلعم کے عمل سے امت محمدی کے لیے وہ بھی مشروع ہے۔ آپ مضروب کو مالی معاوضہ بھی دیا کرتے تھے۔

فقہائے لکھا ہے کہ اگر کسی کی آنکھ میں اس طرح مارا کہ روشنی جاتی رہی لیکن آنکھ اپنی جگہ قائم رہی تو اس کے قصاص کی صورت یہ ہے کہ ضارب کے چہرے پر تر روئی رکھ کر آئینہ گرم کر کے آنکھ کے سامنے کیا جائے، اس سے اس کی بینائی جاتی رہے گی۔ صحابہ رضا کا یہی طریقہ تھا۔ اگر کوئی کسی کی ناک کاٹ ڈالے تو اس کے عوض میں اس کی بھی ناک کاٹی جائے کیونکہ قصاص میں مماثلت ہونی چاہیے (تفسیر احمدی)

متحدہ ہندوستان کا انگریزی قانون یہ تھا کہ جو کوئی کسی کو بالارادہ ضرر شدید پہنچائے، اسے قید کی سزا دی جائے گی، جس کی میعاد سات برس تک ہو سکتی ہے (تعزیرات ہند دفعہ ۳۲۵) لیکن اس ضابطے میں بھی یہ سقم موجود تھا کہ مضروب کو دادرسی میں بالکل بے بس اور بے اختیار رکھا گیا۔ فرض کرو کہ کسی نے ایک پیشہ ور کا داہنا ہاتھ کاٹ کر اُسے ہمیشہ کے لیے ناکارہ کر دیا اور اس قابل بھی نہ رہنے دیا کہ محنت مشقت کر کے اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پال سکے، مگر باوجود اس کے انگریزی قانون نے مجرم کو سات سال قید بامشقت کی سزا دے دی تو بتاؤ کہ مظلوم کو اس سزا سے کیا فائدہ پہنچا اور اس کی دادرسی کیا ہوئی؟ اس کی راحت و تسکین کی صورت تو یہ تھی کہ اسے ضرر کا مالی معاوضہ دلایا جاتا یا کم از کم ضارب اور اس کے خاندان سے خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کے لیے بالکل معاف کر دینے ہی کا مضروب کو اختیار ہوتا۔

دیت اور عفو کے چند واقعات

دانت کے بدلے دانت | حضرت اُمّ سُلیم رضا مدینۂ منورہ کی ایک مشہور صحابیہ تھیں۔

ان کے پہلے شوہر کا نام مالک بن نضر تھا، جن سے رسولِ خدا صلعم کے خادم حضرت انسؓ بن مالک پیدا ہوئے تھے۔ حضرت انس رضؓ کی پھوپھی کا نام ربیع بنت النضر تھا۔ ربیع نے ایک مرتبہ کسی اشتعالِ طبع کے موقع پر ایک لڑکی کا دانت توڑ ڈالا۔ جب مصالحت کی کوششیں ناکام ثابت ہوئیں تو فریقین بارگاہِ نبویؐ میں پیش ہوئے۔ آپ نے حکم دیا کہ دانت کے بدلے دانت توڑا جائے گا۔ حضرت انسؓ خادمِ رسولؐ کے چچا کا نام بھی انسؓ تھا۔ حضرت انس بن نضر انصاری رضؓ، جو آگے چل کر غزوۂ احد میں شہید ہوئے، ایک فدا کار صحابی تھے۔ انھوں نے حلف اٹھالیا اور کہا: "خدا کی قسم! میری بہن کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔"

پیشوائے امت صلعم نے فرمایا: "اے انس رضؓ! خدا کا حکم تو قصاص ہی کا ہے، البتہ اگر مدعی دِیَت (مالی معاوضہ) قبول کرلیں تو قصاص ٹل سکتا ہے۔" چنانچہ جب دوبارہ کوشش کی گئی تو لڑکی کا قبیلہ قصاص معاف کرکے دِیَت لینے پر راضی ہوگیا۔ یہ دیکھ کر سرورِ عالم صلعم نے عالمِ مسرت میں انسؓ بن نضر رضؓ کے حق میں فرمایا: "یقیناً اللہ تعالیٰ کے ایسے نیک بندے بھی ہیں کہ اگر کسی بات میں اللہ پر قسم کھالیں تو ربِّ وَدُود ان کی قسم پوری کردیتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

زخم کے معاوضے میں کنواں

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ پر افترا کے اصل بانی تو رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَیّ اور اُس کے منافق پیرو تھے، لیکن تین مسلمان (دو مرد، ایک عورت) بھی غلطی سے اس طوفان میں شریک ہوگئے تھے، جن میں حضرت حسّان بن ثابت رضؓ بھی شامل تھے۔ حسّان رضؓ نے چند شعروں میں صفوان بن معطل رضؓ کو بھی ہدفِ طعن بنایا تھا۔ جب حضرت صفوان رضؓ کو معلوم ہوا کہ حسّان رضؓ نے ان کی ہجو میں شعر کہے ہیں تو تلوار لے کر ان کے پاس پہنچے اور ضرب رسید کردی۔ حضرت ثابت بن قیس انصاری رضؓ نے کہا: "حسّان پر تلوار کا ایسا وار ہوا ہے کہ شاید جانبر نہ ہوسکیں۔" مگر زخم خطرناک نہ تھا۔ جب یہ مقدمہ پیش گاہِ نبویؐ میں زیرِ سماعت ہوا تو آپ نے صفوان رضؓ سے اس

اقدام کی وجہ دریافت کی۔ انھوں نے کہا: "یارسول اللہ! انھوں نے ناحق میری ہجو میں شعر کہے۔ مجھے غصہ آ گیا اور میں نے تلوار مار دی۔" آپ نے حسان رض سے فرمایا: "تمھیں ایسی باتیں نہیں کرنی چاہییں۔ خدا نے صفوان رض کو اور ان کی قوم کو راہِ ہدایت دکھائی ہے۔" اس کے بعد حضرت حسان رض سے فرمایا: "زخم جو تمھیں لگا ہے، معاف کر دو۔" حسان رض نے کہا: "یارسول اللہ! آپ کو ہر طرح اختیار ہے۔" آپ نے اس زخم کے عوض میں اپنی طرف سے حضرت حسان رض کو بیرحاء نام کا ایک کنواں عطا فرمایا

(سیرت ابن ہشام)

فاتح طائف کے خلاف فیصلے

فتح مکہ کے بعد سید کائنات صلعم نے قبیلہ ثقیف کی شرانگیزیوں سے تنگ آ کر قلعۂ طائف کا محاصرہ کیا تھا۔ قلعہ نہایت مستحکم تھا۔ ثقیف نے محصور ہونے سے پہلے اس میں اسلحہ کی فراوانی کے علاوہ ایک سال کی رسد بھی جمع کر لی تھی۔ جب محاصرے کو پندرہ دن گزر گئے تو آپ نے ایک خواب دیکھ کر اس کی یہ تعبیر فرمائی کہ فی الحال قلعہ مسخر نہیں ہو سکے گا اس لیے محاصرہ اٹھا کر آپ طائف سے مراجعت فرما ہوئے۔

اب صخر رض نے سرورِ انبیاء ص کو اطلاع دی کہ ثقیف نے حضور ص کی اطاعت کر لی اور قلعہ فتح ہو گیا ہے۔ جب آپ کے پاس یہ مژدہ پہنچا تو بہت خوش ہوئے اور نماز کے بعد صخر رض کے قبیلہ احمس کے حق میں دس مرتبہ دعا کی: "الٰہی! احمس کے گھوڑوں اور ان کے مردوں میں برکت دے۔"

تسخیر قلعہ کے بعد صخر رض اور قبیلۂ احمس کے چند اور رؤساء مدینہ آ کر آنحضرت ص کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تھوڑی دیر میں حضرت مغیرہ بن شعبہ صحابی رض نے صخر رض کے خلاف شکایت کی: "یارسول اللہ! صخر رض نے مالِ غنیمت میں میری پھوپھی کو لونڈی بنا لیا تھا اور باوجودیکہ وہ مسلمان ہو چکی ہے، انھوں نے اسے اب تک آزاد نہیں کیا۔" آپ نے صخر رض کو بلا کر حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپھی واپس دے دو۔ جب کوئی قوم مسلمان ہو جاتی ہے تو اس کی جان و مال ہر طرح محفوظ ہو جاتی ہے اور مسلمانوں پر فرض ہو جاتا

Marfat.com

ہے کہ اس کے مال وجان کی حفاظت کریں۔ صخر رضؓ نے ان کی پھوپھی واپس کر دی۔

اس کے بعد صخر رضؓ نے التماس کی "یارسول ﷺ اللہ! جب بنی سُلیم شکست کھاکر بھاگے تھے تو ہم نے ان کے پانی (چشمہ یا تالاب) پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب درخواست ہے کہ وہ پانی مجھے اور میرے قبیلہ احمس کو بخش دیجیے۔" آپ نے فرمایا: "اچھا، تم لوگ اس پر قابض رہو۔" اس کے بعد جب بنی سُلیم مسلمان ہو گئے تو صخر رضؓ کے پاس جاکر اپنا پانی واپس مانگنے لگے۔ صخر رضؓ نے اس خیال سے کہ رسُولِ ﷺ خدا وہ پانی انہیں اور ان کی قوم کو عطا کر چکے ہیں، اس کے واپس دینے سے انکار کیا۔

بنی سُلیم نے مدینہ منورہ آکر دربارِ نبوی ﷺ میں فریاد کی۔ آپ نے صخر رضؓ کو بُلا بھیجا اور فرمایا: "اے صخر رضؓ! جب کوئی قوم مسلمان ہو گئی تو اس نے دوسرے مسلمانوں کے ہاتھ سے اپنی جان و مال کو محفوظ کر لیا۔ تم ان کا پانی واپس دے دو۔" صخر رضؓ نے کہا: "یارسُول ﷺ اللہ! میں واپس دے دیتا ہوں۔" حضرت صخر رضؓ کا بیان ہے کہ جب سیدِ عالم ﷺ نے مجھے پانی کی واپسی کا حکم دیا تو اس وقت آپ کے چہرۂ انور کا رنگ شرم و حیا سے متغیر ہو گیا کہ میں نے صخر رضؓ سے لونڈی بھی واپس دلائی اور پانی بھی لے لیا۔ (ابوداؤد)

یہ تھا رسُولِ انام صلعم کا انصاف کہ تسخیرِ طائف جیسے کارنامے کے باوجود دونوں مرتبہ دربارِ نبوی ﷺ سے صخر رضؓ ہی کے خلاف فیصلہ ہُوا۔

بنت حضرت حمزہ رضؓ کی کفالت

حُدیبیہ کے مقام پر قریشِ مکہ سے سرورِ انبیاء ﷺ کا جو معاہدہ ہُوا تھا، اس کی ایک شرط یہ تھی کہ محمد ﷺ عمرہ ادا کرنے کے لیے اگلے سال مکہ آئیں گے اور تین دن تک رہیں گے۔ اس فیصلے کے بموجب آپ اگلے سال صحابۂ کرام رضؓ کی رفاقت میں مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ اس سفر سے چند سال پہلے آپ کے عمِ محترم حضرت حمزہ رضؓ غزوۂ اُحد میں شہید ہو چکے تھے اور ان کی ایک صغیر السن صاحبزادی اُمامہ ہنوز مکہ معظمہ ہی میں تھیں۔ جب آپ تین دن کے بعد مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے تو اُمامہ آپ کے پیچھے

آکر آپ کو چچا چچا پکارنے لگی۔ حضرت حمزہ رضؓ چچا ہونے کے علاوہ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے کیونکہ ثویبہ نے دونوں کو ان کے بچپن میں دودھ پلایا تھا۔ اس لیے اس بچی نے آپ کو چچا کہہ کر پکارا۔

حضرت علی مرتضیٰ رضؓ نے اس قصد سے کہ مدینہ لے جاکر پرورش کریں گے، امامہ کا ہاتھ پکڑ کر ہودج میں بٹھا لیا۔ لیکن ان کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیار رضؓ اور حضرت زید بن حارثہ رضؓ بھی اپنا اپنا حق کفالت و پرورش جتانے لگے۔ حضرت علی رضؓ نے فرمایا: "یہ میرے چچا کی بیٹی ہے، اس لیے میرے پاس رہے گی۔" حضرت جعفر رضؓ نے کہا: "یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے۔ اس لیے میں اس کا زیادہ مستحق ہوں۔" نبی صلعم نے ہجرت کے بعد مدینۂ منورہ میں حضرت زید رضؓ اور حضرت حمزہ رضؓ کو بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ اس لیے حضرت زید رضؓ کہنے لگے: "یہ بچی میری بھتیجی ہے، لہٰذا میرا حق پرورش فائق ہے۔"

آخر تینوں حضرات نے بغرض تصفیہ بارگاہِ نبوت کی طرف رجوع کیا۔ پیغمبر صلعم نے تینوں جان نثاروں کے دلائل سننے کے بعد حضرت جعفر رضؓ کے حق میں فیصلہ کیا اور فرمایا: "خالہ بمنزلہ ماں کے ہے، اس لیے یہ بچی اپنی خالہ کے پاس رہے گی۔" چونکہ اس فیصلے سے حضرت علی رضؓ اور حضرت زید رضؓ کی کچھ نہ کچھ دل شکنی متصوّر تھی، اس لیے آپ نے حضرت علی رضؓ سے فرمایا: "تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں" اور حضرت زید رضؓ سے کہا: "تم ہمارے بھائی اور مولیٰ (محبوب) ہو" اور ساتھ ہی حضرت جعفر رضؓ کے حق میں فرمایا: "جعفر رضؓ خلقت اور خلق میں میرے مشابہ ہیں۔" (بخاری و مسلم و مرقات)

یاد رہے کہ حضرت علی رضؓ آپ کے عم زاد بھائی اور فرزند معنوی تھے اور حضرت زید رضؓ آپ کے متبنّٰی تھے اور حضرت علی مرتضیٰ رضؓ سے آپ کا یہ خطاب کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اتحاد، یگانگی اور محبت سے کنایہ ہے۔ آپ نے اپنے عم محترم حضرت عباس رضؓ سے بھی فرمایا تھا:

Marfat.com

العبّاس منّی و انا منہُ۔ — عبّاس مجھ سے ہیں اور میں عبّاس سے ہوں۔

(رواہ الترمذی)

شوہر اور بیوی کی نزاع ایک عورت دراقدس پہ حاضر ہوکر عرض کرنے لگی: "یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میرا شوہر مجھ سے میرا بچّہ چھیننا چاہتا ہے اور اس بچّے سے مجھے بہت آرام ہے۔ یہ مجھے ابُو عنیبہ کے کنوئیں سے پانی لادیتا ہے۔" آپ نے اس کے شوہر کو بُلا بھیجا۔ وہ کہنے لگا: "مجھ سے میرا بیٹا کون لے سکتا ہے؟" آپ نے اس لڑکے سے فرمایا: "بچّے! یہ تیرا باپ ہے اور یہ تیری ماں ہے۔ ان دونوں میں سے جس کے پاس رہنا چاہتا ہے، اس کا ہاتھ پکڑ لے۔" لڑکے نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اسے اپنے ساتھ لے گئی۔ (نسائی)

مساوات پسندی گو تقویٰ اور تعلّق باللہ کے لحاظ سے مراتب میں فرق ہے، اور آنحضرت صلعم کی نظر میں یہ فرق ہمیشہ ملحوظ رہا لیکن آپ کا ظاہری برتاؤ امیر و غریب، صغیر و کبیر، خادم و مخدوم سب سے ہمیشہ برابر رہا۔ اسی طرح اقرباء سے اچھّا سلوک کرنے میں کوئی انسان آپ کا ہمسر نہ تھا، مگر جن امور سے متعلق اصول مساوات کی رعایت ضروری ہوتی تھی، ان میں آپ خویش و بیگانہ کے درمیان کوئی امتیاز نہ فرماتے تھے۔

دربارِ رسالت نے جنگ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ آپ کے عمِّ محترم حضرت عبّاس رضؓ جو بادلِ ناخواستہ قریش کے مجبور کرنے پر مسلمانوں سے لڑنے آئے تھے، وہ بھی اسیروں میں شامل تھے۔ ان کی ننھیال مدینہ منورہ میں تھی۔ ان کی والدہ انصار کے قبیلہ خزرج سے تھیں۔ اس لیے خزرجی انصار سرکارِ عالمؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگے: "یارسولؐ اللہ! عبّاس رضؓ ہمارے بھانجے ہیں۔ ہم ان کا فدیہ چھوڑتے ہیں۔" لیکن سرورِ کائنات صلعم نے اصول مساوات کے تحت

اسے پسند نہ فرمایا اور متمول ہونے کے باعث ان سے ایک معقول رقم کا مطالبہ کیا۔ حضرت عباس رضنے ناداری کا عذر پیش کر کے کہا: "اس کے علاوہ قریش نے مجھے بجبر و اکراہ اس جنگ میں شریک کیا ہے۔"

ارشاد فرمایا: "دل کا حال خدا جانتا ہے۔ اگر آپ کا بیان صحیح ہے تو خدا اس کا اجر دے گا۔" گو حضرت عباس رضہ بباطن پہلے ہی مسلمان تھے، لیکن آپ نے ظاہری حالت کے اعتبار سے کوئی رعایت نہ کی اور فرمایا: "ناداری کا عذر قابل التفات نہیں، کیونکہ مجھے معلوم ہے، آپ مکہ سے آتے وقت چچی امّ الفضل رضہ کے پاس ایک بڑی رقم رکھ آئے ہیں۔" حضرت عباس رضنے حیرت زدہ ہو کر کہا: "واللہ! اس رقم کا حال میرے اور ام الفضل رضہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ آپ کو خبر پہنچا دیتا ہے" اور اپنی طرف سے نیز حضرت علی رضہ کے بڑے بھائی عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کی طرف سے مطلوبہ فدیہ دے کر مخلصی حاصل کی (مسند امام احمد رح)

قریظی اور نضیری یہودیوں کی مساوات

اطراف مدینہ میں بنی نضیر اور بنی قریظہ دو یہودی قبیلے رہتے تھے۔ ان میں بنی نضیر زیادہ با اثر اور معزز مانے جاتے تھے۔ اس لیے اگر کوئی قریظی کسی نضیری کو ہلاک کر دیتا تو نضیری اسے قتل کر ڈالتے تھے لیکن اگر کوئی قریظی کسی نضیری کے ہاتھ سے مارا جاتا تو چھاروں کے سو وسق بطور خونبہا دے دیتا۔ جب حضور خیر الانام صلعم کی تشریف آوری کے بعد آپ کو مدینۂ منورہ میں حاکمانہ اقتدار حاصل ہوا تو اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آنے پر بنی قریظہ نے بارگاہ نبوت میں مرافعہ کیا۔ اس پر سورۂ مائدہ کی چند آیتیں نازل ہوئیں، جن میں سے ایک یہ ہے:

وکتبنا علیھم فیھا	اور ہم نے یہود کو (توراۃ میں)
ان النفس بالنفس	حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان،
والعین بالعین والانف	آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے عوض

Marfat.com

بالانف والاذن بالاذن — ناک ،کان کے عوض کان ،دانت
والجروح قصاص ۔ — کے بدلے دانت اور زخموں کے
(ابوداؤد) — بدلے ویسے ہی زخم معاوضہ ہیں۔

اس حکم کے بموجب آپ نے قریظیوں اور نضیریوں کو ایک درجے میں رکھ کر اوّل الذکر کے حق میں فیصلہ کیا اور دونوں قبیلوں میں برابر کا قصاص جاری کردیا۔

اولاد میں انصاف اور مساوات

تمام اولاد سے یکساں سلوک کرنا واجب اور کسی کو کم دبیش دینا ظلم ہے حضرت فخر انام صلعم کو یہ امر سخت ناگوار تھا کہ اولاد سے امتیازی سلوک کیا جائے۔ ایک مرتبہ عروہ بنت رواحہ رضہ نے اپنے شوہر بشیر رضہ سے (جو ان کی دوسری بیوی تھیں) کہا: "میرے بیٹے نعمان کو ایک غلام ہبہ کردو اور ہبہ نامہ پر پیغمبرؐ خدا کی شہادت کرادو" حضرت بشیر رضہ نے اس خواہش کی تعمیل کی اور سرور دوجہاں ؐ کی شہادت کرانے کے لیے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر التماس کی: "یارسول ؐ اللہ! اس نے اپنے بیٹے نعمان کو، جو عمرہ بنت رواحہ سے ہے، ایک غلام دیا ہے اور عمرہ کی خواہش ہے کہ اس ہبہ پر حضورؐ کی شہادت ہو۔ آپ نے دریافت فرمایا: "کیا تمھارے اور بھی بیٹے ہیں؟" بولے: "ہاں، یارسول ؐ اللہ اور بھی ہیں" فرمایا: "خدا سے ڈرو اور اولاد میں انصاف کرو۔ میں ظلم پر کسی حالت میں گواہ نہیں ہوسکتا" یہ سن کر بشیر رضہ گھر واپس آئے اور نعمان سے غلام واپس لے لیا (بخاری ومسلم)

سعید بن منصور کی روایت ہیں آنحضرت صلعم نے فرمایا: "عطاو بخشش میں اپنی اولاد میں برابری کرو۔ اگر میں کسی کو زیادہ دلاتا تو لڑکیوں کو دلاتا" علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس حدیث کا اسناد اچھا ہے۔

وصیت میں عدل وانصاف

جس طرح عام حالات میں اولاد سے انصاف ومساوات کا برتاؤ واجب ہے اسی طرح

وصیّت میں بھی عدل و مساوات کا لحاظ رکھنا لازم ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں میراث کے حصّے مقرر کر دیے ہیں۔ ترکہ ہمیشہ انھیں کے مطابق تقسیم ہونا چاہیے۔ سب سے پہلے میّت کے ترکے میں سے کفن و دفن کے ضروری مصارف دیے جائیں، پھر میّت کے ذمّے کچھ قرض ہو تو وہ ادا کیا جائے۔ اس سے جو پس انداز ہو، وہ ورثاء میں حسبِ فرمانِ خداے علیم و خبیر منقسم ہو۔ تہائی مال میں وصیّت بھی جائز ہے لیکن وصیّت کرتے وقت انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنا چاہیے۔

حضرت سرورِ عالم و عالمیاں صلعم نے فرمایا: "بعض مرد و زن ساٹھ برس تک حق تعالیٰ کی بندگی کرتے ہیں، پھر موت کے وقت وصیّت کرتے ہوئے کسی وارث کو ضرر پہنچا کر دوزخ کے مستحق ہو جاتے ہیں۔" (ترمذی و ابوداؤد)

دوسری روایت میں آپ نے فرمایا: "آدمی ساٹھ ستّر برس تک نیک عمل کرتا ہے، پھر دمِ واپسیں وصیّت میں ظلم کرتا ہے تو اس کا خاتمہ بُرا ہوتا ہے۔ آخر جہنّم میں جا گرتا ہے لیکن دوسرا شخص وصیّت میں انصاف کرتا ہے، اس لیے وہ خاتمہ بالخیر کی دولت سے سرفراز ہو کر جنّت میں چلا جاتا ہے۔" (ابن ماجہ)

حدود اللہ میں انصاف و مساوات

حضرت احمدِ مختار صلعم حدود اللہ کے اجراء میں میزانِ عدل کی پوری طرح نگہداشت کرتے تھے اور جرائم کی پاداش و مکافات میں کسی کی عظمتِ شان کا مطلق پاس نہ فرماتے تھے۔ جب مکّہ فتح ہوا اور وہاں اسلامی قانون نافذ کیا گیا تو مکّہ کی ایک مخزومی عورت نے چوری کی۔ اس عورت کی عادت تھی کہ چیزیں عاریۃً لے کر مُکر جاتی تھی۔ چونکہ یہ عورت قریش کے مشہور خاندان بنی مخزوم میں سے تھی اور حضرت سیف اللہ خالد رض بن ولید کی دُور کی رشتہ دار تھی، اُدھر سارے قریش اس باب میں تگ و دَو کرنے لگے کہ کسی طرح یہ عورت حدِّ شرعی سے بچ جائے۔

آخر اس بات کی تفتیش شروع ہوئی کہ نبی صلعم کس کی بات سب سے زیادہ مانتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ اپنے مُتبنّٰی زادہ اُسامہ رض بن زید رض کو سب سے زیادہ

Marfat.com

چاہتے ہیں اور ان کی درخواست کبھی مسترد نہیں فرماتے۔ اعیانِ قریش کی درخواست پر حضرت اُسامہؓ بن زید رضؓ سفارش کرنے پر رضامند ہو گئے۔ حضرت اُسامہ رضؓ حاضرِ خدمت ہو کر عورت کے حق میں عرض معروض کرنے لگے۔ یہ سُن کر آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ (غصے سے) سرخ ہو گیا اور فرمایا: "اُسامہ رضؓ! تم تعزیراتِ خُداوندی میں سفارش کرتے ہو؟" حضرت اُسامہ رضؓ اپنی غلطی پر سخت نادم ہو کر عرض پیرا ہوئے:
"یا رسُولؐ اللہ! مجھ سے غلطی ہوئی، آپ میری مغفرت کی دعا فرما دیجیے۔"

جب شام ہوئی تو آپ (مسجد الحرام میں) کھڑے ہوئے اور مجمع کثیر میں خطبہ دیا، جس میں فرمایا: "تم سے پہلی اُمتیں اس وجہ سے ہلاک کی گئیں کہ جب ان میں سے کوئی شریف اور عالی نسب آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے لیکن جب کوئی ضعیف شخص سرقے کا مرتکب ہوتا تو اُس پر حد جاری کرتے اور مجھے اللہ کی قسم ہے کہ اگر میری بیٹی فاطمہ رضؓ چوری کرے تو میں یقیناً اس کا بھی ہاتھ قطع کر دوں۔"

غرض اُس مخزومی عورت کا ہاتھ کاٹا گیا۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں: "وہ عورت بالکل اچھی ہو گئی اور اس حادثے کے بعد اُس نے کسی شخص سے نکاح کر لیا۔ وہ میرے پاس آیا کرتی اور میں اُس کی معروضات کو پیش گاہِ نبوی میں عرض کر دیا کرتی۔" (صحیح مسلم)

بیویوں میں عدل و مساوات

بعض لوگ ایک سے زائد عورتوں کو عقدِ زوجیت میں لے آتے ہیں، لیکن اُن سے عدل و مساوات کا برتاؤ نہیں کرتے اور ایک کی طرف زیادہ مائل رہتے ہیں۔ ہادیٔ انام صلعم نے اس پر بہت کچھ زجر و توبیخ فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں انصاف نہ کرے اور ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو جائے تو قیامت کے دن اُس کا حشر ایسے حال میں ہو گا کہ اُس کا نصف دھڑ اسی طرح مفلوج اور گرا (ایک طرف کو جھکا ہوا) ہو گا، جس طرح وہ دنیا میں ایک

طرف مائل تھا۔" (ترمذی و ابو داؤد)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے اپنے بھانجے عروہ بن زبیر سے بیان کیا کہ سرور کائنات صلعم ازواج کی تقسیم میں کسی ایک کو دوسری پر تفوّق نہ دیتے تھے اور ہر ایک کے لیے ایک دن اور ایک رات مقرر فرمارکھی تھی (ابوداؤد) آپ ہر روز باری باری ایک حرم میں قیام فرماتے، لیکن وہ مرض جس میں آپ رہگرائے عالم جاودانی ہوئے، اس میں آپ نے ازواجِ مطہرات کو بلوا بھیجا اور فرمایا: "اب مجھ میں اس کی طاقت نہیں کہ باری باری سب کے یہاں جا سکوں اس لیے اگر اجازت دو تو میں یہیں (اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضہ کے گھر میں) رہوں۔" انھوں نے اجازت دی اور آپ تادمِ واپسیں وہیں اقامت فرما رہے۔ (ابوداؤد)

یہ تو باقاعدہ قیام اور شب باشی کی حالت تھی، لیکن آپ کا معمول تھا کہ ہر روز نمازِ عصر پڑھ کر ازواجِ طاہرات میں سے ہر ایک کے حجرے میں جاتے اور ہر جگہ تھوڑی تھوڑی دیر بیٹھ کر مراجعت فرماتے۔ پھر جن کی باری ہوتی، انھیں کے حجرے میں رات بسر کرتے۔ مغرب کے بعد تمام امہات المؤمنین وہیں جمع ہوتیں۔ عشاء تک تعلیم و تلقین اور ذہنی تربیت کا سلسلہ جاری رہتا۔ پھر نمازِ عشاء کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے اور ازواج بھی نماز پڑھ کر اپنے حجروں کو چلی جاتیں (صحیح مسلم)

لیکن یاد رہے کہ شوہر بیویوں میں جس عدل و مساوات کے ملحوظ رکھنے کا مامور ہے، وہ غذا، لباس، شب باشی وغیرہ ظاہری برتاؤ اور میل جول کی برابری ہے۔ اگر کسی کو کسی بیوی سے دلی لگاؤ اور محبت نسبتہً زیادہ ہو تو وہ اس میں معذور ہے۔

حضرت حسّانؓ اور حضرت حمنہؓ پر حدِ قذف

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ طاہرہ رضہ پر افتراء باندھنے والے تو درحقیقت مدینہ کے منافق تھے لیکن بدقسمتی سے تین اہلِ ایمان حضرت حسّانؓ

بن ثابت رضؓ، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ایک عزیز مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنہ بنت جحش رضؓ نے بھی افترا پردازی میں منافقوں کی ہمنوائی اختیار کی تھی۔ آخر جب لسانِ الٰہی نے اُمّ المؤمنین رضؓ کی عصمتِ کاملہ کی شہادت دی تو سید الابرار صلعم نے تینوں کو حدِ قذف لگوائی (ابن ماجہ) یعنی بہتان کی پاداش میں اسی اسی کوڑے لگوائے۔

حضرت حسّان رضؓ رسولُ اللہ کے خاص شاعر اور جان نثار تھے۔ مؤخر الذکر آنحضرت صلعم کی پھوپھی کی بیٹی اور آپ کی خواہر نسبتی یعنی اُمّ المؤمنین حضرت زینبؓ بنت جحش کی بہن تھیں۔ آپ نے منافقوں میں سے کسی کو کوئی سزا نہ دی اور اگر آپ کے بجائے کوئی دنیوی حاکم ہوتا تو کم ازکم اپنے مدّاح شاعر اور اپنی پھوپھی کی بیٹی کو، جو زوجہ محترمہ کی حقیقی بہن بھی تھیں، اس ذلت سے بچاتا اور اپنے اعداء کو کڑی سے کڑی سزائیں دیتا۔ کیا اس عدل و انصاف کی کوئی نظیر تاریخ عالم میں مل سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

غریب صحابہؓ کی استرضائے خاطرداری

حضرت سلمان رضؓ، حضرت صہیب رضؓ، اور حضرت بلال رضؓ سب غلام رہ چکے تھے اور ان کا شمار فقرائے صحابہ رضؓ میں تھا، لیکن نبی صلعم کی نظر میں ان کی بھی وہی عزت و عظمت تھی جو جلیل القدر صحابہ رضؓ کی تھی۔ ابوسفیان معاہدہ حدیبیہ کے بعد اور قبول اسلام سے پہلے مدینہ منورہ میں سلمانؓ فارسی، صہیبؓ رومی، حضرت بلال رضؓ اور چند دوسرے فقرائے صحابہ رضؓ کے پاس آئے۔ یہ لوگ ان کی موجودگی میں باہم کہنے لگے: "حیف ہے کہ خدائے تعالیٰ کی کسی تلوار نے اب تک اس دشمن خدا کی گردن الگ نہیں کی۔" حضرت ابوبکر صدیق رضؓ (ابوسفیان کی استمالت خاطر کے خیال سے) کہنے لگے "کیا تم قریش کے اس سردار کی نسبت یہ کہتے ہو؟"

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ آستان مبارک میں آئے اور آنحضرت صلعم سے اس واقعے کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا "اے ابوبکر رضؓ! شاید آپ نے اس قول

سے ان (حضرات) کو خشم آلود کر دیا ہوگا۔" ایک روایت میں ہے کہ "اگر آپ نے انھیں ناخوش کیا تو یقیناً حق تعالیٰ کو خشمگیں کیا۔" حضرت ابوبکر رضا ان حضرات کے پاس اعذار خواہی کے لیے آئے اور کہا: "بھائیو! میں دیکھتا ہوں کہ میں نے آپ حضرات کو ناخوش اور رنجیدہ کر دیا۔" انھوں نے جواب دیا: "بھائی! خدا تعالیٰ آپ کو بخشے، ہم رنجیدہ نہیں ہوئے۔" (رواہ مسلم)

عرفات جانے سے کفارِ قریش کا اعتراض

کفارِ قریش کو اس بات پر بڑا ناز اور غرہ تھا کہ وہ ابراہیم ع خلیل اللہ کی اولاد اور بیت اللہ کے متولی ہیں۔ عرب بھر میں کوئی ان کا ہمسر نہیں۔ یہ خیال کر کے انھوں نے طے کیا کہ جیسی تعظیم و تکریم مقامات حرم کی ہوتی ہے، ویسی حل یعنی حرم سے باہر کبھی مقام کی نہ ہونی چاہیے۔ اس زعم ناقص کے پیش نظر کفار قریش نے عرفات کو جو حرم سے باہر ہے اس کا وقوف ترک کر دیا تھا اور معمول یہ بنا لیا تھا کہ عرفات جانے کے بجائے مزدلفہ ہی میں ٹھہر جاتے اور وہیں سے مکۂ معظمہ واپس آجاتے، حالانکہ وقوفِ عرفات بھی مشاعر حج میں شامل اور حضرت خلیل اللہ ع کا طریقہ ہے۔ جب زعمائے قریش میں سے کسی سے وقوف عرفات کے لیے کہا جاتا تو وہ جواب دیتے: "ہم اہل حرم ہیں۔"

رسول مقبول صلعم قبل از بعثت ہی تمام قریش کے طریق عمل کے خلاف مزدلفہ کے وقوف کے بجائے برابر عرفات جاتے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ وقوف فرماتے۔ (سیرت ابن ہشام) جبیر رضا بن مطعم صحابی نے اپنے باپ مطعم کو یہ کہتے سنا تھا کہ میری اونٹنی گم ہوگئی اور میں اس کی تلاش میں نکلا۔ میں نے محمد صلعم کو عرفات میں لوگوں کے ساتھ پایا اور مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ قریش تو وقوف عرفات نہیں کرتے۔ یہ قریشی ہو کر یہاں کیوں آئے ہیں؟ (تاریخ ابن کثیر بحوالہ احمد)

گو سنتِ ابراہیمی ع کے مطابق آپ ہمیشہ دوسرے لوگوں کے ساتھ عرفات جاتے، لیکن ظہور اسلام کے بعد شرعی حیثیت سے بھی آپ اس کے مامور ہوگئے۔ چنانچہ

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضا فرماتی ہیں کہ قریش اور وہ لوگ جو قریش کے پیرو تھے، مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے اور دوسرے تمام عرب میدان عرفات میں جاکر ٹھہرتے تھے۔ آخر جب اسلام آیا تو حق تعالیٰ نے اپنے نبی صلعم کو حکم دیا کہ وہ عرفات جائیں اور وہاں ٹھہر کر واپس آئیں۔ ارشاد باری تعالیٰ :۔

ثمّ افیضوا من حیث
افاض النّاس ۔

(رواہ البخاری ومسلم)

نبی صلعم کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ عرفات میں کوئی عمدہ جگہ انتخاب کر کے مخصوص کر دی جائے اور وہاں آپ کی خاطر سایے کی غرض سے کوئی چھپر ڈال دیں، صحابہ رضا نے یہ تجویز پیش کی تو فرمایا: "جو پہلے پہنچ جائے، وہی اس کا حقدار ہے" (مسند احمد)

مسجد نبوی کی تعمیر میں شرکت

صحابۂ کرام رضا جب سب مل کر کوئی کام انجام دیتے تو نبی صلعم بھی ان کے ساتھ برابر شریک رہتے۔ مسجد نبوی کی تعمیر معماروں کے ہاتھ سے نہیں ہوئی تھی بلکہ مہاجرین و انصار رضا میں سے ہر کوئی اس کام میں مصروف رہ کر بہرہ اندوز سعادت ہوا تھا۔ خود سید کونین بھی دوسروں کی طرح برابر گارا اور اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے رہے۔ جان نثار منتیں کرتے تھے کہ حضور یہ مشقت گوارا نہ فرمائیں۔ خدام اس کام کی تکمیل کے لیے کافی ہیں لیکن آپ اسے منظور نہ فرماتے تھے (صحیح بخاری)

غزوۂ احزاب کے موقع پر، جب تمام اہل ایمان شہر کے چاروں طرف خندق کھود رہے تھے، آپ بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح مصروف کار رہے، یہاں تک کہ شکم مبارک پر مٹی کی تہ جم گئی تھی (بخاری غزوۂ احزاب)

معرکۂ بدر کے سفر میں باری باری سوار ہونا

غزوۂ بدر کے لیے جب مدینہ منورہ سے روانگی ہوئی تو سواریاں بہت کم تھیں۔ تین تین آدمیوں کے درمیان ایک ایک اونٹ تھا، اس لیے صحابۂ کرام رضا باری باری

سے چڑھتے اُترتے تھے۔ پیشوائے اُمت صلعم بھی دوسروں کی طرح ایک اونٹ میں دو اَور صحابیوں کے ساتھ شریک تھے۔ جاں نثار بار بار عرض کرتے: "یا رسول اللہ! آپ سوار رہیں۔ حضورؐ کے بدلے ہم پیادہ چلیں گے۔" لیکن آپ نہ مانتے اور فرماتے: "نہ تم لوگ مجھ سے زیادہ پیادہ پا چل سکتے ہو اور نہ میں حصولِ ثواب میں تم سے کم محتاج ہوں۔" (مسند احمد)

ظلم سے باز رہنے کی تاکید

ظلم وبیداد ہلاکت سرمدی کا باعث ہے، اس لیے حضرت مصلحِ اعظم صلعم اس سے باز رہنے پر بڑا زور دیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: "ظلم قیامت کے دن ظلمتوں کا باعث ہوگا۔" (بخاری ومسلم)

فرمایا: "خدا اسے حلیم ظالم کو مہلت دیتا ہے (تاکہ توبہ کرے) آخر جب پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا" (بخاری ومسلم) فرمایا: "قیامت کے دن خدائے احکم الحاکمین کو سب سے زیادہ محبوب اور اس کا سب سے زیادہ مقرب حاکم عادل ہوگا اور سب سے زیادہ مبغوض ومقہور اور اس (کی رحمت) سے دُور ظالم حکمران ہوگا۔" (ترمذی)

فرمایا: "جس شخص کے ذمے اپنے مسلمان بھائی کا کوئی حق مثلاً مال ومتاع یا کوئی چیز واجب الادا ہو، اس پر لازم ہے کہ اُس دن سے پہلے، جس میں درہم ودینار نہ ہوں گے، اسے ادا کر دے یا معاف کرا لے، ورنہ اس کے نیک عمل اُس ظلم کے مطابق چھین کر حق دار کو دلائے جائیں گے اور اگر ظالم حسنات سے تہی دست ہوگا تو مظلوم کے گناہ اس پر لاد دیے جائیں گے۔" (بخاری)

فرمایا: "کیا جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟" صحابہؓ نے عرض کی: "یا رسول اللہ! مفلس تو ہم اسے سمجھتے ہیں جس کے پاس مال ومتاع اور درہم ودینار کچھ نہ ہو۔" آپ نے فرمایا: "میری اُمت میں مفلس (فی الحقیقت) وہ شخص ہے، جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوگا، لیکن ساتھ ہی اُس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی اور کسی کو مار اپیٹا ہوگا، لہٰذا کسی مظلوم کو اس کی کچھ نیکیاں دے دی جائیں گی اور دوسری نیکیاں دوسرے لوگ لے جائیں گے اور اگر (مظلوموں کی کامل) ادائی

سے پہلے) اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو باقی حقوق کے عوض میں مظلوموں کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے اور وہ جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔" (صحیح مسلم)

فرمایا: "قیامت کے دن نامہ ہائے اعمال تین طرح کے ہوں گے۔ ایک نامۂ اعمال وہ ہوگا جس میں کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرایا ہوگا۔ اس کی تو کبھی بخشش نہ ہوگی۔ دوسرے میں لوگوں پر ظلم اور زیادتی ہوگی۔ اسے اس وقت تک نہیں چھوڑا جائے گا جب تک مظلومین ظالموں سے بدلا نہ لے لیں گے۔ تیسرے نامۂ اعمال میں صرف ایسے گناہ ہوں گے جن کا تعلق بندے اور اس کے خالق سے ہے۔ حقوق اللہ کا گناہ گار حق تعالیٰ کی مشیّت پر موقوف ہے۔ چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو معاف کر دے۔" (بیہقی فی الشعب)

فرمایا: "جو شخص کسی کی بالشت بھر بھی زمین غصب کرے گا، حق تعالیٰ قیامت کے دن غاصب کو سات زمینوں کا طوق پہنائے گا۔" (صحیح مسلم) فرمایا: "جو کوئی کسی مسلمان کا حق مارے تو حق تعالیٰ جنّت کو اس پر حرام اور جہنّم کو اس کے لیے واجب کر دے گا۔" (ابن ماجہ)

فرمایا: "تم لوگ میرے پاس فیصلے کے لیے کوئی نزاع لاتے ہو اور تم میں کوئی آدمی دوسرے سے زیادہ دلستان و خوش تقریر ہوتا ہے تو میں اس کی بات سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں۔ لہٰذا جس کے لیے میں اس کے مسلمان بھائی کے حق سے کوئی چیز قطع کر دوں تو میں اس کے لیے آگ کا ایک ٹکڑا قطع کرتا ہوں۔" (بخاری و مسلم)

دوسری روایت میں ہے کہ "میں بھی بشر ہوں اور میرے پاس کوئی مقدمہ لے کر آتا ہے" الخ "میں بھی بشر ہوں"، امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: "اس سے یہ غرض ہے کہ آپ کی حالت بھی دوسرے انسانوں کی سی تھی کہ آپ غیب نہیں جانتے تھے مگر اسی قدر کہ اللہ تعالیٰ آپ کو معلوم کرا دیتا تھا۔"

فرمایا: "کسی فیصلے میں رشوت لینے اور دینے والے دونوں پر لعنت ہے۔" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔ لیکن بعض علماء نے فرمایا: "اگر کوئی ناجائز نفع حاصل کرنے کے لیے رشوت دی جائے تو حرام ہے اور دفع ظلم و حفاظت جان کے لیے کچھ پیش کیا جائے تو انسان معذور ہے"

اب امتناعِ ظلم کے سلسلے میں چند واقعات لکھے جاتے ہیں:

اقبالِ جُرم کرانے کے لیے مارنا

پولیس والے اعتراف جرم کے لیے مشتبہ لوگوں کو اکثر مارتے پیٹتے ہیں اور یہ طریق بسا اوقات خوفناک حالات پر منتج ہوتا ہے لیکن کائنات کے محسن اعظم صلعم نے جُرم کا اقرار کرانے کے لیے مارنے کی ممانعت فرمائی۔ ایک مرتبہ قبیلہ کلاع کے آدمیوں کا کچھ مال چُرا لیا گیا۔ انھوں نے چند غریب جلاہوں پر چوری کا شبہ کیا اور انھیں لے کر حضرت نعمان بن بشیر صحابی رضؓ حاکم کوفہ کے پاس آئے حضرت نعمان رضؓ نے انھیں چند روز حوالات میں رکھ کر چھوڑ دیا۔ جب کلاع کے لوگوں کو معلوم ہُوا تو وہ حضرت نعمان رضؓ کے پاس پہنچے اور شکایت کرنے لگے کہ آپ نے ہمارے ملزموں کو مارے پیٹے اور کامل تفتیش کیے بغیر چھوڑ دیا۔

حضرت نعمان رضؓ نے پُوچھا: "تم کیا چاہتے ہو"؟ انھوں نے کہا "انھیں دوبارہ گرفتار کرا کے زدوکوب کرائیے، یہاں تک کہ وہ جُرم کا اقرار کریں" حضرت نعمان رضؓ نے فرمایا: "اگر تمھیں یہی منظور ہے تو میں انھیں پکڑ کر مارتا ہوں لیکن بدیں شرط کہ اگر ان کے پاس تمھارا مال نہ نکلا تو میں اتنا ہی تمھیں بھی ماروں گا" انھوں نے کہا: "کیا یہ آپ کا ذاتی حکم ہے"؟ بولے: "نہیں، یہ خدا کے برگزیدہ رسُول ؐ کا ارشاد ہے"

(ابوداؤد)

زکوٰۃ میں بہترین مال چھانٹنا

شریعت کی اصطلاح میں لگان اور ٹیکس، جو فقرائ ومساکین کی امداد اور دوسری ملّی ضروریات کے لیے اغنیاء اور اصحاب نصاب سے وصول کیا جائے زکوٰۃ کہلاتا ہے۔ عہدِ رسالت سے امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ کے اوائل خلافت تک مال زکوٰۃ بیت المال میں جمع ہوتا تھا، لیکن جب کثرتِ فتوحات کے باعث اسلامی عملداری بلاد دور دست تک پھیل گئی اور زکوٰۃ کا مرکزی مقام پر جمع کیا جانا دشوار نظر آیا تو امیر المؤمنین حضرت عثمان رضؓ نے حکم دیا کہ لوگ اپنی اپنی زکوٰۃ کا حساب کر کے خود ہی مستحقین کو دے دیا کریں۔ اس سے

Marfat.com

پہلے محصلین زکوٰۃ مدینۃ الرسول ﷺ سے مسلم قبائل کے پاس جا جاکر ان کی زکوٰۃ کا حساب کرتے اور وہاں سے وصول کرکے بیت المال میں لا داخل کرتے تھے۔

شفیق عالم صلعم نے محصلین زکوٰۃ کو حکم دے رکھا تھا کہ لوگوں کا بہترین مال چھانٹ کر ان پر ظلم نہ کیا کریں۔ جب آپ نے حضرت معاذ بن جبل انصاری رضؓ کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا تو ان سے فرمایا: "زکوٰۃ میں لوگوں کا عمدہ مال نہ لینا اور مظلوم کی بددعا سے بچتے رہنا کیونکہ مظلوم کی دعا اور رب العالمین میں کوئی چیز حائل نہیں۔" (ابوداؤد)

ایک مرتبہ ایک شخص نے بڑے کوہان والا اونٹ، جو بیش قیمت ہوتا ہے، زکوٰۃ میں دینا چاہا۔ زکوٰۃ وصول کرنے والے نے اس کے لینے سے انکار کیا۔ وہ کہنے لگا: "میری خوشی اسی میں ہے کہ زکوٰۃ میں اپنا بہتر سے بہتر جانور پیش کروں۔" لیکن محصل نے پھر انکار کیا۔ اس کے بعد اس نے کمتر درجہ کا اونٹ دینا چاہا۔ محصل نے اس کے لینے سے بھی انکار کیا۔ اب اس نے اس سے بھی کم حیثیت کا اونٹ پیش کیا۔ اس نے اسے بھی قبول نہ کیا۔ پھر اس سے بھی کم عمر اور کم قیمت اونٹ لا کھڑا کیا۔ وہ اس نے لے لیا اور کہا: "میں لے لیتا ہوں مگر ڈرتا ہوں کہ کہیں پیغمبر خدا صلعم مجھ پر خفا نہ ہوں اور یہ نہ فرمائیں کہ تو نے اچھا اونٹ چھانٹ لیا۔" (ابوداؤد)

غیر مسلموں کی سواریوں پر قبضہ

ابو غیاث بشر بن حنش عبدی ملقب بہ جارود سنہ ۱۰ھ میں قبیلہ عبدالقیس کے ساتھ مدینہ منورہ آکر اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے۔ یہ عیسوی المذہب تھے۔ ان کے ساتھ ان کے رفقاء بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے پاس سواری نہیں تھی۔ جب یہ مشرف بہ اسلام ہو کر واپس جانے لگے تو انھوں نے بارگاہ نبوی ﷺ میں گزارش کی: "یا رسول اللہ! میرے پاس سواری نہیں ہے لیکن راستے میں ہمیں دوسرے لوگوں کی بہت سی سواریاں ملیں گی۔ کیا ہمیں ان سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے؟" آپ نے فرمایا: "نہیں نہیں آگ سمجھو۔" (سیرت ابن ہشام)

حضرت عبداللہ بن عمرو صحابی رضؓ نے جارود رضؓ سے حدیث کی روایت کی تھی۔

Marfat.com

تابعین میں سے مطرف بن عبداللہ شخیر، زید بن علی، ابوالغموص، ابومسلم جذمی اور محمد بن سیرین نے حدیث میں ان سے استفادہ کیا۔

ناجائز دُودھ کے خواہشمندوں کی بازطلبی حضرت ابوہریرہ رضہ کا بیان ہے کہ ہم رسُول اکرم صلعم کے ساتھ ایک سفر میں سخت بھُوکے تھے۔ اتنے میں اونٹنیاں دکھائی دیں، جن کے تھنوں میں دُودھ بھرا ہُوا تھا اور خاردار درختوں میں چر رہی تھیں۔ چند بھُوکے نومسلم لشکری، جن کے دلوں میں اسلام ابھی پوری طرح راسخ نہ ہُوا تھا، دُودھ پینے کے لیے ان کی طرف لپکے، نبی صلعم نے انھیں لوٹنے، آنے کے لیے آواز دی۔ جب واپس آئے تو آپ نے ان سے فرمایا: "مالکوں کی روزی کا مدار انھیں اونٹنیوں کے دودھ پر ہے۔ اللہ کے بعد اسی پر ان کا سہارا ہے۔ کیا تم لوگ یہ بات پسند کرتے ہو کہ جب تم اپنے توشہ دان کے پاس واپس آؤ تو دیکھو کہ کوئی شخص توشہ دان میں سے کھانے کا سامان نکال لے گیا ہے؟ کیا تم اسے انصاف سمجھتے ہو؟" بولے: "نہیں۔" آپ نے فرمایا: "اسے بھی اپنے توشے پر قیاس کرلو۔" (ابن ماجہ)

غلہ روک کر گرانی کا انتظار کرنا ایک ظلم یہ ہے کہ بعض بیوپاری قحط کے دنوں میں اس خیال سے اناج کی فروخت بند کر دیتے ہیں کہ زیادہ گرانی میں زیادہ نفع حاصل کریں گے۔ رحمتِ عالم صلعم نے بڑی سختی سے اس کی بندش کی۔ اس سلسلے میں آپ نے فرمایا: "غلہ روک کر گرانی کا وہی شخص انتظار کرتا ہے، جو گنہگار اور مجرم ہے۔" (مسلم و ترمذی) اور فرمایا: "جالب (وہ شخص جو کسی دوسری سرزمین سے غلہ خرید کر اپنے وطن میں لائے) رزق دیا گیا ہے (اس کے رزق میں برکت دی جاتی ہے) اور محتکر (قحط کے ایام میں غلہ روک کر مزید گرانی کا انتظار کرنے والا) ملعون ہے۔" (ابن ماجہ) امیرالمؤمنین حضرت فاروقِ اعظم رضہ نے فرمایا: "جو شخص گرانی میں غلہ روکے گا، خدا اسے کوڑھی اور محتاج کردے گا۔" (ابن ماجہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضہ نے فرمایا: "جس نے قحط کے دنوں میں چالیس دن غلہ روکے رکھا، وہ خدا سے دُور اور

Marfat.com

خدا اس سے دُور ہے۔" (مشکوٰۃ بحوالہ رزین)

قحط میں اناج بند رکھنا اور زیادہ گرانی کا انتظار کرنا مذاہب اربعہ میں سخت حرام ہے کیونکہ اس میں خلق خدا کی بدخواہی اور غرباء و مساکین پر ظلم ہے۔ اناج کی تجارت منع نہیں، بلکہ اسے قحط کے دنوں میں مزید گرانی کے انتظار میں روکنا ممنوع ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اگر ارزانی کی حالت میں خریدے یا کسی دوسری سرزمین سے لاکر گرانی کے وقت میں بیچنے کے لیے رکھ چھوڑے تو یہ حرام نہیں (بشرطیکہ مزید گرانی کے انتظار میں نہ روکے) اسی طرح اگر کوئی شخص گرانی کی حالت میں اُسی وقت بیچنے کے لیے خریدے تو اس کی بھی ممانعت نہیں۔" غرض ایام قحط میں غلّے کا روک رکھنا اور خلق خدا کی تکلیف سے سروکار نہ رکھنا معصیت ہے۔

مظلوم سے ہمدردی اور اس کی حمایت اہل حق کے فرائض اولین میں داخل ہے۔ مصلح عالم صلعم نے بعثت سے پہلے اور اس کے بعد اسے بدرجۂ کمال انجام دیا۔

گرفتاری قاتل میں پولیس سے تعاون

مقتول کی دادرسی کا ایک پہلو یہ ہے کہ قاتل کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے اس کی گرفتاری میں پولیس کی امداد کی جائے اور اس میں سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ بعض لوگ قاتل اور دوسرے مجرموں کو گرفتاری و سزایابی سے بچانے میں ان کی امداد کیا کرتے ہیں اور اسے بڑا کارِ خیر سمجھتے ہیں، مگر یہ بڑی جہالت ہے۔ پیغمبرِ خدا صلعم نے فرمایا: "جب کسی نے کسی کو عمداً قتل کیا ہو تو اس پر قصاص ہے اور جو شخص قصاص کی راہ میں حائل ہوگا، اُس پر اللہ کی لعنت اور غضب ہوگا اور اس کی کوئی عبادت، فرض ہو یا نفل، قبول نہ کی جائے گی۔" (ابوداؤد و نسائی)

ایک صحابی کے قتل کا مقدمہ

شفیق عالم صلعم کا معمول تھا کہ اگر قاتل کا کوئی سراغ نہ ملتا یا قاتل کی طرف سے خوں بہا ادا کیے جانے کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی تو آپ مقتول کا خوں بہا اپنے پاس سے ادا فرماتے اور اسے قطعاً گوارا نہ فرماتے کہ مقتول کا خون رائگاں جائے۔

فتح خیبر کے بعد یہ خطہ بھی اسلامی عملداری میں داخل ہوگیا تھا۔ ایک مرتبہ محیصہ بن مسعود اوسی انصاری رض اور عبداللہ بن سہل بن زید انصاری حارثی رض فتح خیبر کے بعد عازم خیبر ہوئے اور نخلستان میں پہنچ کر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ آگے جا کر عبداللہ بن سہل رض کو کسی نے قتل کر دیا۔ مدینۂ منورّہ کے ہر مسلمان کو یقین ہُوا کہ یہودیوں نے قتل کیا ہے کیونکہ خیبر اور مضافات خیبر میں یہودیوں کے سوا کوئی اور قوم آباد نہ تھی۔ عبداللہ مقتول کے بھائی عبدالرحمٰن بن سہل اور ان کے دو عم زاد بھائیوں حویصہ بن مسعود اور محیصہ بن مسعود رض نے حضرت رسالت مآب صلعم کے دربار میں استغاثہ دائر کیا۔

عبدالرحمٰن بن سہل اپنے بھائی کا حال بیان کرنے لگے اور وہ تینوں میں کم سن تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا: "بڑے کا احترام کرو۔" یعنی تینوں میں سے جو بڑا ہے، وہ گفتگو کرے آخر حویصہ رض عبداللہ بن سہل رض کا واقعۂ قتل بیان کرنے لگے اور کہا: "یا رسول اللہ! یہود کے سوا ہمارے بھائی کا کوئی قاتل نہیں۔" آپ نے عمائد یہود کو لکھ بھیجا کہ تم لوگوں پر عبداللہ بن سہل رض کے قتل کا الزام عائد ہوتا ہے۔ انھوں نے جواب میں لکھا: "خدا کی قسم! ہم نے انھیں نہیں مارا۔"

آپ نے تینوں مدعیوں کو بلا بھیجا اور فرمایا: "یہود اس حادثے سے لاعلمی ظاہر کرتے ہیں۔ اب فیصلے کی صورت یہ ہے کہ اگر تمھارے پچاس آدمی اس بات پر حلف اٹھائیں کہ فلاں یہودی قاتل ہے تو وہ یہودی (خوں بہا ادا کرنے کے لیے) تمھارے حوالے کر دیا جائے۔" انھوں نے کہا: "یا رسول اللہ! ہم اس حادثے کے وقت موجود نہ تھے، ہم کس طرح قسم کھا سکتے ہیں؟" آپ نے فرمایا: "اچھا، اگر پچاس یہودی قسمیں کھا کر اپنی براءت کریں تو تم دعوے سے دست بردار ہو جاؤ گے؟" انھوں نے کہا: "یا رسول اللہ! وہ تو غیر مسلم ہیں، انھیں جھوٹی قسمیں کھانے سے کوئی باک نہیں۔ وہ بے دریغ قسمیں کھا جائیں گے۔"

چونکہ آپ کو گوارا نہ تھا کہ مقتول کا خون یُوں ہی ضائع ہو، انھیں اپنی طرف سے

Marfat.com

بطورِ خوں بہا سو اونٹ عطا فرمائے (صحیح مسلم)

حضرت یمان رض کا خوں بہا

غزوۂ اُحد میں حضرت حذیفہ رض، ان کے والد یمان رض اور ثابت بن وقش رض عورتوں کی حفاظت پر متعین تھے (اصابہ جلد ۲ ص ۱۴۳) جب قریش نے شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی تو کسی نے آواز دی کہ مسلمان تمہارے سروں پر پہنچ گئے، چنانچہ اہل شرک کا ایک دستہ پلٹ پڑا اور مسلمانوں کی ایک جماعت سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ حضرت یمان رض درمیان میں آ گئے اور افراتفری میں کسی مسلمان نے انھیں نادانستہ قتل کر دیا۔ حضرت حذیفہ رض کو معلوم ہوا تو انھوں نے انتہائی حلم و عفو سے کام لے کر کہا:

یغفر اللہ لکم۔ خدا تم لوگوں کو معاف کرے۔

(صحیح بخاری)

رسول خدا صلعم کو خبر ہوئی تو اپنی جیب خاص سے حضرت حذیفہ رض کو خوں بہا عطا فرمایا (اصابہ جلد ۲ ص ۱۴۳) مگر انھوں نے یہ رقم واپس کر دی۔ (سیرت ابن ہشام)

دو غیر مسلم مقتولوں کا خوں بہا

لیکن رحمت عالم صلعم کی یہ داد و دہش کچھ اہل ایمان سے مخصوص نہ تھی بلکہ آپ اپنی دریا دلی سے کام لے کر غیر مسلم مقتولوں کا خوں بہا بھی ادا فرمایا کرتے تھے۔ مکۂ معظمہ فتح ہو جانے کے بعد دو غیر مسلم ابن اکوع ہذلی اور جنیدب بن اکوع غلطی سے صحابہ کے ہاتھوں قتل ہو گئے تھے۔ آپ نے دونوں کے وارثوں کو سو سو اونٹ بطور خوں بہا عطا فرمائے (سیرت ابن ہشام)

دنیا میں کون ہے جو اپنے متعلقین کی حمایت نہیں کرتا، خصوصاً ایسے وقت میں کہ اغیار اُن سے برسرِ پرخاش ہوں اور متعلقین بھی ایسے وفادار، جو ہر وقت جان نثاری کے لیے مستعد ہوں، لیکن آپ جان نثاروں کی فدویت کو حق و انصاف پر قربان کر دیتے تھے۔

ایک صحابی رض کی فروخت

سرق بن اسد جہنی نام ایک صحابی تھے۔ انھوں نے

Marfat.com

ایک بدوی سے اُونٹ خریدا لیکن وعدے پر قیمت ادا نہ کر سکے بدوی انھیں پکڑ کر آستانِ نبوی میں لے آیا اور واقعہ بیان کیا۔ آنحضرت صلعم نے حکم دیا: "رقم ادا کر دو"۔ انھوں نے ناداری اور تہی دستی کا عذر کیا۔ چونکہ بدوی کے مطالبے میں بڑی شدت تھی، آپ نے اُس سے کہا: "بازار لے جا کر انھیں بیچو اور اپنے اونٹ کی قیمت وصول کر لو"۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ حُسنِ اتّفاق سے ایک خوشحال صحابی وہاں آ پہنچے اور انھوں نے رقم ادا کر کے انھیں آزاد کر دیا۔ (دار قطنی)

بدوی تو شاید مسلمان ہو گا۔ اگر کوئی غیر مسلم مدّعی برسرِ حق ہوتا تو آپ اس کے مقابلے میں بھی اپنے جان نثاروں کے خلاف فیصلہ صادر فرمایا کرتے تھے۔ خیبر کے یہود نے کئی سال سے آپ کی عداوت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا اور ان کا کوئی کام ایسا نہ تھا جس میں اسلام اور داعیٔ اسلام صلعم کی دشمنی کا رنگ نہ جھلکتا ہو۔ جب ان کی کینہ توزیاں اور شرانگیزیاں حد سے بڑھیں تو آپ نے غزوۂ خیبر کی تیاری کا حکم دیا اور اس بات کا بھی اظہار فرما دیا کہ حق تعالیٰ نے فتحِ خیبر اور غنائمِ کثیرہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ جب یہ خبر مدینہ کے یہود نے سُنی تو سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگے اور ان کے دل میں مسلمانوں کے خلاف اس درجہ آتشِ غیظ شعلہ زن ہوئی کہ جس کسی کا کسی مسلمان پر قرض آتا تھا، اس کا بڑی سختی سے تقاضا شروع کیا۔

عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضہ صحابی پر ابوشحم یہودی کا پانچ درم قرض تھا۔ گو قرض بالکل معمولی تھا، لیکن افلاس کا یہ عالم تھا کہ بدن کے کپڑوں کے سوا ان کی مِلک میں کچھ نہ تھا۔ یہودی نے بڑی سختی سے تقاضا شروع کیا۔ عبداللہ رضہ نے کہا: "لشکرِ اسلام جلد خیبر پر تاخت کرنے والا ہے۔ وہاں سے واپس آ کر غنائمِ خیبر کے حصّے ہیں سے تمھارا قرض ادا کر دوں گا"۔ یہودی نے کہا: "وہاں دس ہزار مردانِ جنگ آزما موجود ہیں۔ تم لوگوں نے وہاں کا رُخ کیا تو وہ مار مار کر تمھارے پرخچے اُڑا دیں گے"! عبداللہ رضہ نے کہا: "ہمیں مرعوب نہ کرو۔ بہت جلد ان دس ہزار مردانِ دلاور کی جنگ جوئی دیکھ لی جائے گی"۔

Marfat.com

یہودی نے دربارِ رسالت میں جاکر رقم کا دعویٰ دائر کردیا۔ آپ نے عبداللہ رضؓ کو طلب فرمایا۔ انھوں نے کہا: "یا رسول اللہ! یہودی نے یہ کلمات نا شائستہ کہے تھے۔" آپ نے فرمایا: "تم اس کا قرضہ ادا کرو۔" التماس کی: "یا رسول اللہ! اس وقت سخت نادار ہوں، اس لیے مہلت چاہتا ہوں۔" یہودی نے مہلت سے انکار کیا۔ آپ نے مکرر فرمایا: "قرض ادا کرو۔" انھوں نے پھر ناداری کا عذر کرتے ہوئے کہا: "یا رسول اللہ! غزوہ خیبر قریب ہے، اگر کچھ ہاتھ آیا تو اسی سے ادا کردوں گا۔" آپ نے فرمایا: "نہیں فی الفور ادا کرو۔" عبداللہ رضؓ نے تین درہم میں اپنا ایک کپڑا فروخت کیا اور دو درہم کسی صحابی سے لے کر قرضہ ادا کردیا۔ حضرت سلمہ بن اسلم اوسی بدری رضؓ نے انھیں ایک کپڑا دے دیا جسے پہن کر وہ غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے۔ (مسند احمد، معجم صغیر طبرانی)

بے مثال رواداری

حضرت خاتم الانبیاء صلعم کی کمال رواداری اور انتہا درجے کی انصاف پسندی، جس کی نظیر جریدۂ عالم میں کوئی نہ مل سکے گی، یہ تھی کہ آپ نے انصار مدینہ کو ان کے بچے یہودیوں سے واپس نہ دلائے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے:

مدینۂ منورہ کے قبائل اوس اور خزرج، جو بعد میں انصار کے معزز لقب سے مشہور ہوئے، بت پرست تھے اور چونکہ مدینہ کے یہود اہلِ کتاب اور توراۃ کے حامل تھے اور لوگوں کے سامنے ایک آسمانی قانون اور خدائی احکام پیش کرتے تھے، بت پرستوں کے دلوں پر ان کے تقدس اور تفوق کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ چنانچہ مدینہ کی جس بت پرست عورت کا بچہ نہ جیتا، وہ یہ نذر مانتی کہ اگر اس کا بچہ زندہ رہے تو وہ اسے یہودی بنادے گی۔

جب بنی نضیر یہودیوں کو ان کی پیہم بغاوتوں اور سازشوں کی وجہ سے سرورِ عالم نے جلاوطنی کا حکم دیا تو ان کے اندر انصار کے بھی بہت سے لڑکے تھے، جو جاہلیت میں عورتوں کے نذر ماننے کی وجہ سے یہودی ہوگئے تھے۔ بنی نضیر کی جلاوطنی کے وقت انصار کہنے لگے: "ہم اپنے بیٹوں کو یہود کے ساتھ نہیں جانے دیں گے۔" ہم

نے اس سے انکار کیا۔ آخر یہ معاملہ دربار نبوی میں پیش ہوا تو آپ نے فرمایا: "دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں" اور انصار سے فرمایا: "اگر تمہارے بچے خوشی سے تمہارے پاس رہنا چاہیں تو انہیں رکھ سکتے ہو۔ ورنہ روکنے کے مجاز نہیں۔" اس فیصلے کے مطابق یہود انصار کے بچوں کو بھی ساتھ لے گئے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

لا اکراہ فی الدین	دین کے معاملے میں کوئی زبردستی
قد تبین الرشد	نہیں کیونکہ ہدایت گمراہی سے یقیناً
من الغی۔	ممیز ہو چکی ہے۔

(ابو داؤد)

کاش وہ اہل فرنگ جو اسلام کے جبراً پھیلائے جانے کی افترا پردازی کیا کرتے رہیں، اس واقعے پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور چشم انصاف کھول کر دیکھیں۔ کیا دنیا کی کسی قوم، کسی ملک اور کسی زمانے میں کسی قائد، کسی ریفارمر، کسی قومی رہنما نے ایسی عالی حوصلگی و رواداری کا ثبوت دیا ہے؟ ہرگز نہیں۔

خود اپنے خلاف حضورؐ کے فیصلے

عدل و انصاف کا سب سے نازک مرحلہ یہ ہے کہ خود اپنے مقابلے میں بھی انسان کے ہاتھ سے حق و انصاف کا رشتہ نہ چھوٹنے پائے۔ چنانچہ دنیا کے مصلح اعظم صلعم بذات خود اپنے خلاف بھی فیصلہ کیا کرتے تھے اور اس بارے میں آپ کا عمل اس آیت قرآنی پر تھا:

یاایھا الذین امنوا	اے مسلمانو! مضبوطی سے انصاف
کونوا قوامین	پر قائم رہو اور خدا لگتی گواہی دو،
بالقسط شھداء	اگرچہ یہ گواہی تمہاری اپنی ذات یا
للہ ولو علی انفسکم	تمہارے ماں باپ یا رشتہ داروں
او الوالدین والاقربین	کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ان میں
ان یکن غنیاً او	کوئی مالدار یا محتاج ہے تو کسی کی

Marfat.com

فقیرًا فاللہ اولیٰ بھما فلا تتبعوا الھویٰ ان تعدلوا۔ وان تلوا او تعرضوا فان اللہ بما تعملون خبیرًا۔

(سورۂ نساء آیت ۱۳۵)

امیری غریبی کو نہ دیکھو) دونوں سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے۔ تو تم ان کی خاطر اپنی خواہش نفس کا اتّباع کر کے حق سے انحراف نہ کرنا اور اگر تم شہادت میں کج بیانی یا پہلو تہی کرو گے تو جیسا کرو گے ویسا بھرو گے کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس کی پوری خبر رکھتا ہے۔

یعنی گواہی کے وقت یہ خیال نہ کرو کہ جس کے مقابلے میں ہم گواہی دے رہے ہیں، وہ متموّل اور با رسوخ شخص ہے، اسے نفع پہنچانا چاہیئے تاکہ اُس سے تعلّقات قائم رہیں یا یہ کہ یہ غریب نادار ہے۔ سچّی گواہی دینے سے اسے نقصان پہنچے گا۔ تم کسی کی امیری غریبی کو نظر انداز کر کے ہمیشہ سچّی گواہی دو۔

اپنے آپ سے دعوتِ انتقام

ایک مرتبہ رسُولِ اکرم صلعم کچھ تقسیم فرما رہے تھے۔ گرد و پیش لوگوں کا بڑا ہجوم تھا۔ ایک شخص آیا اور آپ کے اوپر اوندھا گرنے لگا۔ آپ کے ہاتھ میں ایک پتلی سی چھڑی تھی۔ اس چھڑی سے جو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا تو لکڑی کا سرا اس کے منہ پر جا لگا اور خراش آ گئی۔ آپ نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے فرمایا: "آؤ! مجھ سے انتقام لے لو۔" وہ بولا: "یا رسُولَ اللہ! میں نے معاف کر دیا۔" (ابوداؤد)

مرض الموت میں دعوتِ انتقام گیری

نبی صلعم کے عم زاد بھائی حضرت فضل بن عباس رضہ کا بیان ہے کہ میں آپ کے مرض الموت میں حاضر ہُوا اور دیکھا کہ بخار چڑھا ہُوا ہے اور سرِ مبارک پر زرد رنگ کی پٹّی بندھی ہے۔ میں نے سلام کیا۔ آپ نے جواب دے کر فرمایا: "فضل! اس پٹّی سے میرا سر خوب زور سے باندھ دو۔" میں نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر

Marfat.com

آپ بیٹھ گئے اور میرے مونڈھے سے ٹیک لگاکر کھڑے ہوئے۔ پھر مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھ کر مجھے حکم دیا کہ آواز دے کر لوگوں کو جمع کرلو۔ میں لوگوں کو جمع کر لایا۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: "میرا تم لوگوں سے رخصت ہونے کا وقت قریب آ پہنچا ہے، اس لیے جس کی کمر پر میں نے مارا ہو، یہ میری کمر موجود ہے۔ وہ بدلا لے لے اور جس کی آبرو پر حملہ کیا ہو، میری آبرو سے بدلا لے لے۔ جس کسی کا مجھ پر کوئی مالی مطالبہ ہو، وہ مجھ سے اس کا معاوضہ لے لے۔ کوئی شخص یہ شبہہ نہ کرے کہ بدلا لینے والے کے خلاف رسول اللہ کے دل میں بغض پیدا ہو جائے گا کیونکہ بغض اور کینہ رکھنا نہ میری طبیعت ہے اور نہ میرے لیے موزوں ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو، میری دلی خواہش ہے کہ جس کسی کا مجھ پر کوئی حق ہو، وہ اپنا حق مجھ سے وصول کرلے یا معاف کردے تاکہ میں رب قدیر کے پاس بشاشت نفس کے ساتھ جاؤں۔"

آپ نے فرمایا: "میں اپنے اس اعلان کو ایک مرتبہ کافی نہیں سمجھتا، پھر بھی اس اس خواہش کا اعلان کروں گا۔" یہ کہہ کر آپ منبر سے اترے، نماز ظہر ادا کرکے پھر منبر پر بیٹھے اور وہی اعلان کیا اور از سر نو جتا دیا، قطعاً یہ خیال نہ کرو کہ بدلا لینے والے یا طالب حق کے خلاف میرے دل میں بغض و عناد پیدا ہو جائے گا، ہرگز نہیں" اور یہ بھی فرمایا: "جس کے ذمے میرا کوئی حق ہو، وہ بھی ادا کردے اور دنیوی رسوائی کو قطعاً خاطر میں نہ لائے کیونکہ دنیا کی بدنامی آخرت کی رسوائی کے مقابلے میں بالکل ہیچ ہے۔"

ایک صاحب کھڑے ہوئے اور التماس کی: "یا رسول اللہ! میرے تین درم آپ کے ذمے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "میں کسی مطالبہ کرنے والے کی نہ تکذیب کرتا ہوں اور نہ اسے قسم دیتا ہوں لیکن پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ تین درم کیسے ہیں؟" انھوں نے کہا: "حضور! ایک دن ایک سائل آپ کے پاس آیا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا تھا: "اسے

تین درم دے دو۔" آپ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "انھیں تین درم ادا کر دو۔" اس کے بعد ایک اور شخص اُٹھا اور عرض پیرا ہوا: "یا رسول اللہ! میرے ذمے آپ کے تین درم ہیں، میں نے خیانت سے لیے تھے۔" آپ نے پوچھا: "خیانت کیوں کی تھی؟" کہا: "میں اُس وقت سخت محتاج تھا۔" آپ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اس سے تین درم وصول کر لو۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا: "جس کسی کو اپنی حالت پر تردّد اور پریشانی دامنگیر ہو، وہ دعا کرا لے (کہ اب سفرِ آخرت کا وقت قریب ہے)" ایک صاحب اٹھے اور التماس کی: "یا رسول اللہ! میں بزدل ہوں اور زیادہ سوتا ہوں۔" آپ نے ان کے لیے دعا کی۔ حضرت فضل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس دعا کے بعد ہم دیکھتے تھے کہ ان کے برابر کوئی بہادر نہ تھا۔

بعدازاں آپ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لے گئے اور وہاں خواتین کے مجمع میں بھی آپ نے وہی اعلان کیا اور جن جن ارشاداتِ گرامی سے مردوں کو مستفیض فرمایا تھا۔ یہاں بھی ان کا اعادہ فرمایا۔ ایک صحابیہ نے درخواست کی: "یا رسول اللہ! میں اپنی زبان کی طرف سے عاجز آ رہی ہوں۔" آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ (طبرانی فی الکبیر والاوسط کما فی مجمع الزوائد)

Marfat.com

سولھواں باب

شرم وحیا

انسان کے بے شمار اوصاف میں حیا کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ اکثر محاسن اخلاق کا انحصار حیا پر ہے۔ یہ ایک فطری صفت ہے، جو ہر شخص میں بچپن ہی سے ہوتی ہے۔ اگر اس کی پوری نگہداشت کی جائے تو نہ صرف یہ قائم ہی رہتی بلکہ ترقی بھی کرتی جاتی ہے۔ اور اگر بچے کا ماحول اچھا نہ ہو، وہ نیک لوگوں میں تربیت نہ پائے تو یہ خوبی غائب بھی ہو جاتی ہے۔ اور بری صحبت اسے گوناگوں برائیوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے شرم و حیا کے قیام و تحفظ پر بہت زور دیا ہے۔

صحیح بخاری میں ایک واقعہ درج ہے:

رسول اللہ ﷺ کی شرم و حیا رسول اللہ صلعم ابھی بچہ تھے، خانۂ کعبہ تعمیر ہو رہا تھا۔ آپ اینٹیں لا رہے تھے۔ آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے کہا: اینٹ کی رگڑ سے بچنے کے لیے تہبند کھول کر کندھے پر رکھ لو۔ حضورؐ نے اس پر عمل کیا تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ہوش میں آتے ہی سب سے پہلے زبانِ مبارک سے یہ کلمہ نکلا: "میرا تہبند"۔ نبوت کے بعد بھی آپ کی حیا کا یہ حال تھا کہ بقول بخاری صحابہؓ سے مروی ہے:

کان النبیؐ اشد حیاء	پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی
من العذراء فی خدرھا	زیادہ شرمیلے تھے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حیا ایمان کا ایک جزو ہے۔ اسلام نے حکم دیا ہے کہ برہنگی سے بچو۔ نظریں نیچی رکھو۔ بے حیائی کی باتیں نہ بولو، نہ دیکھو۔

صحاح میں ہے کہ آپ کے ہر انداز سے شرم و حیا ٹپکی پڑتی تھی۔ حضورؐ نے کبھی کسی سے بدزبانی نہ کی۔ بازار جانے کا اتفاق ہوتا تو خاموشی سے گزر جاتے۔ کوئی

Marfat.com

خندہ آور بات ہوتی تو محض مسکرا دیتے۔ کبھی قہقہہ نہ لگاتے۔

غسلِ حمّام پر پابندی عرب میں بے حیائی عام تھی۔ برہنہ ہو کر غسل کرتے تھے۔ طوافِ کعبہ کے وقت بھی ننگے ہو جاتے تھے۔

حضور ؐ کو ان باتوں سے سخت نفرت تھی۔ ایک بار فرمایا: ”حمّام سے بچو“۔ لوگوں نے التماس کی کہ اس طرح نہانے سے میل دُور ہو جاتا ہے اور صحت کے لیے مفید ہے۔ فرمایا: ”نہاتے وقت پردہ کر لیا کرو“۔ ابوداؤد میں ہے: آنحضرت ؐ نے غسلِ حمّام کی قطعاً ممانعت کر دی تھی، پھر مردوں کو پردے کی پابندی سے اجازت دے دی، لیکن عورتوں کو کسی طرح اجازت نہ دی گئی۔ حضرت اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں: ”میں نے رسولِ مقبول ؐ سے سُنا ہے کہ جو عورت ذاتی گھر کے سوا کسی گھر میں لباس بڑھاتی ہے خدا اُسے بے پردہ کر دیتا ہے“۔

صحیح بخاری میں ہے کہ عرب کے اندر بیت الخلاء نہ تھے، رفعِ حاجت کے لیے لوگ دُور میدان میں چلے جاتے، پردہ کیے بغیر بالمقابل بیٹھ جاتے اور باتیں بھی کرتے جاتے۔ حضور ؐ نے سختی سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”اس سے اللہ تعالیٰ خفا ہوتا ہے“۔ (ابوداؤد)

حاجت کے لیے رسولِ کریم ؐ بہت دُور نکل جاتے اور لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتے۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: آنحضرت ؐ فرطِ حیا کے باعث کسی کی آنکھوں میں آنکھیں نہ ڈال لیتے تھے۔

حیا کی قسمیں حیاء کی قسمیں بہت سی ہیں۔ ایک قسم بندگی کی حیاء ہے کہ اس میں بندہ اپنے آپ کو کوتاہ پائے اور اللہ سے حیا میں بڑھتا چلا جائے۔

دوسری قسم محب کی محبوب سے حیاء ہے، اس کے لبوں پر مُہرِ سکوت لگ جاتی ہے۔

تیسری قسم اپنی ذات سے حیا ہے کہ انسان کسی کام کی تکمیل میں تمام قوّتیں

صرف کیجئے، پھر بھی اس میں کچھ نہ کچھ کسر رہ جائے، اس وقت انسان کو اپنے سے حیا آنے لگتی ہے کہ یہ معمولی سا کام بھی نہ ہو سکا۔ کہتے ہیں کہ اس حیا کا درجہ سب سے اونچا ہے کیونکہ جو آدمی اپنی ذات سے شرمائے، وہ دوسروں سے بہرحال شرمائے گا۔

حیا کا صحیح محل و موقع

حیا کی صفت بے شک قابلِ تحسین ہے، لیکن جب اس میں بزدلی اور خوف شامل ہو جائے تو وہ انسان کو نقصان بھی پہنچاتی ہے، بلکہ بعض صورتوں میں کمزوری کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اسلام نے اس کی اصلاح یوں کی ہے کہ سچ بولنے میں حیا ہرگز نہ ہونی چاہیے۔ ہاں اگر پاسِ ادب سے خاموشی اختیار کر لی جائے تو اسے شرافت کہا جاتا ہے، جو ایک امرِ مستحسن ہے۔

جس صورت میں حیا کمزوری کی علامت بن جاتی ہے، اس کی اصلاح یوں ہو سکتی ہے۔ حق گوئی، وعظ و نصیحت، دعوت و تبلیغ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر وغیرہ کے تعلق میں حیا کا ضعف کالعدم کر دینا چاہیے۔ اسلام نے ایسے موقعوں پر یہ کمزوری بطریقِ احسن رفع کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں چھوٹی چھوٹی باتیں بیان کیں تو کافروں نے زبانِ اعتراض دراز کی کہ یہ امر تو ربِ جلیل کے شایانِ شان نہیں۔ اللہ نے جواب میں فرمایا:

ان اللہ لا یستحی ان یضرب مثلاً ما بعوضۃ فما فوقھا۔	خدا کوئی مثال بیان کرنے میں مطلق نہیں جھینپتا، خواہ وہ مثال مچھر کی ہو یا اس سے بھی بڑھ کر کسی اور حقیر چیز کی۔ (البقرہ ۲)

حضرت زینبؓ کی دعوتِ ولیمہ ہو چکی تو بجائے اس کے کہ صحابہؓ اپنے اپنے گھر چلے جاتے، وہیں بیٹھے باتوں میں مصروف رہے۔ رسول اللہ صلعم کو اس سے انقباضِ خاطر تو ہوا لیکن طبعی حیا اس کے اظہار سے مانع رہی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان ذلکم کان یؤذی النبی فیستحی منکم واللہ	اس سے پیغمبر کو ایذا پہنچتی تھی اور وہ تمہارا لحاظ کرتے تھے اور اللہ تو حق

Marfat.com

لا یستحی من الحق۔ — بات کے کہنے — میں — کسی کا کچھ — لحاظ نہیں کرتا۔

آنحضرتؐ کا حسنِ اخلاق اس امر کی اجازت نہ دیتا تھا کہ ذاتی تکلیف کے پیشِ نظر لوگوں کو پاس سے اٹھا دیتے۔ گویا حضورؐ کو اس سے حیا آتی تھی۔ صحابہؓ کا یہ طریقِ عمل آدابِ مجلس کے منافی تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انھیں انتباہ کیا کہ تلقینِ آداب میں حیا کا موقع نہیں۔

انصار کی عورتیں حضورؐ سے زنانہ مسائل دریافت کرتی تھیں اور یہ ان کی خاص اخلاقی خوبی سمجھی جاتی تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

نعم النساء نساء الانصار لم یکن یمنعھن الحیاء ان یتفقھن فی الدین۔ — انصار کی عورتیں کیسی اچھی تھیں کہ حیا انھیں دین کا علم سیکھنے سے باز نہیں رکھتی تھی۔

حیا کے فائدے

مذکورۂ بالا موقعوں یعنی دعوت و تبلیغ وغیرہ کے سوا باقی ہر مقام پر حیا سے فائدہ ہی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی کریمؐ نے فرمایا:

الحیاء لا یاتی الا بخیر — حیا سے بھلائی کے سوا کچھ نہیں پہنچتا

(بخاری)

حیا ہی وہ بہترین جذبہ ہے، جو انسان کو برائیوں سے روکتا ہے۔ جس شخص کا دامنِ اخلاق حیا کے گوہرِ تاباں سے خالی ہو، وہ بے حیا ہو کر من مانی کر سکتا ہے، اسے روکنے والا کوئی نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان مما ادرک الناس من کلام النبوۃ الاولیٰ اذا لم تستحی فاصنع ما شئت۔ — لوگوں نے قدیم پیغمبروں کی جو باتیں پائی ہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ تم شرم و حیا سے محروم ہو تو جو چاہو کرو۔ (بخاری)

Marfat.com

سرورِ عالمؐ کا معمول

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم پیکرِ شرم و حیا تھے۔ حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں :

۱۔ اگر حضورؐ کو کسی شخص کی حرکت ناپسند ہوتی تو منع فرماتے ہوئے اس کا نام نہ لیتے بلکہ عام لفظوں میں اس کی ممانعت فرما دیتے (شفاء ص ۵۲ رواہ ابوداؤد)

۲۔ عادات و معاملات میں خود تکلیف برداشت کر لیتے لیکن دوسرے شخص کو بوجہِ شرم کام کرنے کو نہ فرماتے۔

۳۔ جب کوئی خطاکار حاضر ہو کر طالبِ معذرت ہوتا تو حضورؐ شرم سے گردن جھکا لیتے (ترمذی و شفا ص ۵۲)

اسلام نے بے حیائی کے تمام کاموں کو ایسی شدت و جامعیت سے روکا ہے کہ حیا اسلام کی ایک مخصوص و مابہ الامتیاز اخلاقی خوبی بن گئی ہے۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر دین کا ایک خاص خلق ہوتا ہے اور اسلام کا خاص خلق حیا ہے (مؤطا)

حیا ایمان کی شاخ ہے

رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے : ایمان کی شاخیں ساٹھ سے کچھ زیادہ ہیں اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے (صحیح بخاری)

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ تنہائی میں بھی حیا کا دامن تھامے رہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں : عریانی سے بچو کیونکہ ایسے فرشتے تمہارے ساتھ رہتے ہیں، جو صرف بول و براز اور مباشرت کے وقت تم سے علیٰحدہ ہو جاتے ہیں۔ ان سے شرماؤ اور ان کا لحاظ کرو۔ غرض ہر حال میں آنکھیں شرم و حیا کے پانی سے بھری رہیں۔

حضرت عثمانؓ کی شرم و حیا

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ انتہا درجے کے شرمیلے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ نہاتے تو کپڑے نہ اتارتے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شرم و حیا کا بڑا پاس تھا۔ ایک مرتبہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کاشانۂ نبوی صلعم میں بستر پر دراز تھے

کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آ گئے۔ اس وقت آپ کی ران پر کپڑا نہ تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بھی آ گئے۔ حضور ﷺ نے فوراً ران کو کپڑے سے ڈھانک لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کا سبب دریافت کیا۔ فرمایا: "عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہا شرمیلے ہیں۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو وہ ضروری بات کہنے سے رُک جاتے۔"
(مسلم)

سترھواں باب

عفّت و پاکبازی

انسان کے تمام اخلاقی اوصاف میں عفت و پاکبازی کو نہایت بلند مقام حاصل ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے اسے مسلمانوں کا امتیازی وصف بتایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

والذین هم لفروجهم حٰفظون الا علیٰ ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانّهم غیر ملومین فمن ابتغیٰ وراء ذالک فاولئک هم العادون۔

اور — وہ مسلمان — جو اپنی شرم گاہوں کی پاسبانی کرتے ہیں، مگر اپنی بیویوں یا اپنے ہاتھ کی مملوکہ — باندیوں — سے تو ان پر کچھ الزام نہیں، لیکن جو اس کے علاوہ کے طلبگار ہوں تو وہی لوگ حد سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔

(مومنون-۱)

قرآن مجید میں جگہ جگہ اس اخلاقی خوبی کو سراہا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

والحٰفظین فروجهم والحٰفظٰت۔

(احزاب-۵)

اور اپنی شرم گاہوں کی پاسبانی کرنے والے مرد اور پاسبانی کرنے والی عورتیں۔

و مریم ابنت عمران التی احصنت فرجها۔

اور عمران کی بیٹی مریمؑ جس نے اپنی شرم گاہ محفوظ رکھی۔

(تحریم-۲)

والتی احصنت فرجها

اور وہ بی بی جس نے اپنی شرمگاہ

Marfat.com

فنفخنا فیها من روحنا۔ — محفوظ رکھی تو ہم نے اس میں اپنی رُوح پھونکی۔
(انبیاء-۶)

نکاح کے باب میں فرمایا:

محصنین غیر مسافحین (نساء-۴) — حفاظت میں لانے والے، نہ مستی نکالنے والے۔

محصنٰت غیر مسٰفحٰت (نساء-۴) — حفاظت میں آنے والیاں، نہ مستی نکالنے والیاں۔

یعنی نکاح کی حقیقی غرض وغایت یہ نہیں کہ حیوانی خواہش کی تسکین کی جائے بلکہ یہ ہے کہ عورت کو عصمت اور حفاظت کی قید میں لایا جائے۔ اسی بناء پر قرآن عزیز کے اندر محصنٰت دو معنی میں آیا ہے، ایک بیاہی ہوئی عورتوں کے معنی میں:

والمحصنٰت من النساء (نساء-۴) — اور بیاہی ہوئی عورتیں — جو عورتیں کسی کے نکاح میں ہیں اور وہ دوسرے مرد پر حرام ہیں۔

دوسرے شریف آزاد بیویوں کے معنی میں:

ومن لم یستطع منکم طولًا ان ینکح المحصنٰت المؤمنٰت (نساء-۴) — اور جسے تم میں سے مسلمان شریف و آزاد بیویوں کے نکاح کا مقدور نہ ہو — تو مسلمان باندی سے نکاح کرے۔

اسلام کے رو سے عفت و پاکبازی نبوت کا لازم جزو ہے اور نبی مع افراد خاندان اس وصفِ خاص سے متصف ہوتا ہے۔ چنانچہ کتاب اللہ نے اس بہتان کی تردید کی، جو یہودیوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر لگایا:

Marfat.com

ومریم ابنت عمران	اور عمران کی بیٹی مریم ؑ جس نے
التی احصنت فرجھا	اپنی شرمگاہ محفوظ رکھی ۔

(تحریم - ۲)

والتی احصنت فرجھا	اور وہ بی بی جس نے اپنی شرمگاہ
فیھا من روحنا ۔	محفوظ رکھی تو ہم نے اس میں اپنی
(انبیاء - ۶)	روح پھونکی ۔

حضرت یوسف ؑ بالکل پاکباز رہے ، جس کی شہادت خود عزیزِ مصر کی بیوی نے دے دی :

ولقد راودتہ عن	اور میں نے اسے اس سے چاہا
نفسہ فاستعصم	تو وہ بچا رہا ۔

(یوسف - ۴)

اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی :

لنصرف عنہ السوء	تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی
والفحشاء انہ من	دور کریں ۔ وہ بے شبہ ہمارے
عبادنا المخلصین ۔	برگزیدہ بندوں میں تھا ۔

(یوسف - ۳)

حضرت یحییٰ ؑ کے متعلق فرمایا :

وسیدا و حصورا و	اور سردار ہوگا اور اپنی قوتِ شہوانی
نبیا من الصلحین ۔	پر ضبط رکھتا ہوگا اور
(آل عمران - ۴)	نبی ہوگا صالحین میں سے ۔

رسول اللہ صلعم کے اہلِ بیت کی عفت و پاکبازی کی اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں شہادت ارشاد فرمائی :

اولئک مبرؤن مما	یہ لوگ تہمت سے پاک ہیں ۔ ان

Marfat.com

یقولون ط لھم مغفرۃٌ و رزقٌ کریمٌ۔	کے لیے مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔

(نور۔۳)

عفت و پاکبازی کا نقیض زنا ہے، جس کی ممانعت یوں فرمائی گئی:

ولا تقربوا الزنیٰ انہٗ کان فاحشۃً وساء سبیلاً۔	اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بیشک یہ بڑی برائی اور برا چلن ہے۔

(بنی اسرائیل ۳۲)

اس نصیحت کا بلیغ انداز بیان اپنی نظیر آپ ہے۔ اس میں جہاں اس فعل بد سے کنارہ کش رہنے کی اشد تاکید کی گئی ہے، وہاں اس کے تقریبی و تمہیدی کاموں سے بچنے پر بھی زور دیا گیا ہے۔ مثلاً کسی غیر محرم کو نگاہ ہوس سے دیکھنا، خلوت میں ملاقات کرنا وغیرہ۔

بے حیائی اور بدکاری کے تمام ابتدائی محرکات کو اسلام نے حرام ٹھہرایا۔ مرد و زن کے ناجائز تعلقات کا اولیں سرچشمہ نظر ہے۔ اسی بناء پر مسلمان مرد اور مسلمان عورت دونوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذالک ازکیٰ لھم ان اللہ خبیرٌ بما یصنعون۔ (نور۔۳۰)	اے پیغمبر! ایمان والوں سے کہہ دے کہ وہ ذرا اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنے ستر کی حفاظت کریں یہ اُن کے لیے بڑی ستھری بات ہے۔ اللہ جانتا ہے، جو وہ کرتے ہیں۔

اسی ضمن میں مزید ارشاد فرمایا:

وقل للمؤمنٰت یغضضن من ابصارھن ویحفظن	اور اے پیغمبر! ایمان والی بیبیوں سے کہہ دے کہ اپنی آنکھیں ذرا نیچی رکھیں اور اپنے ستر کی جگہ کی حفاظت

Marfat.com

فروجهن ولا يبدين زينتهن الا ما ظهر منها وليضربن بخمرهن على جيوبهن ولا يبدين زينتهن الا لبعولتهن او آبائهن او آباء بعولتهن او ابنائهن او ابناء بعولتهن او اخوانهن او بني اخوانهن او بني اخواتهن او نسائهن او ما ملكت ايمانهن او التابعين غير اولي الاربة من الرجال او الطفل الذين لم يظهروا على عورات النساء ولا يضربن

کریں اور اپنا بناؤ سنگار کھول کر نہ دکھائیں، مگر جو طبعاً کھلا رہتا ہے اور اپنی اوڑھنی اپنے گریبانوں سے سینوں کے مقام سے پر ڈالیں اور اپنا سنگار نہ کھولیں مگر اپنے شوہر یا اپنے باپ کے آگے یا اپنے شوہر کے باپ یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہر کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا بھتیجوں یا اپنے بھانجوں یا اپنی عورتوں یا اپنے غلاموں یا اپنے ان مرد نوکروں کے آگے، جو عورتوں کے ستر کی رمز سے ابھی آگاہ نہیں اور نہ مسلمان عورتیں اپنے پاؤں سے دھمک دیں۔ کہ جس سنگار کو وہ چھپاتی ہیں اس کا پتہ لگ جائے اور تم سب مل کر اسے مسلمانو! خدا کے آگے توبہ کرو، شاید تم بھلائی پاؤ۔

بارجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن وتوبوا الى الله جميعا ايه المؤمنون لعلكم تفلحون۔

(نور-۴)

دورِ جاہلیت میں عرب کے اندر لونڈیوں سے عصمت فروشی کرائی جاتی تھی

اور یہ ناجائز کسب عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ عورتیں بن ٹھن کر باہر پھرا کرتی تھیں
بدکار عورتیں ساقی بن کر مجالس بادہ ساغر کی رونق بڑھاتی تھیں اسلام نے ان قبیح رسموں کی
بیخ کنی کر دی۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی:

ولا تکرھوا فتیٰتکم علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحیٰوۃ الدنیا و من یکرھھن فان اللہ من بعد اکراھھن غفور رحیم ○	اور اگر تمھاری لونڈیاں کسی ایک کی ہو کر رہنا چاہیں تو ان سے دنیوی زندگی کے عارضی فائدے کے لیے زبردستی بدکاری نہ کمایا کرو۔ اور جو انھیں اس پر مجبور کرے گا تو ان کی بے بسی کے پیچھے خدا بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

(نور-۴)

اسی بنا پر اسلام نے یہ کمائی حرام قرار دی اور مسلمان مرد کے لیے اچھا نہ
سمجھا کہ وہ کسی پیشہ ور عورت کو توبہ سے قبل حبالۂ عقد میں لائے۔ سنن ابی داؤد
میں ہے کہ ایک صحابی نے ایسی ہی کسی کسبی سے نکاح کا ارادہ کیا اور آنحضرت سے
اجازت طلب کی۔ اس پر یہ آیت اتری:

الزانی لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ والزانیۃ لا ینکحھا الا زان او مشرک وحرم ذالک علی المؤمنین ○	بدکار (مرد) بدکار ہی عورت یا مشرکہ سے نکاح کرے گا اور بدکار عورت، بدکار ہی مرد یا مشرک سے نکاح کرے گی اور ایمان والوں پر یہ حرام ٹھہرا دیا گیا ہے۔

(نور-۱)

Marfat.com

آگے چل کر فرمایا گیا۔

الخبیثٰت للخبیثین	گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے
والخبیثون للخبیثٰت	ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں
والطیبٰت للطیبین	کے لیے اور پاک عورتیں پاک مردوں
والطیبون للطیبٰت	کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں
(نور۔۳)	کے لیے۔

اسی وجہ سے شریعتِ اسلامی میں کسی بدکار مرد کا کسی عفیفہ کے ساتھ اور کسی
[با]کباز مرد کا بدکار عورت کے ساتھ نکاح مستحسن نہیں بلکہ بعض علماء تو اسے یکسر ناجائز
[ق]رار دیتے ہیں۔

کتاب اللہ کے ان احکام کی مزید تشریح احادیث میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ
[ر]سول اللہ صلعم نے ایک صحابی سے فرمایا: "اگر کسی غیر محرم پر اتفاقاً نظر پڑ جائے تو پہلی
[ن]گاہ بلا ارادہ ہونے کے باعث معاف ہے، لیکن دوبارہ اس پر نگاہ ڈالنا جائز
[ن]ہیں"۔ (ترمذی)

فرمایا: "کسی کے گھر جاؤ تو اجازت سے پہلے پردہ اٹھا کر اس کے اندر
جھانکو کہ اس کے اہلِ خانہ کی بے ستری ہو"۔ (ترمذی)

فرمایا: "عورت درمیانِ راہ سے الگ ہو کر کنارے کنارے چلے تاکہ مردوں
[کی] بھیڑ بھاڑ اور دھکوں سے بچے"۔ (مسلم)

فرمایا: "کوئی مرد کسی غیر عورت کے گھر اس کے شوہر کی غیر موجودگی میں اکیلا
[نہ] جائے کہ اس سے شیطان کو موقع ہاتھ آتا ہے"۔ (ترمذی)

فرمایا: "گھر کے دروازے پر پردہ پڑا رہے۔ اگر کسی گھر کے دروازے بند
[نہ ہ]وں یا ان پر پردہ نہ پڑا ہو اور کوئی اندر گھس جائے تو اس کی ذمہ داری خود گھر والوں
[کی ہو]گی"۔ (ترمذی)

ان اخلاقی ہدایات کے علاوہ ان لوگوں کے لیے جن سے معاشرے کی عزت

خطرے میں پڑ جائے۔ شرعی ثبوت کے بعد قانونی سزا بھی مقرر کر دی تاکہ اس سے ڈر کر لوگ پاکیزہ زندگی بسر کرنے لگیں:

الزانیۃ والزانی	بدکاری کرنے والی عورت اور
فاجلدوا کل واحد	بدکاری کرنے والے مرد، ان میں
منھما مائۃ جلدۃ ۔	سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔

(نور-۱)

احادیث میں یہ بھی درج ہے کہ جو بیاہے ہوئے مرد اور عورتیں بدکاری میں پکڑے آئیں، انھیں سنگسار کیا جائے۔ اس جُرم پر عورتوں کی حیثیت نہایت نازک ہو جانے کے باعث اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں ایک طرف تو یہ فرمایا مسلمان عورتوں سے اور امور کے علاوہ اس امر پر بھی بیعت لی جائے کہ وہ پوری طرح اپنی عزت کی حفاظت کریں گی اور دوسری طرف عورتوں کو مردوں کی تہمتوں سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ کسی مرد کی طرف سے عورت پر اس قسم کا بہتان لگائے جانے کی صورت میں مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ثبوت میں چار عینی شاہد پیش کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اسے اس تہمت تراشی کے جُرم میں اسّی کوڑے مارے جائیں اور اس کی شہادت ہمیشہ کے لیے ناقابلِ اعتبار قرار دے دی جائے۔ اگر بہتان جوڑنے والا خود شوہر ہو اور شاہد نہ ہوں تو مرد حلف اُٹھائے ورنہ عورت اس الزام کے بے بنیاد ہونے کی قسم کھائے۔ اگر دونوں اپنے دعوے پر ڈٹے رہیں تو اسلام میں رواج یہ چلا آتا ہے کہ اپنے دعوے کی سچائی پر قائم رہنے کی وجہ سے نکاح توڑ دیا جاتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ "ایک صحابی نے رسول اللہ صلعم سے عرض کی: "یارسول اللہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے"؟ فرمایا: "یہ کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ حالانکہ اس نے تمھیں پیدا کیا۔" گزارش کی: "اس کے بعد"؟ فرمایا: "یہ کہ اپنے لڑکے کو اس خوف سے قتل کر ڈالو، وہ تمھارے ساتھ کھائے گا۔" بولے: "اس کے بعد"؟ فرمایا:

ئیر کرا پنے ہمسایے کی بیوی سے زنا کرو" (بخاری)

ایک حدیث میں ہے کہ "زانی جس وقت زنا کرتا ہے، شرابی جس وقت شراب پیتا ہے، چور جس وقت چوری کرتا ہے اور لوٹنے والا جس وقت سب کی آنکھوں کے سامنے لوٹتا ہے تو مسلمان نہیں رہتا" (بخاری)

شریعت اسلامی میں زانیوں کی سزا بعض حالات میں سو سو کوڑے مارنا اور بعض صورتوں میں سنگسار کرنا ہے، مگر آخرت میں یہ لوگ جس عذاب کے اندر مبتلا کیے جائیں گے، اس کی شدت اور عبرت انگیزی کی انتہا نہیں۔

احادیث میں پاکباز لوگوں کے فضائل بھی بے حد مؤثر طریق پر درج کیے گئے ہیں۔ مثلاً ایک حدیث یوں ہے: "قیامت کے دن جب خدا کے سایے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ سات آدمیوں کو اپنے سایے میں لے گا۔ ان میں ایک آدمی وہ ہوگا، جسے ایک معزز و حسین عورت نے اپنی جانب مائل کرنا چاہا، مگر اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔"

آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی پاکبازوں کو بے شمار برکتوں اور سعادتوں سے نوازا جاتا ہے، جن کی مثالوں سے حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف کی پاکبازی

عفت و پاکبازی حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف کی معدنِ اخلاق کا ایک درخشاں گوہر تھی۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا: "میرے بعد جو شخص میری ازواج مطہراتؓ کی نگرانی و حفاظت کرے گا، وہ نہایت صادق اور نیکوکار ہوگا۔" چنانچہ یہ فرض مخصوص طور پر حضرت عبدالرحمٰن رضؓ سے متعلق تھا۔ وہ سفر اور حج کے موقعوں پر ساتھ جاتے تھے۔ سواری اور پردے کا انتظام کرتے تھے۔ جہاں منزل آتی تھی، وہاں انتظام و اہتمام سے اُتارتے تھے۔ غرض انھیں محض عفت و پاکبازی کے باعث اُمہات المومنینؓ کی خدمت و حفاظت کا فخر نصیب ہوا تھا، جو ان کا مخصوص طغرائے امتیاز ہے۔

(اصابہ)

Marfat.com

اٹھارھواں باب

امانت و دیانت

امانت کی تعریف امانت کے معنی یہ ہیں کہ لین دین کے معاملے میں ایمان دار رہنا اور لوگ جو کچھ کسی کے پاس رکھوائیں، وہ ہو بہو، پورے کا پورا انھیں واپس کر دینا۔ خدا نے جو شریعت انسان کے سپرد کی ہے، اسے بھی امانت کہا ہے:

انا عرضنا الامانۃ	ہم نے اپنی امانت
علی السمٰوٰت والارض	آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں
والجبال فابین ان	پہ پیش کی تو انھوں نے اس کے
یحملنھا واشفقن	اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے
منھا وحملھا الانسان	ڈرے اور انسان نے اسے اٹھالیا۔
انہ کان ظلوما	بے شبہ وہ ظالم اور نادان ہے۔
جھولا	(احزاب-۹)

ہمیں چاہیے کہ اللہ کی اس امانت کا حق پوری طرح ادا کریں تاکہ ہم پر خیانت کا الزام عائد نہ ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ ایک خاص فرشتے کے ذریعے سے اپنے پیغمبروں پر پیام نازل کیا کرتا تھا تاکہ وہ کسی قسم کی کمی یا زیادتی کے بغیر خدائی حکم سمجھا جائے۔ اسی وجہ سے اس فرشتے کا نام "الامین" رکھا گیا

نزل بہ الروح الامین	یہ پیام لے کر امانت والی روح
(شعراء-۱۱)	اتری۔

رسول اللہؐ کی شہرۂ آفاق دیانت نبوت سے پہلے رسول اللہ صلعم تجارت کرتے تھے۔ لوگ آپ کے پاس امانتیں رکھواتے

Marfat.com

اور آپ بلا کم و کاست واپس فرما دیتے۔ کاروبار میں انتہائی دیانت داری سے کام لیتے، اس لیے آپ کی تجارت خوب پھولی پھلتی۔ امانت اور دیانت میں حضورؐ کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی اور اہلِ مکہ نے آپ کو "امین" کا خطاب دیا۔

قرآن مجید میں نیک مسلمانوں کی تعریف یوں کی گئی:

والذین ھم لامٰنٰتھم	اور جو اپنی امانتوں اور وعدے
وعھدھم راعون۔	کا پاس رکھتے ہیں۔

(مومنون-۱)

امانت کے لیے فرمانِ الٰہی

مروی ہے کہ عثمان بن طلحہ بن عبد الدار شیبی خانۂ کعبہ کے کلید بردار تھے۔ مکہ فتح ہوا تو ان سے کنجیاں جبراً لے لی گئیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ان اللہ یامرکم ان	بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے
تؤدوا الامٰنٰت الیٰ	کہ امانتیں ان کے مالکوں کے حوالے
اھلھا۔	کر دیا کرو۔

(نساء-۸)

اس حکم کے تحت یہ امانت انھیں واپس کر دی گئی۔ انھوں نے وجہ دریافت کی تو حضرت علیؓ نے فرمایا: اللہ کا حکم ایسا ہی ہے۔ عثمانؓ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ الغرض اسلام کے اس حکمِ امانت داری کا اثر یہ ہوا کہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

امانت و دیانت کی قسمیں

امانت کا دائرہ روپے پیسے ہی تک محدود نہیں بلکہ اس کی حد میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں تک وسیع ہیں۔ اگر کسی نے کوئی چیز آپ کے پاس رکھی تو اس کے طلب کرنے پر بایونہی جیوں کا توں واپس کر دینا امانت ہے۔ اگر آپ پر کسی کا کوئی حق باقی ہو تو اسے پوری طرح ادا کرنا بھی امانت ہے۔ کسی کا راز اپنے ہی سینے میں پوشیدہ رکھنا اور دوسرے کو نہ بتانا

بھی امانت ہے۔ آپ کسی اجتماع میں شامل ہیں۔ وہاں دوسروں کے متعلق کچھ باتیں سن لیں اور وہیں کی وہیں چھوڑ دیں، اوروں کو نہ بتائیں۔ اس طرح کسی قسم کا فتنہ پیدا نہ ہوگا، یہ بھی امانت ہے۔ اگر کوئی شخص کسی نجی معاملے میں آپ سے مشورہ طلب کرے۔ آپ اسے اپنے ہی تک محدود رکھیں اور اپنی معلومات کے مطابق صحیح مشورہ دیں، یہ بھی امانت ہے۔ اگر کوئی آدمی کہیں ملازم ہو۔ وہ اپنی ذمہ داری پوری طرح محسوس کرے، شرائط کی تعمیل کرتے ہوئے فرائض منصبی کماحقہٗ انجام دے تو یہ بھی امانت اور دیانت ہے۔

امانت و دیانت اور کتاب و سنت

قرآنِ عزیز اور حدیث شریف میں بڑی تفصیل سے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ فلاح پانے والے مسلمانوں میں امانت و دیانت کی صفتیں رکھنے والے بھی ہیں:

والذین ھم لامٰنتھم وعھدھم راعون	اور جو اپنی امانتوں اور اپنے قول و قرار کی پاسبانی کرتے ہیں۔

(معارج-۱)

اگر کسی نے کوئی چیز رکھنے کو دی یا قرض لے کر گرو رکھی:

فلیؤد الذی اؤتمن امانتہٗ ولیتق اللہ ربہٗ	تو جو امین بنایا گیا، اسے چاہیے کہ اپنی امانت ادا کرے اور چاہیے کہ اپنے پروردگار اللہ سے ڈرے۔

(البقرہ-۳۹)

یعنی لے کر انکار نہ کر جائے یا دینے میں حیل و حجت نہ کرے یا اجازت کے بغیر اس میں کوئی تصرف نہ کرے یا کوئی ہم پر اعتماد کرکے ہم سے کوئی بات کہے تو ہم اس کے اس اعتماد سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اسے کوئی نقصان نہ پہنچا دیں کہ یہی خیانت ہے جس سے اسلام نے کھلے بندوں منع کیا ہے:

وتخونوا امٰنٰتکم و	اور اپنی امانتوں میں جان بوجھ کر

Marfat.com

انتم تعلمون۔ خیانت نہ کرو۔

(انفال-۲)

اگر ایک شخص کسی جگہ ملازم ہو اور اس پر یہ پابندی عائد کر دی جائے کہ ہر روز چھ گھنٹے کام کرنا تمہارا فرض ہے تو وہ تعمیلِ پابندی کی صورت میں امانت دار ہے لیکن اگر وہ اس دوران میں کچھ وقت بیکار ضائع کر دے تو اسلام اسے امین نہیں کہہ سکتا۔

اگر کوئی آدمی ایک کام کما حقہٗ انجام نہ دے سکے، لیکن کسی کی سفارش پر اسے ملازم رکھ لیا جائے تو یہ بھی امانت کے خلاف ہے۔

امانت کے لیے ارشادِ نبویؐ

رسول اللہ صلعم نے فرمایا: "جس میں امانت نہیں، اس میں ایمان نہیں، جسے عہد کا پاس نہیں، اس میں دین نہیں۔ اس ہستی کی قسم، جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، کسی بندے کا دین اس وقت تک درست نہ ہوگا، جب تک اس کی زبان درست نہ ہو اور اس کی زبان درست نہ ہوگی، جب تک اس کا دل درست نہ ہوگا ...... اور جو کوئی کسی ناجائز راہ سے کوئی مال پائے گا اور اس میں سے خرچ کرے گا تو اسے اس میں برکت نہیں دی جائے گی اور اگر اس میں سے خیرات کرے تو قبول نہیں ہوگی اور جو اس میں سے بچ رہے گا وہ اس کے سفرِ جہنم کا توشہ ہوگا۔ بُری چیز بُری چیز کا کفارہ نہیں بن سکتی، البتہ اچھی چیز اچھی چیز کا کفارہ ہوتی ہے۔" (طبرانی کبیر عن ابن مسعودؓ)

جب مرد کسی عورت سے شادی کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض شرطیں عائد ہو جاتی ہیں۔ اگر وہ ان شرطوں پر قائم نہ رہتے ہوئے بیوی کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے یا بالکل ادا ہی نہ کرے تو خدا کی طرف سے سپرد کی ہوئی امانت میں خیانت کرتا ہے۔ آنحضرت صلعم نے حجۃ الوداع کے مشہور خطبے میں فرمایا: "عورتوں کے باب میں خدا سے ڈرو کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت اور عہد سے زوجیت میں لیا ہے۔" (صحیح مسلم)

ہجرت کی رات کو کفار نے تو نبی اکرم صلعم کے قتل کا منصوبہ کیا تھا اور آپ نے

حضرت علی رضؓ کو اس غرض سے تیچھے چھوڑا تھا کہ لوگوں کی امانتیں ادا کر کے آنا۔

رسول مقبول ﷺ نے فرمایا: "میری اُمّت اُس وقت تک فطری صلاحیت پر قائم رہے گی، جب تک وہ امانت کو مالِ غنیمت اور زکوٰۃ کو جرمانہ نہیں سمجھے گی"۔ (کنز العمال)

ایک صحابی کی دیانت

ایک صحابی کی اونٹنی کھو گئی اور انھوں نے دوسرے صحابی کو تاکید کر دی کہ مل جائے تو پکڑ لینا۔ انھیں اونٹنی مل گئی، لیکن اس کے مالک کا پتا نہ چلا۔ انھوں نے اونٹنی گھر میں رکھ لی کہ مالک آئے تو دے دیں۔ اسی دوران میں اونٹنی بیمار ہو گئی۔ بیوی نے کہا: "ذبح کر لو"۔ غریب اتنے تھے کہ مُردار کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اونٹنی مر گئی تو نبی اکرم صلعم نے انھیں اجازت دے دی کہ اس کا گوشت کھا لو۔ وہ اس قدر دیانت دار تھے کہ اسے ذبح کرنے پر رضامند نہ ہوئے۔ مالک آیا تو انھوں نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ وہ بولا: "اسے ذبح کیوں نہ کر ڈالا؟" کہنے لگے: "تم سے شرم آتی تھی"۔ (ابو داؤد)

Marfat.com

اُنیسواں باب

رقّتِ قلب

رحمتِ عالم صلعم انتہا درجے کے نرم دل اور رقیق القلب تھے۔ حضرت مالک بن حویرث بن اشیم لیثی صحابی رضا ایک وفد میں رکن کی حیثیت سے دارالہجرت وارد ہوئے تھے۔ انھیں بیس دن تک مجالسِ نبوت میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ ان کا بیان ہے:

کان رسول اللہ رحیمًا رفیقًا۔	رسول اللہ رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے۔

(بخاری)

قریب مرگ نواسے کی حالت پر اشک باری

ایک مرتبہ سیدہ زینب رضا بنت النبی ؐ نے اپنے فرزند علی بن ابوالعاص رضا کی بیماری میں اور دوسری روایت کے مطابق سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا رضا نے اپنے پسر محسن بن علی رضا کی علالت پر کہلا بھیجا کہ لڑکے کی حالت مخدوش ہے۔ اس لیے آپ ذرا تشریف لایئے۔ آپ نے اس کے جواب میں سلام کہلا بھیجا اور فرمایا: "جو چیز لی وہ اللہ ہی کے لیے ہے اور جو چیز دی وہ بھی اللہ ہی کے لیے ہے اور اُس پروردگار کے ہاں ہر چیز کی میعاد معیّن ہے، اس لیے تم صبر و شکیب سے کام لو اور ثواب کی اُمیدوار رہو۔"

اب انھوں نے دوبارہ آدمی بھیجا اور قسم دے کر کہلا بھیجا کہ آپ ضرور قدم رنجہ فرمائیں۔ آپ حضرات سعد رضا بن عبادہ، مُعاذ رضا بن جبل، اُبی بن کعب، زید رضا بن ثابت اور چند دوسرے صحابہ رضا کی معیت میں چلے۔ وہاں پہنچنے پر لڑکا آپ کی گود میں رکھا گیا۔ اس وقت بچّہ دم توڑ رہا تھا۔ آنحضرت صلعم کی دونوں آنکھیں

Marfat.com

اشک بار ہو گئیں۔ یہ دیکھ کر حضرت سعد رضؓ بن عبادہ کہنے لگے: "یا رسولؐ اللہ! یہ رونا کیسا ہے؟" آپ نے فرمایا: "یہ رحمت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کی ہے اور خدا انھیں بندوں پر رحم کرتا ہے جو اوروں پر رحم کرتے ہیں۔" (بخاری و مسلم)

حضرت ابراہیمؓ کی رحلت

پیغمبر خدا صلعم کی سب سے آخری اولاد حضرت ابراہیم رضؓ ہیں۔ ۸ھ میں بمقام عالیہ، جہاں اُن کی والدہ محترمہ حضرت ماریہ قبطیہ رضؓ قیام فرما تھیں، پیدا ہوئے۔ دُودھ پلانے کے لیے تمام انصاری خواتین نے خواہش کی، لیکن آپ نے انھیں اُمِّ سیف کے حوالے کیا۔ اُمِّ سیف عوالیٔ مدینہ میں رہتی تھیں۔ آپ فرطِ محبت سے وہاں جاتے۔ حضرت ابراہیم رضؓ کو گود میں لیتے اور چومتے۔ اُمِّ سیف کے شوہر لوہار تھے۔ اس لیے ان کا گھر دھوئیں سے بھرا رہتا تھا، لیکن حضرت رسالت مآبؐ نظافتِ طبع کے باوجود یہ تکلیف گوارا فرماتے۔

حضرت انس رضؓ کا بیان ہے کہ ہم ایک دفعہ رسولِ خدا صلعم کے ساتھ ابوسیف کے ہاں گئے۔ آپ نے ابراہیم رضؓ کو لیا اور انھیں چوما اور پیار کیا۔ ابراہیم رضؓ نے ابوسیف ہی کے یہاں انتقال کیا۔ نبیؐ کو خبر ہوئی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ نزع کی حالت تھی۔ گود میں اٹھا لیا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ عبدالرحمٰن رضؓ کہنے لگے: "یا رسولؐ اللہ! آپ کی یہ حالت ہے؟" آپ نے فرمایا: "اے ابن عوف! یہ مقتضائے رحمت ہے۔" اس کے بعد پھر روئے اور فرمایا: "آنکھیں اشکبار ہیں اور دل غم زدہ ہے، لیکن اس کے باوجود ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو اور اے ابراہیم رضؓ! ہم تیری جدائی میں غمگین ہیں۔" (بخاری و مسلم)

باپ کا بیٹی کو کنوئیں میں دھکیلنا

عرب کے ایّامِ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم جس شقاوت اور

سنگ دلی سے انجام دی جاتی تھی۔ اس کا حسرتناک نقشہ ایک نومسلم نے رسولِ خدا ﷺ کے سامنے آپ بیتی سُنا کر اس طرح کھینچا کہ رحمتِ عالم ﷺ آنسو ضبط نہ کر سکے۔ اس نے خدمتِ اقدس میں التماس کی: "یا رسول اللہ! ہم جاہلیت میں بتوں کو پوجتے اور اولاد کو ہلاک کر دیتے تھے۔ میری ایک لڑکی تھی۔ جب میں اسے بُلاتا تو وہ دوڑ کر میرے پاس آجاتی۔ ایک دن وہ میرے بُلانے پر خوش خوش دوڑی آئی۔ میں بڑھا اور وہ میرے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ میرے گھر سے کچھ فاصلے پر ایک کنواں تھا۔ جب لڑکی اس کے قریب پہنچی تو میں نے اسے کنوئیں میں دھکیل دیا۔ وہ ابا ابا کہہ کر پکارتی رہی، لیکن میں نے اس کے نالہ و شیون پر کوئی توجہ نہ کی۔"

رحمتِ کونین ﷺ یہ دردناک واقعہ سُن کر رونے لگے۔ تھوڑی دیر میں فرمایا: "اپنا ماجرا پھر سُناؤ۔" انھوں نے دوبارہ بیان کیا۔ آپ اتنا روئے کہ روتے روتے ریشِ مبارک تر ہو گئی۔ (دارمی)

آنحضرت ﷺ کی بے چینی

صحابۂ کرام رضہ نے غزوۂ بدر میں جو قیدی گرفتار کیے تھے، ان میں نبی ﷺ کے عمِ محترم حضرت عباس رضہ بن عبدالمطلب، حضرت علی مرتضیٰ رضہ کے بڑے بھائی عقیل رضہ بن ابی طالب اور سرورِ عالم ﷺ کے عم زاد بھائی نوفل بن حارث بن عبدالمطلب بھی شامل تھے۔ یہ تینوں ہاشمی قریش کے مجبور کرنے پر شریکِ جنگ ہوئے تھے۔ مشکیں باندھنے والے نے غلطی سے حضرت عباس رضہ کی مشکیں زیادہ کس کر باندھ دی تھیں اور وہ اس کی تکلیف سے رات بھر دردناک آوازیں نکالتے رہے۔ یہاں تک کہ حضور خواجۂ عالم ﷺ ان کی کراہ سُن کر رات کو آرام نہ فرما سکے اور حالتِ بےخوابی میں کروٹیں بدلتے رہے۔ آخر دریافت کیا گیا: "یا رسول اللہ! آج آپ کو نیند کیوں نہیں آتی ہے؟" فرمایا: "چچا عباس رضہ کے کراہنے نے مجھے بے چین کر رکھا ہے۔"

بعض انصار نے ان کے پاس جا کر رونے کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ ان کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر باندھے گئے ہیں اور وہ درد سے کراہتے ہیں۔ انھوں نے بند نرم

کر دیا اور وہ سو گئے۔ حضرت خیر البشر ؐ نے تھوڑی دیر کے بعد دریافت کیا کہ اب چچا عبّاس رضؓ کے رونے کی آواز نہیں آتی۔ انصار عرض پیرا ہوئے: "یا رسول اللہؐ! ان کا بند سخت تھا، انھیں اسی کی تکلیف تھی۔ اب اسے سبک کر دیا ہے اور وہ سو گئے۔" یہ سُن کر آپ نے حکم دیا: "تمام اسیرانِ جنگ کے بند ڈھیلے کر دیے جائیں۔" (ابن سعد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آب دیدہ ہونا

حضرت مصعب بن عُمیر رضؓ مکّہ معظمہ کے ایک نہایت حسین و جمیل نوجوان تھے۔ والدین کو، جو بڑے متموّل تھے، اُن سے بڑی محبّت تھی اور اپنے لختِ جگر کو بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ چنانچہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ ریشمیں لباس پہنتے اور لطیف سے لطیف خوشبو جو مکّہ میں میسّر آسکتی، استعمال فرماتے تھے۔ شہر بھر میں ان سے بڑھ کر خوش رُو، خوش پوشاک اور پروردۂ نعمت کوئی نہ تھا۔ نرمی دار حضرمی جوتا، جو امیر طبقے کے لیے مخصوص تھا، ان کے روزانہ استعمال کی چیز تھی۔

آخر جب رسولِ خدا صلعم کی ایک مجلس میں توحید کا جلوہ دیکھا تو دل نورِ ایمان سے جگمگا اُٹھا اور علانیہ سعادتِ ایمانی سے بہرہ اندوز ہوئے۔ یہ دیکھ کر والدین اُن کے دشمن ہو گئے، لیکن شرابِ توحید نے کچھ ایسا سرشار کر دیا تھا کہ تکلّفات اور عیش و نعم کی کوئی پروا نہ رہی۔ ایک دن وہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ یہ دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے کہ جو جسم ریشم کے سوا کسی دوسرے لباس سے آشنا نہ تھا، اُس پر کوئی بھی کپڑا ایسا نہیں، جس میں پیوند نہ لگے ہوں۔ (ترغیب و ترہیب بحوالہ ترمذی و ابو یعلیٰ)

آنحضرت پر قرآن کا اثر

ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے جناب عبد اللہ رضؓ بن عمر رضؓ سے فرمایا: "مجھے قرآن پڑھ کر سُناؤ۔" انھوں نے التماس کی: "یا رسول اللہؐ! قرآن تو آپ پر نازل ہوا ہے، میں بھلا حضورؐ کے سامنے کیا پڑھ سکتا ہوں؟" آپ نے فرمایا: "مجھے دوسرے سے سننے کا شوق ہے۔" حضرت عبد اللہ رضؓ نے سورۂ نساء پڑھنی شروع کی۔ جب اس آیت پر پہنچے:

فکیف اذا جئنا   اُس وقت کیا حال ہوگا، جب ہم

من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا۔

ہر امت میں سے ایک ایک گواہ طلب کریں گے اور ان لوگوں (کفار قریش) پر آپ کو شہادت دینے کے لیے طلب کیا جائے گا۔

آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا: "بس کرو" حضرت عبد اللہ رضؓ کا بیان ہے: "اس وقت میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھیں اشکبار ہیں" (ترمذی)

سیدہ اُم کلثوم رضؓ کی قبر پر آنحضرت صلعم کا رونا

سیدہ رقیہ رضؓ اور سیدہ اُم کلثوم رضؓ سرورِ کونین صلعم کی منجھلی صاحبزادیاں تھیں، جو حضرت عثمان رضؓ بن عفان کی سلکِ تزویج میں یکے بعد دیگرے منسلک ہوئی تھیں۔
اس بناء پر حضرت عثمان رضؓ ذوالنورین کے معزز لقب سے مشہور ہیں۔ پیغمبرؐ کے خادم حضرت انس رضؓ کا بیان ہے کہ جب آنحضرتؐ کی صاحبزادی (اُم کلثوم رضؓ) دفن کی جا رہی تھیں تو ہم حاضر تھے۔ اس وقت آپ قبر کے پاس بیٹھے تھے اور آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں (بخاری)

حضرت خدیجہ رضؓ کے ہار پر رقت

بدر کے قیدیوں میں سید انام صلعم کے نسبتی فرزند یعنی حضورؐ کی بڑی صاحبزادی سیدہ زینب رضؓ کے شوہر ابو العاص بن ربیع بھی تھے۔ یہ اُم المؤمنین حضرت خدیجہ رضؓ کی ہمشیرہ ہالہ بنت خویلد کے فرزند تھے۔ نزول وحی کے بعد تمام پیغمبرزادیاں شرف ایمان سے مشرف ہوئیں مگر ابو العاص اپنے آبائی دین پر قائم رہے۔ آغاز دعوت میں جب داعیٔ اسلامؐ کے خلاف کفارِ قریش کے دل میں جذبۂ عناد پرورش پانے لگا اور آپ کی ایذا رسانی اور دل آزاری کے منصوبے باندھے جانے لگے تو منجملہ دوسری خرافات کے یہ بھی کہا گیا کہ ہم نے محمدؐ کو پہلے ہی بے فکر کر دیا ہے۔ ان کی لڑکیاں انہیں واپس دے دی جائیں اور دیکھیں کہ وہ لڑکیوں کو کہاں اور کس طرح بیاہتے ہیں۔ اس تجویز کے مطابق سب سے پہلے ابو العاص رضؓ سے کہا گیا کہ تم اپنی بیوی زینب بنت محمدؐ کو طلاق دے دو

اور وعدہ کیا گیا کہ اس طلاق کے معاوضے میں مکہ کی جس لڑکی سے چاہو، اس سے تمھاری شادی کرا دیتے ہیں۔ باوجودیکہ ابوالعاص رضؓ ہنوز مشرف بہ ایمان نہ ہوئے تھے، لیکن انھوں نے تمام اکابر قریش کا یہ پیشکش ٹھکرا دیا اور کہا: "میں اپنی بیوی کو بے گناہ طلاق نہیں دے سکتا۔"

اسلام نے حضرت زینب رضؓ کی ان کے غیر مسلم شوہر سے تفریق کر دی تھی، لیکن نبیؐ چونکہ مکہ میں ایک طرح کی بے بسی کی حالت میں تھے اس لیے آپ عملاً ان میں تفریق نہ کرا سکے اور وہ برابر اپنے غیر مسلم شوہر کے پاس رہیں۔ غزوۂ بدر کے بعد اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجنا شروع کیا تو حضرت زینب رضؓ نے بھی ابوالعاصؓ کے فدیے میں کچھ مال بھیجا جس میں وہ ہار بھی تھا جو ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضؓ نے سیدہ زینب رضؓ کو ان کی شادی کے جہیز میں دیا تھا۔ خدائے رؤف و رحیم نے اپنے رسولؐ کو بہت رقیق القلب بنایا تھا۔ آپ نے وہ ہار دیکھا تو آپ کو حضرت خدیجہ طاہرہ رضؓ کی مصاحبت کا زمانہ یاد آ گیا۔ آپ پر سخت رقت طاری ہوئی اور صحابہ کرام رضؓ سے فرمایا: "اگر مناسب سمجھو تو زینبؓ کی خاطر ابوالعاص کو رہا کر دو اور اس کا فدیہ اسے واپس دے دو۔" چنانچہ تمام اصحاب کرام رضؓ نے ابوالعاص کو رہا کر کے ان کا فدیہ بھی واپس دے دیا۔ مگر اس وقت آپ نے یہ شرط کر لی کہ وہ مکہ جا کر زینبؓ کو آپ کے پاس مدینہ بھیج دیں گے۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و ابن جریر)

رقیق القلبی اور رحم دلی لازم و ملزوم اور اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں رحم و رحم دلی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اللہ (اسم ذات) کے بعد رب العالمین کا سب سے زیادہ اہم اور پہلا اسم مبارک رحمٰن (بڑا رحم والا) اور دوسرا نام رحیم (رحم سے بھرا ہوا) آگے ہے۔ مسلمان مامور ہیں کہ جب کوئی اچھا کام شروع کریں تو اسم ذات (اللہ) کے بعد رحمٰن اور رحیم کا نام لیں۔

عالم انسانیت میں محاسن اخلاق کا سب سے بڑا مظہر انبیائے کرام علیہم السلام کی ذات گرامی تھی اور انبیاء میں سب سے عالی و برتر ہستی ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلعم

کی ذات اقدس تھی۔ چنانچہ خداوند عالم نے آپ کو اسی وصف رحم و شفقت سے متصف فرمایا ہے:

لقد جاءکم رسولٌ	(لوگو) تمہارے پاس تمہیں میں سے
من انفسکم عزیزٌ	ایک رسول آئے ہیں، جن پر تمہاری
علیہ ما عنتم حریصٌ	تکلیف شاق گزرتی ہے۔ تمہاری
علیکم بالمؤمنین	بہبود کی حد سے زیادہ خواہش ہے
رءوفٌ رحیم۔	اور مسلمانوں پر نہایت درجہ شفیق
(۱۰: ۱۲۸)	اور مہربان ہیں۔

خدا کے برگزیدہ رسول صلعم انتہا درجے کے رحم دل اور صحیح معنیٰ میں رؤف و رحیم تھے اور جس طرح بذاتِ خود اس صفت سے موصوف تھے۔ اسی طرح دوسروں کو بھی دیکھنا چاہتے تھے اور انھیں یہی تعلیم دیتے تھے۔ آپ نے فرمایا: "جو رحم نہیں کرتا، اللہ اس پر رحم نہیں کرتا" (بخاری و مسلم) اور فرمایا: "حق تعالیٰ رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے۔ تم اہل زمین پر رحم کرو تو تم پر رب السموات والارض رحم کرے گا" (ابوداؤد) اور فرمایا: رحم دلی کی صفت سے وہی عاری ہے، جو شقی ہے (ابوداؤد) اور فرمایا: جس نے آدمیوں پر رحم نہ کیا خدائے رحیم بھی اس پر رحم نہ کرے گا اور شقی کے سوا کسی کے دل سے رحمت نہیں نکالی جاتی" (ترمذی) اور فرمایا: "رحمان رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو تو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔ رحم لفظ رحمٰن سے مشتق ہے۔ جس نے اسے ملایا، اللہ اسے ملائے گا اور جس نے اسے قطع کیا، اللہ اُسے کاٹ دے گا" (ترمذی)

چار اعدائے دین کا قتل پیشوائے امت صلعم نے جس طرح امت کو رحم دلی کی تعلیم دی، اسی طرح بے رحمی سے بڑی شد و مد کے ساتھ روکا۔ ایک معرکے میں چار واجب القتل اعداء حضرت خالد رضؓ بن ولید کے صاحبزادہ عبدالرحمٰن سپہ سالار کے سامنے پیش کیے گیے اور دریافت کیا گیا کہ انھیں

کس طرح ہلاک کیا جائے؟ انھوں نے حکم دیا: "انھیں باندھ کر ان پر تیر چلاؤ اور بے جان کر دو۔" اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ حضرت ابوایوب انصاری رضؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے عبدالرحمٰن کے پاس جاکر کہا: "رسولؐ خدا نے اس طرح مارنے کی ممانعت فرمائی ہے اور مجھے اسی خدائے برتر کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ یہ تو انسان تھے، اگر مرغی بھی ہوتی تو میں اس کا اس طرح بے رحمی سے مارا جانا گوارا نہ کرتا۔" عبدالرحمٰن کو اپنی اس غلطی پر سخت ندامت ہوئی اور انھوں نے کفارے کے طور پر چار غلام آزاد کیے۔ (ابوداؤد)

بچوں سے پیار

شفقت اور رحمت کی ایک قسم چھوٹے بچوں کو چومنا اور پیار کرنا ہے۔ ایک اعرابی مدینۂ منورہ آیا اور لوگوں کو دیکھا کہ بچوں کو چومتے ہیں۔ وہ پیغمبرِ خدا صلعم کے پاس آیا اور بولا: "کیا آپ حضرات بچوں کو چومتے ہیں؟" پھر کہنے لگا: "ہم تو ایسا نہیں کرتے۔" نبی صلعم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تیرے دل میں رحمت اور شفقت نہیں رکھی تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" (بخاری و مسلم) ایک بار سرورِ عالم صلعم نے حضرت حسن مجتبیٰ رضؓ کا بوسہ لیا جو ہنوز صغیر السن تھے۔ ایک بدوی اقرع بن حابس کہنے لگے: "میرے دس بچے ہیں، میں نے آج تک ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا۔" آپ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا: "جو شخص رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔" (بخاری)

شبخون مارنے سے احتراز

دشمن پر رسولِ رحیم و شفیق صلعم کی ایک شفقت یہ تھی کہ آپ اس پر کبھی رات کو حملہ نہیں کرتے تھے۔ دشمن رات کے وقت غافل پڑا سوتا ہے، اس لیے اس پر آسانی سے قابو پانے اور جلد مغلوب کرنے کے لیے شبخون کا رواج ہوا، لیکن اس میں چونکہ نہ صرف محاربین بلکہ غیر محارب بھی سخت پریشانی اور افراتفری کا شکار ہوتے ہیں، اس لیے رحمتِ عالم کا معمول تھا کہ جب خود دشمن پر چڑھ کر جاتے تو رات کے بعد حملہ کرکے انھیں بے آرام نہ کرتے بلکہ دن نکلنے کا انتظار کرتے تاکہ دشمن آرام اور استراحت

کر نیکے بعد لڑائی کے لیے اپنے آپ کو اچھی طرح تیار کر سکے۔

باوجودیکہ لشکرِ اسلام عشاء کے وقت خیبر پہنچ چکا تھا لیکن شبخون مار کر چونکہ دشمن کو خوف زدہ اور حواس باختہ کرنا گوارا نہ تھا، اس لیے آپ نے حکم دیا کہ دن نکلنے کا انتظار کرو۔ (تاریخ محمد ابن جریر طبری)

حدِ شرعی کا ٹالنا

شریعت غرا نے، حرام کاری، چوری وغیرہ جرائم کی جو سزائیں مقرر فرمائی ہیں، انھیں حدود شرعیہ کہتے ہیں۔ اگر جرم پر شہادتیں موجود ہوں اور ثبوت مکمل ہو تو حدِ شرعی کسی طرح ٹل نہیں سکتی اور اگر جرم محض مجرم کے زبانی اقرار سے ثابت ہو تو حاکم اور قاضی کا فرض ہے کہ مجرم کو حدِ شرعی سے بچانے کی کوشش کرے۔ چنانچہ حامل نبوت صلعم کا معمول یہی تھا۔ اگر کوئی مجرم سچے دل سے توبہ کر کے بارگاہِ خداوندی کی طرف رجوع کرے تو خدائے غفور اس کا گناہ معاف کر دیتا ہے، لیکن عہدِ رسالت کا مسلمان اگر کبھی گناہ کا مرتکب ہو جاتا تو عذاب آخرت کے تصور سے سہمگیں ہر خطرہ مول لینا بلکہ جان پر کھیل جانا اس کے لیے بڑا آسان تھا، اس لیے چاہتا تھا کہ حدِ شرعی گوارا کر کے گناہ سے پاک ہو جائے حالانکہ گناہ توبہ سے بھی معاف ہو سکتا ہے۔ اگر مجرم اعترافِ جرم کے بعد اپنے اقرار سے رجوع کر لے اور کہہ دے کہ میں نے ایسا نہیں کیا تو حد ساقط ہو جاتی ہے۔

مروی ہے کہ حضرت رسالت مآب صلعم کے سامنے ایک چور آیا، جو خود چوری کا اقرار کرتا تھا لیکن تلاشی پر اس کے پاس سے مال برآمد نہ ہوا اور گواہ بھی کوئی موجود نہ تھا۔ شریعت نے دس درم سے زیادہ مالیت کی چوری کرنے والے کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر فرمائی ہے۔ آپ نے اس امید میں کہ ملزم ارتکاب سرقہ سے انکار کر دے اس کا ہاتھ نہ کٹے اور توبہ کرنے پر اس کا گناہ معاف ہو جائے، فرمایا: "میں نہیں کہہ سکتا کہ تم نے چوری کی ہو۔" وہ بولا: "یا رسول اللہ! نہیں۔ میں نے واقعی چوری کی ہے۔" جب آپ نے دیکھا کہ یہ انکار نہیں ہوا تو مجبوراً حکم دیا کہ اسے لے جاؤ، اس کا ہاتھ کاٹو اور دوبارہ میرے پاس لاؤ۔ اسے لے گئے اور ہاتھ کاٹ کر دوبارہ آپ کی خدمت میں لائے۔

Marfat.com

حد قائم کرنے کا مقصد دوسرے لوگوں کی عبرت ہے لیکن توبہ و انابت کے بغیر چونکہ نافرمانی کا گناہ علیٰ حالہ قائم رہتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: "تم گناہ سے توبہ و استغفار کرو اور خدا سے عہد کرو کہ پھر کبھی چوری نہیں کرو گے۔" اس نے کہا: "میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں اور اس کی جناب میں توبہ کرتے ہوئے سچے دل سے عہد کرتا ہوں کہ پھر کبھی چوری نہیں کروں گا۔ آپ نے اس کے حق میں دعا کی اور فرمایا: "الٰہی اس کا گناہ بخش دے۔" (نسائی)

گناہ سے پاک کیے جانے پر اصرار

ایک صحابی ہزال رضؓ بن یزید اسلمی کے خاندان کے ایک آدمی کو ماعز بن مالک اسلمی کہتے تھے۔ غیر انبیاء میں سے کوئی بشر انسانی کمزوریوں سے خالی نہیں۔ ایک مرتبہ ماعز نفسانی خواہش پر قابو نہ رکھ کر ہزال رضؓ کی لونڈی سے زنا کا ارتکاب کر بیٹھے۔ گو جذبات و امیال کے طوفان کے باعث حق و باطل میں تمیز نہ ہو سکی لیکن جب حواس درست ہوئے تو بُری طرح احساس ہوا کہ کیا کر بیٹھے۔ اپنے آپ سے بیزار ہو گئے بلبلاتے سرکار دوعالم صلعم کے پاس پہنچے اور التماس کی "یارسول اللہ! مجھے گناہ سے پاک کر دیجیے۔" فرمایا: "جاؤ خدا سے استغفار کرو اور توبہ و انابت کو درگاہ الٰہی میں شفیع لاؤ۔" ماعز لوٹ گئے۔

لیکن تھوڑی دُور جا کر پھر وحشت دل اُبھری، دوبارہ حاضر خدمت ہو کر عرض کی: "یارسول اللہ! مجھے پاک کر دیجیے۔" آپ نے دوبارہ وہی جواب دیا: "جاؤ، توبہ و استغفار کرو۔" یہ لوٹ گئے۔ تھوڑی دور جا کر پھر واپس آئے اور عرض پیرا ہوئے: "یارسول اللہ! میں نے گناہ کیا ہے، مجھے پاک کر دیجیے۔" آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ پھر لوٹ گئے لیکن دل سخت بے کل تھا اور کسی طرح تسکین نہ ہوتی تھی۔ چوتھی مرتبہ پھر آئے۔ اور وہی بات زبان پر لائے۔ اس مرتبہ آپ نے دریافت کیا: "آخر تم کس گناہ سے پاک ہونا چاہتے ہو؟" بولے: "یارسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے، مجھے اس کی گندگی سے پاک کر دیجیے۔"

اب آپ نے منہ پھیر لیا، وہ سامنے آ گئے، آپ نے رخِ انور دوسری طرف موڑ لیا، وہ پھر سامنے آ گئے۔ آپ کو اس صریح اعتراف پر یقین نہ آیا کہ کوئی مسلمان بھی ایسے بیہودہ فعل کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ اس لیے حاضرین سے فرمایا: "کیا اس شخص کو جنون تو نہیں؟" معلوم ہوا کہ بالکل صحیح الدماغ ہیں۔ پھر دریافت فرمایا: "کیا مدہوش تو نہیں؟" ایک شخص نے اٹھ کر منہ سونگھا اور عرض کی کہ شراب کا کوئی اثر نہیں۔ آپ نے ماعز سے پوچھا: "کیا واقعی تم نے زنا کیا ہے" بولے: "ہاں" آپ نے رجم کا حکم دیا، چنانچہ وہ سنگسار کر دیے گئے۔ (مسلم)

اس میں شبہہ نہیں کہ اس قسم کی لغزش مومن کی شان سے بہت گری ہوئی ہے، لیکن اس کا روشن پہلو بھی کسی طرح نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ماعز کے دل میں خوفِ خدا کا کتنا گہرا اثر تھا، وہ اس حقیقت سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کسی فردِ بشر کو ان کی لغزش کا علم نہیں تھا، مگر ضمیر کی صفائی اور روح کی پاکیزگی اس داغِ عصیاں کی متحمل نہ ہو سکی۔ اس لیے باوجود اس یقین کے کہ زنا کا اقرار دردناک موت سے ہمکنار کر دے گا، با دلِ دردمند و دیدۂ پرنم دربارِ نبوی میں حاضر ہوتے ہیں۔ گناہ کا اقرار کرتے ہیں اور مصر ہیں کہ انھیں گناہ کی کثافت سے پاک و صاف کر دیا جائے۔

رحیم و شفیقِ امت صلعم رحم و شفقت سے کام لے کر اور انھیں رسوائی و ہلاکت آفریں انجام سے بچانے کے لیے پردہ پوشی فرماتے اور استغفار کا حکم دیتے ہیں لیکن ان کی قوتِ ایمانی مطمئن نہیں ہوتی اور سخت اصرار کے بعد اپنے اوپر شرعی حد جاری کراتے ہیں۔ ماعز خود تو جان پر کھیل گئے، لیکن لوگوں کو بتا گئے کہ مسلمان کو کس طرح گناہوں کی آلائش سے پاک صاف ہونے اور سلامتیِ قلب و پاکیزگیِ روح کے ساتھ رب العالمین کے حضور میں جانے کی ضرورت ہے۔

دو تین دن کے بعد حضرت خیر الانام صلعم نے صحابہ رضہ سے فرمایا: "ماعز کے لیے دعا کرو۔ ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر امت میں تقسیم کی جائے تو اسے کفایت کرے (مسلم)

گناہ سے پاک کیے جانے کے لیے درخواست | قبیلہ ازد کی ایک شاخ

غامد کہلاتی تھی۔ ماعز کے سنگسار کیے جانے کے بعد ایک غامدی عورت نبی صلعم کے پاس آئی اور عرض کرنے لگی: "یارسول اللہ! مجھے بھی پاک کر دیجیے" آپ نے فرمایا: "اری جا، اللہ سے گناہ کی معافی مانگ اور اس کی طرف رجوع کر۔" کہنے لگی: "آپ مجھے بھی اسی طرح واپس بھیجنا چاہتے ہیں، جس طرح ماعز کو پھیر دیا تھا حالانکہ میں زنا سے حاملہ ہوں" فرمایا: "کیا تو واقعی حاملہ ہے؟" بولی: "ہاں" آپ نے فرمایا: "فی الحال جا، وضع حمل کے بعد آنا" اب ایک انصاری نے اس کی کفالت کا ذمہ لیا۔ وضع حمل کے بعد آکر کہنے لگی: "یارسول اللہ! بچہ متولد ہو چکا ہے، اب آپ مجھے گناہ سے پاک کر دیجیے" فرمایا: "ابھی نہیں، بچہ زیادہ صغیر ہے اور اس کے دودھ پلوانے کا کوئی انتظام نہیں۔ جب دودھ چھڑائے گی تو آنا" وہ چلی گئی اور جب دودھ چھڑایا تو لڑکے کو ساتھ لائی اور بولی: "اے نبی اللہ! یہ لڑکا ہے اب کھانا کھانے لگا ہے"

آپ نے لڑکا ایک مسلمان کے سپرد کیا اور عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ اس کے سینہ چھاتی تک گڑھا کھودا گیا اور آپ نے لوگوں کو سنگ باری کا حکم دیا۔ حضرت خالد رضہ بن ولید نے بھی ایک پتھر پھینکا، جو اس کے سر میں لگا۔ خون اڑ کر خالد رضہ کے چہرے پر پڑا۔ حضرت خالد رضہ نے عورت کو برا بھلا کہا۔ نبی ؐ نے فرمایا: "اے خالد رضہ! مجھے اسی ذات برتر کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ لوگوں سے ظلماً محصول لینے والا شخص بھی ایسی توبہ کرے تو اس کی بھی بخشش ہو جائے" اس کے بعد آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور وہ دفن کی گئی (صحیح مسلم)

ایک روایت میں آپ نے نماز جنازہ پڑھنے کے بعد فرمایا: "اس عورت نے جان نثاری سے افضل کوئی چیز نہ پائی۔ اس کی حرام کاری کسی کو معلوم نہ تھی۔ اس نے خوف خدا سے خود آکر اقرار جرم کیا"

یہ خاتون جرأت، استقلال اور جانثاری میں مردوں سے بڑھ گئی تھی۔ ہے کہ خدا نے غفور اسے جوار رحمت میں جگہ دے اور جنت الفردوس میں اس کا گھر بنائے۔ آمین!

بے زبانوں پر شفقت

رحیم وشفیق عالم صلعم جس طرح انسانوں پر رحم اور ترس فرماتے تھے اسی طرح بے زبانوں کے حق میں بھی نہایت رحیم اور شفقت مآب تھے۔ ان پر زمانہ ہائے دراز سے جو ظلم ہو رہے تھے، وہ یک قلم موقوف کرادیے۔

ہشام بن زید کا بیان ہے کہ میں حضرت انس رضہ کے ہمراہ حکم بن ایوب کے ہاں گیا سو وہاں چند لڑکوں کو دیکھا کہ انھوں نے ایک مرغی کو نشانہ مقرر کر رکھا ہے اور اس پر تیر اندازی کی مشق کر رہے ہیں۔ حضرت انس رضہ نے سمجھا کر انھیں ایسا کرنے سے روک دیا اور فرمایا: "رسول خدا صلعم نے جانوروں کو اس طرح باندھ کر مارنے کی ممانعت فرمائی ہے۔" (ابوداؤد)

ایک بار رحمت عالم صلعم کسی سفر میں جا رہے تھے۔ ایک مقام پر منزل کی۔ وہاں ایک پرندے نے انڈا دیا تھا۔ ایک صاحب نے وہ انڈا اٹھا لیا، چڑیا سخت بےچین ہو کر پر مارنے لگی۔ آپ نے دریافت فرمایا: "کس نے اس کا انڈا چھین کر اسے اذیت پہنچائی ہے؟" ان صاحب نے کہا: "یا رسول اللہ! مجھ سے یہ حرکت ہوئی ہے۔" آپ نے حکم دیا: "انڈا وہیں رکھ دو۔" (سیرۃ النبی ۲ بحوالہ ادب المفرد امام بخاری)

ایک صحابی رضہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں چادر سے چھپے ہوئے کسی پرندے کے بچے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا تو عرض کی: "ایک جھاڑی سے آواز آ رہی تھی۔ جا کر دیکھا تو یہ بچے تھے۔ میں نے انھیں نکال لیا۔ پرندے نے یعنی ان بچوں کی ماں نے یہ دیکھا تو وہ میرے سر پر منڈلانے لگی۔" آپ نے حکم دیا: "جاؤ یہ پرندے وہیں رکھ آؤ۔" (سیرۃ النبی ۲ بحوالہ ابوداؤد)

آپ نے جانوروں کے ایک دوسرے سے لڑنے اور منہ پر داغ دینے سے منع فرمایا (ترمذی)

اگر جانور بیمار ہو اور بدن کو داغ دینے کے سوا اور کوئی علاج کارگر نہ ہو تو منہ کے سوا دوسرے حصۂ بدن کو داغنا جائز ہے۔ جانور کا منہ داغنا تمام علماء کے نزدیک

Marfat.com

حرام ہے۔ ایک مرتبہ رحمۃ للعالمین صلعم نے ایک منہ داغے ہوئے گدھے کو دیکھا۔ آپ کو اس سے بڑا صدمہ ہوا اور فرمایا: "جس نے اس گدھے کو داغا وہ خدا کی رحمت سے دور ہے" (بخاری و مسلم) آپ نے جانور کے منہ پہ داغ دینے یا اس کے منہ پر مارنے کی بھی ممانعت فرمائی۔ (ابو داؤد)

آپ نے جانوروں کی پیٹھ پر بے ضرورت بیٹھے رہنے کی بھی ممانعت کی اور فرمایا: "خالق کردگار نے انھیں اس لیے تمھارے تابع فرمان بنایا کہ تم ایک جگہ سے دوسری جگہ، جہاں تم سخت تکلیف برداشت کر کے پہنچتے بسہولت پہنچ سکو (ابو داؤد) اور فرمایا: "جب تم ارزانی کے ایام میں سفر کرو تو راستے میں اونٹوں کو چرنے کے لیے چھوڑتے جاؤ اور جب قحط سالی میں سفر کرو تو راہ میں توقف و تاخیر نہ کرو بلکہ جلد منزل مقصود پر پہنچنے کی کوشش کرو۔ جب مقام کرو تو راستے میں مت اترو (ابو داؤد)

قطع اعضاء کی ممانعت

۶۔ جاہلیت میں عرب کے اندر ایک نہایت ظالمانہ طریقہ یہ رائج تھا کہ بعض لوگ اونٹ کے کوہان اور بکری کے سرین کا کل یا بعض حصہ کاٹ لیا کرتے تھے اور جانور کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس قطع عضو کے بعد جانور کس دکھ اور تکلیف میں ہر وقت مبتلا رہتا ہوگا اور زندگی کے باقی ایام کس مصیبت سے گزارتا ہوگا۔ آخر حضور اقدس سید عالم و عالمیاں صلعم نے اس ظالمانہ رسم کا انسداد فرمایا اور ان نابکاروں کو سزائیں دیں، جو اس شناعت کے مرتکب ہوئے اور لوگوں کو بتایا کہ زندہ جانور کے جسم کا کاٹا ہوا ٹکڑا امردار (حرام) ہے۔ (ترمذی وغیرہ)

ذبح میں احتیاط

دنیا میں ہر چیز انسان کی منفعت کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اسی لیے بنی آدم کو کائنات کی ہر چیز پر حاکمانہ تصرف و اقتدار بخشا گیا ہے، لیکن ہندوستان کے بعض باشندے گوشت خوری کو ظلم قرار دیتے ہیں۔ اگر یہ ظلم ہے تو گھوڑے پر سواری کرنا، گدھے، بیل، اونٹ سے بارکشی کی خدمت لینا بھی ظلم ہے، حالانکہ دنیا کا کوئی صحیح العقل انسان گوشت خوری، سواری اور بار برداری

کو ظلم نہیں سمجھتا۔ ہاں یہ امر کسی طرح پسندیدہ اور رقوین عقل نہیں کہ جانور کو بے احتیاطی سے ذبح کیا جائے۔

انھیں معنی میں سید عالم صلعم نے فرمایا: "حق تعالیٰ نے ہر ذی روح پر لطف و احسان کرنا انسان کا لازمی فرض قرار دیا ہے، لہٰذا اگر (قصاص میں) کسی شخص کو قتل کرو تو اسے اچھی طرح (نہ کہ وحشیانہ طریق پر) قتل کرو، جلد فراغت کرو، ترسا ترسا کر نہ مارو اور جب کسی جانور کو ذبح کرنا چاہو تو چھری خوب تیز کر لو اور ذبیحہ کو راحت و آسائش پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو۔" (مسلم)

گھوڑے کی پیشانی اور دُم کے بال کترنا مکروہ ہے رسید کائنات صلعم نے فرمایا:

"گھوڑے کی پیشانی کے بال، ان کے ایال، اور دُمیں نہ کاٹا کرو کیونکہ دُمیں اُن کی چنور یاں ہیں جن سے وہ مکھیاں اڑاتے ہیں، ایال انھیں گرم رکھتے ہیں اور ان کی پیشانی کے بال میں خیر و برکت ہے۔" (ابو داؤد)

یحییٰ بن سعید کا بیان ہے ایک مرتبہ لوگوں نے دیکھا کہ سرورِ عالم صلعم اپنے گھوڑے کا منہ چادر سے پونچھ رہے ہیں۔ لوگوں نے اس غیر معمولی التفات کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: "آج رات مجھے گھوڑے کی خبر گیری نہ کرنے پر عتاب ہوا۔" (موطائے امام مالکؒ باب ماجاء فی الخیل والمسابقۃ)

موذی جانور۔ سانپ بچھو، مچھر، کھٹمل وغیرہ موذی جانوروں کو ہلاک کرنا جائز ہے، لیکن لوگ چیونٹی، مکھی وغیرہ قسم کی غیر موذی مخلوق کے بھی بے دریغ درپے ہلاکت ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضؓ کا بیان ہے کہ رسولِ خدا صلعم نے چیونٹی، شہد کی مکھی، ہُد ہُد اور چڑیا کو مارنے سے منع کیا (ابو داؤد) ایک طبیب نے نبی صلعم سے دوا کے لیے مینڈک مارنے کی اجازت مانگی لیکن آپ نے اجازت نہ دی (ابو داؤد)

بلّی کو مارنے کی ممانعت۔ بلّی کی خوراک چڑیا اور چوہا ہے لیکن یہ اُسے ہمیشہ میسّر نہیں آتی، اس لیے وہ روزی تلاش کرنے کے لیے ہمارے گھروں کا چکّر لگانے پر مجبور ہوتی ہے ایسی حالت میں اگر وہ کبھی ہمارے کھانے کی کوئی

چیز لے بھاگے تو اس سے درگزر کرنا چاہیے اور اس کے درپے ایذا نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ ہمارے لیے صدقہ اور باعث ثواب ہے۔ لیکن بعض گنوار بلی کے کچھ لے کھا جانے پر اسے بےبعدردی سے پیٹنے لگتے ہیں بلکہ بعض دفعہ اسے باندھ کر بھوک کے عذاب میں گرفتار کرتے رہیں، یہ بڑی سنگ دلی اور جفاکوشی ہے۔

آنحضرتؐ کا خطبہ

حضرت عبداللہ بن عمرو صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ عہد رسالت میں سورج کو گہن لگا۔ اور حضورؐ نے طویل قرأت اور طویل رکوع و سجود سے دو رکعت نماز پڑھی لیکن دوسری رکعت کے آخری سجدے میں آپ ہانپنے اور رونے لگے اور عرض کی: "بار خدایا! تو نے وعدہ فرما رکھا ہے کہ جب تک میں ان لوگوں میں موجود ہوں، انھیں عذاب نہیں دیا جائے گا اور یہ بھی وعدہ فرمایا ہے کہ جب تک ہم استغفار کرتے رہیں گے، عذاب سے مامون رہیں گے۔" اس کے بعد آپ نے سجدے سے سر اٹھایا۔ اتنے میں آفتاب صاف ہو گیا۔ اب آپ کھڑے ہو گئے اور حاضرین میں خطبہ دیا۔

آپ نے حق سبحانہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: "آفتاب اور ماہتاب اللہ کی دو نشانیاں ہیں۔ جب دیکھو کہ ان میں سے کسی کو گہن لگا ہے تو یاد الٰہی کے لیے دوڑو۔" اس کے بعد فرمایا: "مجھے اسی ذات برتر کی قسم، جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے، جنت مجھ سے اتنی قریب کر دی گئی تھی کہ اگر میں ہاتھ پھیلاتا تو انگور کے چند خوشے لے لیتا اور جہنم مجھ سے اتنا قریب ہو گیا کہ میں اس سے دامن کش ہونے لگا۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں تمھیں ڈھانپ نہ لے۔"

اس کے بعد فرمایا: "اس اثنا میں میں نے قبیلۂ حمیر کی ایک عورت کو دیکھا، جو ایک بلی پر ظلم کرنے کی وجہ سے عذاب میں گرفتار تھی۔ اس نے بلی باندھ رکھی تھی۔ نہ تو اسے چھوڑتی تھی کہ جا کر روزی تلاش کرے اور نہ خود اسے کچھ کھانے پینے کو دیتی تھی یہاں تک کہ وہ اسی طرح بھوکی پیاسی مر گئی۔ میں نے دیکھا کہ بلی اس عورت کو بُری طرح نوچ رہی تھی اور میں نے قبیلہ بنی دعدع کے اس شخص کو بھی دیکھا جو لوگوں

کی جوتیاں چھپایا کرتا تھا۔ وہ دو شاخی لکڑی سے جہنم میں دھکیلا جاتا تھا۔ اسی طرح میں نے جہنم میں اُس شخص کو بھی دیکھا جو خمدار لکڑی کی مدد سے حاجیوں کا مال چرایا کرتا تھا۔" (نسائی)

جن لوگوں نے بے زبان جانور گھروں میں باندھ رکھے ہیں، ان کا دُودھ پیتے یا ان سے مشقت لیتے ہیں، اگر بچوں کی طرح ان کے نگرانِ حال نہیں اور انھیں پیٹ بھر چارہ و دانہ نہیں کھلاتے تو وہ سخت ذمہ داری میں مبتلا ہیں۔ قیامت کے دن اُن سے سخت باز پرس ہوگی۔ ایک مرتبہ آپ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے اور دیکھا کہ قلتِ خوراک سے اس کا پیٹ پیٹھ سے جا لگا ہے۔ آپ نے اس کے مالک سے فرمایا: "ان بے زبان چوپایوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ان پر صلاحیت و انصاف سے سواری کرو اور انھیں حسنِ اطمینان سے کھلاؤ پلاؤ۔" (ابوداؤد)

حضورؐ سے اُونٹ کی شکایت

سیدالبشر صلعم کا ایک معجزہ یہ تھا کہ آپ بہائم وطیور کی بولی سمجھتے اور وہ آپ کو نبیؐ کی حیثیت سے جانتے پہچانتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ آپؐ کو وہاں ایک اُونٹ دکھائی دیا۔ جونہی آپ آگے بڑھے، اُونٹ آپؐ کو دیکھ کر بلبلایا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آپ نے اس کے بدن پر دستِ شفقت پھیرا اور دریافت فرمایا: "یہ کس کا اُونٹ ہے؟" انصاری نے کہا: "یارسولؐ اللہ! میرا ہے۔" آپ نے فرمایا: "کیا تم اس اونٹ کے بارے میں خدا کے غضب سے نہیں ڈرتے جس نے اسے تمہاری ملکیت میں دیا ہے۔ اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور مشقت زیادہ لیتے ہو۔" (صحیح مسلم)

بیسواں باب

صبر و تحمل

صبر و تحمل سے مراد یہ ہے کہ مصیبت، صدمے، حادثے وغیرہ کی صورت میں نالہ و بکا نہ کرنا، ضبط سے کام لے کر خاموش رہنا۔ اگر دشمن کی طرف سے دل آزاری، ظلم اور تشدد کا اظہار ہو تو قدرتِ انتقام کے باوجود اسے برداشت کر لینا اور قصوروار کو کچھ نہ کہنا۔

جب کوئی شخص قصور کرتا ہے تو بالعموم ہم غصے سے پیچ و تاب کھانے لگتے ہیں۔ ہم اس کا یہی ایک قصور ہمارے سامنے رہتا ہے اور باقی تمام خوبیاں نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ اس لیے ہماری آتشِ غیظ و غضب انتہائی شدت اختیار کر لیتی ہے۔ برخلاف اس کے اگر یہ حقیقت پیشِ نظر رہے کہ اس سے ایک خطا ہوئی ہے یا اس میں ایک نقص ہے لیکن کچھ محاسن بھی ہیں تو ان کا اعتراف کرتے ہوئے آسانی سے اس کی غلطی معاف کی جا سکتی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ کو صبر و تحمل کی صفت سے نوازا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی مثال سب کے سامنے ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے بت پرست باپ نے انھیں گوناگوں مظالم کا تختۂ مشق بنایا، لیکن انھوں نے صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے والد کو عذابِ الٰہی سے بچانے کی خاطر بہت سمجھایا۔ آخر مجبوراً اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ پھر بھی تحمل کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا اور اس وقت تک اس کے لیے دعائے خیر کرتے رہے جب تک پوری طرح مایوس نہ ہو گئے اور انھیں بالیقین معلوم نہ ہو گیا کہ وہ دشمنِ خدا ہے۔ اس ضمن میں ارشادِ باری ہے کہ:

وما کان استغفار ... اور نہ تھا ابراہیمؑ کا اپنے باپ

Marfat.com

ابراهيم لابيه الا عن موعدة وعدها اياه فلما تبين له انه عدو لله تبرأ منه ان ابراهيم لاواه حليم۔ (توبہ-۱۱۴)

کے لیے مغفرت کی دعا مانگنا مگر ایک وعدے کی وجہ سے، جو ابراہیم نے اپنے باپ سے کر لیا تھا۔ پھر انھیں بھی جب معلوم ہوگیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو باپ سے مطلقاً دست بردار ہوگئے، بے شک ابراہیم بڑے نرم دل اور بردبار تھے کہ باپ کے کافر ہونے کے باوجود خدا سے اس کی مغفرت مانگنے کا وعدہ کر لیا تھا۔

حضرت اسمٰعیل ع کے باب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فبشرناه بغلام حليم (والصّٰفّٰت-۱۰۱)

تو ہم نے انھیں — ابراہیم ع کو — ایک بڑے بردبار لڑکے — اسمٰعیل ع کے پیدا ہونے — کی خوش خبری دی۔

جب حضرت اسمٰعیل ع کی قربانی کا حکم ہوا تو انھوں نے کہا:

يا ابت افعل ما تؤمر ستجدني ان شاء الله من الصابرين۔

اے باپ! آپ کو جو حکم ہوا ہے — بے تامل — اس کی تعمیل کیجیے۔ ان شاء اللہ آپ مجھے بھی صابر ہی پائیں گے۔

رسول اللہ صلعم نے ایک آدمی کے متعلق فرمایا: ”تمھاری دو عادتیں اللہ کو پسند ہیں، ایک تحمل، دوسرے جلد بازی نہ کرنا۔“

آنحضرتؐ کا عدیم المثال صبر و تحمل

ایک آدمی نے آنحضرتؐ کی خدمت میں بار بار عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ حضورؐ نے ہر بار یہی فرمایا: ”غصہ نہ کرو۔“ یعنی غصہ آئے بھی تو اسے ضبط کرنا چاہیے۔ اسی بنا پر نبی اکرم صلعم نے فرمایا: ”پہلوان وہ نہیں، جو لوگوں کو

Marfat.com

کشتی میں پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے، جو غصے کے وقت نفس پر قابو رکھے۔

کتب سیر کے صفحات شاہد ہیں کہ رسولِ مقبول ؐ نے کسی سے بدلا نہیں لیا۔ طائف والوں نے آنحضرت ؐ سے جو توہین آمیز سلوک کیا، وہ آپ کو یاد تھا۔ اس سے دس سال بعد غزوۂ طائف میں جب کفار مسلمانوں پر پتھروں کی بارش کر رہے تھے تو رحمۃ للعالمین ؐ یہ دعا مانگ رہے تھے: "الٰہی! ان لوگوں کو عقل دے اور اسلام کے آستانے پر جھکا۔" دعا مقبول ہوئی، چنانچہ ۹ھ میں حضور ؐ نے طائف کے وفد کو مسجد میں ٹھہرایا اور ان کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آئے۔

تبلیغِ اسلام کے دوران میں رسول اللہ صلعم کو قریش سے جو ہولناک تکلیفیں اٹھانی پڑیں، ان سے تاریخ اسلام کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ کفار نے حضور ؐ کے راستے میں کانٹے بچھائے، اجابت کے لئے گلا گھونٹا، قتل کی دھمکی دی، سب و شتم کا نشانہ بنایا، جسمِ پاک پر نجاست پھینکی، آپ کو شاعر، پاگل، کاہن کہا، لیکن ان باتوں سے رحمتِ عالم ؐ کی جبینِ صبر و تحمل پر شکن تک نہ آئی۔

افک کا واقعہ پیش آیا تو منافقین نے (نعوذ باللہ) حضرت عائشہ رضؓ پر تہمت لگائی اور کذب و افترا کی بے بنیاد افواہوں سے فضائے مدینہ گونج اٹھی۔ اس شر انگیزی کا سب سے بڑا علمبردار رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا۔ اس سے بڑھ کر آتشِ غضب کو شعلہ بار کرنے والا واقعہ اور کون سا ہو سکتا ہے، حضور ؐ کو سب کچھ علم تھا، لیکن اس سراپا صبر و تحمل نے عبداللہ بن ابی کو اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ اس نے تہمت لگانے کا اقرار نہ کیا تھا اور شرعی شہادت بھی کوئی نہ تھی۔

لبید بن اعصم ایک یہودی نے آپ پر جادو کیا تو آپ نے اس کے خلاف کوئی اقدام نہ فرمایا۔

یہودی کی گستاخی اور رحمۃ للعالمین ؐ

زید بن سعنہ ایک یہودی تھا، رسول اللہ ؐ نے اس سے کچھ رقم قرض لی۔ ادائی میعاد ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ وہ آکر تقاضا کرنے لگا۔ حضور ؐ کی چادر کھینچ کر ناشائستہ الفاظ

کہ حضرت عمرؓ غصے کے مارے آپے سے باہر ہو گئے اور بولے: "اے خدا کے دشمن! تو رسول اللہ صلعم کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔" حضورؐ نے تبسم سے فرمایا: "عمرؓ! تم سے اور کچھ توقع تھی۔ اسے سمجھاتے کہ تقاضے میں نرمی کرے اور مجھ سے کہتے کہ میں اس کا قرض چکا دوں۔" اس کے بعد حضرت عمرؓ کو [illegible] قرض چکانے کے علاوہ بیس صاع کھجور کے اور زیادہ دے [illegible] (ابو نعیم)

ایک مرتبہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ایک بدو جو [illegible] پیشاب کی حاجت ہوئی تو وہیں کھڑے ہو کر صحن مسجد ناپاک کر دیا۔ لوگ اسے سزا دینے کے لیے دوڑے۔ حضورؐ نے فرمایا: "اسے چھوڑ دو۔ ایک ڈول پانی بہا دو۔ اللہ نے تمھیں دشواری کے لیے نہیں، آسانی کے لیے بھیجا ہے۔" (صحیح بخاری [illegible])

ایک گستاخ اعرابی سے سلوک

ایک دفعہ آپ [illegible] کسی اعرابی کا سامنا ہو گیا [illegible] اس زور سے جھٹکا دیا کہ آپ کی گردن سرخ ہو گئی۔ ساتھ ہی وہ بولا: "محمدؐ! خدا کا جو مال تیرے پاس ہے وہ نہ تیرا ہے، نہ تیرے باپ کا۔ اس میں سے ایک بار شتر مجھے بھی دے۔" رسول اللہ صلعم نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا: "مال بلاشبہ خدا کا ہے اور میں اس کا غلام ہوں۔" پھر حکم دیا کہ ایک بار شتر جو اور ایک بار شتر کھجوریں اسے دے دی جائیں۔ (ابوداؤد)

رسول اللہؐ اور حضرت انسؓ

رسول اللہ صلعم کے خادم خاص حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "فلاں جگہ جا کر میرا یہ کام کر آؤ۔" میں نے انکار کیا۔ حضورؐ خاموش ہو گئے۔ میں باہر چلا گیا۔ آپ نے پیچھے سے آ کر یکایک میری گردن پکڑ لی۔ میں نے مڑ کر نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضورؐ ہنس رہے ہیں۔ پھر شفقت سے فرمایا: "انسؓ! اب تو اس کام کے لیے چلے جاؤ۔" میں نے عرض کی، بہت اچھا۔

Marfat.com

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے :" میں نے سات سال آنحضرتؐ کی خدمت کی۔ آپ نے کبھی یہ نہ فرمایا، تم نے یہ کام کس وجہ سے کیا یا کس وجہ سے نہیں کیا؟
(صحیح مسلم و ابوداؤد)

صحابۂ کرامؓ کا صبر و تحمل

رسول اللہ صلعم کے فیضِ تربیت نے صحابۂ کرام رضؓ کو صبر و تحمل کا پیکر بنا دیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کا بیٹا بیماری سے صاحبِ فراش ہوگیا اور وہ صبح کو کام پر چلے گئے۔ ان کی غیر موجودگی میں لڑکے نے وفات پائی۔ ان کی بیوی نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ بیٹے کی خبرِ وفات سے باپ کو مطلع نہ کریں۔ وہ شام کو گھر آئے تو بیوی سے بچے کا حال دریافت کیا۔ جواب دیا: "اب اسے پہلے سے زیادہ سکون حاصل ہے۔" پھر کھانا لائیں اور وہ کھانے کے بعد سو گئے۔ صبح ہوئی تو کہا: "اگر کوئی قوم کسی کو کوئی شے مانگے دے، پھر اسے طلب کرے تو کیا اسے واپس دینے میں لیت و لعل کرنے کا حق حاصل ہے؟" بولے: "نہیں!" کہنے لگیں: "تو بیٹے کو صبر کرو۔" (مسلم)

حضرت سلمان فارسی رضؓ مداین کے حاکم تھے۔ ایک مرتبہ وہ کہیں جا رہے تھے۔ ایک راہگیر بافس کا بوجھ اٹھائے جلد جلد چل رہا تھا۔ اس سے ان کے بدن پر خراشیں آگئیں۔ حضرت ممدوح لوٹ کر آئے اور اس کے شانے کو جنبش دے کر کہا: "تم اس وقت تک نہ مرو، جب تک نوجوانوں کی حکومت کا دور نہ دیکھ لو۔" مطلب یہ کہ وہ میری طرح اسے برداشت نہ کریں گے۔

Marfat.com

اکیسواں باب

انکسار و تواضع

اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ کبریائی کرے۔ بندے کے لیے شایان و مناسب یہ ہے کہ وہ انکسار و تواضع پر کاربند ہو۔ انکسار و تواضع کے متعدد مظاہر ہیں خدائے برتر و توانا نے بعض خاص مظاہر کہ کہیں تو ان کا حکم دیا ہے اور کہیں انھیں اپنے برگزیدہ بندوں کا وصف ظاہر کیا ہے، مثلاً رسول اللہ صلعم کو پہلے کفار سے چشم پوشی کا، پھر مومنوں سے محبت بھری تواضع کا حکم دیا ہے:

واخفض جناحك للمؤمنين۔	اور مومنوں کے لیے اپنا بازو جھکا دے۔

(حجر۔ ۶)

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:-

واخفض جناحك لمن اتبعك من المؤمنين۔	اور ان کے لیے اپنا بازو جھکا رکھ، جو تیرے ساتھ ہوئے رہیں ایمان والے۔

(شعراء۔ ۱۱)

اولاد کو چاہیے کہ والدین سے اسی محبت بھرے انکسار اور تواضع سے پیش آئے۔ ارشاد باری ہے:-

واخفض لهما جناح الذل من الرحمة	اور والدین کے لیے عاجزی کا بازو مہر و محبت سے جھکا دے۔

(بنی اسرائیل۔ ۳)

خدا نے اپنے برگزیدہ بندوں کا وصف یہ ظاہر کیا ہے،

Marfat.com

وعباد الرحمٰن الذین	اور رحمت والے خدا کے
یمشون علی الارض	خاص بندے تو وہ ہیں
ھونا و اذا خاطبھم	جو زمین پر فروتنی سے چلیں اور
الجاھلون قالوا	جب جاہل ان سے جہالت کی
سلاما۔	باتیں کرنے لگیں تو انہیں
(الفرقان-٦)	سلام کریں اور الگ ہو جائیں

انکسار کے مختلف پہلو

حضرت لقمان علیہ السلام نے فرزند کو نصیحت کی:

ولا تصعر خدك	اور لوگوں سے بے رخی نہ کر اور
للناس ولا تمش	زمین پر اترا کر نہ چل کیونکہ
فی الارض مرحا	خدا کسی اترانے والے شیخی خورے
ان اللہ لا یحب	کو پسند نہیں کرتا اور اپنی چال میں
کل مختال فخور	میانہ روی اختیار کر اور
واقصد فی مشیك	کسی سے بات کرے تو
واغضض من صوتك	ہولے سے بول کیونکہ بری سے
ان انکر الاصوات	بری آواز گدھوں کی آواز
لصوت الحمیر۔	ہے۔

(لقمان-٢)

اس آیت میں انکسار و تواضع کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً بے التفاتی سے کام نہ لیا جائے۔ زمین پر اکڑ کر چلنا مناسب نہیں۔ رفتار میں تکبر و نخوت کی بو تک نہ ہو۔ آواز میں گھمنڈ کے باعث درشتی کا شائبہ تک نہ ہو۔

انکسار اور دنایت میں فرق

یہاں یہ نکتہ بخوبی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ انکسار و تواضع اور پستی و دنایت میں

Marfat.com

نمایاں فرق ہے۔ انکسار و تواضع کا مقصد یہ ہے کہ انسان میں تکبّر اور گھمنڈ نہ آجائے ہر لحظ دوسرے کی عزّت کا خیال رہے۔ بہ خلاف اس کے پستی و دنایت کی غرض و غایت یہ ہے کہ انسان بعض رذیلانہ مقاصد کے لیے خودداری ایسے جوہر کو خاک آلود کر دے۔ اسلام کی محل شناسی دیکھیے کہ اس نے متواضعانہ طریق سے انسان کا ضعف ظاہر ہونے کی صورت میں ظاہری خوددارانہ غرور کا حکم دیا ہے۔ ایک دفعہ مدینہ میں وبائی بخار پھیلا۔ صحابہ رضؓ اس میں مبتلا ہو کر کمزور ہو گئے۔ اسی موقع پر انھوں نے عمرہ ادا کیا۔ کفار نے طنزاً کہا کہ محمد (صلعم) اور ان کے ساتھیوں سے کمزوری کے باعث خانۂ کعبہ کا طواف نہیں ہو سکتا۔ اس پہ حضورؐ نے صحابہ رضؓ کو حکم دیا کہ تین مرتبہ اکڑ کر طواف کریں تاکہ مشرکوں پہ ان کی طاقت ظاہر ہو (مسلم و بخاری)

انکسار اور غرور

جہاد کے موقع پر، جو اظہارِ قوت کا بہترین ذریعہ ہے، اسلام نے انکسار و تواضع کے بجائے فخر و تکبّر کو پسند کیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی غرور کو پسند کرتا ہے اور کسی کو ناپسند۔ صدقہ و جنگ کے موقع پہ اترانا اللہ کو پسند ہے اور فخر و ظلم پہ اترانا ناپسند (ابو داؤد)

انکسار کا صلہ

غرض انکسار و تواضع کو اسلام میں ایک شریفانہ خلق کی حیثیت حاصل ہے اور ذلت اور ضعف انسان کو پست رتبہ کر دیتا ہے لیکن انکسار اور تواضع سے اسے ترقی و عظمت کے بلند مرتبے حاصل ہوتے ہیں۔ ارشادِ رسولؐ ہے: "جو شخص اللہ کے لیے خاکساری کرتا ہے، اللہ اسے بلند کر دیتا ہے" (ترمذی) ایک اور موقع پر رسول اللہ صلعم نے فرمایا: "جس شخص کو عمدہ لباس پہننے کی استطاعت میسّر ہے، لیکن وہ اسے تواضع و خاکساری سے نہیں پہنتا تو اللہ اسے روزِ قیامت کو سب کے سامنے بلائے گا اور اختیار دے گا کہ ایمان کا جو حلّہ پسند کرے، پہن لے" (ترمذی)

انکسار کا مقصد

اسلام نے انکسار و تواضع کا حکم صرف اس وجہ سے دیا ہے کہ

Marfat.com

قوی اور دولت مند لوگ قوت و دولت کا بے جا استعمال نہ کرنے پائیں، جس سے غریبوں اور کمزوروں کی دل آزاری ہو۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا: "خدا نے مجھ پر یہ وحی بھیجی ہے کہ تواضع وخاکساری اختیار کرو تاکہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے اور کوئی کسی کے مقابل میں فخر نہ کرے" (ابوداؤد)

اس سے ظاہر ہوا کہ انکسار و تواضع کا مقصد یہ ہے، انسان کی معاشرتی زندگی حسین، لطیف، خوش گوار اور کامیاب بن جائے۔

حضرت علیؓ کا انکسار ایک دفعہ محمدؓ بن حنفیہ نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا: "رسول اللہ صلعم کے بعد دنیا بھر میں افضل انسان کون ہے"؟ فرمایا: "ابوبکرؓ" پھر سوال کیا: "ان کے بعد" کہنے لگے: "عمرؓ" بعد ازاں وہ خود بول اٹھے: "ان کے بعد آپ" حضرت علیؓ نے کہا: "میں تو مسلمانوں کا ایک معمولی فرد ہوں" (ابوداؤد)

بائیسواں باب

جود و سخا

ارشاداتِ رسولؐ

احادیثِ نبویہؐ پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انفاق، صدقہ، بذل و عطا اور جود و سخا سب مترادف الفاظ ہیں۔ ہر کارِ خیر اور ہر قسم کی فیض رسانی ان کے مفہوم میں داخل ہے۔ ذیل میں حاملِ نبوتؐ کے چند ارشاداتِ گرامی درج کیے جاتے ہیں، جن سے صدقہ و انفاق کے فضائل اور جود و سخا کی اہمیت واضح ہوگی۔

پیغمبرِ خدا صلعم نے فرمایا: "اگر اُحد کا پہاڑ میرے لیے سونے کا بن جائے اور میں اُس سونے کو راہِ خدا میں خرچ کروں تو مجھے یہ امر ہرگز گوارا نہیں کہ تین دن کے بعد میرے پاس اُس میں سے ایک دینار سونا بھی باقی رہ جائے، بجز اُس دینار کے جو میں نے کسی قرض خواہ کے دینے کو اٹھا رکھا ہو" (رواہ البخاری و مسلم)۔ حضرت ابوذر غفاری رضؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں رسالت مآب صلعم کے پاس حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کعبے کے سایے میں بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر آپ فرمانے لگے: "ربِ کعبہ کی قسم! وہ بڑے زیاں کار ہیں۔" میں نے کہا: "میرے ماں باپ قربان ہوں، وہ کون لوگ ہیں؟" فرمایا: "کثرت سے مال و دولت جمع کرنے والے، باستثنا ان لوگوں کے جنھوں نے آگے پیچھے، داہنے بائیں خرچ کیا اور ایسے لوگ کم ہیں۔" (رواہ البخاری و مسلم)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابوذر رضؓ نے فقر و مسکنت کا شیوہ اختیار کر رکھا تھا۔ پیغمبر صلعم نے ان کی تسکین و دلجمعی کے لیے یہ حدیث فرمائی تھی۔

نبی صلعم نے فرمایا: "سخی اللہ کے نزدیک، جنت کے قریب اور لوگوں سے قریب ہے اور بخیل اللہ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور دوزخ سے نزدیک ہے، اور البتہ جاہل سخی اللہ کو عابد بخیل سے بہت پیارا ہے" (ترمذی)۔ فرمایا: "آدمی کا تندرستی کی حالت میں یکمشت صدقہ

دینا مرنے کے قریب سو درہم دینے سے بہتر ہے۔" (ابو داؤد) فرمایا: "دو خصلتیں مومن میں جمع نہیں ہوتیں، بخل اور بد خلقی" (ترمذی) ام ایک خاتون نے بارگاہ نبوت میں عرض کی: "یا رسول اللہ! بعض اوقات مسکین میرے دروازے پر آکر کھڑا ہوتا ہے اور میرے پاس دینے کو کچھ نہیں ہوتا، ایسی حالت میں کیا کروں؟" فرمایا: "دے دیا کرو، اگرچہ جلا ہوا کھر ہی ہو" (احمد ابو داؤد ترمذی)

علماء نے فرمایا ہے کہ مقصود مبالغہ ہے یعنی کچھ نہ کچھ دے دینا چاہیئے اگرچہ کوئی حقیر چیز ہو۔

رسول اللہ صلعم نے فرمایا: "ہر صبح دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ایک کہتا ہے: "یا الٰہی! اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کو اس کے مال میں خلف (بدل) دے اور دوسرا کہتا ہے کہ اے خدا بخیل کو اس کے مال میں تلف دے۔" (بخاری و مسلم)

سخاوت اور اسراف

اس حدیث میں سخی کے لیے کشائش مال کا وعدہ ہے یہی وجہ ہے کہ سخی کبھی محتاج نہیں دیکھا گیا، لیکن سخاوت خدا کو پسند اور اسراف و تبذیر ناپسند ہے۔ سخاوت احکام شریعت کے مطابق نیک کاموں میں خرچ کرنا ہے اور اسراف جائز و مباح کام بہ نسبت از ضرورت خرچ کرنے کو کہتے ہیں اور اگر کام ہی سرے سے ناجائز ہو تو اس میں خرچ کرنا تبذیر ہے۔ جیسے سنیما ناچ رنگ یا نام و نمود کے لیے خرچ کرنا۔

فرمایا: "اے ابن آدم! زائد از ضرورت مال کو فی سبیل اللہ خرچ کرنا تیرے لیے بہتر ہوگا۔ مال کو بند رکھنا موجب زیان ہوگا۔ بقدر کفاف (کفایت شعاری سے) خرچ کرنے میں تجھ پر کچھ ملامت نہ ہوگی اور سب سے پہلے اپنے اہل و عیال پر خرچ کر" (رواہ مسلم) فرمایا: "جو کوئی حلال روزی میں سے کھجور کے برابر بھی صدقہ دے اور حق تعالیٰ حلال کے سوا قبول بھی نہیں کرتا تو اس صدقے کو لطف رحمت سے قبول فرماتا ہے۔" فرمایا: "خدائے رحیم و ودود کی ایک شانِ رحمت یہ ہے کہ وہ صدقے کو اسی طرح بڑھاتا اور نشوونما دیتا رہتا ہے، جس طرح تم اپنے بچھڑے کو

پال کر بڑا کرتے ہو"۔ فرمایا: "پروردگار مومن کے تھوڑے سے صدقے کو یہاں تک بڑھاتا ہے کہ وہ بڑھ کر پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے" (بخاری)

اُونٹ رکھنے کا حق سرورِ انبیاء صلعم یہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ کسی شخص کے گھر میں دُودھیل گائے، بھینس یا اُونٹنی ہو اور اس کے دُودھ سے وہ خود تو فائدہ اُٹھائے لیکن دوسروں کو نفع نہ پہنچائے۔ اپنے گھوڑے پر خود تو سواری کرے لیکن دوسروں کو سواری کے لیے نہ دے۔ کوئی اور کارآمد چیز ہو، اسے خود تو استعمال کرے مگر دوسروں سے دریغ رکھے۔ چنانچہ ایک شخص نے دریافت کیا: "یا رسُول اللہ! اُونٹ رکھنے کا کیا حق ہے؟ اور مالک کن کاموں پر مامور ہے"؟ فرمایا: "اُونٹنیوں کا دُودھ دوہے تو حاجت مندوں کو بھی دے۔ اگر کوئی اُونٹوں کے پانی پلانے کا ڈول مانگے تو دے۔ اونٹنی کے لیے نر اونٹ مانگا جائے تو عاریتہً دے۔ محتاجوں کو دودھ پینے کے لیے اونٹنی عاریتہً دے۔ غازی کو سوار کرلے اور اس کا اسباب لادے" (مسلم)

احکامِ صدقہ فرمایا: "(موت یا بیماری یا اور لوگوں سے پہلے) صدقہ دینے میں جلدی کرو۔ بلاشبہ بلا صدقہ دینے سے نہیں بڑھنے پاتی"۔ (مشکوٰۃ بحوالہ رزین) فرمایا: "صدقہ پروردگار کی آتشِ غضب سرد کرتا اور بُری موت سے محفوظ رکھتا ہے" (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی) فرمایا: "رحمٰن کی عبادت کرو اور (مسکینوں کو) کھانا کھلاؤ اور سلام کو افشا کرو اور صحیح و سلامت جنت میں داخل ہو جاؤ"۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

فرمایا: "ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے"۔ صحابہؓ نے کہا: "یا رسُول اللہ! جو شخص نہ پائے، وہ کیا کرے؟" آپ نے فرمایا: "وہ شخص کمائے اور ہاتھوں کی کمائی سے اپنی ذات کو نفع پہنچائے اور خیرات بھی کرے"۔ صحابہ عرض پیرا ہوئے: "جو کوئی اس کی استطاعت نہ رکھے"۔ فرمایا: "تو وہ کسی حاجت مند، غم زدہ، داد خواہ کی مدد کرے"۔ صحابہؓ نے عرض کی: "اگر ایسا نہ کر سکے؟" فرمایا: "تو بھلائی کی ترغیب دے"۔

Marfat.com

التماس کی گئی: "اگر ایسا بھی نہ کرے"، فرمایا: "تو برائی سے باز رہے، یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔" (بخاری و مسلم)

کسی نے انہیں معنیٰ میں کہا ہے: مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

فرمایا: "آدمی کے بدن میں جو جوڑ ہیں، ان میں سے ہر ایک پر ہر روز، جس میں آفتاب طلوع کرتا ہے، صدقہ لازم ہے (اور صدقہ و خیرات کچھ مال ہی پر موقوف نہیں، جو تم پر ہر روز مشکل ہو بلکہ) دو شخصوں کے درمیان عدل کرنا بھی صدقہ ہے۔ جانور پر سوار ہوتے وقت اس کی مدد کرنا یا اسباب لدوا دینا بھی صدقہ ہے۔ اچھی بات صدقہ ہے ہر قدم، جو مسجد کو چلتے وقت اٹھایا جائے، صدقہ ہے۔ ایذا دینے والی چیز کا راستے سے ہٹا دینا صدقہ ہے۔" (بخاری و مسلم) فرمایا: "ہر آدمی کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں۔ پس جو کوئی تین سو ساٹھ مرتبہ اللہ اکبر، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ اور سبحان اللہ اور استغفر اللہ کہے اور لوگوں کی راہ سے پتھر یا کانٹا یا ہڈی دور کر دے یا لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے، وہ اس دن اس حالت میں چلتا ہے کہ اس نے اپنی جان کو دوزخ سے دور رکھا۔" (مسلم) اور فرمایا: "میں نے ایک شخص کو جنت کی نعمتوں میں دیکھا کیونکہ اس نے ایک درخت، جو لوگوں کو ایذا دیتا تھا کاٹ کر راستے سے ہٹا دیا تھا۔" (مسلم)

فرمایا: "ہر نیکی صدقہ ہے اور ایک نیکی یہ ہے کہ مسلمان بھائی سے بر خندہ پیشانی ملاقات کریں اور ایک نیکی یہ ہے کہ پانی کا ڈول بھر کر کسی مسلمان بھائی کے برتن میں ڈال دیں۔" (احمد) اور فرمایا: "جو مسلمان کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے، اللہ تعالیٰ اسے بہشت کا سبز لباس پہنائے گا اور جو مسلمان کسی بھوکے مسلمان کو کھلائے، خدائے منعم اسے جنت کے میوے کھلائے گا اور جو مسلمان کسی پیاسے مسلمان کو پلائے، حق تعالیٰ اسے سر بمہر شراب طہور پلائے گا۔" (ابو داؤد و ترمذی)

آپ نے فرمایا: "فریضۂ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مسلمان کے مال میں حقوق ہیں۔" (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) یعنی اپنے مالی صدقے سے قرابت داروں، قرض داروں

یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور اندھے لولے، ضعیف العمر سائلوں کی مالی امداد کرنا، یہ نفلی صدقہ ہے۔

ایک بار سیدِ کائنات صلعم نے دیکھا کہ انصار نے اپنے باغوں کے گرد دیواریں بنادی ہیں اور کوئی جانور اور آدمی باغوں میں نہیں جاسکتا۔ آپ نے نماز جمعہ کے بعد فرمایا: "باغ یا کھیت میں سے جو کچھ آدمی کھاجاتے ہیں، یا چڑیاں چُگ لیتی ہیں، اس کا بھی کھیت یا باغ کے مالک کو ثواب ملتا ہے۔" انصار آپ کی زبان مبارک سے یہ سُن کر پلٹے تو سب نے اپنے اپنے باغ کی دیواروں میں روزن کردیے (اسد الغابہ)

کنوٗاں کھدوانا جس جگہ پانی نہ ملتا ہو یا اس کے حصول میں دُشواری ہو، وہاں کنوٗاں لگوانا بھی بڑا کارِ خیر ہے۔ جب رئیس خزرج حضرت سعد رضا بن عبادہ کی والدہ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا تو انھوں نے حضرت رسالت پناہ صلعم سے دریافت کیا: "میں والدہ کے ایصالِ ثواب کے لیے کوئی صدقۂ جاریہ قائم کرنا چاہتا ہوں، ان کے لیے کون سا صدقہ موزوں ہوگا؟" فرمایا: "پانی۔" انھوں نے ایک ضرورت کی جگہ کنوٗاں کھدوا کر کہا: "یہ کنوٗاں اُمِّ سعد رضا کے لیے صدقہ ہے۔" (ابوداؤد ونسائی)

فالتو چیز کا صدقہ ایک سفر میں انسان کے محسنِ اعظم صلعم نے فرمایا: "جس کسی کے ساتھ فالتو سواری ہو، اسے چاہیے کہ وہ اُس شخص کے حوالے کردے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس زائد توشہ ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ بے توشہ کو دے دے۔" اس حدیث کے راوی حضرت ابوسعید خُدری رضا کا بیان ہے کہ نبی ؑ نے اسی طرح اصنافِ مال کا ذکر فرمایا، جس سے ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ کسی فالتو چیز پر ہم میں سے کسی کا کوئی حق نہیں (رواہ مسلم)

سرورِ انبیاءؑ کی سخاوت جُود و سخا رحمتِ عالم صلعم کی فطرت تھی۔ آپ نے

مدت العمر کسی کا سوال ردّ نہ فرمایا اور عطاو بخشش کی درخواست پر لا (نہیں) کا لفظ آپ کی زبان مبارک سے کبھی نہ نکلا۔ چنانچہ مروی ہے:

عن جابرؓ قال ما	جابر انصاری رضہ کا بیان ہے
سُئِل رسول الله	کہ رسول اکرم صلعم نے کبھی کسی
صلی الله علیه وسلم	سوال پر "نہیں" کا لفظ نہیں
شیئًا قط فقال لا	فرمایا۔

(رواہ البخاری ومسلم)

ما قال لا قط الا فی تشهده

لو لا التشهد کانت لاءه نعم

(فرزدق)

اور اسی کا ترجمہ کسی نے فارسی میں کیا ہے:

نرفت لا بزبانِ مبارکش ہرگز — مگر باشہادان لا الٰہ الا اللہ

آنحضرتؐ کے خمس کا محلّ صرف

ظاہر ہے کہ پیشوائے امت صلعم تبلیغ احکام اور مہمات رسالت میں مصروف ومنہمک رہنے کی وجہ سے تدبیرِ معاش میں مشغول نہ ہو سکتے تھے۔ اس لیے ضرور تھا کہ ملک کی آمدنی کا کوئی حصہ آپ کے لیے مخصوص کر دیا جاتا۔ اُس وقت مالِ غنیمت فئے، انفال بس یہی ذرائع آمد تھے۔ چنانچہ ان سب میں مالک الملک نے آپ کا حصہ مقرر کیا تھا جس کا تذکرہ قرآن کی مختلف آیتوں میں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کے ذاتی مصارف کے لیے خالصہ یا صرفِ خاص مقرر کر دیا جاتا ہے۔ لیکن آپ اپنا پانچواں حصہ فقراء، مساکین، بیواؤں، مسافروں، قرضداروں اور دوسرے اہلِ حاجات میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے اونٹ کا ایک بال لے کر فرمایا: "اپنا پانچواں حصہ چھوڑ کر تمہاری غنیمتوں میں سے میرے لیے اس بال کے برابر بھی حلال نہیں اور وہ پانچواں حصہ بھی تمہاری ہی ضروریات پر خرچ کر دیا جاتا ہے" (ابو داؤد)

لوگوں کا قرض خود ادا کرنا

ابتدائے اسلام میں شفیقِ عالم صلعم قرضدار لوگوں کی نمازِ جنازہ بذاتِ خود نہیں پڑھاتے تھے۔ آخر جب فتوحات کی بدولت کچھ مرفہ الحالی نصیب ہوئی تو آپ نے اعلان فرمایا: "میں مومنوں سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ نزدیک ہوں۔ پس جو مسلمان قرض کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو جائے اور اتنا مال نہ چھوڑ جائے جس سے قرض ادا ہو سکے تو اُس قرض کی ادائی میرے ذمے ہے اور جو مسلمان مال چھوڑ جائے تو وہ اُس کے وارثوں کا ہے" اور ایک روایت میں ہے: "جو کوئی قرض یا عیال چھوڑ جائے وہ میرے پاس آئے، میں اُس عیال کا کفیل ہوں" اور ایک روایت میں یوں ہے: "جس نے مال چھوڑا، وہ اس کے وارثوں کا ہے اور جو عیال چھوڑ جائے، وہ میرے پاس آئیں" (رواہ البخاری و مسلم)

بعض دفعہ آپ سائل سے فرمایا کرتے تھے: "بالفعل تم کہیں سے قرض لے کر کام چلاؤ، تمھارا قرض میں ادا کروں گا۔" چنانچہ مروی ہے کہ ایک شخص نے رسولِ اکرم صلعم کے پاس آکر کچھ عطا کیے جانے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا: "میرے پاس اس وقت کچھ نہیں، بالفعل تم کہیں سے قرض لے لو اور جب میرے پاس ہوگا، مجھ سے لے کر قرض ادا کر دینا۔" حضرت عمر فاروق رضہ اس وقت حاضرِ خدمت تھے۔ وہ عرض پیرا ہوئے: "یا رسول اللہ! اگر آپ کے پاس موجود ہو اکرے تو دے دیا کیجیے، حق تعالیٰ نے آپ کو کسی ایسی چیز کے لیے مکلّف نہیں کیا، جو آپ کی قدرت میں نہ ہو۔"

لیکن آپ نے یہ مشورہ پسند نہ فرمایا۔ ایک انصاری صحابی بھی پاس بیٹھے تھے۔ انھوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! آپ راہِ خدا میں خوب خرچ کیجیے اور خدائے ذی الجلال کی طرف سے تنگ دستی کا کوئی خوف نہ کیجیے۔" یہ سن کر آپ مسکرائے اور آپ کے رُخِ انور پر مسرت کے آثار ظاہر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: "مجھے بھی اسی بات کا حکم دیا گیا ہے" (مسلم و ترمذی فی الشمائل والبزار عن ابن عمرؓ)

حضرت بلالؓ کا قصد فرار

عبداللہ ہوزنی کا بیان ہے: "حضرت بلالؓ سے حلب میں میری ملاقات ہوئی، اس وقت پیغمبرؐ کا وصال ہو چکا تھا۔ میں نے ان سے آنحضرتؐ کے مصارف کا حال دریافت کیا۔ کہنے لگے: "جب اللہ سبحانہ، نے سید کائناتؐ کو منصبِ رسالت پر سرفراز فرمایا تو ان ایام سے حضورؐ کی رحلت تک (مکہ اور مدینہ دونوں جگہ) آپ کے مداخل و مصارف کا منتظم میں ہی تھا۔ جو کچھ حضورؐ کے پاس آتا، میں ہی اسے صرف کرتا اور جب آپ کے ہاتھ میں کچھ نہ ہوتا تو میں ہی قرض دام لے کر آپ کی ضروریات پوری کیا کرتا۔ عادت مبارک یہ تھی کہ جب آپ کے پاس کوئی مسلمان آتا اور اس کے بدن پر کپڑا نہ ہوتا یا فاقہ کش ہوتا تو میں آپ کے حکم کے مطابق قرض لے کر اسے کپڑے بنوا دیتا اور کھانا کھلاتا۔

"اس سلسلے میں ایک دفعہ ایک غیر مسلم مجھ سے کہنے لگا: "بلالؓ! میں بڑا مالدار ہوں، تمہیں جب کبھی قرض لینا ہو، مجھ سے لیا کرو۔" میں نے اس کی خواہش کے مطابق اس سے ایک مرتبہ مساکین کی ضروریات کے لیے ایک مہینے کے وعدے پر قرض لیا۔ ایک دن جو میں وضو کر کے اذان دینے کے لیے کھڑا ہوا تو وہ سوداگروں کی ایک جماعت ساتھ لیے آپہنچا اور مجھ سے خطاب کر کے کہنے لگا: "او حبشی!" میں نے کہا: "یالباہ" (جناب حاضر ہوں) وہ سختی کرنے لگا۔ بدکلامی سے پیش آیا اور کہنے لگا: "تجھے معلوم ہے کہ مہینہ پورا ہونے میں کتنے دن باقی ہیں؟ قرض کا وعدہ آپہنچا اور تجھے ادا کرنے کی کوئی فکر نہیں۔ شاید تیری نیت دینے کی نہیں ہے۔"

"حضرت بلالؓ فرماتے ہیں: "گو ابھی وعدہ نہیں گزرا تھا لیکن شاید مجھے ذلیل کرنے کے ارادے سے اس نے مجھے قرض دیا تھا۔ خواہ مخواہ قرض کا بہانہ کر کے فساد کرنے لگا۔" اس کے بعد بولا: "دیکھ، مہینے میں صرف چار دن باقی ہیں، میں اپنا قرض تجھ سے لے کر چھوڑوں گا، ورنہ تجھے از سرِ نو بکریاں چرانے پر مجبور کروں گا۔"

غرض اس کا درشت کلامی نے مجھے سخت ملول کیا۔ نماز عشاء کے بعد جب سرور کائنات صلعم گھر تشریف لے گئے تو میں بھی در اقدس پر حاضر ہوا اور حاضری کی اجازت مانگی۔

"آپ نے مجھے آنے کی اجازت دی۔ میں نے گزارش کی: "یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! وہ مشرک، جس سے میں نے آپ کے لیے فلاں روز قرض لیا تھا، آج اس نے مجھے سخت ذلیل کیا اور شرمناک دریدہ دہنی کی اور حضورؐ کے پاس اتنا مال نہیں کہ یہ قرض ادا کیا جا سکے اور نہ میرے پاس کوئی رقم ہے جو اسے دے کر جان چھڑاؤں اور عنقریب وہ مجھے پہلے سے زیادہ ذلیل کرے گا۔ اس لیے آپ مجھے اُس وقت تک مدینہ سے باہر کسی نو مسلم قبیلے میں بھاگ جانے کی اجازت دیجیے کہ ربِ وَدُود اپنے رسولِ مقبولؐ کو اس قدر مال عطا فرمائے، جس سے یہ قرض ادا ہو سکے۔

"لیکن آپ نے میری عرضداشت کا کوئی جواب نہ دیا۔ مجھ پر حضورؐ کی خاموشی اور بھی گراں گزری۔ اس کے بعد میں قیام گاہ پر واپس آیا اور تلوار، ڈھال، موزہ، جوتی ضرورت کی سب چیزیں اس قصد سے سرھانے رکھ کر سو رہا کہ صبح ہوتے ہی یہاں سے بھاگ چلوں گا۔ جب صبح صادق نمودار ہوئی تو میں بھاگنے کو تیار ہوا۔ اتنے میں ایک آدمی میرے پاس آیا اور بولا: "رسولِ خداؐ نے تمہیں یاد فرمایا ہے۔" میں بارگاہِ معلّٰی میں حاضر ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ چار اونٹ لدے ہوئے بیٹھے ہیں۔ میں نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت دی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: "خدائے ذوالمنن نے قرض ادا کرنے کے لیے مال بھیج دیا ہے۔ وہ چاروں جانور اور وہ سامان، جو ان پر لدا ہے، لے لو اور سب کو فروخت کر کے قرضہ ادا کرو۔ یہ اونٹ جن پر کپڑا اور اناج ہے، رئیسِ فدک نے بھیجے ہیں۔" میں نے فروخت کر کے قرضہ ادا کیا۔" (ابوداؤد)۔

آپ کا معمول تھا کہ کم یا زیادہ | **سخاوت کے باعث مسجد میں شب بسری**

جس قدر آمدنی ہوتی، آپ روزمرّہ مساکین اور حاجت مندوں پر خرچ کر دیتے تھے اور دوسرے دن کے لیے ایک حبّہ بھی اٹھا نہ رکھتے تھے۔ اگر اتفاق سے کسی روز ہاتھ کی رقم عشاء تک خرچ ہونے سے رہ جاتی تو آپ خانۂ اقدس میں تشریف نہ لے جاتے بلکہ مسجد ہی میں رات بسر کرتے۔

حضرت بلال رضؓ کا بیان ہے: "رئیسِ فدک کے بھیجے ہوئے اونٹ اور ان کا سامان فروخت کر کے میں مسجد میں پہنچا۔ آپ وہیں تشریف فرما تھے۔ دریافت فرمایا: "اونٹ اور ان کا سامان کتنے میں فروخت ہوا اور قرضہ ادا کرنے کے بعد کتنی رقم بچی؟" میں نے بتایا: "قرض ادا کر کے اتنی رقم پس انداز ہوئی ہے۔" آپ نے فرمایا: "جو کچھ بچا ہے، اسے فقراء و مساکین پر صرف کر ڈالو۔ میں یہاں سے گھر نہیں جاؤں گا جب تک اس پس انداز کی طرف سے مطمئن نہیں ہو جاتا۔"

حضرت بلال رضؓ فرماتے ہیں: "میں نے اہلِ حاجات کو تلاش کیا، لیکن اتفاق سے کوئی نہ ملا۔ اس لیے ساری پس ماندہ رقم بچی رہ گئی۔ آپ نے نمازِ عشاء کے بعد مجھے بلا بھیجا اور فرمایا: "وہ بچا ہوا مال کیا ہوا؟" میں نے کہا: "یارسول اللہؐ! وہ میرے پاس موجود ہے۔ صبح سے کوئی حاجت مند ایسا نہیں ملا، جسے دیتا۔" اس کے بعد بھی میں مساکین کی تلاش میں رہا لیکن کوئی نہ مل سکا۔ اس لیے آپ حرم سرا میں تشریف نہ لے گئے مسجد ہی میں قیام فرما رہے۔ دوسری رات جب آپ نمازِ عشاء سے فارغ ہوئے تو مجھے بلا کر پوچھا: "وہ مال کیا ہوا، جو تمہارے پاس بچ رہا تھا؟" میں نے عرض کی: "یارسول اللہؐ! حق تعالیٰ نے آپ کو اس مال کی طرف سے بے فکر کر دیا۔" تو آپ نے الحمدللہ کہا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ آپ کو اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں پیامِ اجل آ پہنچے اور مال اسی طرح موجود رہے۔ اس کے بعد آپ خانۂ اقدس کو تشریف لے گئے۔ میں بھی پیچھے پیچھے چلا۔ آپ نے ازواجِ طاہرات کے پاس جا کر ان میں سے ہر حرم محترم کو فرداً فرداً سلام کیا (ابوداؤد)

ایک اوقیہ چاندی کے لیے بیتابی اگر گھر میں چاندی اور سونے کی قسم کی کوئی چیز

موجود ہوتی تو جب تک اس کا انفاق نہ ہو جاتا آپ برابر بے چین رہتے۔ چونکہ ...... آپ کی سخاوت کا ہر طرف شہرہ تھا، اس لیے آپ کے درِ اقدس پر فقراء اور حاجت مند لوگوں کا ہجوم رہتا۔ ایک مرتبہ یکے بعد دیگرے آپ کے پاس تین سائل آئے۔ اس وقت آپ کے پاس دینے کو کچھ نہ تھا۔ آپ انھیں بٹھاتے گئے۔ اتنے میں کوئی شخص آیا اور اس نے چار اوقیہ چاندی حضور کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے ایک ایک اوقیہ تو ان تینوں میں تقسیم فرما دی۔ ایک اوقیہ بچ رہی۔ اس کے لیے پکار دیا گیا کہ کوئی حاجت مند ہو تو ایک اوقیہ چاندی لے لے، لیکن کوئی شخص نہ آیا۔ رات ہوئی تو آپ نے وہ چاندی سرہانے رکھ لی، مگر اس رات آپ بار بار کروٹیں بدلتے، بار بار اٹھ کر نماز پڑھتے، بار بار لیٹتے اور پہلو بدلتے رہے۔ یہ حالت دیکھ کر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: "یا رسول اللہ! معلوم ہوتا ہے کہ آج آپ کو کچھ تکلیف ہے۔" فرمایا: "نہیں۔" پھر پوچھا: "کیا خدا کی طرف سے کوئی ایسا عتاب آمیز حکم آیا ہے، جس نے بے قرار کر رکھا ہے؟" فرمایا: "نہیں۔" ام المؤمنین نے پوچھا: "تو اس قدر بے چین کیوں ہیں؟" فرمایا: "اس ایک اوقیہ چاندی نے مجھے بے قرار کر رکھا ہے۔" (اعلام النبوت صفحہ ۵۵)

سونے کی خیرات کے لیے بے چینی

اسی طرح عقبہ بن حارث صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: "میں نے مدینہ میں نبی صلعم کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی۔ سلام کے بعد آپ معاً کھڑے ہو گئے اور نمازیوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے بڑی تیزی سے کسی زوجۂ مطہرہ کے حجرے کی طرف تشریف لے گئے اور لوگ آپ کی اس سرعت سے گھبرا گئے۔ تمام لوگ آپ کی اس عجلت پر حیرت زدہ تھے۔ اتنے میں آپ واپس آ کر فرمانے لگے: "مجھے سونے کی ایک چیز یاد آ گئی جو ہمارے پاس پڑی رہ گئی تھی۔ گمان ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو، وہ سونا گھر میں رہے اور رات ہو جائے، اس لیے جا کر اسے خیرات کر دینے کو کہہ آیا۔" (بخاری)

اشرفیوں کی خیرات کا فرمان

اسی طرح ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی

ہے : "سرورِ کونین صلعم کے مرض الموت میں آپ کے چھ یا سات دینار میرے پاس رکھے تھے اور آپ نے حکم دیا تھا کہ انھیں بانٹ دو۔ لیکن آپ کی علالت کے باعث میں ایسا نہ کر سکی۔ ایک موقع پر آپ کو وہ دینار یاد آ گئے اور آپ نے دریافت فرمایا: "وہ دینار کیا ہوئے؟" میں نے کہا: "وہ تو ہنوز میرے پاس رکھے ہیں۔ آپ کی بیماری کے باعث میں اب تک انھیں علٰحدہ نہ کر سکی۔" آپ نے وہ دینار لے کر اپنے ہاتھ میں رکھے اور فرمایا: "اگر نبی اللہ ان دیناروں کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے تو اس کے متعلق کیا گمان ہوگا؟" اُم المؤمنین رض اٹھیں اور مساکین و اہلِ حاجات میں تقسیم کر آئیں (مسند احمد)

بحرین کے خراج کی تقسیم

ایک دفعہ بحرین سے خراج آیا۔ یہ اس قدر کثیر رقم تھی کہ اس سے پہلے کبھی دار الاسلام میں نہیں دیکھی گئی۔ آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ اسے صحن مسجد میں ڈلوا دو۔ صحن مسجد میں چاندی سونے کا بہت بڑا ڈھیر لگ گیا۔ گھنٹوں پڑا رہا، کسی نے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ نماز کے لیے آپ مسجد میں تشریف لائے تو فارغ ہو کر اسے بانٹنا شروع کیا۔ آپ کے عمّ محترم حضرت عبّاس رض کو غزوۂ بدر میں اپنا اور حضرت عقیل رض کا (دُہرا) فدیہ دینا پڑا تھا۔ شاید اس وجہ سے ان کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ وہ عرض پیرا ہوئے: "یا رسول اللہ! میری طرف بھی دستِ اعانت دراز فرمائیے۔" آپ نے حکم دیا: "جتنا اٹھا کر لے جا سکتے ہو، لے جاؤ۔" حضرت عبّاس رض نے چادر بچھائی اور زرِ نقد ڈال کر گٹھڑی بنائی لیکن وہ اتنی بوجھل ہو گئی کہ اٹھا نہ سکے۔

حضرت عبّاس رض کہنے لگے: "یا رسول اللہ! کسی کو حکم دیجیے کہ اٹھا کر میرے گھر تک چھوڑ آئے۔" آپ نے ان کی تہذیب و تادیب اور قطعِ طمع کے لیے فرمایا: "چچا صاحب: آپ اسی قدر لیجیے جتنا بذاتِ خود لے جا سکتے ہیں۔" اس کے بعد آپ وہ مال مسکینوں اور حاجت مندوں میں بانٹتے رہے، یہاں تک کہ ایک درہم بھی باقی نہ رہا (بخاری)۔

نوّے ہزار درہموں کی تقسیم

ترمذی نے روایت کی ہے: "ایک بار حضرت رحمتِ عالم صلعم کے پاس نوّے ہزار درہم آئے (درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ایک سکّہ تھا) آپ نے یہ رقم ایک بوریے پر ڈلوا دی اور پیغام بھیج دیے کہ جس حاجت مند کو ضرورت ہو، آ کر لے جائے۔ پھر انھیں مسکینوں اور حاجت مندوں میں بانٹنا شروع کیا۔ کوئی محتاج اور سائل ایسا نہ آیا، جو محروم رہا ہو، یہاں تک کہ ساری رقم ختم ہو گئی۔ فراغت کے بعد ایک شخص آیا اور کچھ مانگا۔ آپ نے فرمایا: میرے پاس کچھ نہیں رہا جو تمھیں دے سکوں، لیکن تم جا کر میرے نام سے ضرورت کی چیز خرید لو۔ جب ہمارے پاس کچھ آئے گا تو ہم ادا کر دیں گے۔"

ریوڑ کی بخشش

آپ کی سخاوت اور دریا دلی کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ دو پہاڑوں کے درمیان آپ کی بکریوں کا ریوڑ چر رہا تھا۔ ایک شخص آپ کی فیاضی کا حال سُن کر آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: "وہ ریوڑ مجھے دے دیجیے۔" آپ نے اسے دے دیا۔ اس پر اس فیاضی کا یہ اثر ہوا کہ وہ اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا: "اے میری قوم کے لوگو! مسلمان ہو جاؤ اور محمد صلعم کی پیروی کرو (یہ بے مثل فیاضی ان کی صداقت کی دلیل ہے اور) وہ تو ایسے فیاض ہیں کہ (اتنی عطا و بخشش کے باوجود) انھیں اپنی تنگ دستی اور افلاس کا کچھ بھی خدشہ نہیں۔" (رواہ البخاری و مسلم)

غیر مسلموں پر سخاوت کی بارش

غزوۂ حنین میں آپ کو چھ ہزار قیدی، ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی غنیمت حاصل ہوئی تھی۔ آپ نے قیدیوں کو تو ایک پیسہ فدیہ لیے بغیر رہا کر دیا اور دوسری چیزیں اپنے دس ہزار بے تنخواہ لشکر میں تقسیم فرما دیں۔ آپ نے اپنے حصے کے خمس میں سے اونٹوں کی معقول تعداد مکۂ معظمہ کے نو مسلموں اور مؤلفۃ القلوب غیر مسلموں میں بھی تقسیم فرمائی:

ابوسفیان بن حرب	۱۰۰ اونٹ	عباس بن مرداس	۱۰۰ اونٹ
عیینہ بن حصن	۱۰۰ "	علقمہ بن علاثہ	۱۰۰ "

اقرع بن حابس	۱۰۰ اونٹ	صفوان بن اُمیّہ	۳۰۰ اونٹ

(صحیح مسلم)

مُسلم نے باب حسن خُلق میں ابن شہاب سے روایت کی ہے: "صفوان بن اُمیّہ کو پہلے تو سو اُونٹ ہی عطا ہوئے تھے لیکن اس کے بعد دو دفعہ سو سو اونٹ کا اضافہ ہُوا۔

ابن ہشام نے سو سو اونٹ پانے والے متذکرہ صدر چھ افراد پر ذیل کے سات نام بھی مستزاد کیے ہیں:

معاویہ بن ابوسفیان بن حرب	۱۰۰ اونٹ	حویطب بن عبدالعزّیٰ	۱۰۰ اونٹ
حکیم بن حزام	۱۰۰ "	علاء بن جاریہ ثقفی	۱۰۰ "
حرث بن حرث بن کلادہ	۱۰۰ "	مالک بن عوف نصری	۱۰۰ "
سُہیل بن عمرو	۱۰۰ "		

اس کے بعد ابن ہشام نے لکھا ہے کہ قریش کے بعض دوسرے لوگوں مثلاً مخرمہ بن نوفل زہری، عُمیر بن وہب جمحی، ہشام بن عمرو عامری وغیرہم کو سو سو سے کم اونٹ عطا ہوئے تھے۔

اگر پاکستانی روپے سے ہر اونٹ کی قیمت ہزار روپیہ قرار دی جائے تو خدا کے برگزیدہ رسُول صلے نے مکہ معظمہ کے نومسلموں اور وہاں کے مؤلفۃ القلوب غیر مسلموں کو جو اونٹ عطا فرمائے ان کی قیمت اٹھتیس لاکھ روپے تک جا پہنچتی ہے۔

صفوان بن اُمیّہ کا قبولِ اسلام

غزوۂ حنین یا جنگ ہوازن کی پوری تفصیل آپ کو راقم الحروف کی کتاب مدحِ مخبرِ اعداء، میں ملے گی۔ ہوازن کے مالِ غنیمت سے صفوان دوسروں کی نسبت زیادہ متمتع و کامگار ہوئے۔ وہ صرف اس غنیمت کا سب سے بڑا حصّہ لے کر ہی نہال و خرسند نہ ہوئے بلکہ قسمت نے بہت سے دوسرے جانور حاصل کرنے میں بھی ان کی یاوری کی۔ شیخ عبدالحق دہلوی رقم فرماتے ہیں:

"انھیں ایّام میں آنحضرت صلعم ایک پہاڑی راستے پر جارہے تھے۔ صفوان بن اُمیّہ بھی آپ کے ہمراہ تھے اور یہ راستہ بکریوں اور دوسرے چارپایوں سے بھرا ہوُا تھا۔ صفوان بڑی تیز نظروں سے جانوروں کی طرف دیکھتے جارہے تھے۔ آں سرورؐ نے گوشۂ چشم مبارک سے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: "کیا یہ جانور تمھیں مرغوب ہیں؟" انھوں نے کہا: "ہاں مرغوب خاطر ہیں" آپ نے فرمایا: "میں نے سب تمھیں بخشنے" صفوان انھیں اپنے تصرّف میں لے آئے اور کہنے لگے: "نفسِ پیغمبر کے سوا کسی انسان کا دل اتنا عالی حوصلہ نہیں ہوسکتا کہ اس قدر بے مثل عطا و بخشش کی ہمّت کرے" اور یہ کہہ کر صدق دل سے حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے" (مدارج النّبوت جلد ۲ ص ۳۸۹)

اہل مکّہ کی مزید مالی امداد

آپ نے اوپر پڑھا کہ حُنین کی غنیمت میں سے شفیق انام صلعم نے لاکھوں روپے کے اونٹ اور چارپایے دے کر اہلِ مکّہ کو کس درجہ خوشحال کر دیا تھا۔ فتح مکّہ اور غنائم حُنین کے بعد بھی آپ اہلِ مکّہ کی مالی امداد کرکے انھیں تقویت پہنچاتے رہے۔ مدینۂ منوّرہ پہنچ کر آپ نے عمرو بن فغواء خزاعی کو بلا بھیجا اور فرمایا: "میں ابو سفیان کو اس غرض سے کچھ مال بھیجنا چاہتا ہوں کہ وہ مکّہ مکرمہ کے اندر قریش کے لوگوں میں تقسیم کردیں۔ تم کوئی رفیقِ سفر تلاش کرلو۔" عمرو بن فغواء رفاقت کے لیے لوگوں سے دریافت کرنے لگے۔ اتنے میں عُمرو بن اُمیّہ ضمری نام ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: "میں نے سُنا ہے تم مکّہ جانے کے لیے کسی رفیقِ سفر کی تلاش میں ہو" انھوں نے کہا: "ہاں!" عمرو بن اُمیّہ بولا: "میں ساتھ چلوں گا۔" عمرو بن فغواء بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے: "یا رسُولؐ اللہ! اگر چہ کوئی ساتھ جانے والا نہیں ملا۔ عمرو بن اُمیّہ ضمری ملا ہے۔ حکم ہو تو اسی کو ساتھ لے جاؤں؟" فرمایا: "اسی کو لے جاؤ لیکن جب اس کی قوم کی سرزمین میں پہنچو تو ذرا بچ کے جانا۔ مبادا اپنی قوم سے سازش کرکے تمھیں لٹوا دے۔" آپ نے زر نقد ابن فغواء کے حوالے کیا اور وہ ابن اُمیّہ کو ساتھ لے کر

روانہ ہوئے۔ جب ابواء نامی ایک مقام پر پہنچے تو عمرو بن اُمیہؓ کہنے لگا: "مجھے تو جنع وَدّان میں اپنے رشتہ داروں سے کچھ کام ہے، تم یہیں ٹھہرو تو میں وہاں سے ہو آتا ہوں۔" عمرو بن فغواء نے کہا: "اچھا جاؤ مگر راستہ نہ بھولنا۔" وہ چلا گیا اور یہ وہیں اُس کے انتظار میں ٹھہر گئے۔

تھوڑی دیر میں انھیں رسولِ خدا ﷺ کا ارشاد یاد آگیا۔ جھٹ اونٹ پر سوار ہوئے اور اس کی آمد سے پہلے چل دیے۔ جب اصافر کے مقام پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ عمرو بن اُمیہؓ اپنی قوم کے چند آدمی ساتھ لیے ان کے روکنے کو آرہا ہے۔ انھوں نے اونٹ کو زیادہ تیز کردیا اور ان کی گرفت سے بہت دور نکل گئے۔ آخر جب دیکھا کہ انھیں کسی طرح نہیں پاسکتے تو اس کے ساتھی نامراد واپس گئے اور وہ تنہا ان سے آملا اور کہنے لگا: "مجھے اپنے لوگوں سے کچھ کام تھا۔" انھوں نے کہا: "ہاں ہوگا۔" آخر مکہ معظمہ پہنچے اور امانتِ مفوضہ ابوسفیان بن حرب کے حوالے کی (ابوداؤد)

انصار کی مالی امداد

نبی صلعم ہر موقع و محل پر انصار کی مالی امداد کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ انصار میں سے بعض نے رسولِ خدا ﷺ سے کچھ مانگا۔ آپ نے انھیں دیا۔ انھوں نے مکرر آکر دستِ سوال دراز کیا۔ آپ نے دوبارہ دل کھول کر ان کی اعانت فرمائی۔ پھر مانگا تو ان کی امداد کے بعد ساری رقم جو آپ کے پاس تھی، ختم ہوگئی اور آپ نے ان سے فرمایا: "جہاں تک میرے پاس مال ہوگا تم سے دریغ نہ کروں گا اور جو شخص سوال کرنے سے بچتا ہے، خدا اسے سوال سے بچاتا ہے اور جو استغنا ظاہر کرتا ہے، اللہ اسے مستغنی کردیتا ہے اور جو صبر کا شیوہ اختیار کرے، خدا اسے صبر دے دیتا ہے اور کوئی عطا و بخشش صبر سے بہتر اور وسیع نہیں۔" (رواہ البخاری و مسلم)

اکھڑ دیہاتی کا آپ کی چادر کھینچنا

آپ اکھڑ سے اکھڑ سائل کی سختی اور زشت خوئی برداشت کرتے تھے اور بجائے اس کے کہ اس کی سخت گیری سے غضب ناک ہوکر اسے سزا دیں،

Marfat.com

بامراد واپس بھیجتے تھے۔ حضرت انس رضؓ کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ آنحضرتؐ کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ پر ایک نجرانی چادر تھی جس کے کنارے بہت موٹے اور سخت تھے۔ اتنے میں ایک اعرابی (اکھڑ اور درشت خو دیہاتی) آیا اور آپ کو چادر سے پکڑ کر بڑی سختی سے کھینچنے لگا، یہاں تک کہ آپ کھنچ کر اعرابی کے سینے سے جا لگے۔ اس کے بعد اعرابی کہنے لگا: "مجھے اللہ کے مال میں سے، جو خدا نے تمھیں دے رکھا ہے، کچھ دلاؤ۔" آپ نے اعرابی کی طرف دیکھا، خشمناک ہونے کے بجائے ہنس دیے اور حکم دیا کہ اسے کچھ دے دو۔ (رواہ البخاری و مسلم)

بدوؤں کا آپ سے لپٹنا

غزوۂ حُنین میں جو غنیمت ملی، اسے خیرات فرما کر سرورِ دو جہاں صلعم واپس آ رہے تھے۔ آپ کی سخاوت کا ملک میں ہر طرف شہرہ تھا۔ راہ میں بدوؤں کو خبر لگی کہ دو عالم آنحضرت صلعم کا گذر ہونے والا ہے۔ آس پاس سے دوڑ دوڑ کر آ جمع ہوئے اور لپٹ گئے کہ ہماری طرف بھی دستِ سخاوت دراز ہو۔ حضرت جُبیر بن مُطعم صحابی رضؓ کا بیان ہے: "بادیہ نشین آپ سے اس طرح لپٹ گئے کہ آپ کو مضطر اور پریشان کر دیا، یہاں تک کہ آپ ازدحام سے گھبرا کر ایک کیکر کی آڑ میں کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے رداے مبارک تھام لی۔ بالآخر کشمکش میں چادر جسمِ اطہر سے اتر کر ان کے ہاتھ میں چلی گئی۔ آپ نے فرمایا، "میری چادر دے دو۔ اگر اس جنگل کے درختوں کے برابر بھی میرے پاس اونٹ ہوتے تو میں سب تمھیں دے دیتا اور تم لوگ نہ مجھے بخیل پاتے، نہ دروغ گو اور پست ہمت۔" (بخاری)

اہلِ صُفّہ کی خبر گیری

مدینہ منورہ میں اہلِ صُفّہ نام کی ایک مقدس جماعت تھی، جس کی تعداد اسّی سے ہمیشہ زیادہ رہی۔ طلبِ علم اور یادِ الٰہی کے سوا ان کا کوئی مشغلہ نہ تھا۔ اصحابِ صُفّہ مسلمانوں کے عام مہمان تھے، لیکن اگر کسی کا کوئی متکفّل نہ ہوتا تو آپ اس کے کفیل ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: "جس گھر میں دو آدمیوں کا کھانا پکتا ہو، وہ اصحابِ صُفّہ میں سے تین آدمی

اور جن کے ہاں چار کا کھانا پکتا ہو، وہ اصحابِ صُفّہ کے پانچ افراد ساتھ لے جائے۔ اس حکم کے بموجب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے تین حضرات کو ساتھ لیا، لیکن آپ دس آدمیوں کو ساتھ لے گئے (صحیح مسلم) حضرت ابوہریرہ رضؓ بھی اصحابِ صُفّہ میں داخل تھے۔ ان کا بیان ہے: "میں ایک دفعہ شدتِ گرسنگی کی حالت میں شارعِ عام پر بیٹھ گیا۔ بعض جلیل القدر صحابہ رضؓ وہاں سے گزرے اور میں نے بطورِ حسنِ طلب ان سے قرآن کی ایک آیت پوچھی، مگر انھوں نے میری حالت کی طرف توجہ نہ کی۔ آخر خود ذاتِ بابرکات سیدِ عالم صلعم کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: "میرے ساتھ آؤ۔" آپ گھر تشریف پہنچے تو گھر میں دودھ موجود تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ کسی نے ہدیۃً بھیجا ہے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: "اصحابِ صُفّہ کو بلا لاؤ۔" میں بلا لایا تو آپ نے سب کو دودھ پلایا۔" (ترمذی)

کاشانۂ نبوت میں ایک پیالہ اس قدر وزنی تھا کہ اسے چار آدمی اٹھاتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیگ کے برابر ہوگا۔ جب دوپہر ہوتی تو وہ پیالہ آتا اور پیغمبرِ خدا صلعم اور اصحابِ صُفّہ اس کے اردگرد بیٹھ جاتے۔ اگر زیادہ مجمع ہوتا تو آپ کو اکڑوں بیٹھنا پڑتا کہ لوگوں کے لیے جگہ نکل آئے (ابوداؤد)

جانور خرید کر بائع کو بطور عطیہ بخشش دینے کا معمول

آپ کی ایک فیاضی یہ تھی کہ آپ صحابۂ کرام رضؓ سے کوئی چیز خریدتے تھے، پھر قیمت کے ساتھ مبیع بھی بطورِ عطیۃ الخلیل کو عنایت فرما دیتے تھے۔ مروی ہے کہ حضرت عمر رضؓ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کو سواری کی ضرورت تھی، لیکن ناداری کی وجہ سے خرید نہ سکتے تھے۔ شفیقِ عالم صلعم انھیں حضرت عمر رضؓ سے سواری دلا سکتے تھے، لیکن اس لحاظ سے کہ حضرت عمر رضؓ کی اَور اولاد بھی تھی، اگر آپ حضرت عبداللہ رضؓ کو ان سے سواری دلاتے تو حضرت عمر رضؓ کی اولاد میں انصاف کا برتاؤ نہ ہوتا۔ اس لیے آپ نے حضرت عمر رضؓ کو یہ حکم نہ دیا کہ وہ اپنا ایک اونٹ حضرت عبداللہ رضؓ کو ہبہ کر دیں، ورنہ یہاں حکم کی دیر تھی، بلکہ خود اپنی گرہ سے ایک اونٹ

حضرت عمر رضؓ سے خرید کر حضرت عبداللہؓ بن عمر رضؓ کو ہبہ کر دیا۔

اس بیع و شرا کی تفصیل یہ ہے کہ ایک سفر میں حضرت عبداللہؓ بن عمر رضؓ اپنے والد کے ایک تیز رفتار اونٹ پر سوار تھے۔ وہ اونٹ سرورِ عالم صلعم کی سواری سے بھی آگے نکل جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضؓ اپنے فرزند سے بار بار کہتے تھے: "بیٹا! رسولؐ اللہ سے آگے کوئی نہیں بڑھتا۔" آپ نے حضرت عمر رضؓ سے فرمایا: "یہ میرے ہاتھ بیچ ڈالو۔" انھوں نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! میں یہ حضورؐ کی نذر کرتا ہوں۔" آپ نے قبول نہ فرمایا۔ ناچار انھوں نے حسب الحکم قیمتاً فروخت کر دیا۔ وہ آپ نے حضرت عبداللہ رضؓ کو دے دیا اور فرمایا: "اب یہ تمھارا ہوا۔" (بخاری)

اسی طرح ایک سفر میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضؓ لشکر سے پیچھے رہ رہ جاتے تھے کیونکہ ان کا اونٹ اتنا کمزور اور از کار رفتہ تھا، انھوں نے اسے آزاد کر کے جنگل میں چھوڑ دینے کا قصد کر لیا تھا۔ جب یہ اونٹ سفر میں بہت تھک گیا تو سید عالم صلعم حضرت جابر رضؓ سے آکر ملے اور فرمایا: "جابر رضؓ کیا حال ہے؟" انھوں نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! میرا اونٹ بہت تھک گیا ہے، اس لیے میں سب سے پیچھے رہ جاتا ہوں۔" آپ اپنی سواری سے اترے اور حضرت جابر رضؓ بھی اتر پڑے۔ آپ نے ہاتھ کی چھڑی سے اونٹ کو ایک کونچا دیا۔ پھر فرمایا: "اب سوار ہو لو۔" حضرت جابر رضؓ سوار ہوئے تو ان کے اونٹ کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ حضورؐ کے اونٹ سے آگے نکل جاتا تھا۔ حضرت جابر رضؓ اسے بہت روکتے تھے کہ رسولؐ خدا کے اونٹ سے آگے نہ بڑھے مگر وہ پیچھے چلنے یا برابر رہنے کا نام نہ لیتا تھا۔

آپ نے فرمایا: "کیا تم اپنا اونٹ بیچتے ہو؟" انھوں نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! یہ آپ ہی کا ہے۔" آپ نے فرمایا: "نہیں، بیچ ڈالو۔" حضرت جابر رضؓ نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! یہ حضورؐ ہی کا مال ہے اور ہدیۃً پیش کرتا ہوں، آپ سے قیمت نہیں لے سکتا۔" آپ نے پھر اصرار فرمایا: "نہیں، قیمتاً فروخت کرو۔" وہ بولے: "یا رسولؐ اللہ! اگر آپ قیمت ہی دینے پر مصر ہیں تو فلاں شخص کا مجھ پر ایک اوقیہ سونا قرض ہے، آپ

ایک اوقیہ سونے کے بدلے اسے لے لیجیے۔" آپ نے فرمایا "میں نے لیا۔" حضرت جابر رض کا بیان ہے "جب ہم مدینہ پہنچے تو آپ نے حضرت بلال رض سے فرمایا "جابر رض کو ایک اوقیہ سونا دیدو اور کچھ زیادہ دو" حضرت بلال رض نے مجھے ایک اوقیہ سونا دے کر ایک قیراط سونے کا اضافہ کیا۔ جب میں قیمت لے کر چلا تو آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا: "جاؤ، اپنا اونٹ لے جاؤ اور قیمت بھی تمہیں دی۔" (بخاری و مسلم)

خیرات کے لیے گھوڑے کا عطیہ

ایک مرتبہ رسالت مآب صلعم نے حضرت عمر رض کو اس غرض سے ایک گھوڑا عطا فرمایا کہ کسی حاجت مند کو سواری کے لیے دے دیں۔ حضرت عمر رض نے کسی شخص کو یہ گھوڑا فی سبیل اللہ دے دیا۔ کچھ دنوں کے بعد کسی نے حضرت عمر رض کو بتایا: "وہی گھوڑا جو آپ نے فلاں شخص کو سواری کے لیے دیا تھا، اب وہ اس نے بازار میں بغرض فروخت کھڑا کر رکھا ہے" حضرت عمر رض نے جا کر خیر الانام سے دریافت کیا: "کیا میں اس گھوڑے کو خرید سکتا ہوں؟" آپ نے فرمایا: "اسے مت خریدو اگرچہ ایک ہی درہم میں ملے کیونکہ خیرات دے کر واپس لینا نہایت مذموم فعل ہے۔" (بخاری)

غلام کے ترکے کی بخشش

ایک اسلامی اصول یہ ہے کہ اگر کوئی حریت یافتہ غلام مر جائے اور کوئی وارث نہ چھوڑ جائے تو اس کا ترکہ اس کے آقائے سابق کو ملتا ہے۔ ایک دفعہ آپ کا ایک غلام، جسے آپ نے آزاد کر دیا تھا، مر گیا اور کچھ مال چھوڑ گیا۔ نہ تو اس کی کوئی اولاد تھی اور نہ کوئی عزیز و قریب اس لیے اس مال کے حق دار آپ تھے، لیکن آپ نے حکم دیا، "اگر مرنے والے کے گاؤں کا کوئی آدمی ملے تو یہ ترکہ اسے دے دو۔" (ابو داؤد)

ایک اسدی مسافر کی خبر گیری

قبیلہ اسد کا ایک آدمی اپنی بی بی کے ساتھ بقیع میں جا کر اترا۔ اس کی بی بی کہنے لگی: "رسول اللہ کے پاس جا کر کچھ کھانے کے لیے مانگ لاؤ۔" وہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت وہاں ایک اور سائل بھی بیٹھا سوال کر رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے: "میرے پاس اس وقت کچھ نہیں، جو تمہیں دوں۔" سائل

غضب ناک ہو کر اُٹھا اور کہنے لگا: "مجھے میری عمر کی قسم! تم اسی کو دیتے ہو، جسے دینے کی تمھاری مرضی ہوتی ہے۔" آپ نے فرمایا: "یہ صاحب اس لیے غضب آلود ہیں کہ میرے پاس دینے کو کچھ نہیں۔" اس کے بعد ارشاد فرمایا: "جس کسی کے پاس ایک اوقیہ (چالیس درم) یا اس مالیت کا کچھ اور ہو، وہ ان لوگوں میں سے ہے، جو ناحق سوال کر کے لوگوں کو تنگ کرتے ہیں۔"

قبیلہ بنی اسد کے شخص مذکور کا بیان ہے: "یہ سُن کر میں نے دل میں خیال کیا کہ میرے پاس تو ایک اونٹنی ہے جو ایک اوقیہ (چالیس درم) سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ چنانچہ میں سوال کیے بغیر لوٹ آیا، لیکن اس کے بعد آپ کے پاس جَو (کے ستّو) اور سُوکھے انگور آئے، آپ نے ان میں ہمارا حصّہ بھی لگایا اور دونوں چیزیں از خود ہمارے پاس بھیج دیں۔" (ابو داؤد)

فاقہ کش کی امداد ایک دفعہ مدینہ میں قحط پڑا۔ عباد بن شرحبیل نام ایک صاحب بھوک سے تنگ آ کر ایک باغ میں گھس گئے اور خوشے توڑ کر کچھ کھائے، کچھ دامن میں رکھ لیے۔ باغ کے مالک نے دیکھ لیا۔ انھیں پکڑ کر مارا اور کپڑے اتروا لیے۔ انھوں نے شفیق عالم صلعم کے پاس آ کر شکایت کی۔ باغ کا مالک بھی ساتھ تھا۔ آپ نے اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: "یہ جاہل تھا، اسے شفقت سے تعلیم دینا تھا۔ یہ فاقہ کش تھا، اسے کھانا کھلانا تھا۔" یہ کہہ کر کپڑے واپس دلوائے اور ساٹھ صاع غلّہ اپنے پاس سے عنایت فرمایا۔ (ابو داؤد)

سائل کی امداد ایک مرتبہ پیغمبر خدا صلعم کے پاس ایک سائل آیا۔ آپ نے اسے ایک کھجور دی۔ سائل کہنے لگا: "خدا کے پیغمبرؐ سے ایک کھجور؟" یہ سُن کر آپ نے ایک لونڈی سے فرمایا: "(اُمّ المومنین) اُمّ سلمہؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ وہ چالیس درہم، جو تمھارے پاس ہیں، دے دو۔" لونڈی چالیس درم لے کر آئی تو آپ نے وہ درم سائل کو دے دیے۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

کھانے پینے میں دوسروں کی شرکت نبی صلعم کا یہ بھی معمول تھا کہ کھانے پینے

کی چیزوں میں معمولی سے معمولی چیز بھی تنہا نہ کھاتے، بلکہ اپنے جان نثار صحابہ رضؓ کو بھی شریک فرما لیتے۔ کسی غزوے میں ایک سو تیس صحابہ رضؓ ہمراہ تھے۔ آپ نے ایک بکری خرید فرما کر ذبح کرائی۔ جب اس کا گوشت پک کر تیار ہوا تو تمام رفقائے سفر میں تقسیم فرمایا۔ جو حضرات موجود نہ تھے، ان کا حصہ الگ محفوظ رکھا (صحیح مسلم)

سیّد انام صلعم کے خادم حضرت انس رضؓ کا بیان ہے: "ایک مرتبہ میری والدہ اُمّ سُلیم نے میرے ہاتھ کھجوروں کا ایک ٹوکرا آنحضرتؐ کے پاس بھیجا، لیکن میں نے آپ کو موجود نہ پایا۔ اس وقت آپ اپنے ایک مولیٰ (حریّت یافتہ غلام) کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ اس نے آپ کی دعوت کی تھی۔ میں وہاں پہنچا اور دیکھا کہ آپ کھانا کھا رہے ہیں۔ آپ نے مجھے کھانا کھانے کے لیے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اس غلام نے گوشت اور کدّو کا ثرید بنایا تھا۔ آپ نے کھا کر مراجعت فرمائی۔ میں نے کھجوروں کا ٹوکرا آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے چند کھجوریں کھائیں اور باقی سارا ٹوکرا لوگوں میں بانٹ دیا (ابن ماجہ)

خطا کار پر بخشش آپ کی کرم گستری کا عالم یہ تھا کہ بعض دفعہ آپ سزا و توبیخ کی جگہ جرم کرنے والوں پر الٹا انعام و اکرام فرما دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں ایک صاحب بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے "یا رسول اللہ! میں نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا ہے۔ روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے اختلاط کر بیٹھا ہوں۔ اس کا کفارہ کیا ہے؟" فرمایا: "ایک غلام آزاد کر دو۔" کہنے لگے: "میرے پاس کوئی غلام نہیں۔" فرمایا: "دو مہینے تک پے در پے روزے رکھو۔" انھوں نے کہا: "اس کی مجھے قدرت نہیں۔" فرمایا: ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلا دو۔" کہا: "اس کی بھی استطاعت نہیں۔"

یہ سُن کر آپ خاموش ہو گئے اور تامّل فرمایا۔ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ایک شخص نے حاضرِ خدمت ہو کر کھجوروں کی ایک ٹوکری ہدیۃً پیش کی۔ آپ نے پوچھا: "سائل کہاں گیا؟" انھوں نے کہا: "یا رسول اللہ! یہ میں حاضر ہوں۔" فرمایا: یہ کھجوریں لے جا کر

کسی مسکین آدمی کو خیرات دے دو" سائل نے عرض کی: "یا رسول اللہ! شہر میں مجھ سے زیادہ غریب و مسکین کون ہوگا؟" یہ سُن کر آپ مسکرائے اور فرمایا: "اچھا، جاؤ، اپنے گھر والوں ہی کو کھلا دو۔" (بخاری)

ایک صحابی کو قبا کا عطیہ

حضرت مسور بن مخرمہ صحابی رضہ کا بیان ہے: "ایک مرتبہ رسُولِ خدا صلعم کے پاس کچھ قبائیں آئیں۔ مجھ سے میرے والد محترم کہنے لگے: "بیٹا! رسُول اللہ کے پاس چلو۔ شاید ہمیں بھی حضور کچھ عنایت فرمائیں۔" غرض ہم درِ اقدس پر پہنچے اور اطلاع دی۔ رسُولِ خدا میرے والد کی آواز پہچان کر باہر نکل آئے۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں ایک قبا تھی۔ آپ اس کے بیل بوٹوں کی طرف دیکھنے لگے اور فرمایا: "میں نے تمھارے لیے اٹھا رکھی تھی۔" (صحیح مسلم)

ککڑیاں لانے والی پر نوازش

آپ کی عطا و بخشش اور دریا دلی کا عالم یہ تھا کہ ایک دفعہ کوئی خاتون آپ کے پاس ایک طشتری میں کھجوریں ہدیۃً لائی۔ ان پر چند نرم ریشم دار ککڑیاں رکھی تھیں۔ حُسنِ اتفاق سے اسی وقت کسی جگہ سے خراج آیا۔ آپ نے دونوں ہاتھوں میں زر نقد بھر کر اس عورت کو دے دیا۔ (مدارج النبوۃ جلد اوّل ص ۵۹)

رمضان المبارک میں کثرتِ سخا

حضرت عبداللہ بن عباس رضہ کا بیان ہے کہ رسُولِ خدا صلعم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور آپ کی سب سے زیادہ سخاوت ماہِ صیام میں ہوتی تھی۔ حضرت جبریل آپ سے ملتے تو آپ چلتی ہوا سے بھی زیادہ سرعت اور تیزی کے ساتھ سخاوت کرتے (صحیح مسلم)

حضور نے کوئی ترکہ نہ چھوڑا

رسُولِ امین صلعم کی حالت یہ تھی کہ آپ کمالِ سخا کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے، یہاں تک کہ جب آپ نے وفات پائی تو آپ کی زرہ اہل و عیال کی ضروریات میں رہن رکھی ہوئی تھی اور آپ اپنے ذاتی خرچ، پوشاک اور مسکن میں صرف قدرِ اکتفا پر اکتفا فرماتے

Marfat.com

تھے اور اکثر اوقات آپ کمّل، موٹا کھیس اور گاڑھی چادر پہنتے تھے حالانکہ آپ بعض اوقات اپنے اصحابؓ کو دیبا کی قبائیں، جن میں سونے کے تار بُنے ہوتے، تعقیم فرماتے تھے۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "رسول اللہ صلعم دُنیا سے رحلت فرماتے وقت نہ کوئی درہم و دینار چھوڑ گئے، نہ کوئی بکری یا اونٹ اور نہ کسی مال کی وصیّت کر گئے" (مسلم) اور اُمّ المومنین حضرت جویریہ رضہ کے بھائی حضرت عمروؓ بن حارث نے کہا: "نبی صلعم نے اپنی وفات کے وقت نہ کوئی دینار و درہم چھوڑا، نہ کوئی غلام یا لونڈی، نہ کوئی اَور چیز چھوڑی سوا سفید خچرؔ، اسلحہ اور زمین کے، جسے آپ نے صدقہ قرار دیا تھا" (بخاری)

نادار نو واردوں کو صدقہ

اگر رحمۃؐ للعالمین صلعم کسی مفلوک الحال جماعت کو بیکسی کی حالت میں دیکھتے تو آپ کا دریائے رحم جوش میں آجاتا اور یہ دیکھ کر کہ حضورؐ کی انفرادی امداد ان کے درد کا مداوا نہ ہو سکے گی، صحابۂ کرام رضہ کو صدقہ دینے کی ترغیب دیتے۔ ایک مرتبہ کچھ برہنہ پا، برہنہ تن آدمی گلے میں چمڑے کی کفنیاں ڈالے یا چمڑے کی عبائیں پہنے اور تلواریں لٹکائے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے اکثر قبیلہ مُضر کے افراد تھے۔ ان کا فقر و فاقہ دیکھ کر آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیّر ہو گیا اور سخت پریشان ہوئے عالمِ اضطراب میں آپ گھر کے اندر گئے اور باہر آئے۔

نمازِ ظہر کا وقت ہو چلا تھا۔ آپ نے حضرت بلال رضہ کو اذان کا حکم دیا۔ صحابۂ کرام رضہ نماز کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ نے نماز کے بعد خطبہ دیا، جس میں انھیں صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ اس وعظ سے متأثّر ہو کر کسی نے دینار، کسی نے درہم، کسی نے کپڑا، کسی نے گیہوں، کسی نے کھجور، کسی نے کھانے کا دوسرا سامان لانا شروع کیا۔ انصار میں سے ایک بزرگ زرِ نقد کی تھیلی اٹھا لائے۔ یہ اتنی بوجھل تھی کہ وہ بمشکل اٹھا کر لا سکے اور لاتے لاتے تھک گئے۔ کھانے، کپڑے اور زرِ نقد کے ڈھیر لگ گئے

اور اپنے اخوان مذہب سے صحابۂ کرام رضؓ کی عملی ہمدردی کا مشاہدہ کر کے حضورؐ کا رخِ انور انور خوشی سے کندن کی طرح دمکنے لگا۔ (مسلم ونسائی)

جاگیر اور حکومت کا عطیہ

آپ کے بذل وعطا میں جاگیر کا عطیہ اور شہروں کی حکومت بھی داخل تھی حضرت وائل بن حجر صحابی رضؓ نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! مجھے بھی کوئی جاگیر عطا فرمایئے"۔ آپ نے اس درخواست کو شرف قبول بخشا اور علاقہ حضر موت میں ایک زمین عطا فرما کر اپنے منشی معاویہ بن ابوسفیان کو حکم دیا کہ ان کی زمین کی پیمائش کر کے انھیں کو قبضہ دے دیں۔ (ترمذی)

ایلہ کے حاکم نے آپ کو ایک سفید خچر ہدیۃً بھیجا تو آپ نے اس کے لیے ایک چادر بھجوائی اور شہر کی حکومت اس کے نام لکھ دی (بخاری) اور بخاری کی روایت میں حضرت عمرو رضؓ بن حارث نے جس سفید خچر کا ذکر کیا ہے وہ یہی ہے جو حاکم ایلہ نے تحفۃً بھیجا تھا۔ حضرت عمرو رضؓ بن حارث نے متروکاتِ نبوی میں جس زمین کا ذکر کیا ہے وہ مدینہ منورہ، فدک اور خیبر میں تھی۔ مدینہ منورہ میں یہ زمین وہ تھی جو بنی نضیر سے حاصل ہوئی تھی۔

آنحضرتؐ نے ان تینوں جائدادوں کی آمدنی مختلف مدوں میں تقسیم کر رکھی تھی۔ مدینہ منورہ کی جائداد سے جو آمدنی تھی، وہ ناگہانی ملی ضروریات کے لیے وقف تھی۔ فدک کی آمدنی مسافروں کے لیے مخصوص تھی۔ خیبر کے محاصل آپ تین حصوں میں تقسیم فرماتے تھے۔ دو حصے عام مسلمانوں کو ملتے تھے اور تیسرے حصے سے امہات المومنین کو ایک ایک سال کا خرچ پیشگی دیا جاتا تھا۔ اس میں سے جو بچ رہتا وہ نادار مہاجروں کی اعانت میں خرچ ہوتا تھا۔ (ابوداؤد) آپ کے بعد خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے بھی ان مداخل ومخارج کو علیٰ حالہا جاری رکھا۔

وفود اور قاصدوں کو عطیات

فتح مکہ کے بعد اطراف واکناف ملک سے ملکی اور مذہبی وفود بکثرت آنے لگے تھے۔ آپ حسب حاجت انھیں بھی انعام واکرام سے سرفراز فرماتے تھے۔ تبلیغی نقطۂ نظر سے

قبائل پر اس کا اچھا اثر پڑتا تھا۔ پیشوائے امت صلعم نے رحلت کے وقت جو وصیتیں فرمائی تھیں، ان میں ایک یہ بھی تھی کہ جس طرح میں وفود کو عطیات دیا کرتا تھا، تم بھی اسی طرح دیا کرنا۔ (بخاری)

غزوۂ تبوک کے ایام میں قیصر ہرقل والی قسطنطنیہ کا قاصد آیا تو آپ نے بوقت رخصت معذرت کی کہ ہم لوگ اس وقت سفر میں ہیں۔ اگر ممکن ہوتا تو ہم تمھیں مقیم ہو کر صلہ دیں گے۔ حضرت عثمان ذو النورین رضؓ نے سنا تو وہ حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے: "یا رسول اللہ! میں صلہ دوں گا۔" چنانچہ اپنے توشہ دان سے ایک حلۂ صفوریہ نکال کر قیصری سفیر کو دیا (مسند امام احمد)

تیئیسواں باب

زہد و قناعت

دنیا رفتنی و گزشتنی ہے۔ یہ عالم آب و گل انسان کا اصلی وطن نہیں، بلکہ ابن آدم یہاں محض عارضی طور پر محض مسافرانہ حیثیت سے وارد ہے۔ اس لیے سید کائنات صلعم نے یہاں کی فانی نعمتوں سے کبھی جی نہ لگایا اور ان سے ہمیشہ کم از کم بقدر کفاف فائدہ اٹھایا۔ آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا: "دنیا میں اس طرح رہو گویا مسافر ہو" (بخاری)

ایک مرتبہ آپ ایک کھردری چٹائی پر لیٹے رہے اور جب اٹھے تو چٹائی کے نقش جسم اطہر پر نمایاں تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود صحابیؓ کہنے لگے: "یا رسولؐ اللہ اگر آپ فرمائیں تو ہم آپ کے لیے فرش تیار کر دیں۔" آپ نے فرمایا: "مجھے دنیا سے کیا واسطہ، میں تو دنیا میں سوار کی مانند ہوں، جو تھوڑی دیر درخت کے سایے میں سستا کر وہاں سے چل کھڑا ہوا اور درخت کو چھوڑ گیا۔" (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

ابو امامہ باہلیؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا: "میرے پروردگار نے میرے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے سارے بطحا مکہ کو سونا بنا دوں۔" میں نے التماس کی: "اے میرے پروردگار! میری یہ خواہش نہیں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھانا کھاؤں تو دوسرے دن بھوکا رہوں۔ جب بھوکا رہوں تو تیری جناب میں تضرع و عاجزی کروں اور تجھے خوب یاد کروں۔ جب سیر ہوں تو تیری حمد و ثنا کروں اور شکر بجا لاؤں۔" (احمد و ترمذی)

بادشاہی کو ٹھکرا دیا ایک مرتبہ آپ نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا: "اے عائشہؓ! اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلنے لگیں۔ ایک قوی ہیکل فرشتہ میرے پاس آ کر کہنے لگا: "رب جلیل آپ کو سلام کہتا اور فرماتا ہے کہ اے محمدؐ! اگر آپ ایسے نبی رہنا چاہتے ہوں جو صفت بندگی

فقر سے موصوف ہو تو اس صفت پر رہیے اور اگر مرضی ہو تو نبوّت کے ساتھ بادشاہی بھی عطا کروں۔" میں نے اس بارے میں جبرئیل علیہ السلام کی طرف بغرض صلاح و مشورہ دیکھا۔ انھوں نے کہا: "بندہ اور فقیر رہنا پسند کیجیے، بادشاہی اور دولت کو اختیار نہ کیجیے" چنانچہ میں نے کہہ دیا: "میں نبوّت کے ساتھ بادشاہت نہیں چاہتا بلکہ نبی اور بندہ بن کر رہنا چاہتا ہوں" (مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنہ) یہی وجہ تھی کہ آپ نے منصب نبوّت پر سرفراز ہونے کے بعد ہمیشہ فقر و فاقہ اختیار کیے رکھا۔

تکلّفات سے نفرت

پیغمبر خدا صلعم کو نا ئد از حاجت مکان، غیر ضروری سامان اور تکلّفات ناپسند تھے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ فرماتی ہیں: "ایک مرتبہ نبی صلعم سفر میں تھے اور میں آپ کے قدوم کی منتظر تھی۔ میں نے ایک پردہ لے کر دروازے کی دیوار پر لٹکا دیا۔ جب آپ تشریف لائے تو میں آپ کے استقبال اور سلام کے لیے اٹھی اور کہا: "السّلام علیک یا رسُول اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔" اس کے بعد میں نے کہا: "اُس خدائے برتر کا ہزار ہزار شکر ہے جس نے آپ کو نوازا اور عزّت دی" معًا آپ کی نظرِ مبارک پردے پر جا پڑی۔ آپ نے میرے سلام کا کچھ جواب نہ دیا اور میں نے دیکھا کہ آپ کے رُخ انور پر ناراضی کے آثار نمایاں ہیں۔ آپ پردے کے پاس تشریف لائے اور اُسے اُتار دیا اور فرمایا: "خدا نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ ہم اُس کے عطیے میں سے اینٹ اور پتھر کو کپڑے پہنائیں"

اُمّ المؤمنین فرماتی ہیں: "میں نے پر پردہ کاٹ کر اس کے دو تکیے بنا لیے اور ان کے اندر پوستِ خرما بھر دیا۔" (ابوداؤد)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ:-

حضرت رسالت مآب صلعم کا معمول تھا کہ سفر سے واپس آنے کے بعد سب سے پہلے سیّدۃ النّساء جناب فاطمہ زہرا رضہ سے آکر ملتے۔ ایک مرتبہ مراجعت سفر کے بعد آپ سیّدہ فاطمہ رضہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے دروازے پر ایک منقش پردہ لٹک رہا تھا۔ آپ گھر کے اندر نہ گئے۔ باہر ہی سے لوٹ آئے۔

Marfat.com

تھوڑی دیر میں حضرت علی مرتضیٰ رضؓ گھر میں تشریف لائے تو سیدۃ النساء رضؓ کو رنجیدہ اور محزون پایا۔ پوچھنے لگے: "اس غم واندوہ کی وجہ کیا ہے"؟ فرمایا: "نبی صلعم یہاں تشریف لائے تھے، لیکن باہر ہی سے واپس چلے گئے"۔ یہ سن کر حضرت علی رضؓ آستان نبوت میں پہنچے اور بولے: "یارسول اللہ! آپ غریب خانے پر تشریف لے گئے، لیکن اندر داخل ہوئے بغیر لوٹ آئے۔ اس کی وجہ سے حضور کی صاحبزادی بہت غمزدہ ہیں"۔

آپ نے فرمایا: "مجھ سے اور نقش ونگار سے کیا علاقہ اور مجھے دنیا سے کیا واسطہ"؟ یہ سن کر حضرت علی رضؓ گھر پہنچے اور حضورؐ کا ارشاد جا سنایا۔ حضرت فاطمہ رضؓ نے فرمایا: "اچھا ذرا جا کر حضورؐ سے یہ بھی پوچھ آؤ کہ میں اس پردے کو کیا کروں"؟ حضرت علی رضؓ نے آکر پوچھا تو آپ نے فرمایا: "جاکر کہہ دو کہ فلاں فلاں لوگوں کو بھیج دیں"۔ (رواہ ابوداؤد)

پیغمبری سے بادشاہی کا طعن

چونکہ ہجرت کے بعد فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور کشورکشائی پر ظاہر بینوں کو سلطنت اور جہانبانی کا دھوکا ہوتا تھا، اس لیے اہل فرنگ عموماً طعن کیا کرتے ہیں کہ محمد (صلعم) مکہ میں تو واقعی پیغمبر تھے، لیکن مدینہ جاکر آپ پیغمبر سے بادشاہ ہو گئے، مگر قابلِ غور امر یہ ہے کہ کیا دنیا میں کوئی ایسا بادشاہ گزرا ہے، جسے اسراف، تکلفات اور شان وشوکت سے نفرت ہو، جس کا مسکن، جس کی پوشش، جس کی غذا، جس کے اہل وعیال کی معیشت اور بود وباش پیغمبر عربی صلعم اور آپ کے اہل بیت کے طرز زندگی سے کچھ بھی نسبت رکھتی ہو؟ اور جب یہ دیکھا جائے کہ آپ کا فقر وفاقہ اور غریبانہ معیشت ومسکنت اختیاری تھی، غرباء ومساکین کی طرح اضطراری نہ تھی تو ہمیں یہ بھی آپ کی نبوت ورسالت کی ایک واضح دلیل ملتی ہے۔ سب سے پہلے آپ کے مسکن مبارک کو لیجیے۔

کاشانۂ نبوی کا ایک نظارہ

ہجرت کے بعد جب ہادیٔ انام صلعم نے مسجد نبوی شروع کی تو بنائے مسجد کے ساتھ دو حجرے بھی تعمیر کرائے۔ ایک حجرہ حضرت عائشہ رضؓ کے لیے اور دوسرا حضرت سودہ رضؓ کے لیے۔

Marfat.com

پھر جوں جوں اُمّہات المؤمنین رضی اللہ عنہن آپ کی سلک ازدواج میں منسلک ہوتی گئیں، ان کے لیے مسجد کے چاروں طرف جدید چھوٹے چھوٹے حجرے تعمیر ہوتے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح تو مکۂ معظمہ ہی میں ہو چکا تھا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ہجرت کے بعد رخصت ہو کر رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جس مسکن مبارک یعنی حجرۂ مسجد میں تشریف لائیں، وہ مسجد کی شرقی جانب تھا۔ اس کا ایک دروازہ اس طرح مسجد میں کھلتا تھا کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے صحن کی حیثیت رکھتی تھی اور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اسی دروازے سے مسجد میں داخل ہوا کرتے تھے (صحیح بخاری)

سید العرب والعجم صلعم کے جن حجروں میں اُمّہات المؤمنین رضی اللہ عنہن رہتی تھیں وہ سب چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں تھیں۔ ان حجروں کی وسعت تین ساڑھے تین گز سے زیادہ نہ تھی۔ ان حجروں کی بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر ہاتھ اٹھاتا تو چھت سے جا لگتا۔ دیواریں مٹی کی تھیں۔ تمام حجرے شاخ ہائے خرما اور کھجور کے پتوں سے مسقف تھے (ابوداؤد وغیرہ) ان حجروں کے ساتھ نہ کوئی صحن تھا نہ دالان اور نہ کوئی اَور ملحقہ کمرہ۔ مٹی کی دیواریں اس قدر کمزور تھیں کہ ان میں شگاف پڑے ہوئے تھے جن کی وجہ سے دھوپ اندر آتی تھی۔ بارش سے بچنے کے لیے بال کے کملی حجروں کے گرد لپیٹنے پڑتے تھے۔ ان حجروں کے دروازوں پر پردہ یا ایک ایک پٹ کا کواڑ تھا (ادب المفرد بخاری)

پیغمبر خدا صلعم رات کے وقت باری باری ان حجروں میں بسر فرماتے۔ دن کے وقت مسجد میں تشریف رکھتے اور مسجد ہی ان حجروں کی مردانہ نشست گاہ تھی۔ حجروں کے علاوہ ایک بالاخانہ بھی تھا جس کی کل کائنات یہ تھی: ایک چٹائی، ایک چارپائی، ایک بستر، ایک تکیہ جس میں چھال بھری تھی۔ دو مٹکے تھے۔ ان میں سے ایک میں وقت ضرورت کھجوریں اور دوسرے میں آٹا رہتا تھا۔ ایک گھڑا اور ایک پیالہ تھا (بخاری وغیرہ)

گو حجرات مبارکہ سے آفتاب ہدایت طلوع ہو کر دنیا میں ضیا گستر تھا لیکن ان میں چراغ تک نہ جلتا تھا (صحیح بخاری) دوسری روایت میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "وہ چالیس چالیس راتیں گزر جاتی تھیں اور گھر میں چراغ نہ جلتا تھا۔" (مسند ابوداؤد طیالسی)

Marfat.com

جن ایام میں خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ولید بن عبدالملک اُموی کی طرف سے مدینہ منورہ کے حاکم تھے، ولید نے انھیں حکم بھیجا کہ مسجد نبوی صلعم کے اِردگرد جس قدر مکانات ہوں، انھیں خرید کر مسجد نبوی صلعم کی توسیع کریں اور حجراتِ ازواج النبی صلعم کو بھی ان کے مالکوں سے خرید کر مسجد میں داخل کر دیں۔ کہتے ہیں کہ جس روز ولید کا حکم مدینہ منورہ آیا اور پیغمبر خدا صلعم کے حجرے منہدم کیے گئے۔ شہر میں کہرام مچا ہُوا تھا اور کوئی متنفس ایسا نہ تھا جو پیغمبر صلعم خدا کی اس یادگار کے مٹنے پر اشکبار نہ ہو۔ سعید بن مسیبؒ جو ایک جلیل القدر تابعی گزرے ہیں، کہتے تھے: "کاش رسولِ خدا صلعم کے حجروں کو بحال رہنے دیا جاتا تاکہ لوگ دیکھا کرتے شہنشاہِ دو عالم صلعم اور آپ کے اہل بیت نے اس دارِ فنا میں حیاتِ مستعار کس طرح بسر فرمائی تھی۔"

سیّدِ عالم صلعم کا لباس

آنحضرت صلعم عموماً زاہدانہ اور مسکینوں کا سا لباس پہنتے تھے۔ ابو بُردہ کا بیان ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضہ نے ہمارے سامنے ایک موٹا تہمد، ایک پُرانا کمّل نکالا، جس میں پیوند لگا ہُوا تھا اور فرمایا: "حضرت خیرالبشر صلعم کی وفات انھیں دو کپڑوں میں ہوئی تھی (بخاری ومسلم) اور حضرت عائشہ رضہ کا بیان ہے کہ نبی صلعم کے پاس کوئی ایسا فالتو کپڑا نہ ہوتا تھا جو تہ کر کے رکھا جا سکتا (ابن ماجہ) اور حضرت عائشہ رضہ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلعم کا بچھونا، جس پر آپ سوتے تھے، چمڑے کا تھا، جس میں (روئی کے بجائے) کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور آپ کا سرہانا بھی، جس پر آپ تکیہ کرتے، چمڑے کا تھا جس میں پوست خرما بھرا ہُوا تھا۔ (بخاری ومسلم)

جس دن سرورِ کون ومکان صلعم نے وصال سے چند ماہ پیشتر مکّہ معظمہ میں حجۃ الوداع کا خطبہ دیا، اس وقت سارا عرب آپ کے قدموں پر نثار ہو رہا تھا اور مؤرخوں نے لکھا کہ آپ لاکھوں انسانوں کے مجمع میں دنیا کا آخری اصلاحی لائحۂ عمل پیش کر رہے تھے تو اس وقت شہنشاہِ عالم صلعم کے تختِ شہنشاہی کا مسند و بالین (کجاوہ) چار درہم (تقریباً سوا روپیہ) سے زیادہ نہ تھا۔ (ابن سعد)

ازواج طاہرات رضی اللہ عنہن کا لباس

دنیادار اپنی بیوی کو جس قدر زیادہ چاہتا ہے، اسی قدر اس کے لیے ریشمی لباس، سونے کا زیور، جواہرات اور سامان آرائش زیادہ فراہم کرتا ہے۔ پیغمبر خدا صلعم کو بھی بیویوں سے محبت تھی، لیکن اس کا اظہار آپ کی طرف سے کبھی دنیادارانہ طریقے سے نہ ہُوا اور آپ نے ان کے لیے کبھی پُر تکلف لباس مہیا نہ کیا۔

چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ بڑی عالمہ تھیں، ان کی ذات مبارک سے دین کی خدمت سب سے زیادہ ہو رہی تھی اور آپ دین کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے اس لیے جناب صدیقہ رضہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں، لیکن اس محبت کا اظہار لباس زیور اور دُنیوی آرائش کی شکل میں کبھی نہ ہُوا۔ تمام ازواج طاہرات رضی کا جو لباس تھا، وہی حضرت عائشہ رضہ کا تھا۔ چنانچہ وہی فرماتی ہیں: "ہم تمام بیبیوں کے پاس صرف ایک ایک کپڑا تھا۔" (صحیح بخاری)

اگر کبھی نبی صلعم امہات المؤمنین رضی میں سے کسی کے بدن پر اچھا لباس یا طلائی زیور دیکھ پاتے تو اسی وقت اُترو ادیتے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضہ نے سونے کے کنگن پہنے۔ آپ نے (اُترو ادیے اور) فرمایا: "اگر وَرس (ایک قسم کی گھاس) کے (نقلی) کنگن زعفران سے رنگ کر پہن لیتیں تو اس سے بہتر تھا۔" آپ ازواج مطہرات رضی سے فرمایا کرتے تھے: "اگر تمھیں اس کی آرزو ہو کہ جنت میں اعلیٰ درجے کا سامان آرائش ملے تو دنیا میں ریشمی اور دوسری قسم کے پُر تکلف لباس اور سونے کے زیور سے پرہیز کرو۔" (نسائی کتاب الزینۃ)

امہات المؤمنین رضی جو لباس بھی پہنتی تھیں، وہ کھدر کی قسم کا موٹا ہوتا تھا، چنانچہ عبدالواحد بن ایمن کا بیان ہے کہ میرے والد ایمن اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت اُم المؤمنین رضہ نے موٹے کپڑے کا ایک کرتا (درع قِطری) پہن رکھا تھا، جس کی قیمت پانچ درم (تقریباً ڈیڑھ روپیہ) تھی۔ اُم المؤمنین رضی دورانِ گفتگو میں فرمانے لگیں: "میری اس لونڈی کا غرور دیکھو کہ میں نے اسے اسی کے ساتھ کا کرتا پہننے کو دیا ہے لیکن اسے اس کرتے سے اتنی نفرت ہے کہ اسے گھر میں پہننا بھی گوارا

Marfat.com

نہیں، حالانکہ رسولِ خدا صلعم کے عہد سعادت میں میرا اسی کے ساتھ کا ایک کرتا تھا اور حالت یہ تھی کہ جب مدینہ منورہ میں کسی لڑکی کی شادی ہوتی تو اس کے لیے وہ کرتا بہت خوشنما اور نفیس سمجھ کر مجھ سے مستعار منگوایا جاتا تھا۔" (بخاری)

حضرت زہراء رض کا لباس

ایک مرتبہ رسولِ خدا صلعم حضرت فاطمہ زہراء رض کے پاس آئے تو دیکھا کہ انھوں نے تنگ دستی کی وجہ سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھ رکھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہیں تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپاتی ہیں تو سر برہنہ ہو جاتا ہے۔ (ابو داؤد)

یوں تو ہر ایک کو اولاد محبوب ہوتی ہے لیکن محبوب رب العالمین صلعم کو اپنی چھوٹی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رض سے جو محبت تھی، اس کی نظیر کہیں نہ پائی گئی ہوگی۔ آپ نے کبھی دیکھا یا سنا نہ ہوگا کہ کوئی باپ اپنی بیٹی کی آمد پر اس کے احترام میں کھڑا ہو جاتا ہو، لیکن آنحضرت سیدۃ النساء رض کی تشریف آوری پر کھڑے ہو جاتے اور انھیں اپنی جگہ بٹھایا کرتے تھے، مگر یہ غیر معمولی محبت اور حرمت دنیوی ساز و سامان کی شکل میں کبھی ظاہر نہ ہوتی۔

اہل دنیا اپنی لڑکیوں کو ریشمی لباس میں ملبوس اور سونے میں لدا دیکھ کر بڑے خوش ہوتے ہیں لیکن روحانی دنیا کے پیشوائے اعظم صلعم اپنی اولاد کے لیے سامان تجمل ناپسند فرماتے تھے۔ آپ نے حضرت فاطمہ رض کو جس طرح اپنے کاشانۂ زہد میں فانی زیب و زیبائش سے ملوث نہ ہونے دیا، اسی طرح شادی ہو جانے کے بعد بھی آپ ان کے لیے زینت و تجمل کو ناپسند فرماتے رہے۔ ایک مرتبہ حضرت علی مرتضیٰ رض نے انھیں سونے کا ہار لا دیا۔ حضور فخر عالم ؑ کو معلوم ہوا تو فرمایا: "کیوں فاطمہ رض! کیا تمھیں لوگوں کی زبانی یہ سننا پسند ہے کہ رسول اللہ صلعم کی بیٹی آگ کا ہار پہنتی ہے؟"

حضرت فاطمہ رض نے نہ صرف اس ہار کو اتار ہی دیا بلکہ اپنے پاس رکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ اسی وقت بازار بھیج کر فروخت کرا دیا۔ (النسائی کتاب الزینۃ)

آنحضرت ؐ کی غذا

پیغمبر صلعم اپنے پیروؤں کو بقدر کفاف اور ضروری سامان زیست

پر قناعت کرنے کی تعلیم دیا کرتے تھے، چنانچہ ان معنی میں آپ نے فرمایا: "بنی آدم کا ان تین چیزوں سے زیادہ کوئی حق نہیں: رہنے کے لیے گھر، ستر عورت کے لیے کپڑا اور خشک روٹی اور پانی" (ترمذی) چنانچہ خود آپ کا اسی پر عمل تھا۔ مروی ہے کہ آپ کے لیے کبھی پتلی چپاتی نہ پکائی گئی (ترمذی) آپ کے خادم حضرت انس رضہ کا بیان ہے کہ میں نبی ؐ کے پاس آپ کے کھانے کے لیے جو کی روٹی اور کچھ گھٹیا قسم کی چربی لے گیا۔ (بخاری) اسی طرح حضرت انس رضہ نے بتایا کہ سرور انبیاء صلعم جو کی روٹی کھاتے تھے۔ یہ روٹی ایسے موٹے آٹے کی ہوتی تھی کہ اس کا لقمہ پانی کے گھونٹ کے بغیر حلق سے نہیں اترتا تھا۔ (ابن ماجہ)

مروی ہے کہ جب تک سردار دو عالم صلعم اس سرائے فانی میں قیام فرما رہے مدینۂ منورہ میں آٹا چھاننے یا میدے کی روٹی کھانے کا رواج نہ ہوا، بلکہ گیہوں کا میدہ اور چھلنی لوگوں نے دیکھی تک نہ تھی۔ ابو حازم نے سہل بن سعد ساعدی سے دریافت کیا: "تم نے کبھی میدہ دیکھا ہے؟" انھوں نے کہا: "نہیں"۔ پھر پوچھا: "کیا عہد نبوی میں لوگوں کے گھروں میں چھلنیاں تھیں؟" حضرت سہل بولے: "جب تک آپ کا انتقال نہیں ہوا، چھلنی میری نظر سے کبھی نہیں گزری تھی"۔ ابو حازم پوچھنے لگے: "کیا جو کا آٹا چھانے بغیر پکا لیا جاتا تھا؟" انھوں نے کہا: "ہاں آٹا پیس کر پھونک لیتے تھے۔ اس کی موٹی بھوسی اُڑ جاتی تھی۔ جو باقی رہتا، اُسے گوندھ کر روٹی پکا لیتے"۔ اُمّ ایمن نے ایک مرتبہ آٹا چھان کر اس کی روٹی تیار کرنی چاہی۔ نبی صلعم نے پوچھا: "یہ کیسا آٹا ہے؟" وہ بولیں: "ہمارے وطن میں ایسی ہی روٹی بنتی ہے۔ میں نے چاہا کہ آج آپ کو اپنی وطنی روٹی کھلاؤں"۔ آپ نے فرمایا: "نہیں، بھوسی جو نکلی ہے، وہ اسی میں ڈال دو اور اسے دوبارہ گوندھو"۔ (ابن ماجہ)

بہت کم ایسا اتفاق ہوتا کہ نبی صلعم کے پاک گھروں میں جو کل کے لیے پس انداز ہو گئے ہوں۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں: "جب آنحضرت صلعم محنت سرائے دنیا سے منہ موڑ کر عالم برزخ کو تشریف لے گئے تو تھوڑے سے جَو کے سوا، جو طاق میں

دیکھتے رہ گئے تھے میرے گھر میں کوئی ایسی چیز موجود نہ تھی جو کسی ذی روح کے کھانے کے کام آسکتی۔ میں نے یہی جَو پیس پیس کر کھانے شروع کیے۔ خدا نے ان میں ایسی برکت ڈالی کہ مدّت تک میں جَو کھاتی رہی۔ آخر ایک دن میں نے انھیں ناپا تو فوراً ختم ہو گئے اور ان میں سے کچھ باقی نہ رہا۔" (بخاری)

سیّد المرسلینؐ کی کم خوری

بقدر سدِّ رمق غذا تناول کرنا بھی انبیاء اور علماء کا معمول رہا ہے۔ پیشوائے امّت صلعم چند لقموں سے زیادہ کھانا نہ کھاتے تھے اور اپنے پیروؤں کے لیے بھی یہ بات پسند نہ فرماتے تھے کہ پیٹ بھر کر کھانا کھائیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے آپ کے سامنے ڈکار لی (آپ کو اس سے نفرت ہوئی اور) فرمایا: "اپنی ڈکار دُور رکھو، قیامت کے دن بھوک کی تکلیف زیادہ عرصہ انھیں لوگوں کو ہو گی، جو دنیا میں زیادہ پیٹ بھرتے ہیں" (ترمذی، ابن ماجہ، حاکم فی المستدرک) قیامت کا دن بڑا طویل ہوگا۔ کھانے کو کوئی چیز میسّر نہ ہوگی، اس دن زیادہ شکم سیر رہنے والے زیادہ تکلیف اور رنج اٹھائیں گے۔

نبی صلعم نے فرمایا: "آدمی نے کوئی ظرف ایسا نہیں بھرا جو اس کے بھرے شکم سے بدتر ہو۔ ابن آدم کو چند لقمے کفایت کرتے ہیں جو اس کی پیٹھ کھڑی رکھیں اور اگر انسان پر اُس کا نفس غالب ہو تو شکم کا تہائی حصّہ کھانے کے لیے، تہائی پینے کے لیے اور تہائی سانس لینے کے لیے رکھے" (ترمذی، ابن ماجہ، حاکم فی المستدرک)

امام ابن جوزی رح فرماتے ہیں: "شارع علیہ السلام نے اس قدر کھانے کا حکم دیا جو نفس کو قائم رکھے۔ اس میں نفس کی حفاظت اور اس کی مصلحت کے لیے کوشش ہے۔ شارع ؑ کی اس تہائی تہائی کی تقسیم کو اگر بقراط بھی سن لیتا تو یہ حکمت دیکھ کر محوِ حیرت رہ جاتا، کیونکہ کھانا اور پانی معدے میں جاکر پھولتے ہیں، اُس کے بھر دینے کے قریب ہو جاتے ہیں اور تہائی کے قریب سانس کے لیے رہ جاتا ہے۔ یہ تقسیم نہایت اعتدال پہ واقع ہوئی ہے۔ اگر اس سے تھوڑا سا کم ہو جائے تو کچھ مضر نہیں اور اگر زیادہ کمی کی جائے تو جسمانی قوت میں ضعف آجائے گا اور کھانے کے منفذ تنگ ہو جائیں گے، اس لیے ایسا بھی

نہ کرنا چاہیے۔"

مالک بن دینار سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے نہ کبھی روٹی شکم سیر ہو کر کھائی اور نہ گوشت بجز اس صورت کے کہ کوئی مہمان آیا ہوتا (رواہ الترمذی فی الشمائل) کیونکہ اگر آپ میزبان ہونے کی صورت میں بھی معمول کے مطابق چند لقمے غذا پر اکتفا کرتے تو مہمان آپ کے ساتھ کھانے سے دست بردار ہو کر بھوکا رہتا۔ اس لیے اس کی خاطر پیٹ بھر کر کھانا ہی مراد ہے ورنہ آپ بالکل شکم سیر مدت العمر کبھی نہ ہوئے اور نہ یہ آپ کی شان ارفع کے لائق تھا۔

سرورِ دو جہاںؐ کی فاقہ کشی

اگر حامل نبوت صلعم چاہتے تو دنیا بھر کی نعمتیں جمع کر لیتے اور ان میں کوئی کمی نہ آتی، لیکن آپ نے اپنی خواہش سے فقر و فاقہ اختیار کر رکھا تھا اور یہ آپ کا عزیز ترین معمول تھا۔ ساتھ ہی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ذاتی جائداد کی آمدنی بھی ملی ضروریات اور غربار و مساکین کے حوائج میں خرچ کر دیتے تھے۔ آپ اس آمدنی سے اہل و عیال کی یک سالہ قوت کے سوا کچھ نہ لیتے تھے اور جو لیتے، اُس میں بھی ایثار کا طریقہ جاری تھا۔ آپ کی ازواجِ مطہرات بھی غیر معمولی فیاضی کے باعث قبل از انقضائے سال محتاج ہو جاتی تھیں۔

پیغمبر صلعم اکثر گرسنہ رہتے تھے اور دونوں وقت کھانا تو آپ نے کبھی کھایا ہی نہ ہوگا۔ مسروق تابعی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے میرے لیے کھانا منگوایا اور فرمایا: "میں نے کسی روز سیر ہو کر ایسا کھانا نہیں کھایا جس کے بعد میں رو نہ دی ہوں۔" مسروق نے عرض کی: "اُمّ المومنینؓ! آپ کیوں روتی ہیں؟" فرمایا: "میں اس حال کو یاد کرتی ہوں جس میں رسولِ خدا صلعم نے دنیا کو الوداع کہا۔ بخدا آپ مدت العمر دونوں وقت کبھی سیر نہ ہوئے۔"

(ترمذی)

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضؓ ایک قوم پر گزرے ان لوگوں کے آگے بھُنی ہوئی بکری رکھی تھی۔ انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضؓ کو بھی کھانے پر بلایا لیکن انھوں نے

یہ کہہ کر اس کے کھانے سے انکار کر دیا، نبی صلعم ایسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے تھے کہ آپ نے کبھی جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہ کھائی (بخاری)

حضرت فاروقِ اعظم رضؓ کا بیان ہے کہ میں نے سرورِ دو جہان صلعم کو شدّتِ گرسنگی سے کروٹیں بدلتے اور پیٹ الٹتے دیکھا۔ ان دنوں ادنیٰ قسم کی کھجوریں بھی مہیا نہ تھیں، جن سے شکم پُری کر سکتے۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس تازہ کھانا آیا۔ آپ نے کھا کر واہب کردگار کا شکر ادا کیا اور فرمایا: "اتنے دن سے شکم میں تازہ غذا نہیں گئی تھی" (ابن ماجہ)

نبی صلعم کے گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا اور رات کو تو اکثر آپ اور سارا گھر بھوکا سو رہتا تھا۔ چنانچہ مروی ہے:۔

کان رسول اللہ یبیت	آپ اور آپ کے اہل و عیال کئی
اللیالی المتابعۃ طاویاً	کئی رات بھوکے رہ جاتے تھے کیونکہ
ھو واھلہ لایجدون	رات کا کھانا میسّر نہ ہوتا تھا۔
عشاء۔	(ترمذی معیشۃ النبیؐ)

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ ہم ایک چاند دیکھتے تھے، پھر دوسرا، پھر تیسرا چاند دیکھتے تھے اور اس مدّت میں نبی صلعم کے گھروں میں آگ نہیں جلتی تھی۔ اُمّ المومنین کے خواہر زادہ عُروہ بن زبیر رضؓ نے پوچھا: "آخر گزارہ کس چیز پر تھا؟" فرمایا: "چند کھجوریں کھا کر اوپر سے پانی پی لیا کرتے تھے، البتہ چند انصار ہمارے ہمسایہ تھے، وہ آنحضرتؐ کے لیے دودھ بھیجتے تو آپ وہ دودھ ہمیں (ازواج کو) پلا دیا کرتے تھے۔" (بخاری و مسلم) ابوطلحہ انصاری رضؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہم نے رسولِ خدا صلعم سے بھوک کا شکوہ کیا اور اپنے پیٹوں سے ایک ایک پتھر کھول کر دکھایا، لیکن پیشوائے اُمّت نے شکمِ مبارک سے دو پتھر کھولے (ترمذی) مطلب یہ تھا کہ اگر تم نے بھوک کی وجہ سے ایک ایک پتھر باندھ رکھا ہے تو مجھے بھوک نے دو پتھر باندھنے پر مجبور کیا ہے۔ عرب میں رواج تھا کہ شدّتِ گرسنگی کے وقت لوگ پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے کہ پیٹ میں قوّت ہو، کمر سیدھی رہے اور راہ چلنے اور کھڑے ہونے میں

سہولت رہے۔

اکثر ایسا ہوتا کہ آپ صبح کے بعد ازواج مطہراتؓ کے پاس تشریف لے جاتے اور دریافت فرماتے: "آج کچھ کھانے کو ہے؟" جب وہ عرض کرتیں کہ کچھ نہیں تو آپ فرماتے "اچھا میں نے روزہ رکھ لیا" (رواہ احمد و مسلم) یہ تو عام اتفاقی نفلی روزے تھے لیکن آپ ملے کے روزے (صوم وصال) رکھنے کے بھی عادی تھے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے ملے کے روزے رکھنے سے منع فرمایا: ایک شخص عرض پیرا ہوا: "یا رسول اللہ! آپ تو ملے کا روزہ رکھتے ہیں، پھر ممانعت کی وجہ کیا ہے؟" فرمایا: "تم میں میری مانند کون ہے؟ میں تو اس طرح رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔" (رواہ البخاری و مسلم)

ملے کا روزہ یہ ہے کہ شام کو افطار کیے بغیر اگلے دن کا روزہ شروع کر دیا جائے۔ علماء نے لکھا ہے کہ صوم وصال نبی صلعم کے خصائص میں سے ہے۔ امت پر حرام ہے اور بعض نے کہا کہ یہ نہی رحمت اور شفقت کی بناء پر ہے۔

اہل بیت کی فاقہ کشی

پیغمبر خدا صلعم کی ایک دعا یہ تھی: "الہٰی! آل محمدؐ کا رزق قوت بنا" اور دوسری روایت میں "بقدر کفاف رکھ" (بخاری و مسلم) یعنی اسی قدر روزی دے جس میں حیات کی رمق باقی رہے، مال و زر کی بہتات نہ ہو کیونکہ کشائش رزق میں عموماً غفلت ہو جایا کرتی ہے اور صبر کا مرتبہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ نبی صلعم کی دعا مستجاب ہی کے مطابق اہل بیت نبوت کا رزق بقدر کفاف رہا۔ چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے فرمایا: "آل محمدؐ نے پے در پے دو دن بھی جو کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا، یہاں تک کہ رسولؐ اصلعم کی وفات ہوئی۔" (بخاری و مسلم)

امہات المؤمنینؓ کی بے سروسامانی کا عالم یہ تھا کہ ایک دفعہ کوئی فاقہ کش رحمت عالم صلعم کے پاس آ کر کہنے لگا: "میں خستہ ہوں، میری مدد کیجیے۔" آپ نے اپنی کسی زوجہ مطہرہؓ کے پاس پیغام بھیجا: "اگر کچھ کھانے کو ہو تو بھیج دو۔" انھوں نے

میں کہلا بھیجا: "مجھے اسی ذاتِ برتر کی قسم جس نے آپ کو حق و صداقت کے ساتھ بھیجا ہے، میرے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں۔" پھر آپ نے دوسرے گھر میں کہلا بھیجا تو وہاں سے بھی یہی جواب آیا۔ غرض یکے بعد دیگرے سبھی نے نفی میں جواب دیا۔" (بخاری و مسلم)

آپ کے خادم حضرت انس رضؓ بن مالک کا بیان ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنی زرہ جَو کے بدلے گرو رکھی اور میں نے جو کی روٹی اور گھلیا چربی خرید کر آپ کے سامنے پیش کی آپ فرما رہے تھے: "آلِ محمدؐ کے لیے صبح و شام دو وقتوں کے لیے ایک صاع جو سے زیادہ اناج نہیں ہے۔" ان ایّام میں آنحضرتؐ کے حریمِ قدس میں نو پاک باطن حرمیں تھیں (بخاری)

جب سرورِ عالمؐ کا انتقال ہوا تو سارا عرب مسخر ہو چکا تھا اور مختلف صوبوں سے خزانے کے خزانے لدے چلے آ رہے تھے لیکن جس دن آپ نے دنیائے فانی کو الوداع کہا، حضرت عائشہ رضؓ کے گھر میں ایک بھی دن کے گزارے کا سامان نہ تھا (ترمذی) اور آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس گرو رکھی تھی۔ (بخاری)

حسنؓ و حسینؓ کا بھوک سے رونا

حضورؐ کی صاحبزادی حضرت سیدۃ النساءؓ اور آپ کے عالی قدر نواسوں کی معیشت بھی غریبانہ تھی۔ ایک مرتبہ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ دونوں صاحبزادے حضرت حسن رضؓ اور حضرت حسین رضؓ (جو ہنوز کمسن بچے تھے) رو رہے ہیں۔ پوچھا: "یہ کیوں رو رہے ہیں؟" حضرت فاطمہ رضؓ نے فرمایا: "یہ بھوک سے روتے ہیں اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں۔"

اب مسبب الاسباب نے رزق رسانی کی یہ عجیب صورت پیدا کی کہ حضرت علی رضؓ باہر نکلے تو بازار میں ایک دینار پڑا ہوا پایا۔ اسے اٹھا کر حضرت سیدہ رضؓ کے پاس لے آئے اور ان سے دینار ملنے کا حال بیان کیا۔ انھوں نے کہا: "فلاں یہودی کی دکان سے جا کر آٹا لے آؤ۔" حضرت علی رضؓ نے جا کر آٹا خریدا۔ یہودی (جو حضرت ختم المرسلین صلعم سے حسنِ اعتقاد رکھتا تھا) کہنے لگا: "کیوں جناب! آپ اُن صاحب کی صاحبزادی کے.

شوہر ہیں، جو مدّعیِ نبوّت ہیں؟ حضرت علی رضؓ نے اثبات میں جواب دیا۔ وکاندار نے کہا: "لیجیے اپنا دینار اور آٹا بھی لے جائیے"۔ حضرت علی رضؓ نے قیمت دینے پر بہت اصرار کیا۔ لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہُوا۔

حضرت علی رضؓ آٹا لے کر گھر آئے اور یہودی کے قیمت نہ لینے کا ذکر کیا۔ جناب سیّدہؓ نے فرمایا: "اچھا، اب قصّاب کے پاس جاکر ایک درم کا گوشت لائیے"۔ جناب مرتضیٰ رضؓ قصّاب کے پاس گئے اور دینار کو ایک درم کے عوض میں رہن رکھ کر گوشت لائے۔ جناب سیّدہؓ نے کھانا تیار کیا اور رسُولِ خدا صلعم کو بلا بھیجا۔ آپ تشریف لائے۔ سیّدہؓ نے کہا: "میں نے کھانا تیار کیا ہے، لیکن پہلے اس کی کیفیت سن لیجیے اگر یہ حلال ہے تو ہم بھی کھائیں اور آپ بھی تناول فرمائیں"۔ اور دینار ملنے اور آٹا و گوشت آنے کا حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: "اللہ کا نام لے کر کھالو"۔

جب سب کھا رہے تھے تو ایک لڑکا پکارتا ہُوا دروازے کے سامنے سے گزرا کہ میرا دینار گم ہوگیا ہے، جس کسی نے اٹھایا ہو، میں خدا اور اسلام کا واسطہ دے کر اس سے ملتجی ہوں کہ مجھے واپس دے۔ آپ نے لڑکے کو بلایا اور پوچھا: "تمھارا دینار کہاں گم ہُوا؟" بولا: "بازار میں فلاں جگہ"۔ آپ نے حضرت علی رضؓ سے فرمایا: "تم بازار جاؤ اور میرا نام لے کر کہو کہ وہ دینار واپس دے دے اور درم میں ادا کروں گا"۔ قصّاب نے دینار دے دیا اور وہ لڑکے کے حوالے کر دیا گیا۔ (ابوداؤد)

اپنے ہاتھ سے کام کرنا

حکام اور متموّل لوگوں کی بیگمات اور بیٹیاں پلنگ اور آرام کرسی پر استراحت کے مزے اڑاتی ہیں اور گھر کے سب کام کاج خادمائیں انجام دیتی ہیں، لیکن شاہِ عرب صلعم کی بیگمات اور آپ کی صاحبزادیاں سب کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ اگرچہ گھر میں خادم موجود تھے لیکن آنسرورؐ کی سب سے محبوب بیوی حضرت عائشہ رضؓ گھر کے کام کاج اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں۔ اپنے ہاتھ سے (جَو) پیستی تھیں۔ خود آٹا گوندھتی تھیں، خود روٹی پکاتی تھیں اور آپ کے کپڑے دھوتی تھیں۔ (بخاری)

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے ہاتھ سے آٹا پیسا۔ اس کی روٹیاں پکائیں اور سید عالم صلعم کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگیں۔ رات کا وقت تھا۔ آپ گھر میں آتے ہی نماز (نوافل) میں مصروف ہوگئے اور ام المومنین کی آنکھ لگ گئی (ادب المفرد امام بخاری رح)

سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضؓ آنحضرتؐ کی سب سے پیاری بیٹی تھیں لیکن وہ بھی آپ کی اس محبت سے کوئی دنیوی فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ وہ اس قدر چکی پیستی تھیں کہ ہاتھوں میں چھالے پڑ پڑ جاتے تھے۔ پانی کی مشکیں بھر کر اٹھاتے اٹھاتے سینۂ مبارک پر گھٹے پڑ گئے تھے۔ گھر میں جھاڑو دیتے، برتن مانجتے اور چولھا سلگاتے سلگاتے کپڑے سیاہ ہوجاتے تھے (ابوداؤد) حضرت سیدہ رضؓ نے بڑی کوشش کی اور بار ہا کوشش کی کہ مقتدائے امت صلعم بعض دوسری لڑکیوں کی طرح انھیں بھی کوئی لونڈی غلام مرحمت فرمائیں، لیکن آپ نے انکار فرمایا اور بردہ عطا فرمانے کی جگہ انھیں ہر دفعہ نمازوں کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھنے کا حکم دیا۔ اسی وجہ سے یہ اہم وظیفہ تسبیح فاطمہ رضؓ کے نام سے شہرت پذیر ہے۔

ایک مرتبہ حضرت رسالت مآب صلعم کے چچا زبیر بن عبد المطلب کی دو صاحبزادیاں ام حکم اور ضباعہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراء رضؓ کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور تینوں اپنی تنگ دستی کا شکوہ کر کے عرض کرنے لگیں: "تمام کام اپنے ہاتھ سے کرنے پڑتے ہیں اور معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس قیدی آئے ہیں۔ آپ کوئی لونڈی ہمیں بھی عطا فرمائیں۔" آپ نے فرمایا: "تم سے پہلے وہ لڑکیاں لونڈیوں کی زیادہ مستحق ہیں، جن کے باپ جنگ بدر میں شہید ہوئے تھے، اس لیے یہ تو نہیں ہوسکتا، لیکن میں تمھیں ایک ایسی بات بتاتا ہوں جو تمھارے لیے لونڈیوں سے کہیں بہتر ہے۔ ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ، ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر اور ایک مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا کرو۔" (ابوداؤد)

اسی طرح مروی ہے کہ سید عالم صلعم حضرت فاطمہ زہرا رضؓ کو اپنی اولاد میں

Marfat.com

سب سے زیادہ چاہتے تھے اور حالت یہ تھی کہ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے، پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے سینے میں درد ہو گیا تھا اور جھاڑو دیتے وقت کپڑے غبار آلود ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علی مرتضیٰ اوؓ جناب زہراء رضؓ سے کہنے لگے: "آج رسول خدا صلعم کے پاس قیدی آئے ہیں۔ کاش تم بھی اپنے والد محترم کے پاس جا کر ایک لونڈی مانگتیں"۔ حضرت فاطمہ رضؓ گئیں، لیکن یہ دیکھ کر کہ آپ کے پاس چند آدمی بیٹھے باتیں کر رہے ہیں، واپس چلی آئیں۔

دوسرے دن پھر گئیں۔ آنحضرت صلعم پوچھنے لگے: "بیٹی! کیا کام ہے؟" وہ تو خاموش رہیں، لیکن حضرت علی رضؓ جو پہلے سے آستانِ نبوت میں حاضر تھے، بولے: "یا رسول اللہ! بات یہ ہے کہ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے ہیں اور پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے سینے میں درد ہونے لگا ہے۔ اب حضور صلعم کے پاس قیدی آئے ہیں۔ میں نے انھیں صلاح دی تھی کہ وہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ایک لونڈی کے لیے درخواست کریں تاکہ اس مشقت سے بچ جائیں"۔

یہ سُن کر آپ نے صاحبزادی سے خطاب کر کے فرمایا: "فاطمہ رضؓ! خدا سے ڈرو اور اپنے پروردگار کا حکم بجا لاؤ۔ اپنے گھر کے کام خود ہی کرتی رہو"۔ اس کے بعد فرمایا: "سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ، الحمد للہ ۳۳ مرتبہ اور اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ یہ تمھارے لیے خادم سے بہتر ہوگا"۔ غرض آپ نے قرۃ العین کی درخواست مسترد فرما دی۔ سیدہؓ کہنے لگیں: "یا رسول اللہ! مجھے اللہ اور اس کے رسول صلعم کا حکم بسر و چشم منظور ہے"۔ (ابوداؤد)

اسی طرح حضرت علی مرتضیٰ رضؓ سے مروی ہے کہ فاطمہ زہراء رضؓ یہ شکوہ لے کر سرورِ دو جہاں صلعم کے پاس حاضر ہوئیں کہ چکی پیسنے اور گھر کے دوسرے کام کرنے میں سخت مشقت کا سامنا ہے اور خبر ملی ہے کہ آپ کے پاس قیدی آئے ہیں، لیکن آپ اس وقت گھر میں موجود نہ تھے اس لیے وہ حضرت عائشہ رضؓ سے یہ کہہ کر واپس آ گئیں کہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں عرض کر دینا کہ فاطمہ رضؓ نے ایک خادم عطا کیے جانے کی درخواست کی ہے اور جب آپ مراجعت فرما ہوئے تو حضرت عائشہ رضؓ نے بیٹی کا پیغام آپ کو پہنچا

حضرت علی رضؓ کا بیان ہے کہ آپ یہ سن کر ہمارے گھر تشریف لائے۔ اس وقت ہم اپنے بچھونوں پر لیٹ رہے تھے۔ ہم نے کھڑے ہونے کا قصد کیا، لیکن آپ نے فرمایا: "اسی طرح پڑے رہو" اور آپ میرے اور فاطمہ رضؓ کے درمیان بیٹھ گئے یہاں تک کہ میں نے آپ کے قدم مبارک کی ٹھنڈک اپنے شکم پر محسوس کی۔ آپ نے فرمایا: "میں تم دونوں کو ایک ایسی چیز بتاتا ہوں جو خادم سے بہتر ہے۔ جب تم دونوں اپنے بچھونوں پر جاؤ تو ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کہہ لیا کرو۔ یہ تمہارے حق میں خادم سے کہیں بہتر ہوگا۔" (بخاری و مسلم)

حضرت علی مرتضیٰ رضؓ اس وظیفے کے بڑے پابند تھے، یہاں تک کہ انھوں نے جنگ جمل کی رات بھی اسے ترک نہ کیا جب رات کا اکثر حصہ ترتیب لشکر میں گزرا تھا۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ کیسی ہی تکان اور ماندگی کیوں نہ ہو، اس کے پڑھنے کے بعد انسان چاق چوبند ہوجاتا ہے۔

حضرت سیدۃ النساءؓ کی شادی

حضرت سید کون و مکان صلعم کی ایک دعا یہ تھی:

اللّٰھم احینی مسکینا	یا الٰہی! مجھے مسکینوں کی سی زندگی
و امتنی مسکینا	دے اور حالت مسکنت میں موت
واحشرنی فی زمرۃ المساکین	دے اور مجھے قیامت کے دن
(ترمذی و ابن ماجہ)	مسکینوں ہی کے گروہ میں محشور فرما۔

یہ حرف تمنا سے مسکنت نہ تھی بلکہ قارئین کرام نے اوپر پڑھا کہ آپ کا طرز بود و باش مسکینوں کی زندگی سے کچھ بھی مختلف نہ تھا۔ اہل فرنگ طعن کیا کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ ہجرت کے بعد بادشاہ بن گئے تھے، لیکن اوپر معلوم ہوچکا کہ آپ کے طرز زندگی میں کہاں تک بادشاہی کا کوئی شائبہ پایا جاتا تھا اور بادشاہوں کی اولاد میں جو کر و فر اور جو شان رعونت و انانیت پائی جاتی ہے، اس کا بھی آپ نے حضرت فاطمہ رضؓ کی معیشت سے مقابلہ کر لیا ہوگا۔ شہزادیوں کی شادی جس دھوم دھام اور شاہانہ شان و شوکت

Marfat.com

سے ہوتی ہے، وہ محتاج تشریح نہیں، اس کا مقابلہ حضرت فاطمہ رضہ کی شادی سے کیجیے، اور دیکھیے کہ یہاں مسکینی ادائے فریضہ کے سوا اور کیا تھا؟

میں کتاب "سیرت کبریٰ" میں سیدۃ النساء رضہ کی شادی کی پوری تفصیل دے چکا ہوں، اب یہاں ضمناً تھوڑا سا لکھا جاتا ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کا بیان ہے کہ عقد کے بعد سید کون و مکان صلعم نے ہم (امہات المؤمنین رضہ) کو حکم دیا کہ فاطمہ رضہ کے لیے جہیز تیار کریں اور انہیں علی رضہ کے پاس پہنچا دیں۔ فاطمہ رضہ کے لیے ایک علٰحدہ حجرہ تجویز کیا گیا۔ پھر ملیہ ان البطحاء کے کنارے سے نرم مٹی منگوا کر ہم نے اپنے ہاتھوں سے اس حجرے میں بچھائی اور فرش تیار کیا۔ پھر ہم نے خرما کی چھال اپنے ہاتھ سے توم کر دو تکیے تیار کیے اور حجرے کے ایک کونے میں کپڑے اور مشک لٹکانے کے لیے ایک لکڑی گاڑ دی۔ پھر فاطمہ رضہ کو اس حجرے میں پہنچا دیا۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں: "اس کے بعد ہم نے دعوتِ ولیمہ پر لوگوں کو کھجوریں اور انگور کھلائے۔ غرض ہم نے فاطمہ رضہ کی شادی سے بہتر کوئی شادی نہیں دیکھی۔" (ابن ماجہ)

مسرت انگیز شادی وہی ہے، جس میں تکلف نہ ہو اور راحت و اطمینان سے انجام پائے اور جتنا تکلف و اسراف اور رنگ و رَو زیادہ ہو، وہ بلحاظ انجام شادی کے بجائے بربادی ہوتی ہے۔

حضرت شاہ کونین صلعم نے جہیز میں ایک چکی، ایک دھاریوں والی کملی اور ایک مشک دی تھی (مسند احمد) اور حضرت علی رضہ کا بیان ہے کہ آپ نے اپنی صاحبزادی کو تین چیزیں جہیز میں دیں، ایک مشک، ایک تکیہ جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی اور سیاہ رنگ کی ایک چادر۔ (نسائی)

حضرت علی رضہ فرماتے ہیں: "جب پیغمبر صلعم کی صاحبزادی دلھن کی حیثیت سے میرے پاس بھیجی گئیں تو اس رات بکری کی ایک کھال کے سوا ہمارے پاس کوئی بستر نہ تھا۔" (ابن ماجہ) ایک راوی نے حضرت علی رضہ کی بے مائگی کا ذکر ان

الفاظ میں کیا ہے کہ جب آرام کرنے کے لیے لیٹتے تو اوڑھنے کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ جب دونوں پاؤں ڈھانکنا چاہتے تو سر کھل جاتے اور سر ڈھانکتے تو پاؤں کھل جاتے تھے۔ (ابن سعد)

حضرت علی رضہ شادی سے پہلے پیغمبر صلعم ہی کے پاس رہتے تھے۔ چند دن ایک حجرۂ مسجد میں گزارنے کے بعد الگ گھر کی ضرورت محسوس ہوئی۔ حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضہ کے متعدد مکانات تھے جن میں سے چند مکان آنحضرت ﷺ کو نذر کر چکے تھے۔ حضرت فاطمہ رضہ کہنے لگیں: "یا رسول اللہ! حارثہ رضہ سے ایک مکان ہمیں بھی دلوا دیجیے۔" آپ نے فرمایا: "اُن سے کہاں تک لیتے جائیں، اب تو مجھے ان سے کہتے شرم آتی ہے۔"

حضرت حارثہ رضہ نے سُنا تو دوڑے آئے اور عرض کی: "یا رسول اللہ! میں نے سُنا ہے کہ آپ صاحبزادی کو کسی قریب کے مکان میں منتقل کرانا چاہتے ہیں، میرے مکانات موجود ہیں۔ آپ بلا تامّل صاحبزادی کو ایک میں منتقل کر دیجیے اور کہنے لگے: "یا رسول اللہ! خدا کی قسم! میرا جو مکان حضور لے لیتے ہیں، مجھے اس سے کہیں زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہے۔" رسولِ خدا صلعم نے کہا: "خدا انھیں برکت دے۔" حضرت حارثہ رضہ نے ایک مکان خالی کر دیا اور جناب زہرا رضہ اُس میں چلی گئیں۔

وصالِ نبوی ﷺ کے وقت صورتِ حال

جس روز سرورِ کائنات صلعم کائنات ارضی کو الوداع کہہ کر عالم برزخ میں رحلت فرما ہوئے، اُس رات حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے چراغ کے لیے اپنی ہمسایہ عورت سے تیل منگوایا تھا۔ (بخاری) اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضہ کا بیان ہے کہ سیّد الاوّلین والآخرین ﷺ نے ایسی حالت میں وفات پائی کہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جَو کے عوض گرو تھی۔ (بخاری)

یہ زرہ جو ابو شحم یہودی کے پاس رہن تھی، اس کا نام ذات الفضول تھا۔ یہ

طویل الذیل تھی، اس وجہ سے ذات الفضول کے نام سے موسوم ہوئی۔ آنحضرتؐ کی تشریف آوری مدینہ کے وقت حضرت سعد بن عبادہ رئیس خزرج نے اسے خدمتِ اقدس میں بطور نذر پیش کیا تھا، اس میں چاندی کے چار حلقے تھے، دو جانب سینہ اور دو جانب پشت۔ یہی زرہ غزوۂ اُحد میں آنحضرتؐ کے جسم مبارک پر تھی۔ کہتے ہیں کہ ولایت مآب حضرت علی مرتضیٰ رضؓ یہی زرہ بروز جنگِ جمل پہنے ہوئے تھے۔

سرورِ انبیاءؐ کا ترکہ

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ کا بیان ہے کہ رسولِ خداؐ دنیا سے رخصت ہوتے وقت نہ کوئی دینار اور درہم چھوڑ گئے اور نہ کوئی بکری یا اونٹ اور نہ (مال کی) کوئی وصیت کر گئے (مسلم)۔ اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ رضؓ کے بھائی عَمرو بن حارث رضؓ سے مروی ہے کہ رسولؐ اللہ نے وفات کے وقت نہ کوئی دینار و درہم چھوڑا، نہ کوئی لونڈی غلام اور نہ کوئی اور چیز سوا سفید خچر اور ہتھیار کے اور بجز زمین کے، جسے آپ نے صدقہ کر دیا تھا (بخاری)۔ خود آپ نے فرمایا: "ہم (پیغمبروں) سے کسی کو میراث نہیں ملتی، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

عَمرو بن حارث رضؓ نے جس زمین کا ذکر کیا ہے، وہ مدینہ منورہ میں بنی نضیر والی زمین اور خیبر اور فدک میں تھی۔ یہ زمینیں آپ کے زیرِ انتظام تھیں۔ آپ ان کی آمدنی سامانِ جہاد کی خریداری، مہمانوں اور مسافروں کی خبر گیری اور رفاہ عام کے دوسرے کاموں میں خرچ کرتے تھے۔ ان کی آمدنی اُمّہات المؤمنین رضؓ کے نفقے اور بنی ہاشم کی کفالت میں بھی خرچ ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی رحلت کے بعد اُمّہات المؤمنین رضؓ اور اہلِ بیتِ نبوّت نے خیال کیا کہ یہ زمینیں آپ کی ذاتی ملکیت تھیں، اس لیے بحیثیت وُرثا انھیں ان کے حصّے ملنے چاہییں، مگر جب انھیں قرآن اور سنّت کی روشنی میں سمجھا یا گیا کہ پیغمبرؐ ذاتی حیثیت سے نہیں بلکہ محض حاکمانہ حیثیت سے ان پر قابض تھے تو انھوں نے اپنے مطالبے سے دست برداری اختیار کر لی۔ حضرتِ فاطمہ زہرا رضؓ کو شروع میں معلوم نہ تھا، اسی وجہ سے انھوں نے خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

سے اپنے والد امجد کا حصّہ طلب فرمایا، لیکن جب معلوم ہوا کہ پیغمبروں کے مال میں وراثت نہیں تو خاموش ہو گئیں۔

پیغمبروں کے ترکے میں وراثت جاری نہ ہونے میں یہ حکمت ہے کہ خلق کو معلوم رہے، انبیاء ؑ کی تبلیغی سرگرمیاں اور ان کی جاں فشانیاں صرف خدا کے لیے تھیں۔ اُن میں دنیوی اغراض کا کچھ لگاؤ نہ تھا، یہاں تک کہ اولاد تک کو بھی ان کے ترکے کا حصّہ نہیں ملتا۔

امّہات المومنین رضؓ کی طرف سے ازدیاد نفقہ کا مطالبہ

(ایلاء کا دل گداز واقعہ)

یہ ۹ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت عرب کے دور دراز صوبے زیر نگین ہو چکے تھے۔ کثرت فتوحات کی بدولت اموال غنیمت اور سالانہ محاصل کی بھرمار تھی۔ تمام مسلمان افلاس و ناداری کے شکنجے سے نکل کر آسودگی اور خوش حالی کی زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ فتح خیبر کے بعد حضرت رسالت مآب ؐ نے غلّے اور کھجوریں کی جو مقدار مقرر فرمائی تھی، وہ امّہات المومنین رضؓ کی فیض گستری کے باعث سال بھر تک کفایت نہ کرتی تھی۔ آئے دن آنحضرت ؐ کے گھر میں فاقے ہوتے تھے۔ ازواج مطہرات رضؓ میں بڑے بڑے روسائے قبائل کی بیٹیاں بھی تھیں۔ حضور ؐ کے کاشانۂ نبوت میں آنے سے پہلے ناز و نعم کی زندگیاں بسر کی تھیں۔ اس لیے مال و دولت کی فراوانی اور سلطانوں کی مرفّہ الحالی دیکھ کر انھوں نے بھی بتقاضائے بشریت آپ سے بیش از کشائش کی درخواست کی۔

صدّیق رضؓ اور فاروق رضؓ کا بیٹیوں پر ہاتھ اٹھانا

جب حضرت ابوبکر صدّیق رضؓ کو اس مطالبے کی اطلاع ہوئی تو وہ آستانِ نبوت پر پہنچے اور رسول اللہ صلعم سے حاضری کی اجازت طلب کی۔ اس وقت اور بھی بہت سے حضرات دروازے پر موجود تھے لیکن کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ ملی تھی۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے اطلاع کرائی تو آپ نے انھیں ان کی خصوصیت کی بنا پر اندر بلا لیا۔ پھر حضرت عمر رضؓ آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ چنانچہ انھیں بھی اجازت مل گئی۔

ہنوز عورتوں کے لیے پردے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ جب یہ دونوں اندر گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سرورِ انبیاء تشریف فرما ہیں اور ازواجِ مطہرات آپ کے اردگرد چپ چاپ غم زدہ بیٹھی ہیں۔

حضرت فاروق رضؓ نے دل میں خیال کیا کہ وہ کوئی ایسی بات کہیں جس سے حضورؐ کا انقباضِ طبع دور ہو جائے، چنانچہ بولے "یا رسول اللہؐ! اگر خارجہ کی بیٹی (حضرت عمرؓ کی زوجۂ محترمہ) مجھ سے زیادتیِ نفقہ کا مطالبہ کرے تو حضورؐ دیکھ لیں کہ میں کس طرح اس کا گلا گھونٹتا ہوں۔" آپ یہ سن کر مسکرائے اور مخدرات عالیہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: "یہ سب بھی تو اضافۂ نفقہ کا مطالبہ کر رہی ہیں۔" یہ سن کر دونوں جان نثاروں کو تاب نہ رہی۔ اٹھ کھڑے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ رضؓ کا اور جناب فاروق رضؓ نے حضرت حفصہ رضؓ کا گلا گھونٹنا اور انھیں پیٹنا شروع کر دیا۔ یہ دونوں جان نثار کہہ رہے تھے: "تم رسول اللہؐ سے وہ چیز مانگتی ہو جو آپ کے پاس نہیں۔" وہ کہنے لگیں: "آئندہ ہم حضورؐ سے کوئی ایسی چیز نہ مانگیں گے، جو آپ کی استطاعت سے باہر ہوگی۔"

یہ دونوں بیبیاں اس مطالبے سے باز آ گئیں اور دوسری سات ازواجؓ نے مطالبے پر قائم رہیں۔ اسی روز آپؐ گھوڑے سے گر پڑے اور دوش مبارک (یا پائے مبارک) ماؤف ہو گیا۔ آپ حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے سے متصل بالاخانے پر قیام فرما ہوئے اور عہد کیا کہ ایک مہینے تک ازواجِ مطہراتؓ سے نہ ملیں گے (بخاری، مسلم، ابوداؤد مع التصرف)

ازواج کو حضرت عمرؓ کی پند و موعظت

ایک دن حضرت عمر فاروقؓ نے ارادہ کیا کہ ازواج کو رسولِ خدا صلعم کی ایذا رسانی پر ملامت کریں۔ چنانچہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضؓ کے پاس گئے اور کہنے لگے: "ابوبکر رضؓ کی دختر! کیا اب آپ اس درجے پر پہنچ گئیں کہ رسولِ خداؐ کو ایذا دینے لگی ہیں؟" انھوں نے کہا: "اے ابن خطاب! تمھیں مجھ سے اور

مجھے تم سے کیا سروکار ، تم جاکر اپنے بکچے کی خبر لو" (اپنی بیٹی حفصہ رضہ کو جاکر سمجھاؤ کہ از زیاد نفقہ میں دوسری ازواج کی ہمنوا نہ بنیں) حضرت فاروق رضہ وہاں سے حضرت حفصہ رضہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: "حفصہ رضہ! تمھاری حالت اب یہاں تک پہنچ گئی کہ تم رسولِ خدا کو ایذا دینے لگی ہو اور شاید تمھیں معلوم نہیں کہ رسولِ خدا تمھیں نہیں چاہتے اور اگر میں نہ ہوتا تو تمھیں اب تک طلاق دے چکے ہوتے۔" یہ سُن کر حضرت حفصہ رضہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

حضرت عمر رضہ کا بیان ہے کہ ام سلمہ رضہ سے میری قرابت تھی۔ میں حفصہ رضہ کے پاس سے اُٹھ کر ام سلمہ رضہ کے پاس پہنچا اور انھیں نصیحت کرنا چاہا۔ وہ غصّے سے کہنے لگیں: "اے ابنِ خطاب! تمھاری عادت ہے کہ ہر بات میں مداخلت کرنے لگتے ہو اور اب چاہتے ہو کہ رسولِ خدا صلعم اور آپ کی بیبیوں کے معاملے میں بھی دخل دو۔" حضرت عمر رضہ کہتے ہیں: "مجھے ان کی بات سے اتنا رنج ہوا کہ میں اپنی پند و نصیحت کو جس کے لیے وہاں گیا تھا، بھول گیا۔" (صحیح مسلم)

ازواج کے طلاق دیے جانے کی افواہ

اس اثناء میں منافقوں نے یہ ہوائی اُڑا دی کہ آنحضرتؐ نے تمام بیویوں کو طلاق دے دی ہے، چونکہ آنحضرتؐ بالاخانے پر تشریف فرما تھے (جسمانی تکلیف کی وجہ سے نیچے نہیں اتر سکتے تھے) اور وہاں کوئی جا نہیں سکتا تھا، صحابۂ کرام رضہ کے پاس اس افواہ کی تحقیق کا ذریعہ نہ تھا۔ طلاق کی خبر سُن کر تمام بیبیاں شب و روز گریہ و زاری میں مصروف رہنے لگیں لیکن آپ کے خلاف مرضی نہ وہاں جا بھی نہیں سکتی تھیں اور حضرت عائشہ رضہ کی یہ حالت تھی کہ ان پر ایک ایک دن سال سال کا گزرتا تھا اور مہینا گزرنے کے انتظار میں ایک ایک دن گنتی رہتی تھیں (بخاری مع التصرف)

طلاق کی خبر پر حضرت عمر رضہ کا اضطراب

ان ایام میں حضرت عمر رضہ حوالیِ مدینہ میں سکونت فرماتے تھے۔ یہ جگہ مسجد نبویؐ اور آستانِ رسالت سے ذرا زیادہ فاصلے پر تھی، اس لیے حضرت عمر رضہ نے یہ

انتظام کر رکھا تھا کہ وہ اور ان کا ایک انصاری ہمسایہ باری باری بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے تھے اور واپس جاکر دونوں اپنی اپنی باری میں دوسرے کو تمام حالات و واقعات کی اطلاع دیا کرتے تھے۔ انھیں دنوں یہ افواہ گرم تھی کہ شاہ غسان نے جو عیسائی تھا، مدینہ طیبہ پر حملے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ ایک دن انصاری رفیق نے عشاء کے بعد حضرت عمر رضؓ کے مکان پر آ کر .... دستک دی۔ جب حضرت عمر رضؓ باہر نکلے تو یہ کہنے لگے: "بڑا غضب ہوا" حضرت عمر رضؓ نے کہا: "کیا شاہ غسان چڑھ آیا؟" بولے: "نہیں، اس سے بڑا واقعہ پیش آیا۔ رسولِ خدا نے اپنی بیبیوں کو طلاق دے دی ہے۔" یہ سن کر حضرت عمر رضؓ کہنے لگے: "حفصہ رضؓ بے نصیب ہوئی اور ہلاکت میں پڑی۔" اس کے بعد بولے: "مجھے پہلے سے کھٹکا تھا کہ ایک دن ایسا ہونے والا ہے۔" حضرت عمر رضؓ علی الصباح نماز فجر سے فراغت پاکر ام المؤمنین حضرت حفصہ رضؓ کے پاس پہنچے، دیکھا کہ وہ زار و قطار رو رہی ہیں۔ پوچھا: "کیا رسولِ خدا نے تمھیں طلاق دے دی ہے؟" بولیں: "میں نہیں جانتی، حضورؐ تو ہم سے کنارہ کیے ہوئے بالاخانے میں قیام فرما ہیں۔" (مسلم)

بارگاہِ نبوی میں پہنچنے کی ناکام کوشش

حضرت عمر رضؓ وہاں سے بالاخانے کے پاس پہنچے، اس وقت رباح نام ایک غلام سیاہ فام حجرہ کے کی چوکھٹ پر بیٹھے تھے اور انھوں نے اپنے پاؤں کھجور کے ایک ڈنڈے سے لٹکا رکھے تھے۔ آنحضرتؐ اسی لکڑی کے ذریعے سے اوپر چڑھتے اور اترتے تھے۔ حضرت عمر رضؓ نے نیچے سے آواز دی: "رباح! میرے لیے رسولِ خدا صلعم سے حاضری کی اجازت مانگو۔" رباح اندر گئے اور باہر نکل کر حضرت عمر رضؓ کو آواز دی کہ میں نے آنحضرتؐ سے آپ کا ذکر کیا لیکن حضورؐ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت عمر رضؓ وہاں سے ناکام و ناشاد مسجد کی طرف آئے۔ وہاں لوگ آپس میں نہایت پُرحسرت لہجے میں کہہ رہے تھے کہ پیغمبر صلعم نے ازواج کو طلاق دے دی ہے۔

طلاق کی خبر پر ہمہ گیر ماتم

اب حضرت عمر رضؓ منبر کے پاس جاکر عالم اندوہ میں بیٹھ گئے۔ وہاں چند صحابہ رضؓ کو دیکھا کہ طلاق کا ذکر

کرکے زاروقطار رو رہے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضؓ تھوڑی دیر بیٹھے تھے کہ طبیعت میں جوش و اضطراب ہوا اور وحشتِ دل ابھری۔ مسجد سے اٹھ کر نبی صلعم کے گھروں کے پاس پھرنے لگے۔ ہر گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ امہات المؤمنین رضؓ میں سے ہر ایک کے قریبی رشتہ دار باصد رنج و اندوہ اس کے پاس بیٹھے اشک بار تھے۔ اب تو حضرت عمر رضؓ کو اس بات میں کوئی شک نہ رہا کہ آنحضرتؐ نے سب کو طلاق دے دی ہے۔

حضرت عمر رضؓ کی باریابی

اب حضرت عمر رضؓ یہاں سے بصد رنج و اندوہ دوبارہ بالاخانے کے پاس گئے اور رباح کو مکرر آواز دے کر کہنے لگے، میرے لیے حضور انورؐ سے اجازت لو کہ آپ کے پاس پہنچوں۔ رباح نے نبی صلعم کی طرف نظر کی اور حضرت عمر رضؓ کی طرف دیکھ کر خاموش رہ گئے۔ حضرت عمر رضؓ نے پھر آواز دی کہ رباح! میرے لیے حاضری کی اجازت حاصل کرو۔ اس کے بعد کہا "شاید رسولؐ خدا نے خیال فرمایا ہو کہ میں حفصہ رضؓ کی سفارش کرنے آیا ہوں۔ مگر خدا کی قسم! اگر رسولؐ خدا حکم دیں تو ابھی حفصہ رضؓ کا سر کاٹ کر حضور انورؐ کے قدموں میں لا ڈالوں۔" سبحان اللہ! خلوص، قوتِ ایمان اور شیفتگیٔ رسولؐ ہو تو ایسی ہو۔ رباح نے حضرت عمر رضؓ کو آواز دی کہ چڑھ آئیے، آپ کے لیے اجازت ہو گئی ہے۔ حضرت عمر رضؓ نے حاضر خدمت ہو کر آپ کو سلام کیا۔

سرورِ عالم صلعم کی ناداری پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گریہ

آپ اس وقت کھجور کی ایک سخت کھردری چٹائی پر لیٹے تھے اور تہمد باندھ رکھا تھا۔ اس تہمد کے سوا اس وقت آپ کے پاس کوئی کپڑا نہ تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ پر رنج اور غصے کی کیفیت طاری ہے۔ حضرت عمر رضؓ نے دیکھا کہ چٹائی اور آپ کے جسم مبارک کے درمیان کوئی بچھونا نہیں اور چٹائی کے نشان پشت مبارک پر منقوش ہیں۔ آپ کے سر مبارک کے نیچے ایک تکیہ ہے۔ جس میں (روئی کے بجائے) کھجور کی چھال بھری ہے۔ اسی بالاخانے میں جہاں ان دنوں آپؐ کا قیام

Marfat.com

تھا، آپ کا خزانہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے آپ کے خزانے کی طرف نگاہ دوڑائی تو دیکھا کہ تھوڑے سے جو رکھے ہیں جو ایک صاع کے قریب ہوں گے (صاع تقریباً پونے تین سیر کا ہوتا ہے) آپ کے پاؤں کی طرف سَلَم کے پتوں کا ڈھیر لگا تھا، جس سے چمڑا رنگتے اور پکاتے ہیں اور آپ کے سرہانے ایک کچا چمڑا لٹکا ہوا تھا۔

یہ نظارہ دیکھ کر حضرت عمرؓ بیتاب ہو گئے، ان پر سخت رقت طاری ہوئی اور بے اختیار رونے لگے۔ آپ نے فرمایا: "اے ابن خطاب! کیوں روتے ہو؟" عرض کی: "یا رسول اللہؐ! یہ حال دیکھ کر مجھے رونا آ گیا کہ یہ کھردری چٹائی حضورؐ کے جسمِ اطہر پر نقش ہو گئی ہے اور یہ آپ کا خزانہ ہے جس میں جو کچھ ہے وہ نظر آ رہا ہے۔ قیصر اور کسریٰ تو خدا کے بے فرمان ہو کر عیش و عشرت میں گزار رہے ہیں اور اللہ کے رسولؐ اور برگزیدۂ خلق ہو کر آپ کی یہ حالت ہے۔"

ہمارے لیے آخرت اور دوسروں کے لیے دنیائے فانی

آپ نے فرمایا: "اے ابن خطاب! کیا تم اس حقیقت پر مطمئن اور مسرور نہیں کہ ہمارے لیے آخرت ہو اور ان کے لیے دنیا"، حضرت عمرؓ عرض پیرا ہوئے: "یا رسول اللہؐ! ہم اس تقسیم پر راضی ہیں۔"

شارحِ مسلم کا یہ فرمانا کہ "ہمارے لیے آخرت ہے اور ان کے لیے دنیا" اس کا مطلب یہ نہیں کہ اہلِ ایمان کے لیے دنیا میں کچھ نہیں، غرض یہ ہے کہ اگر مومن دارِ دنیا میں تنگیٔ معاش یا ضیاعِ مال میں مبتلا ہو تو آخرت میں اس کے لیے کامل نعمت اور مہربان کی پوری تلافی ہے۔ بر خلاف غیر مسلم کے کہ اس کے لیے جو کچھ ہے، اسی سرائے فانی میں ہے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے التماس کی: "یا رسول اللہؐ! آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ آپ کی امت کو بھی اسی طرح فارغ البالی اور وسعتِ رزق نصیب ہو، جس طرح خدا نے روم اور فارس والوں کو دے رکھی ہے۔

حالانکہ وہ کفر اور شرک میں مبتلا ہیں۔" یہ سُن کر آپ اُٹھ بیٹھے اور فرمایا: "ہم سے ابن خطاب! کیا تم شک میں ہو اور کیا تمھیں معلوم نہیں کہ رُوم و فارس کو ان کے نیک عملوں کا صلہ اسی دُنیا میں دے دیا جاتا ہے؟"

عدمِ طلاق کا مژدۂ جاں بخش

اس کے بعد حضرت عمرؓ عرض پیرا ہوئے: "یا رسُولؐ اللہ! بیبیوں کے متعلق آپ کی راہ میں کوئی دشواری حائل نہیں۔ اگر حضورؐ نے انھیں طلاق دے دی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ حق تعالیٰ کی نصرت آپ کی میر سامان ہے۔ اس کے فرشتے، جبرئیلؑ و میکائیلؑ، میں اور ابوبکرؓ اور تمام اہلِ ایمان آپ کے ساتھ ہیں۔" اس کے بعد حضرت عمرؓ پوچھنے لگے: "یا رسُولؐ اللہ! کیا واقعی آپ نے انھیں طلاق دے دی ہے؟" فرمایا: "نہیں۔"

حضرت عمرؓ اس مژدۂ جاں بخش پر بہت مسرور ہوئے۔ اب انھوں نے حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ اور اُمِّ سلمہؓ کے پاس بغرض پند و نصیحت جانے کا ذکر کیا اور بتایا: "اُمِّ سلمہؓ نے مجھے ڈانٹا اور بولیں، 'عمرؓ! تم ہر بات میں دخل دینے لگتے ہو اور اب پیغمبرؐ اور ان کی بیویوں کے معاملے میں بھی مداخلت کرنے لگے ہو۔'"

یہ سُن کر حضرت مخدومِ انام صلعم نے تبسّم فرمایا۔ جناب فاروقؓ فرماتے ہیں: "میں حضورؐ کا غم غلط کرنے کے لیے مختلف موضوعوں پر گفتگو کرتا رہا، یہاں تک کہ رُخِ انور سے رنج اور غصّے کا اثر بالکل زائل ہو گیا اور آپ ہنسنے لگے۔ سُبحان اللہ! آپ کا تبسّم کیا ہی جاذب اور دلفریب تھا!"

اعلان کی اجازت طلبی

اب حضرت عمرؓ نے التماس کی: "یا رسُولؐ اللہ! اگر اجازت ہو تو جا کر لوگوں کو یہ مژدہ سُنا دوں کہ حضورؐ نے ازواج کو طلاق نہیں دی۔" فرمایا: "تمھیں اختیار ہے۔" اب حضرت عمرؓ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ چونکہ اب ایلاء کی مدّت ختم ہو چکی تھی اس لیے حضورؐ نے بھی نیچے جانے کا قصد فرمایا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں: "میں کھجور کے ڈنڈے کو تھامے ہوئے اُترا لیکن آنحضرتؐ اس طرح بے تکلف اُترے، جیسے کوئی زمین پر چلتا ہے۔ آپ نے

کہیں ہاتھ تک نہ لگایا" اس کے بعد حضرت عمر رضؓ عرض کرنے لگے: "یا رسولؐ اللہ! آپ بالاخانے میں مہینے کے بجائے اُنتیس دن رہے" فرمایا: "مہینا اُنتیس دن کا بھی ہوتا ہے" حضرت عمر رضؓ نے مسجد کے دروازے پر آ کر با آوازِ بلند پکارا کہ "حبیب رب العالمینؐ نے ازواج کو طلاق نہیں دی" یہ سُن کر صحابۂ کرام رضؓ کی جان میں جان آئی اور امہات المؤمنین کی گریہ وزاری بھی موقوف ہوئی (ماخوذ از صحیح مسلم)

اب حاملِ نبوت صلعم پر سورۂ احزاب کی یہ آیتیں نازل ہوئیں:

یاایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوٰۃ الدنیا و زینتھا فتعالین امتعکن و اسرحکن سراحا جمیلاo و ان کنتن تردن اللہ و رسولہ والدار الاٰخرۃ فان اللہ اعد للمحسنٰت منکن اجرا عظیما۔	اے نبیؐ! آپ بیویوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم دنیوی زندگی کا عیش و آرام اور اُس کی زینت و بہار کی خواہش مند ہو تو میں تمھیں دُنیوی مال و متاع دے کر خیر و خوبی سے رخصت کر دوں اور اگر اللہ اور اُس کے رسولؐ کو چاہتی ہو اور دارِ آخرت کی طلب گار ہو تو خالق کردگار نے تم میں سے جو نیکی پر ہیں ان کے لیے اجرِ عظیم مہیّا کر رکھا ہے۔

(احزاب آیات ۲۸-۲۹)

اس آیت کو آیتِ تخییر کہتے ہیں کیونکہ اس میں سب ازواج کو اختیار دیا گیا کہ جو خدا اور رسول صلعم کو پسند کرے وہ آستانِ نبویؐ میں رہے، ورنہ رخصت ہو۔

رب العالمین نے فرمایا: "تم میں سے جو نیکی پر رہیں ان کے لیے بڑا ثواب لکھا ہے" علماء نے فرمایا ہے: "آپ کی ازواج مطہرات سبھی نیک تھیں اور

نیکی پر قائم رہیں، "الطیّبات للطیّبین" مگر خدائے برتر نے صاف و صریح الفاظ میں خوش خبری کسی کو نہ دی تاکہ خاتمے کا ڈر لگا رہے۔

فقر و فاقہ پر اُمّہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی رضامندی

اختتام ماہ کے بعد سرورِ دو جہان صلعم ازواج میں سب سے پہلے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "عائشہ رضی اللہ عنہا! میں تم سے ایک بات کہتا ہوں، لیکن تم اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا، بلکہ اپنے والدین کی صلاح لے کر اس کا جواب دینا۔" حضورؐ کا یہ ارشاد اس یقین پر مبنی تھا کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ جیسا جان نثار اور ان کی اہلیۂ محترمہ اپنی بیٹی کو کبھی یہ مشورہ نہ دیں گے کہ وہ دُنیوی مال و متاع کی خاطر رسول اللہ سے علیٰحدگی اختیار کرے اور یہ خود ابھی صغیر السّن تھیں، اس لیے آپ کو خیال ہُوا کہ ممکن ہے، والدین سے استصواب کیے بغیر کوئی مُہلک راستہ اختیار کریں، لیکن خدائے مُنعم نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کم سنی میں وہ فہم و فراست عطا فرمائی تھی کہ بڑے بڑے بوڑھوں کو بھی نصیب نہ تھی۔

جب آپ نے سورۂ احزاب کی آیتیں پڑھ کر سُنائیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عرض پیرا ہوئیں: "یا رسُول اللہ! یہ کون سا ایسا مشکل عُقدہ ہے جس کے لیے میں اپنے ماں باپ سے مشورہ لوں گی۔ میں تو اللہ، اس کے رسُولؐ اور دارِ آخرت کو چاہتی ہوں۔ میں سُوکھے ٹکڑوں اور غریبانہ معیشت میں زندگی ...... بسر کروں گی۔"

یہ جواب سُن کر آپ بہت محظوظ ہوئے اور اب آپ نے دوسری ازواجِ طاہرات رضی اللہ عنہن کے پاس جا کر ان کی مرضی معلوم کرنی چاہی۔ آپ نے تمام بیبیوں سے برملا فرما دیا کہ اگر میری زوجیّت کا شرف چاہتی ہو تو میرے پاس فقیرانہ اثاثہ، جَو کی روٹی اور کئی کئی دن کے فاقے ہیں۔ اگر ان چیزوں پر صبر کر سکتی ہو تو بہتر، ورنہ میں تمھیں رخصت کر دوں۔ تمام اُمّہات المؤمنین رضی اللہ عنہن

نے اسی فقر و فاقہ میں زندگی بسر کرنے پر رضامندی ظاہر کی اور ازواج میں کون ایسی بدنصیب ہو سکتی تھی جو علٰحدگی گوارا کرتی۔ سب نے یہی جواب دیا: "ہم اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دارِ آخرت کے خواہش مند ہیں، ہمیں فقر و فاقہ اور غریبانہ زندگی بخوشی منظور ہے۔" (مسلم مع التصرّفات)

چوبیسواں باب

اِخلاص و حُسنِ نیّت

مسلمان پر لازم ہے کہ جو بھی کارِ خیر کرے، اس میں للّٰہیت اور رضائے الٰہی پیشِ نظر رکھے۔ اس میں کسی قسم کی نفسانی، ذاتی یا دنیوی غرض مقصود نہ ہو۔ اسی مقصد کو اخلاص کہتے ہیں۔ عمل مباح کا نیک و بد ہونا نیّت اور ارادے پر موقوف ہے۔ ایک ہی عمل اخلاص اور حُسنِ نیّت سے کارِ خیر بن جاتا ہے اور اس میں کوئی فساد مخفی ہو تو وہ مذموم ٹھہرتا ہے۔ امر مباح تو درکنار، اگر کسی طاعت میں بھی کسی ذاتی غرض کو دخل ہوگا تو وہ طاعت نہ رہے گی۔

ثوابِ ہجرت کی تخصیص جب مکّہ معظّمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا تو مسلمانوں میں سے ایک بزرگ کہنے لگے: "میں بھی یثرب جاؤں گا۔ وہاں میرے لیے تجارتی مواقع یہاں سے بہتر ہیں۔" دوسرے صاحب نے کہا: "میں مدینہ جاکر قَیلہ کو عقدِ تزویج میں لاؤں گا۔" جب یہ بیانات پیشوائے اُمّت صلعم کے سمعِ مبارک میں پہنچے تو آپ نے فرمایا:

الاعمال بالنّیات	عملوں کا انحصار نیتوں پر ہے
و انّما لامرئٍ مّا	اور ہر شخص کے لیے اسی نیّت
نوای فمن کانت	کا ثمرہ ہے جو اس نے اُس عمل
ھجرتہٗ الی اللّٰہ و	میں کی ہوگی۔ پس جس شخص کی
رسولہٖ فھجرتہٗ	ہجرت اللہ اور اس کے رسُولؐ
الی اللّٰہ و رسولہٖ	کی طرف ہے، پس اس کی ہجرت
و من کانت ھجرتہٗ	اللہ اور اس کے رسُولؐ ہی کی طرف
الی دنیا یصیبھا او	ہے اور جس شخص کی ہجرت حصولِ دنیا

Marfat.com

امرأۃٍ یتزوجھا — کے لیے یا کسی عورت سے شادی
فھجرتہٗ الیٰ ما — کرنے کی غرض سے ہے، پس اس
ھاجر الیہ۔ — کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی غرض
(رواہ البخاری ومسلم) — سے اس نے ہجرت کی ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر نیت میں خلوص نہ ہو تو نیکی کا بڑے سے بڑا کام بھی خیر و برکت اور ثواب سے محروم رہ جاتا ہے۔

صدقِ نیت کا ثمر

احادیث نبویہ ؐ سے ثابت ہے کہ مومن کو محض صدقِ نیت اور نیک آرزو سے بھی اعمالِ خیر کے صادر ہوئے بغیر حسنات کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ جب سرورِ عالم صلعم نے غزوۂ تبوک کا قصد فرمایا تو چند صحابہ کے پاس سواری اور سفر کا سامان نہ تھا۔ اس مجبوری سے وہ شرفِ ہمراہی حاصل نہ کر سکے۔ جب آپ تبوک سے مراجعت فرما ہوئے تو راستے میں ارشاد فرمایا کہ سفر کی صعوبتوں میں شرکائے کار کو جتنا ثواب ملا، اتنا ہی اجر اُن حضرات کو بھی ملا، جو کسی عذر کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے۔ (رواہ مسلم)

خلوص اور حسنِ نیت کو دین میں اتنا دخل ہے کہ صرف نیکی کی آرزو رکھنا بھی مثمر خیر و ثواب ہے۔ چنانچہ مخبر صادق صلعم نے فرمایا:

دُنیا میں چار قسم کے آدمی پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ ہے، جسے خدا نے مال و زر اور علم دین سے ممتاز کیا ہے۔ وہ مال کے خرچ کرنے میں خدا سے ڈرتا ہے (بیجا خرچ نہیں کرتا) اور رشتہ داروں کی امداد کرتا ہے اور جانتا ہے کہ اس مال میں اللہ تعالیٰ کا بھی حق ہے (اس کی راہ میں خرچ کرنا لازم ہے)۔ پس یہ شخص درجہ میں سب سے فائق ہے۔

دوسرا وہ شخص ہے جسے حق تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے، مگر دولت نہیں بخشی لیکن وہ نیت میں صادق ہے۔ اس کی آرزو ہے کہ اگر میرے پاس زر و مال ہو تو میں بھی فلاں شخص کی طرح راہِ خدا میں خرچ کرتا۔ پس اسے اس صدق نیت کا پھل

ملے گا اور اجر و ثواب میں دونوں برابر ہیں۔

تیسرے شخص کو خدائے ودود نے دولت تو بخشی ہے لیکن علم عطا نہیں کیا۔ اسے بے علمی اور تموّل میں اپنی دولت ہی کا خبط ہے اور اسی میں مگن ہے۔ زر و مال کے خرچ کرنے میں نہ خدا سے ڈرتا ہے، نہ خویش و اقارب کی امداد کرتا ہے اور اسے مطلق احساس نہیں کہ اس کے مال و دولت میں اللہ تعالیٰ کا بھی حق ہے۔ یہ شخص سب سے زیادہ خبیث منزل اور ذلیل درجے میں ہے۔

ایک چوتھا شخص ہے، جسے حق تعالیٰ نے نہ زر و مال سے ممتاز کیا ہے اور نہ علم کی دولت بخشی ہے۔ اس کی آرزو ہے کہ اگر اس کے پاس بھی زر و مال ہوتا تو وہ بھی فلاں متموّل کی طرح عیش و عشرت اور رنگ رلیوں میں خرچ کرتا۔ اسے اپنی نیت کا پھل ملے گا اور گناہ میں دونوں مساوی ہیں۔ (رواہ الترمذی)

حُبّ فی اللہ کی فضیلت بالعموم دیکھا جاتا ہے کہ کسی سے محبت اور دوستی کی جاتی ہے تو اس کی تہ میں کوئی دنیوی منفعت اور ذاتی غرض کارفرما ہوتی ہے، مگر کمال ایمان یہ ہے کہ انسان کسی سے دوستی کرے تو اللہ کے لیے اور بغض رکھے تو اللہ کے لیے۔ چنانچہ نبی صلعم نے فرمایا: "جو اللہ کے لیے محبت رکھے اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھے اور کسی کو دے تو اللہ کے لیے اور نہ دے تو اللہ کے لیے تو اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا۔" (مشکوٰۃ بحوالۂ ابوداؤد و ترمذی)

فرمایا: "حق تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: "کہاں ہیں وہ لوگ جو میری عظمت اور جلال کے لیے آپس میں محبت رکھتے تھے، آج کے روز جب میرے (عرش کے) سوا کہیں سایہ نہیں، انھیں اپنے (عرش کے) سایے میں جگہ دوں گا۔" (رواہ مسلم)

ابو ادریس خولانی کا بیان ہے کہ میں دمشق کی جامع مسجد میں گیا۔ وہاں ایک سفید دندان بزرگ کو دیکھا جس کے پاس بڑا مجمع تھا۔ میں بھی وہاں بیٹھ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں

Marfat.com

کہ جب لوگوں میں کسی بات پر اختلاف ہوتا ہے تو تمام لوگ اُس بزرگ کا ارشاد مستند مانتے ہیں اور اس کے قول کے سامنے کسی کو چون وچرا کی گنجائش نہیں رہتی۔ میں نے دریافت کیا، یہ صاحب کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ رسولِ خدا کے صحابی حضرت مُعاذ بن جبل انصاری رضؓ ہیں۔

دوسرے دن میں بہت سویرے مسجد میں پہنچا۔ لیکن کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بزرگ مجھ سے بھی پہلے پہنچ کر مصروفِ نماز ہیں۔ میں منتظر رہا۔ جب نماز پڑھ چکے تو میں نے سامنے جاکر سلام کیا اور عرض پیرا ہُوا: "حضرت! میں آپ کو خاص اللہ کے لیے چاہتا ہوں۔" کہنے لگے: "ہاں، اللہ کے واسطے؟" میں نے کہا: "ہاں، اللہ کے واسطے۔" انھوں نے میری چادر کا کونا پکڑ کر مجھے اپنی طرف جذب کیا اور فرمایا: "تمھیں مژدہ ہو کہ میں نے سرورِ عالم صلعم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا تھا: "اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اُن لوگوں سے میری محبّت لازم وواجب ہوئی، جو میرے واسطے آپس میں دوستی اور محبت رکھتے ہیں اور میرے واسطے مل کر بیٹھتے ہیں اور میرے واسطے اپنی جان ومال صرف کرتے ہیں اور میرے واسطے ایک دوسرے کی ملاقات کو جاتے ہیں۔" (موطائے مالکؒ)

ہر کام کو عملِ خیر بنانا

چونکہ ہر مباح حُسنِ نیّت سے نیکی میں تبدیل ہو جاتا ہے، اس لیے مقتضائے حکمت ومصلحت یہ ہے کہ اپنا ہر کام کسی اچھّی نیّت کے تابع کر دیا جائے۔ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ انھوں نے کسی مالکِ مکان سے پُوچھا: "تم نے اپنے مکان میں روشن دان کیوں رکھّا ہے؟" اس نے کہا: "اس غرض سے کہ مکان کے اندر روشنی زیادہ ہو۔" انھوں نے فرمایا: "اگر روشن دان رکھواتے وقت تم نے یہ نیّت کی ہوتی کہ اس کی راہ سے اذان کی آواز بسہولت سُنی جایا کرے گی تو جب تک روشن دان رہتا، ہر اذان کے وقت روشندان رکھنے کا ثواب تمھارے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا۔"

اسی طرح اگر انسان اپنے کھانے، پینے، سونے بلکہ ہر حرکت وسکون کو حُسنِ نیّت

سے مقرون کر دیا کرے تو وہ زندگی کے تمام اعمالِ حسنات و مبرات میں متشکل کر کے سراپا اخلاص بن جائے گا۔

امام محمد غزالی احیاء العلوم میں رقم فرماتے ہیں: "اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ عمل تمام آمیزشوں سے خالی ہو، خواہ یہ آمیزشیں تھوڑی ہوں یا بہت، یہاں تک کہ تقربِ الٰہی کے سوا اور کوئی مقصد نہ ہو اور یہ مطمحِ نظر اسی شخص سے متصور ہے جو تمام ہمت عشقِ الٰہی اور آخرت میں ڈوبا ہو، یہاں تک کہ کھانا پینا بھی اسے محبوب و مرغوب نہ ہو۔ ان چیزوں کی رغبت اس میں محض ایسی ہو جیسے قضائے حاجت کی ہوتی ہے کہ سرشت کے رو سے ضروری معلوم ہو۔"

امام غزالی رح اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: "کھانے کی رغبت اس جہت سے نہ ہو کہ کھا کر لطف اندوز ہوتا ہے، اس نظر سے ہو کہ اس سے خدائے قدوس کی عبادت پر تقویت حاصل کرتا ہے۔ بلکہ تمنا کرے، کاش وہ بھوک کی آفت سے اس طرح محفوظ ہو جائے کہ پھر کھانے کی کبھی حاجت ہی نہ رہے اور نہ دل میں فالتو اور زائد از حاجت چیز کا کوئی خطرہ رہے اور صرف بقدرِ حاجت ہی اس نظر سے مطلوب ہو کہ یہ بھی دینی ضرورت ہے تو اس مسلک کا پیرو جب کھائے پیئے گا یا قضائے حاجت کرے گا تو خالص العمل اور صحیح النیت رہے گا بلکہ جمیع حرکات و سکنات میں اس کی نیت صحیح ہو گی، یہاں تک کہ اگر مثلاً اس نیت سے سوئے گا کہ آئندہ کی عبادت کے لیے اپنے نفس کو قوت اور راحت پہنچائے تو اس کا سونا بھی عبادت ہو گا اور اس میں بھی اسے مخلصوں کا درجہ ملے گا۔"

پُراغراض عبادت

رویم رح نام ایک بزرگ کا قول ہے، عمل میں اخلاص یہ ہے کہ بندہ اس پر دونوں جہان میں کسی عوض کا آرزومند نہ ہو۔

امام محمد غزالی رح اس قول کی شرح میں لکھتے ہیں: "حظوظِ نفس، خواہ دنیوی ہوں یا اُخروی، سب آفت ہیں۔ جو شخص عبادت اس لیے کرے کہ جنت کی نعمتوں سے متلذذ ہو، وہ آفت زدہ ہے۔ رضائے الٰہی کے سوا عمل کا کوئی اور مقصد نہ چاہیے۔ اسی کو اخلاص محض کہتے ہیں اور جو شخص بتوقع جنت یا بخوفِ دوزخ عمل کرے، گو وعدہ منوی

Marfat.com

لذات کے اعتبار سے تو مخلص ہے، لیکن حقیقت میں وہ حظِ شکم اور نفسانی لذات کا طالب ہے اور اہل حق کے نزدیک مطلوب صرف رضائے الٰہی ہے۔" کسی نے کیا خوب کہا ہے:

تو بندگی چو گدایاں بشرطِ مزد مکن — کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

حظوظ سے براءت کا دعویٰ

اس کے بعد امام غزالی فرماتے ہیں: "بعض لوگوں کا گمان ہے کہ انسان کسی نہ کسی حظ کے لیے حرکت کرتا ہے اور حظوں سے بری ہونا صفت الٰہی ہے۔ جو کوئی اس سے بری ہونے کا مدعی ہو، وہ کافر ہے۔ چنانچہ قاضی ابوبکر باقلانی نے اس شخص کو گم کردہ راہ بتایا جو حظوظ سے بری ہونے کا مدعی ہو اور فرمایا کہ یہ صفت خالقِ ارض و سماء کی ہے انسان اس کا مدعی نہیں ہو سکتا۔" امام غزالی رح فرماتے ہیں: "یہ سب درست ہے لیکن اخلاص میں حظوظ سے بری ہوئے" لوگ یہ مطلب لیتے ہیں کہ ان حظوں سے بری ہو جنھیں لوگ حظ کہتے ہوں اور لوگ جن امور کو حظ کہتے ہیں، وہ شہوات مذکورہ جنت کی ہیں۔ صرف معرفت، مناجات اور دیدار الٰہی کی لذت، جو اہلِ دل کا حظ ہے، اسے لوگ حظ ہی نہیں سمجھتے بلکہ اس سے تو تعجب کرتے ہیں، حالانکہ اتنا بڑا حظ ہے کہ اگر جنت کے تمام مزے طاعت، مناجات اور مشاہدہ حضرت الٰہی کے عوض میں ان لوگوں کو دیے جائیں تو انھیں حقیر جانیں اور ادھر متوجہ نہ ہوں۔"

ریا و سُمعہ

ریا کے معنیٰ دکھاوا اور نمائش کے ہیں اور سمعہ سنوانے کو کہتے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں ریا عمل خیر لوگوں کو دکھانے کا نام ہے اور سمعہ کسی کو اپنا عمل صالح سنانا ہے۔ قرآن و حدیث میں دونوں کی برائی بکثرت مذکور ہے۔ ارشادِ باری ہے:

فویلٌ للمصلّین الذین ہم عن صلاتہم ساہون الذین

تو اُن نمازیوں کے لیے بڑی تباہی ہے، جو اپنی نمازوں کی طرف سے غفلت کرتے ہیں اور وہ جو کوئی

يراءون و يمنعون الماعون۔ | نیک عمل کرتے ہیں تو اس میں دکھاوے کے مرتکب ہوتے ہیں اور برتنے کی چیزیں مانگے نہیں دیتے۔

اور فرمایا:

فمن كان يرجوا لقاء ربه فليعمل عملاً صالحًا و لا يشرك بعبادة ربه احدًا۔ | جو کوئی اپنے پروردگار سے ملاقات کرنے کا آرزومند ہے اس پر لازم ہے کہ نیک عمل کرے اور کسی کو اپنے پروردگار کی عبادت میں شریک نہ کرے۔

(۱۸:۱۱۰)

حسب بیان امام غزالی رح یہ آیت ایسے لوگوں کے متعلق اتری تھی جو اپنے اعمال و عبادات میں مزدوری اور ثنا و مدح کے خواہش مند ہوتے تھے۔

احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم

ریا کی برائی میں پیشوائے امت صلعم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ صرف تمہاری صورتوں کی طرف اور تمہارے مال و دولت کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور عملوں کی طرف دیکھتا ہے۔" (رواہ مسلم)

یعنی وہ دیکھتا ہے کہ تم کس نیت سے کوئی عمل کرتے ہو تمہارے عمل خیر میں کوئی کھوٹ اور آمیزش تو نہیں۔ غرض ظاہر کی صفائی، خالص نیت اور صفائی دل کے بغیر قابل اعتناء نہیں۔

شرک خفی بعض ارشادات نبویہ میں ریا کو شرک خفی یا شرک اصغر سے بھی تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ دنیوی اغراض کی آمیزش سے ان اعمال میں خدائے واحد کے ساتھ کسی اور چیز کو شریک کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:

Marfat.com

ان اخوف ما اخاف	زیادہ ہولناک چیز، جس سے میں
علیکم الشرك	اپنی امت پر خوف کرتا ہوں،
الاصغر ۔	چھوٹا شرک ہے ۔

حاضرین عرض پیرا ہوئے: "یا رسول اللہ! شرک اصغر کیا چیز ہے؟" آپ نے فرمایا: "المریاء" یعنی ریا۔ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

فرمایا: "کیا میں تمھیں وہ چیز بتاؤں جو تم پر مسیح الدجال کے فتنے سے بھی زیادہ خوفناک ہے؟" صحابہ رض عرض پیرا ہوئے: "ہاں، یا رسول اللہ! اس کی خبر دیجیے۔" آپ نے فرمایا: "وہ چیز شرک خفی ہے اور شرک خفی یہ ہے کہ نمازی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اگر کوئی شخص اسے دیکھ رہا ہو تو اپنی نماز میں طوالت کر دیتا ہے۔" (رواہ ابن ماجہ)

سعدی شیرازی رح نے اس حدیث کا مضمون اس بیت میں ادا کیا ہے:

کلیدِ درِ دوزخ است آں نماز — کہ در چشم مردم گزاری دراز

فرمایا: حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں شرکاء میں شرک سے مستغنی تر ہوں۔ جو کوئی کسی نیک عمل میں کسی کو میرا شریک کرے، میں اسے اس کے شرک کے ساتھ چھوڑتا ہوں۔" ایک روایت میں فرمایا: "میں اس سے بیزار ہوں، اس کا عمل اسی شریک کے لیے ہے جس کے واسطے وہ بجا لایا" (رواہ مسلم)

یعنی جو عبادت اور عمل دکھلانے اور شہرت طلبی کے لیے ہو وہ بارگاہ خداوندی میں مقبول نہیں بلکہ مردود ہے۔ خدائے برتر اسی عبادت اور عمل کو قبول کرتا ہے جو خالصۃً للہ ہو اور اس میں کسی دوسرے کا لگاؤ نہ ہو۔

ریاکار کی اخروی رسوائی

نبی صلعم نے فرمایا: "جو شخص لوگوں کو سنانے کے لیے عمل کرے، اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کے عیبوں کو شہرت دے گا (برائیاں عالم آشکارا کر کے اسے رسوا کرے گا) اور جو شخص دکھانے کے لیے کوئی عمل کرے، حق تعالیٰ اس کے عیب لوگوں کو دکھائے گا۔"

Marfat.com

(رواہ البخاری ومسلم)

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "جو کوئی لوگوں کو اپنے عمل سنائے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کے کانوں میں یہ خبر پہنچائے گا کہ فلاں شخص ریاکار ہے اور اسے حقیر و ذلیل کرے گا۔" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

فرمایا: "جب مالک الملک قیامت کے دن لوگوں کو ان کے حساب کتاب کے لیے جمع کرے گا تو ایک منادی فرشتۂ خدا کرے گا کہ جس کسی نے اپنے عمل میں غیر اللہ کو خدا کا شریک کیا، وہ اس کا ثواب اسی غیر اللہ سے طلب کرے، کیونکہ رب العالمین تمام شرکاء کے مقابلے میں شرک سے بہت زیادہ بے نیاز ہے۔" (مشکوٰۃ بحوالہ احمد)

آپ نے فرمایا: "جُبُّ الحزن کے داخلے سے خدا کی پناہ مانگو۔" صحابہ رضی اللہ عنہم ملتمس ہوئے: "یارسول اللہ! جُبُّ الحزن کیا ہے؟" فرمایا: "وہ جہنم کی ایک وادی ہے کہ خود دوزخ بھی اس سے ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتا ہے۔" صحابہ کہنے لگے: "یارسول اللہ! اس میں کون لوگ ڈالے جائیں گے؟" فرمایا: "وہ قرآن پڑھنے والے جو لوگوں کو اپنا عمل دکھاتے ہیں۔" (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی وابن ماجہ)

حضرت مُعاذ بن جَبَل رضی اللہ عنہ کی گریہ وزاری

مروی ہے کہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوئے اور دیکھا کہ مُعاذ بن جَبَل رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے مرقد منوّر کے پاس رو رہے ہیں۔ حضرت خلافت مآب رضی اللہ عنہ نے گریے کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: "میں نے رسول اکرم ﷺ سے سُنا، فرماتے تھے: "تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے اور خدا ایسے قدوس ایسے مخفی متقیوں کو دوست رکھتا ہے کہ اگر غائب ہو جائیں تو کوئی ان کی تلاش نہ کرے اور اگر سامنے آ سکیں تو کوئی انھیں نہ پہچانے۔ ان کے دل چراغِ ہدایت ہیں، ہر زمین تاریک غبار آلود سے دوڑے آتے ہیں۔" (احیاء العلوم)

نفاق

ریا کی ایک قسم نفاق ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: "ہم اوقات

ہم لوگ اپنے حکام و امراء کے پاس جاتے ہیں تو وہاں ان سے ایسی گفتگو کرتے ہیں، جن سے وہ خوش ہوں اور جب وہاں سے نکلتے ہیں تو اس کے برعکس گفتگو کرنے لگتے ہیں" حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "عہد رسالت میں تو ہم ایسا کرنے کو نفاق (منافقوں کی علامت) سمجھتے تھے" (رواہ ابن ماجہ)

اخلاص میں تکدر بعض اوقات آدمی کی نیت تو قصد تقرب ہی کی ہوتی ہے مگر اس کے سبب اور باعث میں ریا یا حظِ نفس وغیرہ امور کا دخل ہوجاتا ہے۔ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بہت سی مثالیں دی ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"کوئی شخص بقصد تقرب روزہ رکھے تاکہ پرہیز کا فائدہ بھی حاصل ہو اور تقرب بھی رہے۔ یا اس نیت سے غلام آزاد کرے کہ اس کے نان و نفقہ اور بدخلقی سے چھوٹ جائے۔ یا اس لیے حج کرے کہ سفر کی نقل و حرکت اور تبدیل آب و ہوا سے اس کا مزاج درست ہوجائے یا کسی برائی اور زیان سے، جو وطن میں رہنے سے عائد حال ہوتا ہو، بچ جائے یا اس لیے کہ کسی دشمن سے فرار کی نیت ہو یا زن و فرزند اور امور خانہ داری سے طبیعت اکتا گئی ہو اور چند روز استراحت کرنا چاہے۔

(یا جہاد میں اس نیت سے جائے کہ فن حرب میں مہارت ہو اور اس کے اسباب و لوازم جمع کرسکے اور فراہمی لشکر اور غنیم پر چڑھائی کا تجربہ ہوجائے یا نماز تہجد اس غرض سے پڑھے کہ بیدار رہ کر اپنے گھر بار کی حفاظت کرے یا علم دین اس لیے سیکھے کہ اس کے ذریعے سے مال بقدر کفایت کا طلب کرنا آسان ہوجائے یا اس خیال سے کہ اپنی قوم میں معزز و محترم ہوجائے، خواہ اس توقع پر کہ اس کا مال و متاع علم کے طفیل سے طامعین کی طمع سے محفوظ رہے یا درس و وعظ اس لیے کہے کہ گفتگو کی لذت سے بہرہ ور ہو یا علماء و صلحاء کی خدمت اس لیے کرے کہ ان کی اور عوام الناس کی نظروں میں اس کی حرمت و توقیر زیادہ ہو۔ یا اس لیے کہ دنیا کے لوگ اس سے حسن سلوک پیش آئیں اور اس کا ساتھ دیں۔

"یا کلام مجید اس لیے لکھے کہ کتابت کرتے رہنے سے خط اچھا ہوجائے گا

Marfat.com

[illegible]

[illegible] لکھتے ہیں کہ ان سب صورتوں میں اگر باعث یہ ہے تقرب الی اللہ ہی کا ہو گا اور ان خیالات و خطرات میں سے کوئی خطرہ شامل ہو جائے گا حتیٰ کہ وہ ایک باعث جس پر عمل کا مدار ہے، آسانی معلوم ہو گا تو اس کا عمل حد اخلاص سے خارج ہو جائے گا۔ [illegible] نہیں کہیں گے کہ خالص رضائے الٰہی کے لیے ہے وہ اس میں شرکت داخل ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرماتے ہیں: میں سب شرکاء کی نسبت شرک سے غنی تر ہوں۔ غرض دنیا کے حظوظ میں سے جس حظ کی یہ حیثیت ہو گی کہ نفس اس کی طرف مائل ہو اور دل راغب ہو تو خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت، جب کسی عمل میں دخل پائے گا تو اس حظ کے دخل سے اس کی صفائی اور اخلاص مکدر ہو جائے گا۔

انفرادی عبادت کا اخفاء

عبادتیں دو طرح کی ہیں، اجتماعی اور انفرادی۔ اجتماعی وہ ہیں جو مل کر کی جاتی ہیں، جیسے نمازہائے پنجگانہ، جمعہ، عیدین، استسقاء، حج اور جہاد اور انفرادی وہ ہیں جو یکہ و تنہا ادا کی جاتی ہیں۔ اجتماعی عبادات چھوڑ کر دوسری عبادتیں انفرادی ہیں۔ اجتماعی اعمالِ خیر میں تو اخفاء کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انفرادی اعمال و اشغال میں جہاں تک بسہولت

ممکن ہو، اخفاء و تستر مستحسن ہے۔ اخفاء میں دو فائدے ہیں، ریا اور نمود سے حفاظت اور اجر و ثواب میں افزونی و زیادت۔

ہمارے اسلاف کرام انفرادی عبادتوں کو جس طرح مخفی رکھنے میں کوشاں رہے ہیں، اُس کے چند نظائر ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

ایوب سختیانی تابعی رح ہمیشہ عبادت و ریاضت کو چھپاتے تھے اور فرماتے تھے: "آدمی کے لیے اپنے زہد اور عبادت گزاری کا مخفی رکھنا ظاہر کرنے سے بہتر ہے" (ابن سعد) ساری ساری رات عبادت کرتے تھے لیکن لوگوں سے چھپانے کے لیے صبح کو اس طرح آواز بلند کرتے کہ سننے والوں کو معلوم ہو، ابھی سو کر اٹھے ہیں (تذکرۃ الحفاظ جلد اوّل ص ۱۱۷)

ربیع بن خیثم رح کے تمام اعمال مخفی تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ انھوں نے تلاوت کے لیے مصحف کھولا تھا کہ اچانک کوئی آ گیا تو اسے چادر کے نیچے چھپا لیتے تھے۔ امام احمد بن حنبل رح قرآن پڑھا کرتے تھے لیکن یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ کب ختم کرتے ہیں۔ عامر بن عبد قیس رح کو ناگوار ہوتا تھا کہ کوئی انھیں نماز پڑھتے دیکھے۔ وہ کسی مسجد میں نفل نہ پڑھتے، حالانکہ ہر روز ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے اور ابن ابی لیلیٰ رح جب نماز پڑھتے اور کوئی شخص وہاں آتا تو لیٹ جاتے (تلبیس ابلیس امام ابن جوزی رح ص ۲۱۷، ۲۱۸)

سفیان ثوری رح نے فرمایا: "بندہ مدت تک ایک عمل خفیہ کیا کرتا ہے۔ پھر اسے شیطان برابر ابھارتا رہتا ہے۔ آخر وہ لوگوں سے بیان کرنے لگتا ہے تو خفیہ عمل کے دفتر سے نکال کر اس کا نام علانیہ والوں میں درج کر دیا جاتا ہے"۔ ابلیس نے عابدوں کی ایک جماعت پر یہ تلبیس ڈالی کہ وہ لوگوں کے مجمع میں رونا شروع کر دیتے ہیں۔ امام ابن جوزی رح فرماتے ہیں: "گو کبھی رقت ہو کر گریہ طاری ہوتا ہے لیکن جو کوئی روک سکے اور نہ روکے تو اس نے اپنے آپ کو ریاکاری کے لیے پیش کیا" (تلبیس ابلیس ص ۲۱۸)

انخفائے صدقہ عبادت کی طرح صدقہ وخیرات کا انخفاء بھی خوشنودئ باری تعالیٰ کے حصول اور ریا سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے۔ ابوذر غفاری رض سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلعم نے فرمایا: "حق تعالیٰ ایسے شخص کو دوست رکھتا ہے، جس نے اس طرح صدقہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور لینے والے کے سوا اسے کسی نے نہ جانا" (رواہ الترمذی والنسائی) حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم م نے فرمایا: "حق تعالیٰ اس آدمی کو دوست رکھتا ہے جو اس طرح صدقہ دے کہ اگر داہنے ہاتھ سے دے تو بائیں ہاتھ سے چھپائے" (رواہ الترمذی) بائیں ہاتھ سے چھپانے سے کمال مبالغہ مراد ہے یا یہ معنی ہیں کہ داہیں طرف مالے کو دے تو بائیں طرف والا اس سے مطلع نہ ہو۔

انخفائے جہاد باوجودیکہ جہاد ایک اجتماعی فریضہ ہے لیکن بعض اہل اللہ اس میں بھی اپنی شرکت اور اپنے شجاعانہ کارناموں کو باقتضائے کمال اخلاص مخفی رکھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ نصاریٰ پر جہاد کے لیے لشکرِ اسلام بلاد روم میں گیا۔ وہاں دشمن سے مقابلہ ہوا۔ اس زمانے میں رواج تھا کہ عام لڑائی سے پہلے دونوں لشکروں میں سے ایک ایک بہادر نکل کر داد شجاعت دیتا تھا۔ جب دونوں طرف سے صفیں درست ہوئیں تو نصاریٰ کی طرف سے ایک پہلوان میدان میں آیا اور مقابل و مبارز طلب کیا۔ ایک شخص مسلمانوں کی طرف سے از خود نکل کر اس کے مقابلے پر گیا اور کچھ دیر تک نصرانی کو کاوا دے کر اسے قتل کر ڈالا۔ پھر دوسرا نصرانی نکلا، اسے بھی ہلاک کیا۔ پھر تیسرا نصرانی نکلا، اسے بھی ہلاک کیا۔ پھر چوتھا آیا، اسے بھی قعر عدم میں پہنچایا اور آواز دی کہ اب کسی اور کو بھیجو۔ اب پانچواں نصرانی مقابلے پر آیا اور اسے بھی تھوڑی دیر تک چکر دینے کے بعد نیزہ مار کر ہلاک کر دیا۔

اب عیسائیوں کی طرف سے کسی مبارز نے مقابلے پر آنے کی جرأت نہ کی لیکن لشکرِ اسلام میں سے اکثر آدمی اپنے شہسوار کی طرف دوڑ پڑے تاکہ واپس لائیں، بہت تھک گیا ہوگا اور دیکھیں کہ یہ کون سا بہادر ہے؟

عبدہ بن سلیمان کا بیان ہے: "جب ہم اس بہادر کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ بڑے عمامے سے ڈھاٹا باندھے ہے۔ میں نے اس کا ڈھاٹا کھینچ لیا تاکہ پہچان سکوں تو معلوم ہوا کہ وہ ہمارے مشہور و ممتاز عالم عبداللہ بن مبارک ہیں۔"

امام ابن جوزی رح یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "بھائیو! اس مخلص عالم کو دیکھو کہ اُسے کس طرح اپنے اخلاص کے بارے میں خوف پیدا ہوا، مبادا لوگوں کے دیکھنے اور مدح کرنے سے اس میں کسی قسم کا شائبہ اثر کرے تو اس کا جی خوش ہو۔ اہل اللہ ہمیشہ ریا و نمود سے دامن کش رہے ہیں۔" ابراہیم بن ادہمؒ جہاد میں قتال کرتے۔ جب کچھ مال غنیمت ہوتا تو اس میں سے کچھ نہ لیتے تاکہ ان کا ثواب زیادہ ہو۔" (تلبیس ابلیس امام جوزی رح)

Marfat.com

پچیسواں باب

اتحاد و اتفاق

وحدت قومی اور اُخوّتِ عمومی

ہمدردانِ بنی نوعِ انسان کچھ مدت سے اس کوشش میں منہمک تھے کہ روئے زمین کے انسان ایک ہی نظامِ اخوت میں مربوط کیے جائیں اور تفرقے کا نام و نشان نہ رہے۔ اس کے لیے بڑی بڑی کوششیں ہوتی رہیں لیکن کامیابی کا چہرہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ جب عالمگیر اتحاد اور ہمہ رس اخوت کا خواب کسی طرح شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا تو بعض علم بردارانِ ترقی و اصلاح نے زبان اور رنگ کی بنیاد پر قوموں کو متحد کرنے کا عزم کیا۔ بعض نے ذات اور نسل کے اعتبار سے اتحاد کی کوششیں شروع کیں اور بعض نے وطن اور سلطنت کے نام پر اتحاد کے اہم مقصد پر پہنچنا چاہا، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ ایک عالمگیر برادری قائم ہونے کے بجائے دنیا میں رنگوں، نسلوں، وطنوں، زبانوں اور سلطنتوں کی آویزش شروع ہوگئی۔

جب استادِ تجربہ نے بتایا کہ زبان، نسل اور وطن کا کوئی رشتہ اقوامِ عالم کو ایک مرکز پر جمع نہیں کرسکتا تو اقوامِ عالم کو انسانیت / مزدوری اور اشتراکیت کے نام پر متحد کرنے کی جدوجہد شروع ہوئی۔ اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسان زمینداروں کے دشمن ہوگئے۔ مزدور سرمایہ دار کے خون کے پیاسے نظر آئے اور انسانوں کی بعض جماعتیں دوسرے لوگوں سے درندوں کا سا سلوک کرنے لگیں۔

انبیائے سلف اور عالمگیر اخوّتِ انسانی

سید المرسلین حضرت محمد مصطفی صلعم سے پہلے جس قدر نبی اور رسول دنیا میں بھیجے گئے، وہ خاص خاص قوموں کی رہنمائی اور خاص خاص وقتوں کے لیے تشریف لائے تھے۔ جیسے جیسے وہ دنیا کو الوداع کہتے گئے، اُن کا تبلیغی مشن بھی ان کے ساتھ ہی ختم ہوجاتا رہا، اس لیے ظاہر ہے کہ وہ دنیا کو ایک عالمگیر برادری اور ہمہ رس انسانی اخوت کے شایانِ عام

پر نہیں ڈال سکتے تھے۔ حضرت مسیحؑ جیسے صاحبِ عزیمت رسول بھی اپنے پیش روؤں کی طرح دنیا کی صرف ایک قوم کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے۔ چنانچہ آپ نے خود فرمایا کہ "میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" (انجیل متی ۱۵ : ۲۴)

اس بناء پر انھوں نے بھی عالمِ انسانیت کو وحدتِ قومی اور اخوتِ عمومی کا کوئی ایسا پیغام نہ دیا جس میں مختلف قوموں اور نسلوں کے لوگ داخل ہو کر صحیح معنیٰ میں ایک متحدہ قوم بن سکتے۔ چنانچہ آج بھی مسیحی دنیا مختلف قومیتوں اور جداگانہ قومی و وطنی حکومتوں پر مشتمل ہے۔ ان حکومتوں نے قومی اور نسلی جنگوں کی مصیبت سے نجات پانے کے لیے جلیبا میں جمعیت الاقوام کا ڈھونگ کھڑا کیا تھا، لیکن جمعیت بھی بین الاقوامی اتحاد کی ذہنیت پیدا نہ کرسکی، بلکہ اس حقیقت کی بناء پر کہ اس کا مطمح نظر کمزوروں کو دبانا تھا، اتحاد اور مساوات کا قیام اس کے بس کا روگ نہ تھا۔

کوکبۂ جمالِ مصطفویؐ

لیکن یاد رہے کہ عالمگیر اخوت کا قیام ہزارہا سال سے حضرت سرورِ کون و مکان خاتم الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰؐ کی تشریف آوری کا منتظر تھا۔ چنانچہ ربِّ جلیل نے اپنے کلامِ پاک میں اعلان فرمایا:

قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ (۷ : ۱۵۸)	"اے رسولؐ! کہہ دیجیے کہ اے دنیا جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"
وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا۔ (۳۴ : ۲۸)	اور فرمایا کہ "ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔"

غرض سیدنا محمد رسول اللہ صلعم کائنات ارضی کے سب سے پہلے اور سب سے آخری عالمگیر نبی اور بین الاقوامی رسول ہیں اور بنی آدم کا قومی مذہب اور بین الاقوامی قانون اسلام ہے۔ دوسرے تمام مذہبی مقنداؤں نے قومیت کی بنیاد وطنیت پر

Marfat.com

رکھی تھی، لیکن حضرت خاتم الانبیاء ؐ نے اس کی بنیاد مذہب قرار دی۔ آنحضرت ؐ کا نصب العین انبیاءِ سلف کی طرح کسی خاص قوم کی اصلاح و فلاح نہ تھا بلکہ آپ نے اپنے پیروؤں کو بتایا کہ تم لوگ سارے عالمِ انسانیت کی اصلاح اور رہنمائی کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔

آنحضرت ؐ نے اس وسیع برادری کی پیدائش کے لیے وطنی تعصبات اور ملکی خصوصیات کو بالکل برطرف کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر وہ شخص جس نے اسلام کی دعوت قبول کی، خواہ وہ کسی ملک کا رہنے والا اور کسی نسل سے تعلق رکھتا تھا، اپنی برادری میں شامل کر لیا گیا اور جس شخص کو اسلام کی عالمگیر برادری میں داخل ہونے کا فخر حاصل تھا، ہر قائلِ کلمۂ توحید پر فرض ہو جاتا تھا کہ اس کی حمایت و صیانت کرے۔

ایک انگریز دنیا میں جو کارنامے انجام دیتا ہے، اُن سے اُس کا مقصد انگلستان کا نام روشن کرنے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ایک فرانسی یا جرمن جو کچھ کرتا ہے وہ صرف فرانس یا جرمنی کے سُود و بہبود کے لیے کرتا ہے۔ لیکن اسلام نے وطنیت کے اس محدود مفہوم کو کبھی قابلِ اعتنا نہیں سمجھا۔ اسلام کا نظریہ ہمیشہ بہت بلند رہا ہے۔ وہ دنیا کے تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے عرصۂ شہود میں جلوہ گر ہوا اور ساری دنیا کو اپنا وطن سمجھا۔ جغرافیے کے خاص حصہ یا انسانوں کے کسی خاص گروہ کی ترقی و اصلاح کبھی اس کے پیشِ نظر نہیں رہی۔ اس کا مطمحِ نظر ہمیشہ یہی رہا:

ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

دُنیا کی متحدہ قومیّت

پیغمبرِ عربی صلعم نے آقا و غلام کے امتیاز، امیر و غریب کے فرق، نسل اور خون کے اختلاف اور رنگتوں اور زبانوں کی تفریق کے باوجود لوگوں کو وحدتِ قومی کے نظام میں اس طرح منسلک کر دیا جس کی نظیر دنیا میں کہیں نہ مل سکے گی۔ اسلام نے جس ملک میں قدم رکھے، وہاں کی نسلی، وطنی اور لسانی قومیتوں کو دبا کر اپنی قومیت پیدا کی، چنانچہ یورپ کے سب سے بڑے ادیب اور فلاسفر مسٹر برنارڈ شا نے لکھا: "دنیا کے جس ملک میں بھی جا کر یہ سوال کرو کہ تم کون ہو؟ تو کوئی کہے گا انگریز، کوئی جواب دے گا جاپانی اور کوئی کہے گا امریکی، لیکن محمد رسول اللہ صلعم کے پیرو

خواہ ترک ہوں یا عرب، ہندی ہوں یا ایرانی، کبھی اپنے وطن کا نام نہ لیں گے بلکہ اپنے آپ کو مسلمان بتائیں گے۔"

اس سے ثابت ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم نے اپنی امت میں کس طرح تفرقوں کو مٹا کر متحدہ قومیت کی روح پھونکی۔ اسی حقیقت کے پیش نظر مسٹر شا نے آگے چل کر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ایک صدی تک اہل یورپ عموماً اور اہل انگلستان خصوصاً ایسا مذہب قبول کر لیں گے جو یا تو اسلام ہوگا یا اسلام کے مشابہ۔ اس لیے یہ دین، جو اسلام کہلاتا ہے مسلمانوں سے مخصوص نہیں، بلکہ ساری نوعِ انسانی کے لیے ہے۔

مہاجرین و انصار میں عقدِ مؤاخات

پیغمبرِ خدا صلعم نے ہجرت کے بعد سب سے پہلے جس کام کی طرف توجہ فرمائی .... وہ مہاجروں کے آرام و آسائش کا اہتمام تھا۔ اس سلسلے میں آپ نے مناسب خیال فرمایا کہ مہاجرین و انصار میں رشتۂ اخوت قائم کیا جائے، چنانچہ اس غرض کے لیے سب کو ایک انصاری کے مکان پر جمع ہونے کا حکم دیا۔ ایک طرف مہاجر بیٹھے اور دوسری طرف انصار کو بٹھایا۔ آپ نے انصار سے خطاب کر کے فرمایا کہ "مہاجر تمہارے بھائی ہیں۔" پھر آپ ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کو بلاتے اور دونوں سے فرماتے کہ "آج سے تم دونوں ایسے بھائی ہو جنھیں دنیا کی کوئی ماسوی اللہ طاقت جدا نہیں کر سکتی۔" اس قیامِ اخوت کے بعد وہ آپس میں ایسے بھائی بھائی بن گئے جس کے سامنے حقیقی رشتہ کوئی چیز نہ رہا۔

جب یہ مجلس برخاست ہوئی تو ہر انصاری اپنے اپنے مہاجر بھائی کو اپنے گھر لے گیا .... اپنے گھر کی ایک ایک چیز دکھائی اور شمار کرائی۔ اس کے بعد کہا کہ ہر چیز نصف آپ کی ہے اور نصف ہماری۔ اس جذبۂ اخوت کی انتہا یہ تھی کہ جب حضرت سعد بن ربیع انصاری رض نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مہاجر رض کو اپنے گھر کی ہر چیز دکھا دی تو کہنے لگے کہ "بھائی! میں نے اپنی تمام چیزیں نصف نصف کر دیں۔ اب صرف بیویاں باقی رہ گئی ہیں۔ میری دو بیویاں ہیں۔ میری خواہش ہے کہ ان میں سے آپ جس کو چاہیں اسے طلاق دے دوں اور آپ اس سے شادی کر لیں۔"

حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف نے جواب دیا "میں آپ کی اس برادر نوازی کا نہایت ممنون ہوں اور اس اخوت پر جس قدر فخر کروں کم ہے۔ رب کریم آپ کو اس سے زیادہ دے۔ مجھے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ مجھے تو آپ بازار کا راستہ بتادیجیے میں اپنی دنیا خود بناؤں گا" حضرت سعد رضؓ بن ربیع نے بہتیرا اصرار کیا مگر جناب عبدالرحمٰن رضؓ نے ان کی کوئی پیشکش منظور نہ فرمائی اور حضرت سعد رضؓ نے مجبور ہو کر انھیں بازار قینقاع دکھا دیا۔ انھوں نے وہاں تجارت شروع کر دی۔

حضرات مہاجرین تجارت پیشہ اور بیع و شرا کے خوگر تھے اور انصار کا پیشہ زراعت و باغبانی تھا۔ انصار کی ساری دولت مدینہ کے نخلستان تھے۔ ایک مرتبہ انصار نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی "یا رسول اللہ! آپ ہمارے باغات اور نخلستان بھی ہمارے مہاجر بھائیوں میں برابر تقسیم فرما دیجیے" چونکہ حضرات مہاجرین زراعت اور باغبانی سے بے خبر تھے، حضور ﷺ نے اس سے انکار فرمایا۔ انصار عرض پیرا ہوئے "یا رسول اللہ! آپ کسی بات کا خیال نہ فرمائیں۔ کام تو ہم خود ہی کر لیں گے۔ پیداوار میں نصف نصف کر دیجیے" چونکہ انصار نے اس درخواست کے قبول کیے جانے پر بہت اصرار کیا اس لیے آنحضرت ﷺ نے یہ پیشکش منظور فرمائی۔

مہاجرین و انصار کا رشتۂ اخوت اس درجہ قوی تھا کہ جب کوئی انصاری عالم آخرت کو سدھارتا تو اس کا مہاجر بھائی اس کے ترکے کا مالک ہوتا تھا۔ اس کے بعد جب ۴ھ میں آپ نے بنو نضیر کو ان کی غداریوں کی بنا پر، جس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں آئے گی، جلاوطنی کا حکم دیا تو آپ نے انصار کو جمع کر کے فرمایا: "تم جانتے ہو کہ مہاجر غریب اور نادار ہیں، اگر تمھاری رائے ہو تو بنی نضیر کے باغات اور نخلستان تنہا مہاجروں ہی کو دے دیے جائیں" انصار کا جذبۂ ایثار، جو سیارگانِ فلک کی آنکھیں خیرہ کر رہا تھا، بھلا اس تجویز پر کیونکر اکتفا کر سکتا تھا، عرض پیرا ہوئے "یا رسول اللہ! ہم اور مہاجر کوئی غیر نہیں، بلکہ بھائی بھائی ہیں، اس لیے ہماری خواہش ہے کہ آپ بنی نضیر کے چھوڑے ہوئے نخلستان بھی انھیں دے دیجیے اور ہمارے نخلستان بھی حسب سابق ان کے پاس رہنے

Marfat.com

دیکھیے "انھیں بلند ہمت انصار کے متعلق حق تعالیٰ کی لسانِ وحی نے قرآن میں فرمایا:

والذین تبوؤ الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃً مما اوتوا ویؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃٌ ۔ (۹ : ۵۹)	اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دارالسلام (مدینہ) میں مہاجروں کی آمد سے پہلے ہی مقیم ہیں۔ یہ لوگ ان افراد سے محبت کرتے ہیں جو ان کے پاس ہجرت کرکے آئے اور انھیں (پیغمبرؐ کی طرف سے) جو کچھ ملتا ہے، اس کی طرف سے اپنے دلوں میں کوئی ناگواری محسوس نہیں کرتے (بلکہ) خود فاقہ برداشت کرکے بھی (مہاجروں کو) اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس مواخات اور اتحاد کی نظیر جو پیغمبر اسلام صلعم نے قائم کیا دنیا کی کوئی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

قبائلِ مدینہ سے اتحاد اور اشتراکِ عمل کا معاہدہ

مہاجرین و انصار کے عقدِ مواخات سے فراغت پا کر آپ نے اغیار سے رابطۂ اتحاد و مودت استوار کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ اس وقت مدینہ منورہ اور اس کے مضافات میں متعدد قبائل آباد تھے، جن میں یہود کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ آپ نے ہجرت کے پہلے ہی سال ان سب سے اخوت و مساوات کے اصول پر عہد و پیمان کیا۔ اس معاہدے کے شرائط سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت بھی آپ مذہبی اور نسلی منافرت مٹا کر ایک بین الاقوامی اخوت کے اسباب مہیا فرما رہے تھے۔ اس معاہدے کے چند الفاظ یہ تھے: "مسلمان اور یہود اور ان کے ساتھی ہمدردی، نیکی اور فیض رسانی میں ایک دوسرے کے معاون رہیں گے، مظلوم کی دادرسی کریں گے اور مدینہ اور اس کے مضافات میں فتنہ و فساد، کشت و خون حرام سمجھیں گے۔"

یہ عہد نامہ لکھا گیا اور اس پر مختلف قبائل کے دستخط کرائے گئے۔ پھر آنحضرتؐ

ودّان تک سفر کیا اور قبیلہ بنی حمزہ کو بھی اس اتحاد میں شامل فرمایا۔ وہاں سے ذوالعشیرہ تشریف لے گئے اور بنی مدلج سے مدینہ منورہ تک جتنے قبائل آباد تھے ان سب کو اس سلسلۂ اتحاد میں منسلک فرمایا۔ سفروں کا یہ سلسلہ اُس وقت تک برابر جاری رہا جب تک بُت پرست قریش نے مدینہ منورہ پر حملہ کر کے اتحاد کا یہ سلسلہ درہم برہم نہ کر دیا۔ (ابن ہشام وغیرہ)

اتحاد اور اعتصام بحبل اللہ

اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ کون سی ایسی الٰہی تعلیم تھی، جس نے پیغمبر عربی صلعم کے پیروؤں کو رنگ نسل اور زبان کے اختلافات کے باوجود باہم اس درجہ قریب اور متحد الخیال کر دیا۔

مسلمانانِ عالم ایک جسم ہیں

پیغمبرِ خدا صلعم نے اتحاد و اخوت کے سلسلۂ تعلیمات میں ساری دنیا کے مسلمانوں کو ایک جسم قرار دیا اور فرمایا کہ آپس کی ہمدردی، محبت اور شفقت میں مومنوں کو جسم انسانی کی مانند پاؤ گے کہ جب ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو باقی اعضائے بدن بھی بے خوابی اور تپ میں اس کے شریک حال ہو جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم) مقتضائے ایمان یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کے پاؤں میں کانٹا چبھے تو ہر مومن کے دل میں اس کی خلش ہو۔ اگر ایک جگہ کا مسلمان کسی رنج و پریشانی میں مبتلا ہو تو دنیا بھر کے کلمہ گو اس کے رنج و غم میں اسی طرح شریک نظر آئیں جس طرح آشوب چشم کے وقت سارا بدن مضطرب اور بے چین ہو جاتا ہے۔

ان معنی میں سرورِ عالم صلعم نے فرمایا کہ دنیا کے تمام مومن شخصِ واحد کا حکم رکھتے ہیں۔ اگر آنکھ دکھتی ہے تو سارا بدن دکھ میں شریک ہوتا ہے اور اگر سر میں درد ہو تو سارا بدن تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے (مسلم)

مومن کا فرض ہے کہ اپنے دینی بھائی کی تائید و نصرت میں اسی طرح آمادہ و سرگرم رہے جس طرح دیوار کی اینٹیں ایک دوسری کی تقویت اور مضبوطی کا باعث ہوتی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت نے فرمایا "مومن دوسرے مومن کے حق میں عمارت کی مانند ہے جس کے بعض حصے دوسرے حصوں کی مضبوطی اور تقویت کا باعث ہیں۔" یہ فرما کر آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے دست مبارک کی انگلیوں میں داخل کر دیں (بخاری و مسلم)

اور دکھایا کہ جس طرح ایک ہاتھ کی انگلیوں نے دوسری انگلیوں کو مضبوط کر دیا ہے اسی طرح ہر مومن کا فرض ہے کہ انفراد و انشقاق سے بچ کر قوم کی تقویت کا باعث بنا رہے۔ چنانچہ کسی شاعر کا رشحۂ فکر ہے:

مایۂ حیات قوم تھا گستۂ اجتماع میں — قوم ذریعۂ نجات سمجھی ہے انفراد کو

اسی طرح کسی نے کہا ہے:

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں — موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

محبت و موالات کی تاکید

محبت و موالات کے متعلق بیشمار احادیث نبویہ صادر ہوئی ہیں، جن میں سے چند یہاں درج کی جاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن حق تعالیٰ فرمائے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو دنیا میں میری عظمت و جلال کے پیش نظر آپس میں محبت رکھتے تھے۔ میں آج کے دن جب میرے سایے کے سوا کوئی سایہ نہیں، انھیں اپنے ظلِ (عاطفت) میں جگہ دوں گا (مسلم) اسی طرح فرمایا: سات شخص ہیں جنھیں حق تعالیٰ قیامت کے دن جب اس کے ظل (رحمت) کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا اپنی رحمت کے سایے میں جگہ دے گا (۱) حاکم عادل (۲) وہ عادل جو اپنی جوانی عبادات الٰہی میں گزارے (۳) وہ شخص جس کا دل مسجد سے نکلتے وقت مسجد ہی میں معلق ہے یہاں تک کہ مسجد کو مراجعت کرے (۴) وہ شخص جو آپس میں اللہ کے لیے محبت رکھتے ہیں، اس کی محبت میں ملتے ہیں اور اس کی محبت میں جدا ہوتے ہیں (۵) وہ آدمی جو حق تعالیٰ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے تو اس کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں (۶) وہ شخص جسے کسی ذی حسب اور خوش جمال عورت نے اپنی طرف مائل کیا تو اس نے (انکار کرتے ہوئے) کہا کہ مجھے خوفِ خدا لاحق ہے (۷) وہ شخص جو ایسے اخفاء کے ساتھ صدقہ خیرات کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو اس کی خبر نہ ہو، اس کے داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا؟ (بخاری و مسلم)

اور فرمایا: "حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں کے لیے میری محبت واجب ہو گئی جو میری رضا جوئی کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں اور ان کے لیے جو میری رضا کے باہم میل جول رکھتے ہیں اور ان کے لیے جو میری رضامندی حاصل کرنے کے لیے اپنے

Marfat.com

مال خرچ کرتے ہیں (موطاء امام مالکؒ) اور فرمایا: اگر دو مسلمان اللہ کے لیے (بلا غرض طمع) باہم محبت رکھتے ہوں (ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں تو حق تعالیٰ قیامت کے دن انھیں ایک جگہ جمع کردے گا اور ان میں ہر ایک سے فرمائے گا کہ دیکھو یہ وہی شخص ہے جس سے تم میرے لیے محبت کرتے تھے (بیہقی فی الشعب) اور فرمایا: حق تعالیٰ کو یہ عمل نہایت محبوب ہے کہ مومن کسی مومن سے دوستی رکھے تو اللہ کے لیے رکھے اور بغض رکھے تو اللہ کے لیے رکھے (احمد و ابوداؤد)

ضعیف الایمان مسلمان

علماء نے لکھا ہے کہ جو مسلمان دوسرے مومن کا رنج وغم دیکھ کر رنجیدہ نہ ہو یا قدرت و استطاعت کے باوجود اس کا رنج دور کرنے کی کوشش نہ کرے، اس کے ایمان میں خلل ہے۔ چنانچہ سرورِ کائنات صلعم نے فرمایا کہ جس جگہ کسی مسلمان کی توہین اور بے حرمتی ہو رہی ہو اور اس کی آبرو کو نقصان پہنچ رہا ہو اگر وہاں کوئی دوسرا مسلمان اس کی مدد نہ کرے تو حق تعالیٰ، ایسے وقت میں اس کی مدد نہیں کرے گا جب وہ باری تعالیٰ کی امداد کا محتاج ہوگا اور جو مسلمان کسی مسلمان کی مدد ایسی جگہ کرے جہاں اس کی آبروریزی ہو رہی ہو اور اس کی بے حرمتی کی جاتی ہو تو حق تعالیٰ اس کی مدد ایسے مقام پر کرے گا جب وہ امداد خداوندی کا آرزومند ہو گا (ابوداؤد)

اور فرمایا: اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں مظلوم کی تو مدد کرتا ہوں لیکن ظالم کی امداد کیونکر کی جائے؟ فرمایا: ظالم کی امداد یہ ہے کہ اسے ظلم سے روک دیا جائے (بخاری و مسلم) اور فرمایا کہ مسلمان اپنے مسلمان بھائی کا آئینہ ہے اور مومن مومن کا بھائی ہے۔ اسے نقصان سے بچاتا ہے۔ اس کے حقوق کی غائبانہ حفاظت کرتا ہے (ترمذی، ابوداؤد) اور فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان کو کسی منافق کے فتنے سے بچالے، حق تعالیٰ قیامت کے دن ایک فرشتہ بھیجے گا جو اسے دوزخ میں داخل ہونے سے بچالے گا اور جو شخص کسی مسلمان پر کسی عیب کی تہمت لگائے، حق تعالیٰ اسے پل صراط پر اس وقت تک محبوس رکھے گا جب تک وہ اس تہمت کی سزا نہ بھگت لے (ابوداؤد)

فرمایا: سب سے اچھا مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور ہاتھوں سے

Marfat.com

سلامت رہیں (احمد) اور فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس پر ظلم نہ کرے، اسے نقصان نہ پہنچنے دے۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی کی کوشش کرتا ہے، حق تعالیٰ اس کا حاجت روا بن جاتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت اور پریشانی کو دور کر دے حق تعالیٰ قیامت کے غموں اور مصیبتوں میں سے اس کا کوئی بڑا غم دور کر دے گا اور جو شخص کسی مسلمان کا عیب ڈھانکے، رب العزت قیامت کے دن اس کی عیب پوشی کرے گا (بخاری و مسلم) اور فرمایا: مجھے اسی ذات برتر کی قسم جس کے دستِ اختیار میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے (بخاری و مسلم)

رفرمایا: مسلمان بھائی سے مسکرا کر ملنا کارِ خیر ہے۔ نیک کام کی ترغیب دینا اور برائی سے روکنا کارِ خیر ہے، راستہ بھولنے والے کی رہنمائی کرنا کارِ خیر ہے۔ نابینا کی دستگیری کرنا اور راہ پر لے چلنا کارِ خیر ہے۔ پتھر کانٹے ہڈی (وغیرہ ایذا رساں چیزوں) کا راستے سے ہٹا دینا کارِ خیر ہے۔ پانی کا ڈول دوسرے کے برتن میں ڈال دینا کارِ خیر ہے (ترمذی) اور فرمایا: مسلمان بھائی کی خیر خواہی کرنا دین (کی اصل) ہے (ترمذی)

ہر مسلمان کا فرض ہے، وہ گریبان میں منہ ڈالے اور تعلیماتِ نبوت کی روشنی میں غور کرے ... کہ وہ کہاں تک ان اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر حقوق المسلمین کی طرف سے عہدہ برآ ہو رہا ہے۔

اتحاد و اتفاق کے دوسرے محرکات

مل کر کھانا کھانا

ہادیٔ انام صلعم نے مسلمانوں کو باہم مربوط کرنے کے لیے انھیں بہت سی ایسی عملی تعلیمات سے بھی بہرہ مند فرمایا جن سے اتحاد و اشتراک کی روح ترقی پذیر ہوسکتی ہے۔ ان میں سے ایک باہم مل کر کھانا کھانا اور دوسروں کو اپنے کھانے میں شریک کرنا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: سب مل کر کھانا کھاؤ۔ جدا جدا نہ کھاؤ کیونکہ جماعت میں برکت ہے (ابن ماجہ) ایک مرتبہ آپ کے پاس اصحابِ صفہ نے شکایت کی کہ ہم کھاتے ہیں لیکن

شکم سیر نہیں ہوتے۔ فرمایا: شاید تم الگ الگ کھاتے ہوگے؟ انھوں نے کہا، ہاں، متفرق ہی کھاتے ہیں۔ فرمایا: مل کر کھانا کھایا کرو اور اس پر اللہ کا نام لے کر کھایا کرو، اس میں برکت ہوگی (ابن ماجہ)

مل کر کھائیں، انواع و اقسام کی چیزیں کھانے کو جو ملتی ہیں، کوئی کم خور ہوتا ہے اور کوئی زیادہ کھانے والا، سب کا پیٹ بھر جاتا ہے اکثر ارتباط بڑھتا ہے، جی لگتا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا جب دسترخوان بچھایا جائے تو کوئی شخص اس وقت تک کھڑا نہ ہو جب تک دسترخوان اٹھایا نہ جائے اور کوئی اس وقت تک ہاتھ کھانے سے نہ ہٹائے جب تک دوسرے لوگ بھی فارغ نہ ہو جائیں، اگرچہ سیر ہو چکا ہو۔ اگر کھانے سے دست برداری ہی ضروری ہو تو ساتھ والوں کے سامنے عذر پیش کر دے کیونکہ جب ساتھی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں تو آدمی کھانا کھانے سے شرماتا ہے گو اشتہاء باقی ہو (ابن ماجہ)

کھانے میں دوسروں کی شرکت

شفیق عالم صلعم یہ بات پسند نہیں فرماتے تھے کہ کوئی مسلمان اپنے کھانے میں کسی فاقہ کش بھائی کو شریک نہ کرے۔ اس معنی میں آپ نے فرمایا: ایک شخص کا کھانا دو کو، دو کا چار کو، چار کا آٹھ کو کفایت کرتا ہے (مسلم) اور اصحاب رسول اللہ یہ امر بعید از انصاف سمجھتے تھے کہ کوئی شخص اپنا تو پیٹ بھر لے اور دوسرا مسلمان فاقہ کرے۔ یمن کے ایک قبیلے کو اشعری کہتے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضہ اسی قبیلے کے چشم و چراغ تھے۔ سید کائنات صلعم نے ان کی نسبت فرمایا: جب اشعری لوگ لڑائی کے دوران میں غذا کے حاجت مند ہوتے ہیں یا مدینہ میں ان کے اہل و عیال کو کھانے کی تکلیف ہوتی ہے تو تھوڑا بہت جو کچھ کسی کے پاس کھانے کا سامان ہو، اسے ایک جگہ جمع کرتے ہیں۔ پھر تمام اشیاء برابر برابر بانٹ لیتے ہیں۔ سو میں ان سے راضی ہوں۔ وہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں (بخاری و مسلم) آپ نے اس ارشاد میں اپنے پیروؤں کو تعلیم دی کہ تمام مسلمان اس طرح اشتراک اور تعاون و تناصر کا عملی رنگ اختیار کریں۔

دعوت قبول کرنے کی تاکید

اتحاد اور جذبۂ اخوت کے قیام و استحکام کا ایک ذریعہ

Marfat.com

دوسروں کی دعوت کرنا اور خود دعوتوں میں شریک ہونا ہے۔ حبیب رب العالمین صلعم نے پیرووں کو دعوت قبول کرنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے، چنانچہ ارشاد فرمایا: جب کوئی کھانے کی دعوت کرے تو ضرور قبول کرو۔ وہاں جاکر مرضی ہو تو کھانا کھاؤ ورنہ نہ کھاؤ (مسلم) اور فرمایا: جب کوئی ولیمے کی دعوت کرے تو اس میں ضرور شرکت کرو (بخاری و مسلم) اور فرمایا: جس شخص نے (اپنے مسلمان بھائی کی) دعوتِ ولیمہ قبول نہ کی، اس نے اللہ اور اس کے رسول صلعم کی نافرمانی کی (بخاری و مسلم) دوسری روایت میں آپ نے فرمایا جس شخص نے دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور جو کوئی بے بلائے چلا آیا، وہ چوروں کی طرح آیا اور (قزاقوں کی طرح) لوٹ کھسوٹ کر گیا (ابوداؤد)

دعوتِ ولیمہ قبول نہ کرنے کی وعید کا منشا یہ ہے کہ قبول دعوت ازدیادِ محبت و الفت کا ذریعہ تھا۔ جس نے اسے قبول نہ کیا اس نے سلسلۂ مودّت منقطع کر کے خدا اور اس کے برگزیدہ رسول صلعم کو ناخوش کیا، لیکن یاد رہے کہ اگر کوئی قوی عذر درپیش ہو تو دعوت کا مسترد کرنا بھی جائز ہے، مثلاً دعوت کا مقصد محض بڑائی اور غرور کا اظہار ہو یا داعی کا ذریعۂ معاش وجہ حرام سے ہو یا ایسی دعوت ہو جس میں صرف مالدار مدعو ہوں مسکینوں اور محتاجوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہو یا صاحبِ دعوت فاسق و فاجر ہو اور مصاحبت کے لائق نہ سمجھا جائے۔

افشاءِ سلام

ازدیادِ محبت و ارتباط کا ایک ذریعہ ایک دوسرے کو السلام علیکم کہنا بھی ہے، چنانچہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا: مجھے اُسی ذات برتر کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، ایمان کے بغیر جنّت میں نہ جا سکو گے اور اُس وقت تک (پورے) مومن نہ ہوگے جب تک باہم ارتباط و محبت پیدا کرو گے اور کیا میں تمھیں وہ کام بتاؤں جس پر عمل کرنے سے باہم الفت کرنے لگو؟ صحابہ رضی نے عرض پیرا ہوئے ہاں یا رسول اللہ صلعم ضرور بتائیے۔ فرمایا: السلام علیکم کو خوب افشا اور رائج کرو۔ (مسلم)

السلام علیکم کے معنی یہ ہیں کہ خدا تمھیں سلامت رکھے اور ہر بلا سے بچائے۔

Marfat.com

افسوس کہ تفریخ کے موجودہ دور میں مغربیت زدہ حرماں نصیبوں کو اسلامی طریقے سے سلام کہہ دیا جائے تو وہ اس سے اس طرح بدکتے ہیں جس طرح سُرخ کپڑا دیکھ کر بیل آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ اس برانگیختگی سے انھیں یہ ثابت کرنا منظور ہوتا ہے کہ وہ سلامتی و عافیت کے لائق نہیں بلکہ خسران و ہلاکت کے سزاوار ہیں۔

سلام کرنے کے لیے شناسا اور غیر شناسا کا کوئی امتیاز نہیں (البخاری) خود اپنے گھر میں بھی السلام علیکم کہہ کر جانا چاہیے، چنانچہ رحمت عالم صلعم نے حضرت انسؓ سے فرمایا کہ جب اپنے گھر میں جاؤ تو سلام کر لیا کرو۔ یہ تمہارے لیے اور گھر والوں کے لیے موجب برکت ہوگا (ترمذی)

سلام کرنے میں دو اُصولوں کا لحاظ

سلام کرنے میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو اصول ملحوظ رکھے۔ ایک تو ادب و احترام کا لحاظ اور اس اصول کے بموجب آپ نے حُکم دیا کہ چھوٹا بڑے کو، گذرنے والا بیٹھنے والے کو اور تھوڑے آدمی کثیر افراد کو سلام کریں۔ دوسرے وہ جس سے تواضع وخاکساری کا اظہار ہو۔ اس اصول کی بناء پر آپ نے فرمایا: سوار پیدل چلنے والے کو اور پیدل چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے (ترمذی) اگر سلام پر رحمۃ اللہ وبرکاتہ، کا اضافہ کیا جائے تو اور زیادہ موجب ثواب ہے۔ (ترمذی)

نماز با جماعت، صلوٰۃ جمعہ، عیدین اور اجتماع حج،

دُنیا کے مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پنجگانہ مسجد میں جاکر باجماعت ادا کرنے کی تاکید فرمائی۔ دوسرے بیشمار روحانی اغراض ومفاد کے علاوہ اس میں ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اتحاد اور میل جول کی روح ترقی کرتی ہے۔ ان نمازیوں کے درمیان جو ایک مسجد میں مل کر نماز پڑھتے ہیں، ارتباط بڑھتا ہے۔ یہ تو اہل محلہ میں میل ملاپ کی عملی صورت تھی۔ شہر کے ایک بڑے حصے بلکہ سارے شہر کے مسلمانوں سے سلسلۂ مودّت استوار کرنے کے لیے نماز جمعہ مقرر فرمائی گئی۔

Marfat.com

اس نماز میں منجملہ دیگر روحانی مقاصد کے ایک نفع یہ ہے کہ دوسرے محلوں کے مسلمانوں سے بھی اُنس پیدا ہوتا اور ربط بڑھتا ہے۔ سال میں دو مرتبہ عید کی نمازوں میں سارے شہر کے مسلمانوں سے ملاقات ہوتی اور ارتباط کا موقع ملتا ہے۔

اسی طرح ایک عالمگیر اجتماع حج میں ہے جو بشرط استطاعت مدت العمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ اس میں ساری اسلامی دنیا کے اخوانِ مذہب سے ملاقات ہوتی اور بہتوں سے رابطۂ مودّت قائم ہوجاتا ہے۔ لاکھ ڈیڑھ لاکھ کا یہ غیر معمولی ازدحام دیکھ کر اخلاص و محبت کا سرچشمہ موج زن ہوتا ہے اور اس کے بعد مدت العمر اس عالمگیر برادری کے مشاہدے سے لوحِ دل پر عظمتِ اسلام کے نقش مرتسم رہتے ہیں۔

Marfat.com

چھبیسواں باب

اِصلاح ذات البین

عام منازعات میں سمجھوتا

اِصلاح ذات البین لوگوں کے جھگڑے چکانے اور مصالحت کرانے کو کہتے ہیں۔ تفرقے مٹانا اور مصالحت کی روح پیدا کرنا انبیاء ؑ کے فرائض اوّلین میں داخل تھا۔ اس بناء پر مصلحِ اعظم ؐ خود بھی اس اصلاح میں کوشاں رہتے تھے اور صحابۂ کرام رضؓ کو بھی اس کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

ملاپ کرانے کی تعلیم

رسُول اللہ صلعم نے فرمایا: دو شخصوں میں عدل سے صلح کرا دینا صدقہ (کارِ خیر) ہے (بخاری و مسلم) اور فرمایا: کیا میں تمھیں ایسا عمل بتاؤں جو روزے، نماز اور زکوٰۃ سے بھی افضل ہے؟ صحابہ ؓ عرض پیرا ہوئے: "ہاں یا رسُول اللہ صلعم!" فرمایا: "وہ عمل لوگوں میں مصالحت کرا دینا ہے اور ان میں فساد ڈالنا دین کے مونڈنے والی حرکت ہے" (ترمذی و ابو داؤد)

محترمہ اُمّ کلثوم بنت عقبہ رضؓ کا بیان ہے کہ رسُول خدا صلعم نے فرمایا: "اگر کوئی شخص لوگوں میں مصالحت کرانے کی غرض سے کوئی ایسی اچھی بات کہہ دے جس میں کوئی کمی بیشی ہو تو وہ جھوٹا نہیں" (ترمذی و ابوداؤد)

حضرات! یہ اُمّ کلثوم صحابیہ رضؓ اسی عقبہ بن ابی مُعَیط شقی ازلی کی سعادت مند دختر ہیں جس نے مکہ معظمہ میں سیّد کائنات صلعم کی پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی لاکر رکھ دی تھی۔ یخرج الحیّ من المیّت و یخرج المیّت من الحیّ۔ اور حضور ؐ نے ابو ایوب انصاری رضؓ سے فرمایا تھا: کیا میں تمھیں ایک ایسا کارِ خیر بتاؤں جس سے اللہ اور اس کا رسُول صلعم خوشنود ہوتا ہے؟ انھوں نے کہا: "ہاں"۔ فرمایا: جب لوگوں میں بگاڑ اور فساد ہو تو تم ان میں ملاپ کراؤ اور جب ایک دوسرے

Marfat.com

سے دُور ہوں تو انھیں باہم قریب کر دو'' (رواہ البزار والطبرانی) (الترغیب والترہیب منذری جلد ۳ ص ۲۰۸)

ملاپ کرانے کا طریقہ

بعض لوگ باہم صلح کرانے میں یہ غلط طریقہ عمل میں لاتے ہیں کہ ظالم کے ساتھ مظلوم کو بھی دباتے ہیں۔ یہ اصلاح نہیں بلکہ افساد ہے۔ مصلح عالم صلعم ایسا ہرگز نہیں کرتے تھے۔ مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں، اصلاح کے معنیٰ یہ ہیں کہ حکم الٰہی کے مطابق فیصلہ کیا جائے اور صاحب حق کو دبانا حکم الٰہی کے خلاف ہے۔ پس صلح کرانے کا طریقہ یہ نہیں جو آج کل رائج ہے کہ دونوں فریق کو کچھ کچھ دبایا جاتا ہے یہاں تک کہ جس کا حق ہوتا ہے، اسے بھی مجبور کیا جاتا ہے بلکہ صلح کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ جو ناحق پر ہو، اسے دبایا جائے کیونکہ صاحب حق کو دبانا اصرار ہے اور غیر صاحب حق کو دبانا اصرار سے روکنا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

وان طائفتٰن من	اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں
المؤمنین اقتتلوا	لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح
فاصلحوا بینھما۔	کر دو۔ (۴۹ : ۹)

مطلب یہ کہ صحیح بنیاد پر صلح کراؤ اور اگر اس پر راضی نہ ہو تو سب مل کر غلط بنیاد ڈھا دو۔

اب یہاں یہ دکھایا جاتا ہے کہ خُدا کے برگزیدہ رسُول صلعم نے دنیا میں تشریف لاکر کس طرح جھگڑے مٹائے۔ بچھڑے ہوؤں کو ملایا۔ ٹوٹے دلوں کو جوڑا اور دشمنوں میں مصالحت کرا کے انھیں بھائی بھائی بنایا۔

حجرِ اسود کی نزاع کا فیصلہ

آنحضرت صلعم کی عمر میں فصل خصومت کا شاہد اوّلین واقعہ حجرِ اسود کی نزاع کا فیصلہ تھا۔ اہل عرب کی نظر میں کعبۂ معلیٰ اسلام سے پہلے بھی اسی طرح معزز و محترم تھا جس طرح آج کل ہے۔ تاج رسالت زیب سر ہونے سے پہلے جب پیغمبر خدا صلعم کا سن مبارک پینتیس سال کا ہوا تو قریش یعنی کعبے کے بُت پرست متولّیوں نے تکمیل تعمیر

کا قصد کیا۔ اس وقت کعبۂ معلّیٰ پر چھت نہ تھی اور دیواروں کی بلندی بھی صرف قدِ آدم کے برابر تھی۔ تعمیر کا کام شروع ہوا اور سب مل کر پتھر لانے لگے۔ آپ بھی نقل و حملِ احجار میں شریک ہوئے۔ آستانۂ حرم اتنا بلند کیا گیا کہ بیت اللہ سیلِ آب سے ہر طرح محفوظ ہے۔

جب حجرِ اسود کے رکھنے کی نوبت آئی تو بطونِ قریش یعنی بنی ہاشم، بنو امیہ، بنی مخزوم، بنی زہرہ وغیرہم میں سخت اختلافِ رائے ہوا کہ کون سا قبیلہ اس شرف سے مشرف ہو۔ ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ یہ طرۂ امتیاز اسی کی کلاہِ افتخار پر نظر آئے۔ جاہل اور اکھڑ تو تھے ہی، اتنی سی بات پر جھگڑا شروع ہو گیا اور سب قبائل لڑنے مرنے پر تُل گئے۔ ہر قبیلہ یہی کہہ رہا تھا کہ جب تک ہم سب قتل نہ ہو جائیں گے کسی دوسرے قبیلے کو حجرِ اسود رکھنے نہ دیں گے۔ آخر سیف اللہ خالد رضؓ کے باپ ولید بن مغیرہ نے کہا، اگر میرا کہا مانو تو میں فیصلے کی ایک آسان صورت پیش کرتا ہوں کہ جو کوئی صبح سب سے پہلے باب بنی شیبہ سے داخل ہو، وہی اس قضیئے کا حَکَم ہو اسی کے حکم کے مطابق عمل کیا جائے۔ سب نے یہ فیصلہ تسلیم کیا۔ حضرت خیر الانامؐ دوسرے دن سب سے پہلے باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے۔ آپ کو دیکھ کر سب کہنے لگے کہ یہ محمدؐ ہیں جو امین اور نیک کردار ہیں اور قریش بھی آپ کو نبوت سے پہلے امانت و دیانت میں شہرۂ آفاق وضرب المثل ہونے کے باعث امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ غرض حسبِ قرار داد آپ سے درخواست کی گئی کہ اس نزاع کا تصفیہ کر دیں۔ اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو غالباً اپنی قوم بنی ہاشم کے حق میں فیصلہ کرتا لیکن آپ نے بنی ہاشم کی کوئی رعایت نہ کی بلکہ ایسی حکمت سے کام لیا کہ آپ کی فرزانگی اور معاملہ فہمی کی دھاک بیٹھ گئی۔

آپ نے اپنی ردائے مبارک زمین پر بچھائی۔ حجرِ اسود اٹھا کر چادر پر رکھا اور فرمایا، ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی چادر کے کونے پکڑ کر اٹھائے اور مقامِ نصب تک لے چلے اس ترکیب سے ہر قبیلہ اس سعادت میں برابر کا حصہ دار ہو گا۔ اس کے بعد سب حضرات مجھے حجرِ اسود کے رکھنے میں وکیل کر دیں۔" قریش کے تمام قبیلوں نے یہ تجویز منظور کی اور یہ قضیہ آپ کے حسنِ تدبر سے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ طے ہو گیا۔ (ابن ہشام وغیرہ)

Marfat.com

اوس وخزرج میں رشتۂ اخوت کا قیام

آپ نے مدینہ منورہ کے دو متحارب گروہوں کو جس طرح سلک محبت و مودت میں منسلک کیا، اس کی نظیر بھی دنیا کی تاریخ میں بالکل ناپید ہے۔ مدینہ کے مسلمان جو انصار کے معزز لقب سے ممتاز ہوئے، دو گروہوں میں منقسم تھے۔ ایک کو اوس اور دوسرے کو خزرج کہتے تھے۔ قبول اسلام سے پہلے یہ دونوں قبیلے ایک سو بیس سال لڑتے بھڑتے چلے آتے تھے۔ ان کی آخری آویزش نبوت کے ساتویں سال یعنی ہجرت سے چھ برس پیشتر ہوئی تھی۔ یہ معرکہ جنگ بعاث کے نام سے مشہور ہے۔ بعاث ایک قلعہ تھا، جس کے مالک اوس تھے۔ جب یہ دونوں قبیلے مسلمان ہوئے تو پیغمبر خدا صلعم کی روحانی تعلیمات کی برکت سے ان کی دیرینہ عداوت محبت اور دوستی سے بدل گئی اور سب لوگ بھائی بھائی ہو گئے۔ قریش مکہ کی طرح مدینہ کے یہود بھی اسلام کی خانہ بر اندازی کے منصوبے سوچتے رہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کو جو قوت حاصل ہے، وہ اوس اور خزرج کے اتحاد کی وجہ سے ہے۔ انھیں یقین تھا کہ اگر کسی طرح ان دو قبیلوں میں از سر نو مناقشہ شروع ہو جائے تو اسلام خود بخود فنا ہو جائے گا۔ یہود ہمیشہ اس ادھیڑ بن میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح ان میں سر پھٹول ہو۔ ایک مرتبہ دونوں قبیلوں کے کچھ مسلمان بیٹھے ہوئے بڑی محبت سے باتیں کر رہے تھے۔ مرشاش بن قیس نام ایک یہودی اُدھر سے گزرا۔ یہ پیر فرتوت اسلام اور داعئ اسلام صلعم کا بدترین دشمن تھا۔ یہودی کو مسلمانوں کا میل جول ایک آنکھ نہ بھایا۔ یہ شخص محو حیرت تھا کہ ان دونوں قبیلوں میں ایسی یک دلی کیونکر پیدا ہوئی اور سوچنے لگا کہ ان میں از سر نو کیونکر پھوٹ ڈالی جا سکتی ہے؟ آخر ایک دن ایک یہودی نوجوان کو، جو ان دونوں قبیلوں میں اکثر جا کر بیٹھا کرتا تھا، سکھا دیا کہ کسی ایسے موقع پر جب اوس اور خزرج کے بہت سے آدمی جمع ہوں، ان کی سابقہ عداوت و جنگ آزمائی کا قصہ چھیڑ دینا۔ چنانچہ اس نے ایک بڑے مجمع میں جنگ بعاث کی رزمیہ نظمیں پڑھنی شروع کر دیں۔ گو اس جنگ میں اوس کو فتح ہوئی تھی لیکن اس نے دونوں قبیلوں کی قوت برباد کر دی تھی اور دونوں کے سردار قتل ہو گئے تھے۔ مسلمان یہودی کی اس چال

کو تو نہ سمجھے۔ ان روح فرسا واقعات کی یاد نے پرانے زخم تازہ کر دیے۔ عداوت کی دبی ہوئی چنگاری دفعتہً سلگ اُٹھی طعن و تشنیع اور سخت کلامی سے گزر کر مرنے مارنے پر آمادہ ہوئے۔ جب پیغمبرِ خدا صلعم کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو آپ اپنے جلیل القدر صحابہؓ کو ساتھ لے کر موقع پر پہنچے اور فرمایا: "اے مسلمانو! یہ کیا حرکت ہے؟ میں تم میں موجود ہوں۔ پھر تم عہد جاہلیت کی یاد تازہ کر کے وحدت قومی کا شیرازہ منتشر کرتے ہو؟" اس وقت فریقین اپنی غلطی پر متنبہ ہوئے اور رو رو کر معانقہ کرنے لگے۔ پھر عہد کیا کہ آئندہ یہود کے اس چکمے میں کبھی نہ آئیں گے۔ معاً جبریل امینؑ سورۂ آل عمران کی آیتیں (۱۰۰-۱۰۳) لے کر نازل ہوئے (ترجمہ) "اے اہلِ ایمان! اگر تم اہل کتاب میں سے کسی کی بات پر چلو گے تو تمھیں تمھارے ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے، اور تم کیونکر کفر کے مرتکب ہو سکتے ہو جب تمھیں اللہ کے احکام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اور تم میں اللہ کا رسول صلعم موجود ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق استوار کر لیتا ہے، اسے صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کی جاتی ہے۔ اے مومنو! حق تعالیٰ سے کما حقہٗ ڈرتے رہو اور (خبردار) اسلام کے سوا کسی حالت پر تمھارا خاتمہ نہ ہو اور حق تعالیٰ کے سلسلہ (ہدایت) کو کلیتہً مضبوطی سے پکڑے رہو اور تفرقہ و نااتفاقی سے بچو اور اللہ تعالیٰ کے اس انعام و بخشش کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، حق تعالیٰ نے تمھارے دلوں میں الفت کا جذبہ پیدا کیا اور تم خدا کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھے، خدائے برتر نے تمھیں اس سے نجات دلائی۔"
(تفسیر ابن کثیر وغیرہ)

ابن ربیعہ کے خون سے درگزر

پیغمبرِ ہاشمی صلعم نے دنیا میں تشریف لا کر جن خرابیوں کا تدارک فرمایا، ان میں جاہلانہ انتقام جوئیوں کا انسداد بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ عرب میں اگر کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے مارا جاتا تھا تو اس کا انتقام لینا ایک خاندانی فرض سمجھا جاتا تھا یہاں تک کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی یہ فرضیت ساقط نہ ہوتی تھی۔ اس بناء پر عرب کی سرزمین لڑائیوں کے غیر منقطع

Marfat.com

سلسلوں کی وجہ سے لالہ زار بنی رہتی تھی۔ آخر جب دنیا کے مصلح اعظم حضرت احمد مجتبیٰ صلعم عرب کے اندر مبعوث ہوئے تو آپ نے اس احمقانہ انتقام جوئی کی ممانعت فرمادی۔ آپ کے عم زاد بھائی ربیعہ (بن حارث بن عبد المطلب) کا ایک بیٹا ایاس عہد جاہلیت میں قبیلہ بنی سعد میں پرورش پا رہا تھا کہ ہذیل نے اسے قتل کر دیا۔ ہاشمیوں پر ایاس کے خون کا انتقام ایک خاندانی فرض چلا آتا تھا۔ جس روز آنحضرت صلعم آخری حج کے لیے مکہ معظمہ تشریف لائے تو آپ نے اپنے مشہور خطبۂ حجۃ الوداع میں منجملہ دوسرے احکام کے یہ بھی فرمایا کہ آج سے عہد جاہلیت کے خونوں کے انتقام باطل کر دیے گئے، جو کچھ کسی خاندان نے دوسرے پر زیادتی کی ہے اسے نظر انداز کر دے۔ اب آپ نے سب سے پہلے لوگوں کے سامنے خود اپنے عفو و درگزر کا نمونہ پیش کیا اور فرمایا: "میں سب سے پہلے اپنے خاندان کی طرف سے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔" (مسلم و ابوداؤد) غرض آپ نے ہاشمیوں کی طرف سے یہ خون معاف کر کے عرب کی اس فتنہ گری کا سد باب کر دیا اور ایسی انتقام جوئیوں کو ہمیشہ کے لیے ممنوع قرار دیا۔ قاتل اور مقتول کے قبیلے بجائے اس کے کہ جدال و قتال کا لامتناہی سلسلہ جاری رکھتے، آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں مصالحت

مدینہ منورہ میں عام معمول تھا کہ جہاں کہیں اختلاف رونما ہوتا، آپ جا کر مصالحت کرا دیتے۔ ایک مرتبہ بنی عمرو بن عوف کے چند آدمیوں میں کچھ نزاع تھی۔ آپ چند صحابہؓ کے ساتھ تشریف لے گئے اور ان میں مصالحت کرا دی۔ اس گفتگو میں نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت بلال رضؓ نے مسجد نبویؐ میں اذان دی۔ لیکن آپ چونکہ اس وقت تک مراجعت فرمانہ ہوئے، حضرت بلال رضؓ نے جناب ابوبکر صدیق رضؓ کے پاس آ کر کہا کہ حضورؐ کے آنے میں کچھ رکاوٹ ہو گئی ہے اور نماز کا وقت ہو چکا ہے اس لیے آپ نماز پڑھا دیجیے۔ حضرت بلال رضؓ نے اقامت کہی اور جناب صدیق اکبر رضؓ نماز پڑھانے لگے۔ اس اثناء میں آپ بھی تشریف لے آئے اور اگلی صف میں کھڑے ہو گئے۔ اب نمازی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو حضورؐ کی تشریف آوری پر متنبہ کرنے کے لیے تالیاں بجانے لگے۔ (چونکہ نماز میں کامل استغراق تھا) حضرت صدیق رضؓ نے کوئی التفات نہ فرمایا۔ آخر جب تالیاں

Marfat.com

بکثرت بجنے لگیں تو ملتفت ہوئے اور محسوس کیا کہ حضرت سید عالم صلعم پیچھے صف میں کھڑے ہیں۔ پیچھے ہٹنا چاہا تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ "بدستور نماز پڑھاتے رہیے"۔ لیکن (حضرت صدیق رضؓ جیسا جان نثار بھلا یہ بات کیونکر گوارا کر سکتا تھا کہ اپنے آقا کا امام بنے) پیچھے ہٹ کر صف میں آ شامل ہوئے چنانچہ آپ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ سلام کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: "اے لوگو! یہ کیا بات ہے کہ تم نے نماز میں تالیاں بجانی شروع کر دیں۔ جب امام کو کسی امر کے متعلق متنبہ کرنے کی ضرورت ہو تو عورتوں کو تالی بجانی چاہیے اور مرد سبحان اللہ کہیں"۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے فرمایا: "جب میں نے اشارہ کر دیا تھا تو آپ بدستور کیوں نماز نہ پڑھاتے رہے"۔ حضرت صدیق رضؓ نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! ابن ابی قحافہ کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ رسولِ خدا صلعم کے آگے کھڑا ہو۔ (بخاری)

کالے بچے کے باپ کی تسکین

اور یہ کچھ بڑے بڑے منازعات و مناقشات کے انفصال ہی پر موقوف نہ تھا بلکہ آپ کی ذات گرامی ہر حیثیت سے مرجع انام تھی۔ لوگ ہر مشکل میں آپ کی طرف رجوع کر کے اپنے درد کا مداوا کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قبیلہ بنی فزارہ کے ایک شخص کے گھر میں سیاہ فام لڑکا متولد ہوا۔ اسے شبہ ہوا کہ لڑکا اس کا نہیں۔ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا یا رسول اللہؐ! میری ایک بیوی ہے جس نے سیاہ فام لڑکا جنا ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اونٹ بھی ہیں؟ بولا، ہاں ہیں۔ آپ نے پوچھا، اُن کا رنگ کیا ہے؟ عرض پیرا ہوا: سرخ ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا: ان میں کوئی چتکبرا بھی ہے؟ کہنے لگا: ہاں یا رسول اللہؐ! آپ نے فرمایا: یہ رنگ کہاں سے آ گیا؟ بولا: کسی رگ نے یہ رنگ کھینچ لیا ہوگا۔ فرمایا: یہاں بھی کسی رگ نے یہ رنگ نکالا ہوگا (ابن ماجہ) غرض آپ نے متردد باپ کو مطمئن کر کے صورتِ حال کی اصلاح فرما دی ورنہ معلوم نہیں کہ شوہر اپنی جرم ناآشنا بیوی سے کیا سلوک کرتا۔

قاتلوں کو قصاص سے بچانا

شفیق عالم صلعم کو جس طرح خود عفو و درگزر سے دل بستگی تھی اسی طرح دوسروں سے بھی جذبۂ ترحم

کے متمنی تھے۔ آپ قتل عمد کے مقدمات میں کوشش فرماتے تھے کہ مجرم قصاص سے بچ جائے۔ آپ قتل کے ملزموں کو مخلصی دلانے کی جو کوشش فرماتے تھے، وہ محض سفارش ہوتی تھی۔ آپ کسو بچار کئے ہی وہ کام کرتے تھے جہاں لوگوں کی بیسیوں کوششیں بھی اس کے حصول میں قاصر رہتی ہیں۔ جب آپ کی زبان مبارک ترک قصاص میں اُخروی منفعت کا اظہار کرتی تو مقتول کے اولیاء اس سے ایسی روحانی تسکین محسوس کرتے تھے کہ ان کے لیے عفو و درگزر قصاص طلبی سے کہیں زیادہ مرغوب و محبوب ہو جاتا تھا۔ اس کے چند نظائر ملاحظہ ہوں:

مثالیں

ایک قاتل آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے اُسے وارثِ مقتول کے حوالے کر دیا۔ قاتل کہنے لگا یا رسول اللہ! مجھے خدائے برتر کی قسم! میں نے عمداً ایسا نہیں کیا۔ یہ سُن کر آپ نے مقتول کے وارث سے فرمایا کہ اگر یہ سچ کہتا ہے اور اس کے باوجود تم اسے قصاص میں قتل کر دو گے تو تم قیامت کے دن پکڑے جاؤ گے۔ یہ سُن کر اس نے قاتل کو چھوڑ دیا۔ قاتل کے دونوں ہاتھ تسمے سے بندھے ہوئے تھے۔ وہ اپنا تسمہ گھسیٹتا ہوا نکلا۔ اس دن سے قاتل کا نام تسمے والا مشہور ہو گیا۔ (ابوداؤد)

اسی طرح ایک حادثۂ قتل میں آپ نے مقتول کے وارث سے فرمایا: کیا تم معاف کرتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے پوچھا کیا دیت (خون بہا) لینے پر رضامند ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ پوچھا کیا اسے قتل ہی کرو گے؟ بولا: ہاں۔ فرمایا: اچھا، اسے لے جاؤ۔ جب وہ لے چلا تو آپ نے مکرر پوچھا: کیا تم اسے معاف نہیں کرتے؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے پھر پوچھا؟ کیا دیت لیتے ہو؟ بولا نہیں۔ فرمایا: کیا اسے قتل ہی کرو گے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا، اچھا لے جاؤ۔ تیسری مرتبہ اس سے پھر یہی گفتگو کی اور اس نے جاں ستانی سے کم کوئی بات منظور نہ کی۔ آخر چوتھی مرتبہ آپ نے فرمایا: اگر تم اسے معاف کر دو گے تو یہ اپنا گناہ اور مقتول کے گناہ اپنے سر لے لے گا۔ یہ سُن کر مقتول کے ولی نے اسے چھوڑ دیا۔ (ابوداؤد)

ایک حبشی غلام نے ایک شخص کے بھتیجے کو مار ڈالا۔ آپ نے اس سے پوچھا

تم نے کیوں یہ حرکت کی؟ وہ کہنے لگا: یا رسول اللہ! میں نے غصّے میں آکر [illegible] کے سر پر تیر مارا۔ گرا اور تڑپ کر جان دے دی۔ مار ڈالنے کا قصد ہرگز نہ تھا۔ پوچھا، کیا تم اس کا خونبہا ادا کر سکتے ہو؟ اس نے کہا، نہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر میں تمھیں چھوڑ دوں تو لوگوں سے مانگ کر خونبہا ادا کر سکو گے؟ بولا نہیں۔ آپ نے پوچھا کیا تمھارا مالک دِیت ادا کر دے گا؟ کہا نہیں۔ یہ سُن کر آپ نے مقتول کے چچا سے فرمایا: اسے لے جاؤ۔ جب وہ قتل کے لیے چلا تو آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ یہ اسے قتل کر دے گا تو یہ بھی اسی کی مانند (قتلِ عمد میں شبہے کی وجہ سے قابلِ مؤاخذہ) ہو گا۔ یہ سُن کر مقتول کا چچا جلشی کو واپس لے آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! لیجیے، یہ حاضر ہے، جو مرضیٔ مبارک میں آئے، حکم کیجیے۔ ارشاد فرمایا: اسے چھوڑ دو۔ یہ اپنے اور تمھارے برادر زادہ کے گناہ سر پہ لے کر جہنّم میں چلا جائے گا۔ چنانچہ اس نے اسے بَری کر دیا۔ (ابوداؤد)

محلم بن جثامہ لیثی نے حالتِ اسلام میں قبیلہ اشجع کے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ مقدمہ خلاصۂ کائنات صلعم کے سامنے پیش ہوا۔ اس مقدمے میں عُیَینہ نے مقتول کی طرف سے اور اقرع بن حابس نے قاتل کی وکالت کی۔ سرورِ عالم صلعم نے مقتول کے وکیل سے فرمایا: عُیَینہ! کیا تم دِیت قبول کرتے ہو؟ عُیَینہ نے کہا، یا رسول اللہ! میں دِیت ہرگز قبول نہ کروں گا اور مجھے اس وقت تک چین نہ آئے گا جب تک محلم (قاتل) کے خاندان کی عورتیں بھی وہی رنج و صدمہ نہ اٹھائیں، جو ہمارے خاندان کی خواتین کو برداشت کرنا پڑا۔ آپ نے مکرّر فرمایا، عُیَینہ! کیا تم خونبہا قبول نہیں کرو گے؟ عُیَینہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہمیں خونبہا نہیں چاہیے بلکہ خون کے بدلے خون چاہیے۔

یہ سُن کر (قاتل کے خاندان) بنی لیث کا ایک شخص مکیتل کھڑا ہوا۔ یہ شخص ہتھیار باندھے تھا اور ہاتھ میں ڈھال لے رکھی تھی۔ عرض پیرا ہوا، یا رسول اللہ! میں آغازِ اسلام میں قاتل کے اقدامِ قتل کی ایسی مثال پاتا ہوں جیسے چند بکریاں کسی چشمے پر پانی پینے کو آئیں، لیکن جو پہلے پہل آئیں، انھیں کو تیر مار دیا گیا تو پچھلی سب بھاگ گئیں (اگر آپ ابتدائے اسلام میں قاتل کو قتل کر دیں گے تو اس کے خاندان

کے دوسرے لوگ جو ہنوز دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے، انھیں اسلام سے وحشت ہوگی کہ اسلام میں عفو و بخشش نہیں۔ پس یہ مثل صادق آئے گی کہ اگلی بکری کو مار کر سب کو بھگا دیا) اس کے بعد اُس نے دوسری تمثیل پیش کی اور بولا آج ایک طریقہ نکالیے اور کل اسے منسوخ کر دیجیے یعنی اگر آج قاتل کی طرف سے خونبہا قبول کر لیجیے گا تو آخر ہمیشہ ایسا تھوڑا ہی ہوتا رہے گا۔ آئندہ کسی سے قصاص بھی لے لیجیے گا۔ آپ پہلا حکم منسوخ کرنے کے مجاز ہیں۔

آپ نے فرمایا، میں مقتول کے ورثاء کو خونبہا دلاتا ہوں۔ پچاس اونٹ ابھی دیے جائیں اور پچاس مدینۃ پہنچ کر۔ محلم (قاتل) ایک طویل القامت گندم گوں جوان تھا۔ وہ سماعت مقدمہ کے دوران میں مجلس کے ایک کنارے بیٹھا تھا۔ جب بری کر دیا گیا تو آپ کے سامنے آ بیٹھا۔ اس وقت اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ محلم کہنے لگا، یارسول اللہ! مجھ سے گناہ ہوگیا ہے۔ اب میں توبہ کرتا ہوں۔ آپ میری مغفرت کے لیے دعا کر دیجیے۔ آنحضرتؐ کو اس حادثے کا (جو آپ کے لشکر میں بحالت سفر رونما ہوا) بڑا صدمہ تھا۔ آپ نے فرطِ رنج میں فرمایا، تم نے اُسے قتل کیا؛ اپنے ہتھیاروں سے؛ مسلمان ہونے کے بعد؛ یا اللہ! محلم کو نہ بخشنا۔ یہ سُن کر محلم ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگا۔ وہ چادر کے کونے سے آنسو پونچھتا جاتا تھا (اصل میں طلبِ مغفرت کی درخواست بے محل اور قبل از وقت تھی۔ مناسب یہ تھا کہ مدینہ پہنچنے کے چند دن بعد جب آپ کے رنج و ملال میں کمی ہو جاتی تو یہ استدعا کی جاتی، تاہم) محلم کے خاندان کا بیان ہے کہ حضورؐ نے اس کے بعد محلم کے لیے دعائے مغفرت کر دی تھی (ابوداؤد)

اسی طرح ایک شخص دوسرے کو تسمے سے کھینچتا ہُوا بارگاہِ نبوت میں آیا اور فریاد کرنے لگا کہ اس شخص نے میرے بھائی کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا، کیا واقعی تم نے مارا ہے؟ بولا، ہاں، میں نے مارا ہے۔ ہم دونوں درخت کے پتے جھاڑ رہے تھے۔ اس نے مجھے گالی دی۔ مجھے غصہ آیا

کلہاڑی اس کے سر پہ ماری ، وہ مرگیا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا تمہارے پاس کچھ مال ہے، جو اپنی جان کے عوض دے سکو؟ وہ بولا: اس کملی اور کلہاڑی کے سوا میرے پاس کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا، کیا تمہاری قوم کے لوگ تمہاری طرف سے خونبہا دے کے تمہیں چھڑا سکتے ہیں؟ اس نے کہا: ان کے دلوں میں میری اتنی وقعت نہیں کہ میری رہائی کے لیے مال خرچ کریں۔

یہ سُن کر آپ نے تسمہ مقتول کے بھائی کی طرف پھینک دیا۔ وہ اسے اس کی گردن مارنے کو لے چلا۔ جب اُس نے پیٹھ موڑی تو آپ نے حاضرین سے فرمایا: "اگر وہ اسے قتل کرے گا تو دونوں مساوی ہو جائیں گے۔" یہ سُن کر وہ لوٹا اور عرض پیرا ہوا: "یا رسُول اللہ! میں نے آپ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ میں اسے قتل کروں گا تو اس کے برابر ہو جاؤں گا اور میں تو اسے آپ ہی کے حکم سے لے چلا تھا۔" آپ نے مقتول کے وارث سے فرمایا: کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ وہ تمہارے اور تمہارے مقتول بھائی کے گناہوں کا بوجھ اپنے سر پہ اٹھالے؟" اس نے التماس کی: "یا رسُول اللہ! اگر ایسا ہے تو پھر چھوڑ دینے میں کیا مضایقہ ہے۔" چنانچہ اسے چھوڑ دیا (مسلم)

ستائیسواں باب

احسان

لوگوں پر احسان کرنا

احسان یعنی بھلائی کرنا ایک ایسا وصف ہے جو ہر کار خیر کو محیط ہے۔ اس کی بے شمار صورتیں ہیں، لیکن عام شکل یہ ہے کہ دوسرے سے ایسا نیک سلوک کیا جائے جس پر اس کا دل مسرور ہو اور اسے راحت و آرام پہنچے۔ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا:

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان۔	حق تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

(۱۶ : ۹۰)

عدل سے یہ مراد ہے کہ مسلمان کے تمام عقائد و جذبات، اعمال و اخلاق اور جملہ معاملات اعتدال و انصاف کی ترازو میں تُلے ہوں۔ اس کے کسی عقیدے یا عمل کی افراط و تفریط سے کوئی پلڑا جھکنے نہ پائے۔ بڑے سے بڑے دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ احسان کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہے۔ انصاف سے نیکی اور مروّت کو جمع کرے۔ انصاف محض تو کسی کے رنج و راحت اور تکلیف و آرام کی پروا نہیں کرتا۔ وہ ہر ایک کو اس کا واجبی حق دیتا ہے لیکن احسان ہی ہر ایک کے آرام اور راحت کا ہر وقت احساس رکھتا ہے۔

احسان نہ کرنے والے پر احسان

پیشوائے اعظم صلعم کی ساری عمر لوگوں پر احسان کرتے گزری۔ جس طرح آپ بذ[illegible] خود بھلائی اور احسان کے خوگر تھے، اسی طرح اپنے پیروؤں کو بھی اس کی [illegible] فرمایا کرتے تھے اور نہ صرف ان سے احسان و حسن سلوک کی تاکید کیا کرتے تھے

..... جن سے انسان مانوس ہو اور محبت وارتباط رکھتا ہو بلکہ آپ کی تعلیم یہ تھی کہ نیکی نہ کرنے والوں سے نیکی و احسان کیا جائے۔

چنانچہ عوف بن مالک صحابی رضؓ نے آپ سے دریافت کیا "یا رسولؐ اللہ! میں کبھی سفر میں ہوتا ہوں اور کسی کے پاس جاتا ہوں تو وہ میری ضیافت و میزبانی نہیں کرتا۔ کیا میں بھی اُس سے ایسا ہی سلوک کروں" فرمایا "نہیں، جب وہ تمہارے پاس آئے تو اس کی مہمانداری کرو"۔ (ترمذی)

احسان لینے سے احتراز انسان کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو، دوسروں کی امداد گوارا نہ کرے۔ نہ کسی سے قرض لے اور نہ انتہائی مجبوری کے بغیر کوئی اور احسان اُٹھائے بلکہ ہمیشہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرے کیونکہ بسا اوقات قرض ادا کرنے پر قدرت نہیں ہوتی اور احسان کا معاوضہ دینے کے لیے بھی عموماً حالات مساعدت نہیں کرتے۔ ایسی حالت میں دوسروں کے سامنے نظر نیچی کرنی پڑتی ہیں۔ اگر بالفرض قرض اُتارنے کی استطاعت نصیب ہو یا احسان کا عوض دے دیا جائے تو بھی مدت العمر محسن کا زیر بار احسان رہنا پڑتا ہے۔

علاوہ بریں اس میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ بعض لوگ احسان کر کے جتلانے لگتے ہیں بلکہ دنی الطبع لوگ تو طعنہ زنی پر اتر آتے ہیں۔ اس وقت طبیعت کو بڑی کوفت ہوتی ہے۔ اور تأسف ہوتا ہے کہ اس شخص کا احسان کیوں اٹھایا۔ حضرت سیّد کائنات صلعم ان لوگوں سے بہت خوش ہوتے تھے، جو راہ خدا میں اور اسلام کی قومی و مذہبی ضروریات پر سرمایہ خرچ کرتے تھے لیکن جہاں تک آپ کی اپنی ذات گرامی کا تعلق تھا، آپ حتی الامکان کسی کا احسان گوارا نہ فرماتے تھے۔

مسجد کے لیے زمین کا معاملہ جب آفتاب رسالت مدینہ کے اُفق سے طلوع ہوا تو وہاں ایک مسجد کی ضرورت تھی مسجد نبویؐ کے لیے جو زمین درکار تھی، اس کے مالک مفت نذر کرتے تھے لیکن پیغمبر خدا صلعم نے قیمت دیے بغیر اُسے لینا کسی طرح منظور نہ فرمایا۔ تعمیر مسجد سے پیشتر یہ معمول تھا کہ جس

جگہ نماز کا وقت آجاتا، وہیں پڑھ لیتے تھے۔ آخر آپ نے وحیِ الٰہی کے بموجب اس مقام پر مسجد تعمیر کرنے کا قصد فرمایا، جہاں آپ کی اونٹنی آکر بیٹھی تھی۔

یہ قطعۂ زمین قبیلہ بنی نجار کا تھا، جو آپ کے دادا عبدالمطلب کے ننھیال تھے۔ اس جگہ کے مالک سہل اور سہیل دو بھائی تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا: "اگر تم یہ زمین فروخت کرو تو ہم یہاں مسجد بنانا چاہتے ہیں"۔ وہ بولے: "یارسول اللہ! ہم بلاقیمت دیتے ہیں"۔ آپ نے بلاقیمت لینے سے انکار فرمایا۔ انھوں نے بہت منت سماجت کی، لیکن آپ نے منظور نہ فرمایا۔ آخر بعد قیل وقال دس مثقال یعنی چار تولے سونا قیمت قرار پائی اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنے پاس سے یہ رقم ادا فرمائی۔ اس کے بعد زمین ہموار کی گئی اور آپ نے صحابہ رضؓ سے فرمایا کہ اینٹیں پاتھو۔ اصحاب کرام رضؓ نے فوراً ارشاد کی تعمیل کی۔ چھت خرما کی شاخوں، دیواریں کچی اینٹوں سے بنائی گئیں اور ستون چوبِ خرما سے تیار کیے گئے۔

ان ایام میں نماز بیت المقدس کا رُخ کرکے بجانب شمال ادا کی جاتی تھی۔ ہجرت کے سولہ یا سترہ مہینے بعد جب تحویلِ قبلہ کا حکم صادر ہُوا تو حضور صلعم نے اس مقام کو چھوڑ کر اس کے بالمقابل جنوب کی طرف دوسری مسجد تعمیر کرائی۔ یہ مکان صفّہ کے نام سے موسوم ہوکر اصحابِ بے خانماں کا مسکن قرار پایا۔ نئی مسجد میں بھی کسی قسم کا تکلف و تجمل نہ تھا۔ پہلے کی طرح اس کے ستون بھی چوبِ خرما سے اور چھت شاخِ خرما سے بنی تھی۔ اس لیے جب پانی برستا تو مٹی گرنے لگتی۔ اس مسجد کے تین دروازے تھے۔ فتح خیبر تک مسجد اسی حالت پر رہی۔

اس کے بعد سرکارِ دوعالم صلعم نے از سرِ نو تعمیر کا عزم فرمایا۔ مسجد کی ہمسائیگی میں ایک مسکین اور عیال دار آدمی رہتا تھا، جس کے پاس بہت سی وافر زمین پڑی تھی۔ آپ کا قصد ہُوا کہ وہ زمین خرید کر مسجد کی توسیع کی جائے۔ صحابہ رضؓ سے فرمایا: "مسجد نمازیوں کے لیے تنگ ہے۔ کوئی ہے جو یہ جگہ خرید کر مسجد میں شامل کرے اور اس کے معاوضے میں مجھ سے جنت کا سودا کرے"۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ نے یہ زمین دس ہزار

درہم میں خرید کر رسول اللہ کی ملک میں دے دی۔ اب مسجد کی نئی تعمیر شروع ہوئی۔ سنگِ بنیاد آپ نے اپنے دستِ مبارک سے رکھا۔ آپ تعمیر فرماتے تھے اور صحابہؓ پتھر گارا وغیرہ سامان تعمیر آپ کو دیتے جاتے تھے۔ (طبرانی و تاریخ طبری ما اخرجہ البخاری مختصراً)

احسان جتلانے سے احتراز

کم ظرف آدمی احسان کر کے جتانے لگتا ہے لیکن عالی فطرت لوگ اپنے احسان کو تو طاقِ نسیان پر رکھ دیتے ہیں، اگر دوسرے کے احسان کو نہ صرف یاد رکھتے ہیں، بلکہ دوسروں کے سامنے اپنے قول و فعل سے اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ پیغمبرِ خدا صلعم کو یہ امر سخت ناگوار تھا کہ کوئی شخص احسان کر کے جتلائے۔ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن دو آدمیوں سے عنایت و مہربانی کے ساتھ ہمکلام نہ ہوگا اور نہ انھیں گناہوں سے پاک کرے گا، ایک احسان رکھنے والا، دوسرا اپنے مال اسباب کو جھوٹی قسم کھا کر فروخت کرنے والا (مسلم) اور فرمایا کہ احسان کر کے جتانے والا، والدین کا نافرمان اور بادہ خوار جنت میں نہ جائیں گے۔ (نسائی)

محسن کی شکرگزاری

حضرت سرورِ عالم صلعم محسنوں کے شکر گزار رہنے کی تاکید کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو کوئی چیز دی جائے، وہ بقدرِ استطاعت اس کا بدلا دے۔ اگر بدلا نہ دے سکے تو محسن کی تعریف کرے، بس اس نے شکر گزاری کا حق ادا کیا اور جس نے احسان کو مخفی رکھا، اس نے ناشکری کی۔ نیز فرمایا، جسے کوئی چیز ملے اور وہ اس کا ذکر کرے تو اس نے شکر ادا کیا اور اگر اسے چھپایا تو ناشکری کی۔ (ابوداؤد)

جب آپ نے اور آپ کے جاں نثار صحابہ رضہ نے اپنی قوم کے مظالم سے تنگ آ کر مکہ معظمہ سے ہجرت کی تو انصارِ مدینہ نے اپنا گھر بار، زمین، باغ، زر و مال غرض ہر چیز مہاجروں کے سامنے پیش کر دی تھی۔ حضرات مہاجرین عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! انصار سارا ثواب لوٹے لے گئے۔ آپ نے فرمایا، "نہیں، جب تک تم ان

حضرات کے حق میں دعا گو رہو گے اور ان کا شکریہ ادا کرو گے، تمھیں بھی ثواب ملتا رہے گا" (ابوداؤد) اور فرمایا: "جو شخص بندوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا، وہ خدا کا بھی شکرگزار نہیں ہوتا (ابوداؤد) اب احسان شناسی کے چند نظائر پیش کیے جاتے ہیں:

حضرت صدیق رضؓ کے احسانات کا اعتراف

جب آغازِ بعثت میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ مشرف بایمان ہوئے تو قبولِ اسلام کے ساتھ ہی اپنا اندوختہ "عمر بھر کا سرمایہ" اسلام... کے لیے خرچ کرنا شروع کر دیا۔ انھوں نے غیر مسلم قریش کے سات مسلم غلاموں کو، جنھیں قبولِ اسلام کے "جرم" میں انواع و اقسام کی اذیتیں دی جاتی تھیں، خرید کر راہِ خدا میں آزاد کیا۔ چنانچہ ہجرت سے پہلے تائیدِ اسلام ... اور تقویتِ مومنین میں چالیس ہزار درہم خرچ کیے۔ اس سے قطع نظر خود رسولِ خدا صلعم کی خدمت میں اپنا تن من دھن سب نثار کر دیا۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے ازراہِ احسان شناسی فرمایا: "مجھے کسی کے مال سے اتنا نفع نہیں پہنچا جتنا ابوبکر رضؓ کے زرِ مال نے فائدہ پہنچایا" یہ سن کر حضرت صدیق رضؓ اشکبار ہو گئے اور عرض کرنے لگے: "یا رسولؐ اللہ! میں اور میرا مال سب حضورؐ ہی کا ہے" (ابن ماجہ)

ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے فرمایا: "کسی مسلمان کا مال میرے حق میں ابوبکر رضؓ کے مال سے زیادہ نافع نہیں ہوا" راوی کہتا ہے کہ آپ کو حضرت صدیقِ اکبر رضؓ کی عقیدت مندی اور شیفتگیٔ رسولؐ کا علم تھا، اس لیے آپ ان کا مال بلا تامل اور بے محابا اسی طرح خرچ کرتے تھے، جس طرح اپنا مال خرچ کیا جاتا ہے۔ اپنے اور حضرت ابوبکر رضؓ کے مال میں کوئی تفریق و امتیاز نہ رکھتے تھے (جامع عبدالرزاق) اور آپ نے بر بھی فرمایا: "کسی شخص کا مجھ پر کوئی ایسا احسان نہیں جس کا میں نے معاوضہ نہ دے دیا ہو، البتہ ابوبکر رضؓ کے مجھ پر اتنے احسان ہیں، جن کا عوض انھیں خدا تعالیٰ ہی یوم الجزاء کو دے گا۔ اور کسی شخص کے مال و دولت نے مجھے اتنا نفع نہیں پہنچایا، جتنا میں ابوبکر رضؓ کے مال سے نفع یاب ہوا اور اگر میں کسی سے خلت کا سلسلہ

Marfat.com

قائم کرتا تو یقیناً ابوبکر رضؓ کو خلیل بناتا، لیکن تمھارا صاحب خلیل اللہ ہے (ترمذی)، جس کا خدا کے سوا کوئی حقیقی خلیل نہیں ہے۔

جب آفتابِ رسالت لبِ بام تھا تو ایک مرتبہ حضرت سیدِ کون و مکان صلعم نے فرمایا: "اللہ سبحانہٗ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ دنیا میں رہے یا عالمِ آخرت میں اللہ کے پاس چلا جائے اور اس بندے نے اللہ ہی کے پاس جانا پسند کیا ہے" یہ سُن کر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ رونے لگے۔ جناب ابوسعید خدری رضؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو اشکبار دیکھ کر دل میں کہنے لگے کہ اگر اللہ نے اختیار دیا اور اس کے بندے نے اس عالم کو اختیار کیا، جو رب العزت کے پاس ہے تو اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ لیکن حضرت ابوسعید خدری رضؓ کو معلوم نہ تھا کہ سرورِ کائنات صلعم نے بندے سے خود اپنی ذاتِ گرامی مراد لی تھی۔ جب حضورؐ کے اس ارشاد پر صدیقِ اکبرؓ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے تو حضورؐ نے انھیں تسلی دی اور فرمایا: میں کسی کی مصاحبت اور اس کے صرفِ مال کا اتنا احسان مند نہیں جتنا ابوبکر رضؓ کا ہوں اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل و حبیب بناتا تو ابوبکر رضؓ کو بناتا، لیکن ان سے میری اسلامی اخوت اور محبت ہے، اس کے بعد فرمایا: "مسلمانوں کے گھروں میں سے مسجد (نبویؐ) میں آنے کی جتنی کھڑکیاں ہیں وہ سب بند کر دی جائیں بجز اس کھڑکی کے جو ابوبکر رضؓ کے گھر سے آئی ہے" (بخاری)

جناب ابوبکر صدیق رضؓ کے خلوص اور ان کی جان نثاریوں نے انھیں حضرت سرورِ دو جہان صلعم کی نظر میں کہاں تک معزز و محترم بنا دیا تھا، اس کا اندازہ ان دو روایتوں[ل] سے ہو سکتا ہے (۱) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضؓ کا بیان ہے کہ ایک دن میں حضرت ابوبکر رضؓ کے آگے آگے جا رہا تھا۔ دفعتہً سرکارِ دو جہان صلعم راستے میں ملے اور فرمایا: "تم اس شخص کے آگے چلتے ہو جو دنیا اور آخرت میں تم سے افضل ہے، واللہ انبیاء و مرسلین کے بعد آفتاب کسی ایسے شخص پر کبھی طلوع و غروب نہیں ہوا جو ابوبکر رضؓ سے بہتر ہو[ل]" (ابوالدرداء، دارقطنی)

ل یہی مضمون فردوسی نے "شاہنامہ" کی ابتداء میں باندھا ہے:

کہ خورشید بعد از رسولان مہ — نہ تابید بر کس ز بوبکر رضؓ بہ

Marfat.com

(۲) حضرت عمر فاروق رضؓ مکۂ معظمہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے تو اس کے کچھ دن بعد ایک مرتبہ کسی بات پر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور جناب عمر فاروق رضؓ کی باہم شکر رنجی ہو گئی۔ جب غصہ فرو ہوا تو حضرت ابوبکر رضؓ کو اس واقعہ پر سخت ندامت ہوئی اور حضرت عمر رضؓ کے مکان پر جا کر معافی مانگنے لگے لیکن انھوں نے مصالحت نہ کی۔ حضرت صدیق رضؓ پیش گاہ نبویؐ میں پہنچے اور عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! میرے اور عمر رضؓ کے درمیان کچھ گفتگو ہو گئی۔ میں ان پر غصے ہوا۔ اس کے بعد مجھے ندامت ہوئی۔ میں نے ان سے قصور کی معافی چاہی لیکن انھوں نے معافی نہیں دی۔ سو اب میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا ہوں۔" حضورؐ نے فرمایا: "آپ کو خدا بخشے گا اور معاف کرے گا۔"

اتنے میں حضرت عمر رضؓ بھی اس گفتگو پر متاسف ہوئے اور معافی مانگنے کے لیے حضرت صدیق رضؓ کے درِ اقدس پر پہنچے۔ وہاں سُنا کہ بارگاہِ نبویؐ میں گئے ہیں۔ جب حضرت عمر رضؓ آستانۂ نبوت پر حاضر ہوئے تو حضورؐ کا رخِ انور غصے سے سرخ ہو گیا۔ آپ جناب عمر رضؓ سے اس درجہ ناراض تھے کہ حضرت ابوبکر رضؓ کو بھی ان پر رحم آ گیا۔ حضرت فاروق رضؓ جلالِ نبویؐ کی تاب نہ لا سکے اور گھٹنوں کے بل ہو کر عرض کرنے لگے: "یا رسولؐ اللہ! میں قصوروار ہوں۔ میں نے اپنے آپ پر سخت ظلم کیا ہے۔" حضرت ابوبکر رضؓ عرض پیرا ہوئے: "یا رسولؐ اللہ! فی الحقیقت ان کا قصور نہ تھا، زیادتی میری طرف سے ہوئی تھی۔" حضرت سرورِ انبیاء صلعم نے غصے کے لہجے میں حضرت عمر رضؓ سے فرمایا: "جب خدائے قادر و توانا نے مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا تو تم لوگوں نے کہا کہ تو جھوٹا ہے، لیکن ابوبکر رضؓ نے میری تصدیق کی، جان و مال سے امداد کی، سو کیا تم میرے دوست سے قطع تعلق کرو گے؟" حضرت عمر رضؓ سخت نادم اور عذرخواہ ہوئے (بخاری)

اس دن سے تمام صحابہ رضؓ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا خاص طور پر خیال رکھنے لگے اور ہر شخص اس بات میں سخت محتاط رہتا تھا کہ حضرت صدیق رضؓ اس سے ناخوش نہ ہوں۔

Marfat.com

انصار کی بیش بہا خدمات کا اعتراف

انصار ناصر یا نصیر کی جمع ہے۔ انصار سے مراد مدینہ منورہ کے وہ مسلمان ہیں، جنھوں نے حضرت رسالت پناہ صلعم اور آپ کے مظلوم تارکانِ وطن رفقاء کو، جو کئی سال سے اپنے وطن مکۂ معظمہ میں وہاں کے بُت پرست شرفائے قریش کے جور و بیداد کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے، سر آنکھوں پر بٹھایا اور ان کی غیر معمولی اعانت و نصرت کرکے اخلاقی دنیا میں ایک عدیم النظیر مثال قائم کی۔ آنحضرت ؐ ان کے ہمیشہ ممنونِ احسان اور ان کے حق میں دعاگو رہے۔

واقعۂ حرّہ میں، جو یزید کے عہد حکومت میں رونما ہوا، حضرت انس بن مالک انصاری رضؓ کے خاندان کے چند آدمی مارے گئے تھے۔ جناب زید بن ارقم رضؓ نے حضرت انس رضؓ کے نام تعزیت کا ایک خط لکھ بھیجا جس میں مرقوم تھا کہ میں آپ کو حق تعالیٰ کی طرف سے ایک بشارت دیتا ہوں جو میں نے مخبر صادق صلعم کی زبان مبارک سے سنی تھی۔ حضور ؐ نے دعا کی تھی: ”الٰہی انصار کو ان کی اولاد کو اور اولاد کی اولاد کو بخش دے۔“ غرض آپ نے انصار کی تین پشتوں کے لیے دعائے مغفرت فرمائی تھی (ترمذی) ایک مرتبہ آپ نے انصار کے بچوں اور عورتوں کو کسی دعوتِ عروسی سے واپس آتے دیکھا۔ آپ کھڑے ہو گئے اور دو یا تین بار فرمایا: ”الٰہی! انصار مجھے تمام لوگوں سے محبوب ہیں“ (بخاری و مسلم) بعض روایتوں میں آپ نے انصار کی محبّت کو جزوِ ایمان قرار دیا چنانچہ فرمایا: ”ایمان کی علامت انصار کی محبت اور نفاق کی نشانی انصار سے بغض رکھنا ہے“ (بخاری و مسلم)

آپ کا معمول تھا کہ انصار کے حق میں دوسرے مسلمانوں کو ہمیشہ وصیّت فرمایا کرتے تھے، چنانچہ فرمایا: ”انصار میرے لیے وہی حیثیت رکھتے ہیں، جو معدے کو جسم انسانی میں حاصل ہے، اس لیے انصار کی نیکیاں قبول کرو اور ان کی فرو گزاشتیں معاف کر دو“ (ترمذی) ایک مرتبہ فرمایا: ”میں انصار کے بارے میں تمھیں وصیّت کرتا ہوں کیونکہ وہ میرے مخلص اور رازدار ہیں، وہ اپنا فرض ادا کر چکے، اب ان کا حق باقی ہے، سو ان کے نیکوکاروں کی قدر و منزلت کرو اور غلط کاروں کی غلطیوں سے درگزر کرو (بخاری)

Marfat.com

آپ نے دنیا کو الوداع کہتے ہوئے جو آخری وصیتیں کیں، ان میں انصار سے حسنِ سلوک ... کی وصیت بھی تھی۔ آپ اپنے آخری خطبے میں، جس کے بعد آپ کا وصال ہو گیا، منبر پر چڑھے۔ اس وقت طبعِ مبارک ناساز تھی۔ دوشِ مبارک پر چادر اور سر پر سیاہ عمامہ تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "سب آدمی میرے قریب ہو جائیں۔" تمام لوگ منبر کے قریب ہو گئے۔ آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا، "دوسرے لوگوں کی کثرت ہو گی، لیکن انصار کم ہو جائیں گے۔ پس میری امت میں جو کوئی صاحبِ حکومت ہو، لوگوں کا نفع و ضرر اس کے ہاتھ میں ہو۔ اُس پر لازم ہے کہ انصار کے نیک کرداروں کی نیکیاں قبول کرے اور ان کے غلط کاروں کی غلطیوں سے درگزر کرے۔" (بخاری)

آپ نے انصار کے جو فضائل بیان فرمائے، ان میں حوضِ کوثر پر ان سے اپنی ملاقات ہونے کی پیشین گوئی بھی داخل تھی جس سے ان کے جنتی ہونے کی بشارت نکلتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: "اگر ہجرت (کی فضیلت درمیان میں) نہ ہوتی تو میں یقیناً اپنے آپ کو انصار کی طرف منسوب کرتا اور اگر دوسرے لوگ کسی وادی کو طے کریں اور انصار کسی دوسری وادی کا راستہ اختیار کریں تو میں بھی انہیں کا ساتھ دوں۔ انصار شعار (اندرونی جامہ یعنی جسدِ اسلام سے متصل) ہیں اور دوسرے لوگ دثار (بیرونی جامہ) کا حکم رکھتے ہیں۔ اے انصار! تم عنقریب میرے بعد جور و استبداد سے دوچار ہو گے پس اس شدت و ابتلاء پر صبر کرنا یہاں تک کہ قیامت کو مجھ سے حوضِ کوثر پر آ کر ملاقات کرو۔" (بخاری)

ایک مرتبہ سرورِ انبیاء صلعم نے حضرات انصار کو ملکِ بحرین میں جاگیریں عطا کرنے کے لیے جمع کیا۔ انصار نے کہا: "یا رسول اللہ! حضرات مہاجرین اسلام لانے میں ہم سے سابق ہیں، اس لیے حضور پہلے مہاجرین کو اتنی ہی جاگیریں عطا فرمائیں، اس کے بعد ہمیں مرحمت ہوں۔" آپ نے فرمایا: "میرے بعد تم لوگ اپنے سوا دوسروں کو مقدم پاؤ گے، یعنی تمہیں چھوڑ کر دوسروں کو حکومتیں ملیں گی۔ لیکن تم لوگ اس چیز پر صابر رہنا یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر آ کر مجھ سے ملاقات کرو۔" (بخاری)

آپ کی عادت تھی کہ جب کوئی حالتِ کفر میں جس قدر زیادہ شدید العداوت ہوتا تھا،

قبولِ اسلام کے بعد اس پر اسی قدر زیادہ نوازشیں فرماتے تھے۔ جب فتح مکہ کے بعد جنگ حُنین کی غنیمت تقسیم ہونے لگی تو آپ نے اپنے پانچویں حصے میں سے مکہ کے چھ قدیم العداوت قریشی نو مسلموں کو سو سو اونٹ عطا فرمائے اور آپ کا معمول تھا کہ اپنے حصے میں سے جہاں مناسب سمجھتے مفادِ اسلامی کی خاطر خرچ کرتے تھے۔ آپ نے ابو سفیان بن حرب اور دوسرے نو مسلموں کو یہ اونٹ بھی اپنے ہی خمس میں سے عطا فرمائے تھے۔ یہ دیکھ کر ایک انصاری نوجوان کہنے لگا: "اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو بخشے! آپ ہمیں چھوڑ کر قریش کو دیتے ہیں حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریش کا خون ٹپک رہا ہے۔" جب حضور کو اس بیان کی اطلاع ہوئی تو آپ نے انصار کو ایک چرمی خیمے میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب سب آ چکے تو آپ وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا: "اے گروہِ انصار! یہ کیا بات ہے جو تمھاری طرف سے مجھے پہنچی ہے؟" انصار کے فہیم و سربرآوردہ حضرات نے التماس کی: "یا رسول اللہ! یہ بات ہم میں سے کسی معاملہ فہم اور ذمہ دار آدمی نے نہیں کہی بلکہ ایک کم فہم نوجوان کے منہ سے نکلی ہے۔"

حضور نے فرمایا: "میں ایسے لوگوں کو، جو جاہلیت سے دستبردار ہو کر نئے نئے حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے ہیں، محض دلجوئی اور تالیفِ قلب کے خیال سے دیتا ہوں اور اے انصار! کیا تم اس بات پر خوش نہیں کہ وہ لوگ تو مال لے کر اپنے گھروں کو واپس جائیں اور تم اللہ کے رسول کو ساتھ لے کر اپنے شہر کو مراجعت کرو؟" اور فرمایا: "واللہ! جو کچھ تم لوگ اپنے ساتھ لے جاؤ گے، وہ اس مال سے کہیں بہتر ہو گا جو مکہ کے یہ نو مسلم اپنے ساتھ لیے جا رہے ہیں۔" تمام انصار بالاتفاق بول اٹھے: "یا رسول اللہ! ہماری مسرت اور سعادت حضور ہی کو ساتھ لے جانے میں ہے۔" اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: "مستقبل قریب میں بہت سے دوسرے لوگ تم پر مقدم کیے جائیں گے اور تمھیں چھوڑ کر اوروں کو حکومت اور دنیوی مال و منال سے بہرہ مند کیا جائے گا لیکن تم لوگ صبر کرنا یہاں تک کہ اللہ اور رسول کے پاس پہنچ جاؤ اور حوضِ کوثر پر مجھ سے

Marfat.com

ملاقات کرو۔ (مسلم)

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی کی یادِ عزیز

حضرت سید المرسلین صلعم کی پہلی حرم محترم حضرت خدیجہ بنت خویلد رضا تھیں۔ آپ کو ان سے بے انتہا محبت تھی۔ جب بعثت سے پہلے وہ بہ مقام مکۂ معظمہ حبالۂ نکاح میں آئیں تو ان کی عمر چالیس برس اور سید عالم صلعم کا سنِ مبارک پچیس سال کا تھا۔ نکاح کے بعد وہ پچیس برس آپ کے گھر میں رہیں۔ بجز ایک فرزند جناب ابراہیم رضا کے حضورؐ کی تمام اولاد انھیں کے بطنِ مبارک سے تھی۔ ان کی زندگی میں آپ نے کوئی دوسرا نکاح نہ کیا۔ حضرت خدیجہ رضا نے ہجرت سے تین سال پیشتر ۶۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ مکۂ معظمہ میں آپ کا معمول تھا کہ جب کوئی جانور ذبح کرتے تو حضرت خدیجہ رضا کی سہیلیوں اور ہم نشین عورتوں کے پاس گوشت بھجواتے اور دوسری چیزیں بھی تحفۃً بھیجا کرتے۔ امیر المؤمنین حضرت علی رضا کا بیان ہے "میں نے رسولِ خدا صلعم کو یہ فرماتے سُنا "(اپنی اپنی امتوں میں) بہتریں اور افضل خواتین (حضرت عیسیٰ عم کی والدہ محترمہ) مریم ؑ بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد ہیں" (بخاری و مسلم) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضا کو، جو ازواج طاہرات میں امتیازی حیثیت رکھتی تھیں، ان کے مناقب و محامد سُن کر ان پر سخت رشک آیا کرتا تھا اور سوکن کا رشک عورتوں میں ایک فطری و جبلی چیز ہے۔ حضرت عائشہ رضا کا بیان ہے "گو میں نے محترمہ خدیجہ رضا کو نہیں دیکھا، لیکن جس قدر رشک مجھے ان پر آتا تھا کسی پر کبھی نہیں آیا کیونکہ حضور صلعم اکثر ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ جب پیغمبر صلعم ان کے صفات حمیدہ کا تذکرہ فرماتے تو میں آپ سے کہا کرتی کہ گویا خدیجہ رضا کے سوا دنیا میں کوئی عورت ہی نہیں۔ آپ ان کی مدح و توصیف کے واقعات سنانے لگتے اور فرماتے، ان کی ایک تعریف یہ تھی کہ میری ان سے اولاد ہوئی۔" (بخاری و مسلم) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضا یہ بھی فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ان کی زیادہ مدحت سرائی پر میں نے آپ کو رنجیدہ کر دیا لیکن آپ نے فرمایا: "خدا نے مجھے ان کی محبت دی ہے۔"

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضؓ کی ایک بہن ہالہ رضؓ تھیں۔ وہ مسلمان ہوئیں اور حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں۔ ایک مرتبہ وہ پیغمبر صلعم سے ملنے کے لیے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ گئیں۔ اسلامی شریعت میں عورتیں بھی اجازت لیے بغیر کسی کے گھر نہیں جاسکتیں۔ حضرت ہالہ رضؓ نے حسب معمول اندر آنے کا اذن چاہا۔ ان کی آواز ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضؓ کی آواز سے ملتی تھی۔ آپ کے کانوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہ رضؓ یاد آگئیں۔ حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا: "خدیجہ رضؓ کی بہن ہالہ رضؓ ہوں گی"۔ حضرت خدیجہ رضؓ کا نام سن کر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ کو رشک ہوا اور کہنے لگیں: "آپ ہر وقت ایک بڑھیا کو یاد کرتے رہتے ہیں جو مر چکیں حالانکہ خدا نے آپ کو ان سے بہتر بیویاں عطا فرمائی ہیں" (بخاری) اس کے جواب میں حضورؐ نے فرمایا: "ہرگز نہیں۔ جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انھوں نے تصدیق کی۔ جب لوگ کفر کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے تھے تو وہ اسلام لائیں۔ جب میرا کوئی مددگار نہ تھا تو انھوں نے ہر طرح میری مدد کی"۔ (استیعاب)

یاد رہے کہ یہی ہالہ رضؓ حضرت زینب رضؓ بنت سید المرسلین صلعم کی ساس اور جناب ابوالعاص رضؓ کی والدہ تھیں۔

مطعم بن عدی کا شکریہ مسلم ہو یا غیر مسلم، جو کوئی بھی آپ پر احسان کرتا، آپ اسے یاد رکھتے اور اس بات کے منتظر رہتے کہ کوئی موقع ملے تو اس کا معاوضہ دیں۔ جب ہجرت سے پہلے اہل مکہ نے پیغمبر خدا صلعم کے لیے مکہ کا قیام بالکل ناممکن بنا دیا اور وطن مالوف آپ کے حق میں بھڑوں کا چھتا بن گیا تو آپ چند روز کے لیے طائف تشریف لے گئے، وہاں بھی آپ کو پناہ نہ ملی۔ اہل طائف نے پناہ دینے کی جگہ آپ کو بڑی بڑی اذیتیں دیں۔ آخر وہاں سے لوٹ آئے اور راستے میں مکہ کے ایک غیر مسلم رئیس مطعم بن عدی کے پاس ملک کے رواج کے بموجب پیغام بھیجا کہ "تم مجھے اپنی حمایت میں لے لو تو میں مکہ آجاؤں"۔ مطعم بن عدی نے آپ کی تائید و حمایت کا وعدہ کیا اور آپ ہجرت مدینہ سے کچھ مدت پہلے مطعم کے

زیرِ حمایت مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور مطعم کی اولاد آپ کو تلواروں کے سایے میں گھر پہنچا گئی۔

لیکن افسوس کہ اجل نے مطعم کو زیادہ دن مہلت نہ دی۔ وہ اس کے چند ہی روز بعد قضا کر گئے اور آپ کو مکافات کا موقع نہ ملا۔ اگر آپ کے ایامِ عروج تک زندہ رہتے تو آپ احسان کا معقول معاوضہ دیتے تاہم آپ نے یہ احسان ہمیشہ یاد رکھا چنانچہ جب غزوۂ بدر کے کئی قیدی آپ کے سامنے پیش کیے گئے تو آپ نے فرمایا: "آج مطعم زندہ ہوتے اور مجھ سے اِن اسیرانِ جنگ کے لیے سفارش کرتے تو میں ان کی سفارش قبول کرتے ہوئے سب قیدیوں کو بلا فدیہ چھوڑ دیتا۔" (بخاری، ابوداؤد)

حبشہ کے وفد کی مہمانداری

جب حبشہ کے بادشاہ نجاشی کا وفد مدینہ منورہ آیا تو آپ نے بہ نفسِ نفیس ان کی آسائش و مہمانداری کا اہتمام فرمایا۔ جاں نثار صحابہؓ نے عرض کی: "یا رسول اللہؐ! جب ہم خدام اس خدمت کی انجام دہی کے لیے حاضر ہیں تو آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں؟" فرمایا: "ان لوگوں نے میرے اصحاب کی، جو ان کے ملک میں ہجرت کر گئے تھے، بڑی مدارات کی تھی، اس لیے چاہتا ہوں کہ بطورِ احسان شناسی خود ہی ان کی آسائش کا انتظام کروں۔" (بیہقی)

حضرت فاطمہؓ بنت اسد کی نوازشوں کا شکریہ

حضرت فاطمہؓ بنت اسد بن ہاشم جو حضرت علی مرتضیٰؓ کی مادرِ محترمہ اور پیغمبر صلعم کے والدِ محترم جناب عبداللہ کی عم زاد بہن تھیں، سعادتِ ایمانی سے بہرہ اندوز ہوئیں اور جنگِ اُحد کے بعد مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔ یہی وہ خاتون ہیں جنھوں نے حضور سید عالم صلعم کے بچپن میں آپ کی پرورش کی تھی۔ والدہ ماجدہ کی رحلت پر آنحضرتؐ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کو اپنے دامنِ تربیت میں لے لیا تھا۔ عبدالمطلب نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی۔

Marfat.com

اس وقت حضور سرور دو جہان صلعم کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ عبد المطلب کا جنازہ اٹھا تو آپ بھی ساتھ تھے اور فرطِ محبت سے روتے جاتے تھے۔ آپ کے والد اور ابو طالب ماں جائے بھائی تھے، اس لیے عبد المطلب نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت آپ کو ابو طالب ہی کے آغوشِ تربیت میں دیا۔ حضرت فاطمہؓ بنت اسد اپنے بچوں سے بھی زیادہ آنحضرت ؐ کو چاہتی تھیں۔

حافظ ابو نعیم نے معرفتہ میں روایت کی ہے کہ جب مدینۂ منورہ میں حضرت فاطمہؓ بنت اسد کا انتقال ہوا تو آپ نے انھیں اپنی قمیص مبارک میں کفنایا اور جب قبر کھود رہے تھے تو آپ بذاتِ خود قبر میں اتر اتر کر اور اچھی طرح دیکھ بھال کر کے گورکنوں کو تاکید فرما رہے تھے کہ اِدھر سے صاف کرو۔ اُدھر سے ٹھیک کرو۔ یہاں سے ہموار کرو۔ جب قبر آپ کے حسب منشا اچھی طرح تیار ہو گئی اور آپ باہر نکلے تو آپ کی چشم ہائے مبارک اشکبار تھیں۔ دفن کرتے وقت آپ اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈالتے رہے۔

جب سپردِ گور کر کے واپس چلے تو حضرت عمر فاروق رضؓ آپ کا غیر معمولی التفات دیکھ کر عرض پیرا ہوئے: "یا رسول اللہ! آپ اس خاتون پر جو نظر التفات فرما رہے ہیں کسی کے حال پر کبھی مبذول نہیں فرمائی۔" فرمایا: "بات یہ ہے کہ میری والدہ کے انتقال کے بعد یہی میری والدہ تھیں۔ میرے والدین کی رحلت کے بعد میرے دادا عبد المطلب میرے مربی و کفیل ہوئے۔ انھوں نے مرنے سے پہلے میرے چچا ابو طالب کو میری تربیت سپرد کی۔ چچی فاطمہؓ بنت اسد نے مجھ سے جس درجہ مشفقانہ سلوک کیا، میں اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ جب ہم عم زاد بھائی ایک خوان پر کھانا کھانے بیٹھتے تو یہ میرے آگے اپنے بیٹوں سے زیادہ کھانا رکھ دیتی تھیں اور میرے لیے پس انداز بھی کر رکھتی تھیں۔ جبرئیل امین عؑ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ یہ جنتی ہیں۔"

بُرا بدلا دینے کی ناگواری جس طرح آپ خود محسن کے شکر گزار رہتے تھے، اسی طرح آپ چاہتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی احسان مند رہیں۔ احسان شناسی کی تلقین کا ایک واقعہ سنیے۔ بعض اعدائے دین پیغمبر صلعم کی اذیت

عضباء کو جو مدینہ منورہ سے باہر تھی اور ایک غریب انصاری عورت کو پکڑ لے گئے۔ انھوں نے انصاریہ کو ایک جگہ باندھ دیا۔ ان ایام میں انھوں نے اپنے چارپایوں کو آرام دینے کے لیے اپنے گھروں کے سامنے کھلا چھوڑ رکھا تھا۔ ایک رات انصاریہ نے بند کھول کر بھاگ آنے کا قصد کیا۔ چنانچہ سوار ہونے کے لیے اونٹوں کے پاس آئی۔ لیکن جس اونٹ کے پاس جاتی، وہ آواز کرنے لگتا اور وہ اسے چھوڑ کر الگ ہو جاتی۔ آخر عضباء کے پاس آئی۔ یہ بڑی غریب اونٹنی تھی۔ وہ خاموش رہی۔ انصاریہ اس کی پیٹھ پر بیٹھ گئی اور اسے کھڑا کر کے مدینہ کا رُخ کیا۔ اس اثناء میں دشمنوں کو پتا چل گیا۔ ۔۔۔کئی آدمی اونٹوں پر سوار ہو کر تعاقب کرنے لگے۔ انصاریہ نے نذر مانی کہ اگر خدائے قدیر مجھے اس اونٹنی کی بدولت نجات دے گا تو میں اسے راہِ خدا میں قربان کروں گی۔ تمام اونٹ دوڑتے دوڑتے چُور ہو گئے لیکن عضباء تک کوئی نہ پہنچ سکا۔ آخر تعاقب کرنے والے واپس گئے اور انصاریہ صحیح و سلامت مدینۃ الرسول پہنچ گئی۔ لوگوں نے دیکھا کہ یہ تو رسُولِ خدا صلعم کی اونٹنی عضباء ہے۔ انصاریہ نے کہا: "میں نذر مان چکی ہوں کہ اگر حافظ حقیقی مجھے عضباء پر نجات دے تو اسے قربان کروں گی۔ یہ سُن کر بعض اصحاب کرام ۔۔۔آپ کے پاس آئے اور یہ ماجرا آپ کے گوش گزار کیا۔ آپ نے فرمایا: "سُبحان اللہ! اس عورت نے عضباء کو کیسا بُرا بدلا دیا۔ عضباء نے تو اس کی جان بچائی اور وہ اس کی جان لینا چاہتی ہے" (مسلم)

مکافاتِ احسان کا اسلامی اصول

جو شخص کوئی احسان کرے، لازم ہے کہ اس پر بھی کوئی احسان کیا جائے۔ چنانچہ حضرت مخبر صادق صلعم نے فرمایا: "جس شخص کو کوئی چیز دی جائے، پھر وہ بقدر استطاعت اس کا بدلا دے اور اگر بدلا نہ دے سکے تو محسن کی تعریف ہی کرے، اس نے شکر گزاری کا حق ادا کیا اور جس نے احسان کو مخفی رکھا، اس نے ناسپاسی کی (ابوداؤد) اور فرمایا: "جس کو کسی نے عطیے سے احسان مند کیا، اسے چاہیے کہ جب بھی قدرت پائے اس کا معاوضہ دے اور اگر معاوضے پر قدرت نہ پائے تو کم از کم دینے والے کی تعریف ہی کرے کیونکہ جس نے محسن کی

Marfat.com

تعریف کی، وہ شکر بجالایا اور جس نے نعمت و احسان کو چھپایا اس نے کفرانِ نعمت کیا اور جس نے اپنے آپ کو اس صفت و خوبی سے آراستہ کیا جو اسے حاصل نہیں، وہ اس شخص کی مانند ہے جو مکر و فریب کے دو جاموں میں ملبوس ہو" (ترمذی و ابوداؤد) اسی اصول کے مطابق جناب سید الاولین والآخرین صلعم محسنوں کے احسانات کا عملی شکریہ ادا کرتے تھے اور جن لوگوں کے تحفے قبول کرتے، انھیں ان کا معاوضہ بھی ضرور دیتے تھے۔

شاہِ حبشہ کے احسانات کا بدلا

ایک مرتبہ قیصر روم نے آپ کی خدمت میں ایک بیش قیمت پوستین بھیجی، جس میں دیبا کی سنجاف لگی ہوئی تھی۔ آپ نے حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کے بڑے بھائی جناب جعفرِ طیار رضؓ کے پاس بھیج دی۔ وہ پہن کر بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "میں نے تمھیں اس غرض سے یہ تحفہ نہیں بھیجا کہ خود پہنو۔" انھوں نے عرض کی، "پھر اسے کیا کروں؟" فرمایا: "اپنے بھائی نجاشی (شاہِ حبشہ) کے پاس بھیج دو۔" (ابو داؤد) یہ شاہِ حبشہ کے احسانات کا معاوضہ تھا۔ اور آپ نے شاہِ حبشہ رضؓ کو حضرت جعفر رضؓ کا بھائی اس لیے کہا کہ بادشاہ نے حضرت جعفر رضؓ ہی سے اسلام کی تعلیم پائی تھی۔

انصارؓ پر نوازشیں

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ جب حضرات مہاجرین اپنے وطن مکہ معظمہ کو الوداع کہہ کر مدینہ منورہ پہنچے تو مسلمانانِ مدینہ نے، جنھیں انصار کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے، حوصلے سے بڑھ کر ان کی امداد کی۔ مہاجر خالی ہاتھ آئے تھے، انصار نے انھیں اپنی ہر چیز بانٹ دی اور اپنا شریکِ حال کر لیا۔ اسی طرح انصار کے مختلف افراد نے رسولِ خدا صلعم کو کھجور کے درخت، مکانات اور بہت سی دوسری چیزیں دے رکھی تھیں۔ چند سال کے بعد جب آمدنی کے ذرائع وسیع ہوئے اور آپ کی اور ... آپ کے مہاجر رفقاء کی مالی حالت اطمینان بخش ہوئی تو آپ نے اعلان کر دیا کہ "انصار نے جو کچھ مجھے دیا تھا، وہ آکر واپس لے لیں۔" اسی طرح آپ نے حضراتِ مہاجرین کو بھی حکم دیا: "اب وقت آگیا ہے کہ انصار نے جو جو چیزیں تمھیں دی تھیں، وہ شکریے کے

ساتھ واپس کر دو۔ چنانچہ انصار آ کر اپنی اپنی چیزیں واپس لیتے گئے۔

اب صرف وہی چیزیں باقی رہ گئیں جو انصار نے آپ کو اور آپ نے حضرت اسامہ رضؓ کی والدہ محترمہ اُمِّ ایمن رضؓ کو ہبہ کر دی تھیں۔ انصار نے حضرت انس رضؓ کو جو حضور صلعم کے خادم تھے، اس درخواست کے ساتھ خدمتِ اقدس میں بھیجا کہ "اگر حضور صلعم کی خواہش ہو تو اُمِّ ایمن رضؓ سے کھجور کے فلاں فلاں درخت اور فلاں فلاں اشیاء بھی واپس دلا دیجئے۔" حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ جب میں نے جا کر اُمِّ ایمن رضؓ سے کہا، حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ انصار کی ہر چیز واپس دے دو تو اُمِّ ایمن رضؓ نے آ کر میرے گلے میں کپڑا ڈال دیا اور کہنے لگیں "میں تو کوئی چیز واپس نہیں دوں گی۔" آپ نے انھیں بلا کر فرمایا: "اُمِّ ایمن! ہر چیز واپس دے دو، ... اس کے بدلے میں تمھیں یہ یہ چیزیں دوں گا۔" لیکن وہ کہتی تھیں: "یا رسول اللہ! خدا کی قسم! میں نہیں دوں گی، ہرگز نہیں دوں گی۔" آپ بار بار فرماتے تھے لیکن وہ نہیں مانتی تھیں۔ آخر آپ نے حضرت اُمِّ ایمن رضؓ کو ہر چیز [?] گنا دی تو جب جا کے مانیں (مسلم)

یاد رہے کہ اُمِّ ایمن رضؓ آپ کے والد بزرگوار جناب عبداللہ کی لونڈی تھیں۔ جب آپ کی عمر ابھی چھ سات سال کی تھی اور آپ کی والدہ محترمہ آمنہ خاتون جب مدینہ منورہ جاتے ہوئے آپ کو ساتھ لے آئیں تو اُمِّ ایمن رضؓ بھی ساتھ تھیں۔ حضرت آمنہ خاتون قبیلہ بنی عدی میں اپنے ماموں کے ہاں کامل ایک مہینہ مقیم رہیں۔ پھر مکہ معظمہ کو مراجعت فرما ہوئیں لیکن مکہ اور مدینہ کے مابین ابوا کے مقام پر پہنچ کر انتقال فرما گئیں۔ اُمِّ ایمن انھیں دفن کر کے آپ کو مکہ واپس لائی تھیں۔ چونکہ انھوں نے آپ کے بچپن میں آپ کی پرورش اور خدمت گزاری کی تھی، اس لیے آپ ان کا بہت کچھ احترام ملحوظ رکھتے تھے۔

جب سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا رضؓ جناب علی مرتضیٰ رضؓ کی سلکِ ازدواج میں منسلک ہوئیں۔ تو حضرت علی رضؓ اس وقت تک حضور صلعم ہی کے پاس رہتے تھے۔ نکاح کے بعد الگ مکان کی ضرورت ہوئی۔ حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضؓ کے متعدد مکانات تھے جن میں سے کئی مکانات حضرات مہاجرین کے قیام کے لیے نبی صلعم دے چکے تھے۔ شادی کے بعد حضرت فاطمہ رضؓ کہنے لگیں: "یا رسول اللہ! حارثہ رضؓ سے ایک مکان [?] بھی ۔۔

دلوا دیجیے، حضورؐ نے فرمایا: "ان سے میں کہاں تک لیتا جاؤں؟ اب تو مجھے ان سے کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔" حضرت حارثہ رضؓ نے سُنا تو دوڑے آئے کہ حضورؐ! میں اور میرے پاس جو کچھ ہے، سب آپ ہی کا ہے اور عرض پیرا ہوئے: "یا رسولؐ اللہ! خدا کی قسم! میرا جو مکان حضورؐ لیتے ہیں مجھے اس سے کہیں زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے۔" غرض انھوں نے ایک اَور مکان خالی کرا دیا اور حضرت سیدہ جنّت اس میں چلی گئیں۔ (ابن سعد)

جب آپ نے انصار کی ہر چیز واپس کرنے کا اعلان کیا تو اس وقت حضرت علی رضؓ اور دوسرے مہاجروں کی مالی حالت اطمینان بخش ہو چکی تھی۔ حضرت علی رضؓ اور دوسرے مہاجروں نے حضرت حارثہ بن نعمان رضؓ اور دوسرے انصار کے مکانات خالی کر دیے۔ یاد رہے کہ آپ نے انصار کی ہر چیز واپس کی اور انھیں جاگیریں اور عطیے بخش کر ان کے احسانات کی قرار واقعی تلافی کرنے ہی پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ احسان شناسی کے طور پر بہت سی اَور بھی ایسی نوازشیں فرمائیں، جو دنیا کے اس محسنِ اعظم صلعم کے شایانِ شان تھیں۔

پانی پلانے والی عورت کے احسان کا بدلا

احسان شناسی کا ایک اَور واقعہ سُنیے۔ ایک سفر میں لشکر نے آنحضرتؐ سے پیاس کا شکوہ کیا۔ آپ نے حضرت علی مرتضیٰ رضؓ اور حضرت عمران بن حصین رضؓ سے فرمایا: "دونوں جا کر کہیں پانی کا کھوج لگاؤ۔" یہ دونوں صاحب پانی کی تلاش میں نکلے۔ تھوڑی دُور جا کر ایک عورت کو دیکھا جو اونٹ پر سوار تھی اور اس نے اپنے پاؤں پانی کی دو مشکوں کے اوپر لٹکا رکھے تھے۔ یہ اس سے پُوچھنے لگے کہ پانی کہاں سے لائی ہو؟ اس نے کہا: پانی یہاں سے بڑی مسافت پر ہے۔ مجھے آٹھ پہر گزرے جب میں پانی لاد کر چلی تھی۔ یہ بولے، تم ہمارے ساتھ چلو۔ پوچھنے لگی، کہاں چلوں؟ انھوں نے کہا، رسولِ خدا صلعم کے پاس۔ وہ بولی، اس شخص کے پاس، جسے لوگ صابی (بے دین، معاذ اللہ) کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا، ہاں جنھیں لوگ (معاذ اللہ) ایسا سمجھتے ہیں۔ اب دونوں اس عورت کو سرورِ انبیاء صلعم کے پاس لے کر آئے۔

Marfat.com

حضور صلعم نے عورت سے فرمایا: "اجازت دو تو تھوڑا سا پانی لے لیں"؟ اس نے کہا: "لے لو، مگر تھوڑا سا لینا، میں بہت دور سے لائی ہوں"۔ آپ نے پہلے تو مشکوں کے بالائی منہ کھولے اور برتن میں تھوڑا تھوڑا پانی لیا اور وہ منہ بند کر دیے۔ پھر نیچے کی طرف سے منہ کھول کر تھوڑا تھوڑا پانی نکالا اور حکم دیا کہ سارا لشکر آ کر خود بھی پیے اور جانوروں کو بھی پلائے۔ چنانچہ صحابہ رض نے خود بھی پیا اور سواریوں کو بھی خوب پلایا۔ عورت یہ دیکھ کر محوِ حیرت تھی کہ تھوڑا سا پانی کثیر لشکر اور تمام سواریوں کو کیونکر کفایت کر رہا ہے۔ حضرت عمران رض بن حصین کا بیان ہے کہ جب سارا لشکر سیراب ہو چکا تو مشکیں پہلے سے بھی زیادہ لبریز معلوم ہوتی تھیں۔

اب سرورِ انبیاء صلعم نے حکم دیا کہ اس عورت کے لیے کچھ کھانے کا سامان لاؤ۔ صحابہ کرام رض بہت سا آٹا، ستو، کھجوریں اور دوسرے میووں کی بڑی مقدار جمع کر لائے۔ آپ نے حکم دیا: "یہ سب چیزیں ایک کپڑے میں باندھ کر عورت کو سوار کر دو"۔ جب عورت سوار ہو چکی تو اشیاءِ خوردنی کی گٹھڑی بھی اونٹ پر رکھ دی گئی۔ اس کے بعد حضرت رسالت پناہ صلعم نے اسے جانے کی اجازت دی اور کہا: "یہ کھانے کی چیزیں جا کر اپنے گھر والوں کو کھلانا" اور فرمایا: "دیکھ لو تمہارے پانی میں کچھ بھی کمی نہیں آئی۔ لشکر نے جو پانی پیا ہے وہ اسے ربِ ذوالمنن نے پلایا ہے"۔

جب یہ عورت گھر پہنچی تو گھر والوں نے پوچھا: "تم نے اتنی دیر کہاں لگائی"؟ کہنے لگی: "دو آدمی ملے تھے، وہ مجھے اس شخص کے پاس لے گئے جسے لوگ صابی کہتے ہیں۔ وہ میری مشکیں کھول کر اپنے لشکر کو پانی پلاتا رہا۔ ساری فوج اور سواریوں نے پانی پیا لیکن میرے پانی میں کوئی کمی نہیں آئی"۔ اس کے بعد کہنے لگی: "خدا کی قسم! زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے جس قدر مخلوق رہتی ہے، اس میں اس شخص سے بڑھ کر کوئی جادوگر نہ ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ خدا کا مرسل ہی ہو"۔

عورت کی مراجعت کے بعد خواجۂ عالم صلعم نے حکم دیا تھا کہ اس عورت کے احسان مند رہنا حالانکہ اس کے پانی میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے احسان کا بہت

کچھ معاوضہ دیا جا چکا تھا۔ اس کے بعد جب کبھی اسلامی لشکر اس سرزمین کے باشندوں سے جنگ آزما ہوتا تو اس عورت کی قوم کے تحفظ کا خاص طور پر اہتمام کیا جاتا۔ ایک مرتبہ یہ عورت اپنے قبیلے کے لوگوں سے کہنے لگی: "میں سمجھتی ہوں کہ یہ لوگ پانی پلانے کی بناء پر ہمارے اس درجہ ممنونِ احسان ہیں کہ ہماری خاص رعایت کی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقتدا خدا کا سچا نبی ہے اور یہ لوگ دنیا کے نہایت برگزیدہ انسان ہیں۔ اس لیے اگر تم لوگ مانو تو میری رائے میں مناسب ہے کہ ہم بھی مسلمان ہو جائیں"۔ تمام قبیلے نے عورت کی رائے سے اتفاق کیا اور سب کے سب سعادتِ اسلام سے بہرہ مند ہو گئے۔ (بخاری)

رئیس المنافقین کے احسان کا معاوضہ

مکہ معظمہ میں حضرت رسالت مآب صلعم کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل تھا۔ مدینہ آئے تو آپ کو عبداللہ بن اُبیّ بن سلول کی کینہ توزیوں سے سابقہ پڑا۔ لیکن دونوں میں فرق یہ تھا کہ ابوجہل کی معاندانہ سرگرمیاں علی الاعلان ہوتی تھیں مگر عبداللہ بن اُبیّ بظاہر مسلمان ہو کر اور ہمدردی و خیر خواہی کا لباسِ فریب پہنے ہوئے تخریبی ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتا تھا۔ اسی بناء پر یہ مارِ آستین رئیس المنافقین کے مکروہ لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ مکہ کے غیر مسلم اعدائے دین، جو پیغمبرِ خدا صلعم کے ہم نسب تھے اور قریش کہلاتے تھے، جنگِ بدر میں سرورِ دو جہان صلعم کے عزیزوں اور یگانوں کو بھی مجبور کر کے آپ کے خلاف رزم خواہ ہونے کے لیے لائے تھے۔ ان ہاشمی اقرباء میں، جو بادلِ ناخواستہ آپ کے مقابلے پر آئے، آپ کے حقیقی عم محترم حضرت عباس رضؓ بن عبدالمطلب بھی تھے۔ جب بدر میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تو اعداء کے ساتھ یہ بھی قید ہو گئے۔

اسیرانِ جنگ کے پاس کپڑے نہ تھے۔ دنیا کے محسنِ اعظم صلعم نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کے لیے کپڑے مہیا کیے جائیں۔ حضرت عباس رضؓ کا قد اس قدر طویل تھا کہ ان کے بدن پر کسی کا پیراہن ٹھیک نہ اُترتا تھا۔ عبداللہ بن اُبیّ منافق نے، جو لشکرِ اسلام کے ساتھ اور حضرت عباس رضؓ کا ہم قد تھا، گھر سے اپنا کرتا منگوا کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے

ابن اُبی کے مرنے پر اُسے اپنا پیرہن مبارک پہنایا۔ ابن عُیینہ کا بیان ہے کہ عبداللہ بن اُبی کا حضورؐ پر یہ احسان چلا آتا تھا، اس لیے آپ نے اس کا معاوضہ دے دیا۔ (بخاری وابن سعد)

بنی ہاشم اور بنی مطلب کے احسانات کی مکافات

احسان شناسی کی ایک تابناک نظیر آپ کا وحی الٰہی کے ماتحت اُن قرابت داروں کو اموالِ غنیمت میں سے حصّہ دینا ہے جو محض آپ کی رفاقت اور تائید کی وجہ سے سالہا سال کفّارِ قریش کے جور و ستم کا تختہ مشق بنے رہے۔۔۔۔ ہزارہا مصائب برداشت کیے مگر آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ مالِ غنیمت کے متعلق یہ حکم ہے کہ اس کے پانچ حصّے کیے جائیں، چار حصّے تو غازیوں میں۔۔۔ تقسیم کیے جائیں باقی پانچویں حصّے کے متعلق قرآن پاک کا ارشاد ہے:

واعلموا انما غنمتم من شیئٍ فان للّٰہ خمسہ و للرسول ولذی القربٰی والیتامٰی والمساکین وابن السبیل۔	جان لو کہ تمھیں جو کچھ غنیمت کے طور پر حاصل ہو (غازیوں کے لیے چار حصّے چھوڑ کر باقی) پانچواں حصّہ اللہ کا اور اس کے رسولؐ کا اور ایک حصّہ آنحضرتؐ کے قرابت داروں کا اور ایک ایک حصّہ یتیموں اور مسافروں کا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک محض تبرّک کے طور پر ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ لفظ اللہ خمس پر مقدم ہے بخلاف دوسرے حصّہ داروں کے آپ ذوی القربٰی یعنی رشتہ داروں میں سے صرف بنی ہاشم اور بنی مطّلب کو حصّہ دیتے تھے، دوسرے ذوی القربٰی یعنی بنی نوفل اور بنی عبدالشمس کو نہیں دیتے تھے کیونکہ دعوت و تبلیغ کی ابتدائی مشکلات کے وقت انھوں نے آپ کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ آپ نے وحی الٰہی کے ماتحت بنی ہاشم اور بنی مطّلب کا حق اس لیے قرار دیا کہ ان لوگوں نے ابتداء اسلام میں آنحضرتؐ کا حقِ رفاقت اچھی طرح ادا کیا تھا۔ چنانچہ جب قریش کی طرف

...ہاشمیوں اور مطلب کی اولاد کا مقاطعہ تین سال تک جاری رہا تو باوجود اس کے کہ ان میں سے اکثر افراد ہنوز دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے، پھر بھی انھوں نے قرابت کا حق پوری طرح ادا کیا اور جب آنحضرتؐ اعدائے دین کے مقاطعے کے باعث مکہ معظمہ سے نکل کر پہاڑ کے ایک درے میں پناہ گزین ہوئے تو یہ لوگ بھی آپ کے ساتھ جا کر برابر تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ اس لیے آپ احسان شناسی کے طور پر ہاشمیوں کو اور مطلب کی اولاد کو خمس میں سے حصہ دیا کرتے تھے، لیکن وہ حصہ دولتمند اور غریب میں مساویانہ تقسیم نہیں فرماتے تھے بلکہ ضروریات کے مطابق خرچ کرتے تھے۔ یعنی مجردوں کی شادی کرا دیتے تھے مقروضوں کا قرض ادا فرماتے تھے۔ ناداروں کو مالی مشکلات سے نجات بخشتے تھے۔

لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحنے فرمایا کہ جس طرح حضرت خیر البشرؑ کے بعد خود آپ کا حصہ ساقط ہو گیا، اسی طرح آپ کے وصال کے بعد اقرباء کا حصہ بھی معدوم ہو گیا، کیونکہ حضور صلعم کے خویش و اقارب کا حصہ ان کی ابتدائی نصرت اور امداد کی بنا پر تھا۔ حضورؐ کے وصال کے بعد نہ وہ ناصرین موجود تھے اور نہ وہ نصرت باقی رہی، لہٰذا یہ حصہ ساقط ہو گیا۔ اب خمس کو فقط تین حصوں میں تقسیم کرنا چاہیے، ایک حصہ یتیموں کا، دوسرا محتاجوں کا، تیسرا بے خرچ مسافروں کا۔

رہا یہ سوال کہ عہد نبوت میں آنحضرت صلعم کے لیے خمس میں سے حصہ قرار پایا کس اصول کی بنا پر تھا تو ظاہر ہے کہ آپ تبلیغ احکام اور مہمات رسالت کی مصروفیت انہماک کے باعث تدابیر معاش میں مشغول نہ ہو سکتے تھے اس لیے ضرور تھا کہ ملک کی آمدنی کا حصہ آپ کے لیے مخصوص کر دیا جاتا۔ اس وقت مال غنیمت، فے اور انفال یہی مداخل تھے، حق تعالیٰ نے ان سب میں آپ کا تھوڑا سا حصہ مقرر فرما دیا تھا، جس کا تذکرہ قرآن کی مختلف آیتوں میں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے، جیسے بادشاہ کے ذاتی مصارف کے لیے خالصہ (صرفِ خاص) متعین کر دیا جاتا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ صرفِ خاص کی یہ آمدنی آپ کی ذاتی ضروریات پر تو برائے نام خرچ ہوتی تھی، بلکہ قریب قریب ساری آمدنی لشکر کی تیاری، وفود اور دوسرے زائرین کی مہمانداری،

Marfat.com

مسکینوں، مسافروں، بیواؤں اور دوسرے بیکسوں کی خبر گیری، یتیموں کی پرورش، اہلِ حاجات کی حاجت روائی، مقروضوں کے قرضوں اور سفیروں کے صلوں پر خرچ ہوجاتی تھی۔ غرض یہی آمدنی بیت المال اور قومی سرمایہ تھی، جو آپ کی تمام ضروریات کی کفیل تھی۔ اور جس میں کبھی کبھی خراج کی رقم بھی شامل ہوجاتی تھی۔

انھیں معنی! میں حامل نبوت صلعم نے ایک مرتبہ اونٹ کا ایک بال لے کر فرمایا کہ تمہاری غنیمتوں میں سے کوئی چیز میرے لیے اس بال کے برابر بھی حلال نہیں۔۔۔۔ اور یہ پانچواں حصّہ جو مجھے ملتا ہے، وہ بھی تمہاری ہی حاجات پر خرچ کردیا جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

دوسرے احسانات کے معاوضے

شروع ہجرت میں آپ حضرت ابوایوب انصاری رضؓ کے مکان پر چھ مہینے تک قیام فرما رہے تھے۔ اس مدت میں انھوں نے آپ کی بڑی خدمت کی تھی۔ اس کے عوض میں آپ اکثر ان کے ہاں کھانا بھجوایا کرتے تھے۔ (مسلم) ذی یزن شاہ یمن نے آپ کو ایک قیمتی حُلّہ بھیجا۔ یہ حُلّہ اس نے چھیاسٹھ اونٹوں کے عوض میں خریدا تھا۔ آپ نے قبول فرمایا۔ پھر اسے اپنی طرف سے ایک حُلّہ ہدیۃً بھیجا، جو بیس اونٹ دے کر خریدا گیا تھا۔ (ابوداؤد) ایک مرتبہ ایک عورت آپ کے پاس ایک طشتری میں کھجوریں ہدیۃً لائی۔ ان پر چند نرم ریشم دار ککڑیاں رکھی تھیں۔ اتفاق سے اسی وقت کسی جگہ سے خراج آیا۔ آپ نے دونوں ہاتھوں میں زرِ نقد بھر کر اس عورت کو دے دیا۔ (مدارج النبوۃ)

اٹھائیسواں باب

استقامت

حضرت سید الاولین والآخرین صلعم نے جس ہمت و پامردی سے اعدائے دین کی مخالفت کا مقابلہ کیا، دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ کے سوانح حیات کو شروع سے آخر تک پڑھ جایئے، آپ کو کوئی واقعہ ایسا نہ ملے گا جس کے پہلو میں ثبات و استقلال کے پہاڑ نہ کھڑے ہوں۔ نبوت کی تمام تر ۲۳ سالہ مدت سخت مشکلات کے حصار میں گھری رہی، تاہم ذاتِ اقدس چشم زدن کے لیے بھی کبھی یاس و اضطراب کے نام سے آشنا نہ ہوئی۔ در و دیوار، شجر و حجر سے مخالفت کی صدائیں بلند ہوئیں لیکن سب بے اثر رہیں۔ دنیا کی تمام طاغوتی طاقتیں مزاحمت پر تلی رہیں، مگر آپ کے عزم آہنیں نے سب کو پاش پاش کر دیا۔ عرب بھر کے نامور عناصر فساد آپ کو (معاذ اللہ) پامال کرنے پر تل گئے لیکن خود ہی ذلیل و پامال ہو کر دنیا سے نابود ہو گئے۔ صدائے حق کے دبانے اور خاموش کرنے کے لیے جو مسلسل اور پیہم ستیزہ کاریاں رہیں، اگر کوئی مخالف بھی بنظر انصاف ان کا مطالعہ کرے گا تو اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک تن تنہا ذات کے لیے ان سے عہدہ برآ ہونا، بجز خاص آسمانی تائید اور ربانی نصرت بخشیوں کے بالکل ناممکن تھا۔

گو آپ کی زندگی کا ایک ایک کارنامہ آپ کے ثبات و استقلال کا مظہر اتم ہے، تاہم یہاں نمونتہً چند واقعات قلمبند کیے جاتے ہیں:

ترغیبات پیغمبر خدا صلعم کی برادری کے لوگ یعنی قریش مکہ بت پرست تھے اور آپ توحید کی دعوت کے سلسلے میں بت پرستی کی بھی مذمت فرمایا کرتے تھے۔ جب بت پرستی کی تردید کے انسداد میں قریش کی تمام تدبیریں ناکام رہیں تو انھوں نے ارادہ کیا کہ محمد (صلعم) کو بڑی سے بڑی قیمت پر خرید لیا جائے ورنہ اگر ان کی تحریک

Marfat.com

کامیاب ہوگئے تو بس کیش بُت پرستی کا خاتمہ ہے۔

اس قرارداد کے بموجب امیر معاویہ رضا کا نانا عتبہ بن ربیعہ جو رؤسائے قریش میں سب سے زیادہ تخنورا ور مدبر مانا جاتا تھا چند دوسرے عمائد کی رفاقت میں آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: مبرادر زادے اسنو! اگر مال و زر کی خواہش ہے تو ہم تمہارے پاس مال و زر کا اتنا ذخیرہ جمع کر دیتے ہیں کہ عرب میں سب سے زیادہ متموّل بن جاؤ۔ اگر حکومت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اگر حسن و جمال کے دلدادہ ہو تو جس بڑے سے بڑے گھرانے میں چاہو شادی کرادیں، لیکن مذہبی تحریک بند کر دو۔" ان میں سے ہر چیز آدمی کے قدم ڈگمگا دینے کے لیے کافی ہے۔ اگر کوئی غرض مند انسان یا خانہ ساز نبی ہوتا تو ان میں سے کسی مقصد کو حاصل کر کے خاموش ہو جاتا، مگر آپ نے ہر چیز کو ٹھکرا دیا۔

آپ نے فرمایا: "میں ان میں سے کسی چیز کا خواہشمند نہیں، بلکہ مجھے خدائے عظیم و برتر نے تمہارے پاس رسُول بنا کر بھیجا ہے، ساتھ ہی حکم دیا ہے کہ لوگوں کو اس کی رحمت کی بشارت دوں اور اس کے غضب سے ڈراؤں سو میں نے اپنے پروردگار کے پیغامات تم لوگوں کے پاس پہنچا دیے ہیں۔ جو کچھ میں منجانب اللہ لایا ہوں، اگر اسے تسلیم کر لو گے تو دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو گے اور رد کر دو گے تو اس وقت تک صبر کروں گا، جب تک خدائے برتر میرے تمہارے درمیان فیصلہ نہ کر دے (سیرت ابن ہشام) غرض آپ نے صنادید قریش کی خواہش ٹھکرا دی اور وہ بے نیل مرام واپس چلے گئے۔

تبلیغ چھوڑنے سے قطعی انکار ثبات و استقلال نبوی صلعم کا دوسرا اہم واقعہ ملاحظہ ہو جب ۶ھ میں حضرت عمر رضا اور حضرت حمزہ رضا کے قبول اسلام پر دین حنیف کی عزت اور قوت کفار قریش کے مشاہدے میں آئی اور انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ صحابہ رضا کی ہجرت حبشہ کے بعد اسلام بیرونی قبائل میں بسرعت پھیل رہا ہے تو ان کی آتش غضب و حسد اور زیادہ مشتعل ہوئی اور وہ پیشوائے امت صلعم کے درپے قتل ہوئے، لیکن آپ چونکہ اپنے چچا ابو طالب کی حمایت و جوار میں تھے، اس لیے یہی مناسب

سمجھا گیا کہ اقدامِ قتل سے پہلے ہاشمیوں کے سردار ابوطالب کو دو ٹوک بات کہہ دی جائے۔
اس غرض کے لیے آپ کے چچا ابوطالب کے پاس جو وفد آیا، اس میں مکۂ معظمہ کے تمام بڑے بڑے رؤساء شامل تھے۔ انھوں نے آکر ابوطالب سے مطالبہ کیا کہ یا تو اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کر دو، یا ہمارے ساتھ جنگ و پیکار کے لیے تیار ہو جاؤ یا ہمارے معبود بتوں کو گالیاں دینے سے اسے باز رکھو۔ ابوطالب نے آپ کو بلا بھیجا اور کہا: "تمھاری قوم کے سردار آئے تھے، وہ یہ دھمکی دے گئے ہیں۔ اب تم اپنی جان پر رحم کرو کیونکہ مجھ میں ان سے جنگ کرنے کی طاقت ہے، نہ تم میں۔"

آپ نے فرمایا: "اے چچا! کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ میں یہ کام آپ کی حمایت اور بھروسے پر کر رہا ہوں؟ میرا حامی پروردگار ہے، اسی نے مجھے اس کا حکم دیا ہے۔ جب تک یہ مہم آخر تک نہیں پہنچ جاتی، اس سے دست بردار نہیں ہوں گا۔ اگر آپ میری تقویت اور موافقت کریں تو آپ کی سعادت ہے، ورنہ مجھے تائیدِ آسمانی کافی ہے۔" اس کے بعد آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: "چچا جان! اگر بالفرض یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب ہی لا کر کیوں نہ رکھ دیں، میں اپنے فرضِ منصبی سے منہ نہیں موڑوں گا یا تو امرِ دین کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر چھوڑوں گا یا اسی کوشش میں خود مٹ جاؤں گا۔"

دست از طلب ندارم تا کامِ من برآید ‍ ‍ ‍ یا تن رسد بجاناں یا جاں زِتن برآید

آپ کا بیان سن کر ابوطالب پر رقت طاری ہو گئی۔ اور پورے اطمینان سے کہا: "برادرزادے! تم اپنے کام میں مشغول رہو، ربِّ کعبہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں کوئی تم پر قابو نہیں پا سکتا۔ (سیرت ابن ہشام و تاریخ ابن جریر طبری)

اب یہاں غزوۂ خندق کے واقعات حوالۂ قرطاس کیے جاتے ہیں جن سے آپ کے ثبات و استقلال پر مزید روشنی پڑے گی۔

غزوۂ خندق

جنگِ خندق کو جنگِ احزاب بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں عرب کے تمام غیر مسلم قبائل بزعمِ خود اسلام سے آخری اور قطعی فیصلہ کرنے کے لیے

اُمنڈ آئے تھے اور یہ غزوہ خندق سے اس لیے منسوب ہے کہ مدینہ منورہ کے ارد گرد دافعت کے لیے خندق کھودی گئی تھی۔ یہ لڑائی مسلمانوں کے خلاف قریش، بنی قریظہ، بنی اسد، بنو سلیم، بنو ..... اسلم، اشجع، ابو مرہ، کنانہ، فرازہ، غطفان وغیرہ قبائل کی متحدہ جنگ تھی۔ یہ تمام قبائل بمقام مرّالظہران جمع ہوئے، ہر قبیلہ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق سامان حرب ساتھ لیا تھا۔ ان تمام حملہ آور قبائل کے قائدِ اعظم امیر معاویہ رضؓ کے والد ابو سفیان بن حرب مقرر ہوئے جو تمام ممکن الحصول جنگ آزماؤں کے علاوہ تین سو گھوڑے اور ہزار اُونٹ ہمراہ لائے تھے۔

جب اس اجتماع کی اطلاع سرور دوجہان صلعم کے سمع مبارک تک پہنچی تو آپ نے مہاجرین و انصار کو بغرض مشاورت طلب فرمایا۔ حضرت سلمان فارسی رضؓ جو ایرانی تھے، عرض پیرا ہوئے: "یا رسولؐ اللہ عرب کے متحدہ غیر مسلم قبائل کے مقابلے میں ہماری جمعیت بہت کم ہے، اس لحاظ سے شاید کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا ہمارے لیے مفید نہ ہو، اس لیے میرے خیال میں قرین مصلحت یہ ہے کہ ایران کے رواج کے مطابق ہم شہر کے ارد گرد خندق کھود کر اعداء کی مدافعت کریں" عرب میں رزم و پیکار کے لیے خندق کھودنے کا اس سے پہلے کسی کو تجربہ نہ تھا تاہم آپ نے حضرت سلمان رضؓ کی رائے کو پسند فرمایا۔ صاحبِ قاموس نے لکھا ہے کہ خندق عربی لفظ نہیں بلکہ فارسی لفظ کندہ کا معرب ہے جس کے معنی ہیں کھودا گیا۔ (مدارج النبوۃ)

مدینہ کے جن اطراف میں عمارات کا سلسلہ تھا، وہ تو محفوظ تھے، البتہ کوہ سلع کی جانب کھلی ہوئی تھی، اس جانب کو محفوظ کرنے کے لیے خندق کا انتظام کیا گیا۔ آپ نے ۸ ذی قعدہ ۵ھ کو تقریباً ہزار صحابہ رضؓ کے ساتھ شہر سے نکل کر کھدائی کا کام شروع کرایا۔ کوہ سلع کے دامن میں فوج کے لیے خیمے نصب ہوئے، وہیں آپ کے لیے سرخ رنگ کا چرمی خیمہ لگایا گیا۔ آپ نے خندق کی کھدائی کے لیے خط کھینچ دیے۔ دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم فرمائی۔ خندق کا عمق پانچ گز رکھا گیا۔ ع٥

ع٥ غالباً چوڑی بھی اتنی ہی تھی۔

Marfat.com

ان ایام میں کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی اور سرد ہوا چل رہی تھی۔ مسلمانوں کے افلاس اور ناداری کا یہ عالم تھا کہ بمشکل کسی کو روٹی نصیب ہوتی تھی۔ اس فاقہ کی حالت میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم علیہم الرضوان مزدوروں کی طرح مٹی کھودتے اور مٹی کی ٹوکریاں پیٹھ اور گردن پر اٹھا اٹھا کر پھینک رہے تھے (مدارج)

حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خندق کھودتے وقت مجھے اور میرے ساتھیوں کو ایک نہایت سخت سفید چٹان دکھائی دی۔ سب نے بہتیری کوشش کی لیکن کسی کی ضرب کارگر نہ ہوئی بلکہ اس کی سختی نے اوزاروں کے منہ موڑ دیئے۔ ساتھیوں نے حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ سے کہا: "جا کر سید عالم صلعم سے پوچھو کہ اس چٹان کو چھوڑ دیں یا کیا کریں؟" انھوں نے جا کر التماس کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمی عاجز آ گئے ہمارے اوزار کند ہو گئے، مگر ایک چٹان جوں کی توں پڑی ہے، اب کیا حکم ہے؟"

آپ وہاں تشریف لائے۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ نبی صلعم کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا اور ہم لوگ بھی تین دن سے بھوکے تھے۔ آپ نے کدال لے کر اس پتھر پر مارا۔ وہ سنگ ریزہ ریزہ ہو کر ریت کی مانند ہو گیا (رواہ البخاری و مسلم) (مشکوٰۃ باب المعجزات)

اہل نفاق کی ظاہر داری

منافق لوگ اول تو خندق کی کھدائی میں آتے ہی نہ تھے اور اگر کوئی آیا تو ظاہر داری کے طور پر تھوڑا سا کام کر کے بلا اطلاع چل دیا اور شیدایانِ رسول علیہ السلام جان توڑ کر سخت محنت کرتے تھے۔ پتھریلی زمین کی کھدائی کوئی آسان کام نہیں، تاہم وہ انتہائی مشقت اور جانکاہی سے کام کرتے۔ پتھر، کنکر کھود کھود کر نکالتے۔ صبح سے شام تک مزدوروں سے سہ چند چہار چند کام کرتے اور اگر کبھی کسی کو کوئی اشد ضرورت پیش آتی تو آنحضرت صلعم سے اجازت لے کر جاتے۔ اس وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں سورۂ نور کی باسٹھویں آیت نازل ہوئی، جس کا ترجمہ یہ ہے:

"مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ؐ پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسول ؐ

کے پاس کسی اپنے کام کے لیے آتے ہیں، جس کے لیے مجمع کیا گیا ہے اور اتفاقاً وہاں سے جانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو آپ سے اجازت لیے بغیر نہیں جاتے۔ جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں، وہی اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں۔ جب یہ لوگ اپنے کسی کام کے لیے جانے کی اجازت مانگیں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں، اسے اجازت دیں اور اہل ایمان کے لیے استغفار کرتے رہیے، بلاشبہ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے" (لباب النقول)

ایک رطل جَو سے ہزار آدمی کی شکم پُری

جس روز پیغمبر صلعم نے کدال کی ایک ہی ضرب سے پتھر کی ناقابل شکست چٹان کو ریت کے ذروں کی طرح ریزہ ریزہ کر دیا تھا، اس روز آپ کے ہاتھ پر ایک اور بھی عظیم الشان معجزہ ظاہر ہوا۔ تین دن سے حامل نبوت صلعم اور آپ کے جاں نثاروں کے شکم میں اناج کا ایک دانہ بھی نہیں گیا تھا اور اس فاقہ کشی کے باوجود دن بھر کھدائی کی مشقت درپیش تھی۔ حضرت جابر انصاری رضہ سوچنے لگے کہ کم از کم پیغمبر صلعم کے لیے کھانے کا کچھ انتظام ہو جاتا تو اچھا تھا۔ وہ اپنے گھر گئے اور بیوی سے کہا کہ پیغمبر صلعم کو تین دن سے فاقہ ہے اور حالت یہ ہے کہ آپ نے (کمر سیدھی رکھنے کے لیے) پیٹ سے پتھر باندھ رکھا ہے۔ میری خواہش تھی کہ کم از کم آپ کے لیے کوئی چیز میسر ہو جاتی۔ ان کی بیوی نے ایک تھیلی نکالی جس میں ایک صاع (تقریباً ڈھائی سیر) جَو تھے۔ ان کی بیوی جَو پیسنے لگیں۔ حضرت جابر رضہ کے گھر میں بکری کا ایک بچہ تھا، انھوں نے اسے ذبح کر کے صاف کرنا شروع کیا۔

جب کھانا تیار ہو گیا تو حضرت جابر رضہ لشکرگاہ میں پہنچے اور فخر عالم صلعم کی خدمت میں چپکے سے عرض کی کہ میں نے تھوڑا سا کھانا تیار کرایا ہے، آپ تشریف لے چلیے۔ . . . آپ کی حمیت بھلا اسے کہاں گوارا کر سکتی تھی کہ آپ جا کر کھائیں اور آپ کے جاں نثار بھوکے رہیں۔ آپ نے بہ آواز بلند صحابہ رضہ سے فرمایا کہ اے اہل خندق! جابر رضہ نے تمھاری دعوت کی ہے۔ سب حضرات جلد چلو۔ دوسری طرف حضرت جابر رضہ

سے فرمایا: تم جاکر اپنی بیوی سے کہو کہ جب تک میں نہ پہنچوں، نہ ھنڈیا اُتاریں اور نہ روٹی پکانی شروع کریں۔ حضرت جابر رضؓ سخت حیرت زدہ تھے کہ کھانا تو چند آدمیوں کا ہے، لیکن آپ سارا لشکر ساتھ لا رہے ہیں۔

حضرت جابر رضؓ نے گھر پہنچ کر بیوی سے کہا کہ کھانا تھوڑا ہے، لیکن رسُولِ خدا صلعم سارا لشکر ساتھ لا رہے ہیں۔ بیوی نے کہا: "کیا تم نے حضورؐ والا سے اس کا ذکر کر دیا تھا کہ ایک صاع جَو کا آٹا پکایا ہے؟" انھوں نے کہا: "ہاں میں نے کہہ دیا تھا کہ ایک صاع جَو کا آٹا پکایا گیا ہے۔" بیوی نے کہا: "پھر کوئی فکر کی بات نہیں کیونکہ حضورؐ ہم سے زیادہ دانا ہیں۔"

حضرت خیر الانام صلعم جابر رضؓ کے گھر پہنچے اور لشکر نے بھی آنا شروع کیا۔ آپ نے آتے ہی کھانے میں برکت کے لیے دعا کی اور فرمایا کہ کسی اَور عورت کو بھی روٹی پکانے کے لیے بلا لو اور ہانڈی کو چولھے ہی پر رکھ کر اس میں سے سالن نکالتے جاؤ۔ اب آپ نے بذاتِ خود اپنے جان نثاروں کو کھانا کھلانا شروع کیا۔ لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی۔ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا اور ھنڈیا بدستور جوش مار رہی تھی۔ نہ تو سالن ہی کم ہوا اور نہ آٹے میں کوئی کمی آئی۔ (بخاری و مسلم وغیرہما)

خندق ہزار نفوسِ قدسیہ کی لبست روزہ جاں فشانی کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اتنے میں اعداء بھی چاروں طرف سے اُمنڈ آئے۔ فتح الباری میں ان کی تعداد چوبیس ہزار بتائی گئی ہے۔ جنگِ خندق کا ایک افسوسناک پہلو یہ تھا کہ قبیلہ بنی قریظہ کے یہودی، جن سے آنحضرتؐ کا معاہدہ تھا، بدعہدی کر کے حملہ آور اعداء سے مل گئے۔ آپ نے حضرت سعد بن معاذ رضؓ، حضرت سعد بن عبادہ رضؓ اور چند دوسرے صحابہؓ کو بنی قریظہ کے پاس بھیجا کہ وہ پند و نصیحت کر کے انھیں نقضِ عہد سے باز رکھیں۔ انھوں نے جا کر انھیں پند و موعظت کی بہتیری تبر بدیاں پلائیں لیکن ان کے خبثِ عناد کی حدّت کو بہم اصلاح نہ ہو سکی۔ اعداء کا خیال تھا کہ مسلمان کوہ اُحد کے پاس صف آرا ہوں گے، لیکن وہ شہر کے قریب پہنچے تو خندق دیکھ کر سخت متحیّر ہوئے کیونکہ اہلِ عرب نے یہ صورت نہیں دیکھی تھی۔ پیغمبر صلعم نے اپنے متبنّٰی حضرت زید بن حارثہ رضؓ کو تین سو جوانوں کے ساتھ مہاجرینؓ

وانصار کے گھروں کی حفاظت کے لیے بھیج دیا۔ عباد بن بشیر رضؓ چند دوسرے جاں نثاروں کے ساتھ خیمۂ نبویؐ کی نگہبانی پر متعین ہوئے، یہ ہر رات بڑی مستعدی سے خیمے کی حفاظت کرتے تھے۔ اہلِ شرک آ آ کر آنحضرتؐ کے خیمے پر حملہ کرنے کی کوشش کرتے تھے لیکن خندق سے پار ہونے پر قدرت نہ پاتے تھے، آپ نے سلع کی پہاڑی کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی اور جس طرف سے بنی قریظہ کے یہودیوں کے حملے کا اندیشہ تھا، وہاں سلمہ بن اسلم صحابی رضؓ دو سو آدمیوں کے ساتھ متعین کیے گئے کہ ادھر سے حملہ نہ ہونے پائے ادھر مسلمانوں میں جو حضرات دل کے کمزور تھے، وہ حملہ آوروں کی کثرت اور شوکت سے سہم گئے، اس وقت شہر میں ایسا محسوس ہوتا تھا، گویا قیامت آ گئی۔ خدائے کردگار نے اس نازک صورت حال کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:

اذ جاءُوکم مّن	جب اعداء اوپر اور نشیب دونوں
فوقکم و من	طرف سے تم پر آ چڑھے تھے اور
اسفل منکم واذ	جب آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں
زاغت الابصار و	اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم
بلغت القلوب الحناجر	لوگ خدا کے ساتھ طرح طرح کے گمان
و تظنّون باللّٰہ الظّنونا	کرنے لگے۔ یہ مسلمانوں کے لیے سخت
ھنالک ابتلی المؤمنون	ابتلاء کا وقت تھا، اہلِ ایمان
و زلزلوا زلزالًا	میں اس وقت لرزہ آ گیا۔
شدیدًا۔	(۳۳: ۱۰-۱۱)

منافق لوگ شروع شروع میں ہمیشہ صحابۂ کرام رضؓ کا ساتھ دیا کرتے تھے لیکن جب مشکلات کا سامنا ہوتا تھا تو طلائے خالص اور ملمع میں فوراً امتیاز ہو جاتا تھا۔ جب سردی کی شدت، رسد کی قلت، فاقہ کشی کی مصیبت، بے خوابی کی تکلیف اور ہجوم اعداء سے سابقہ پڑا تو منافقوں کا ملمع آزمائشوں کی آگ کا حریف نہ بن سکا۔ انھوں نے صبر و تحمل کی جگہ طعنے دینے شروع کر دیے، مُعتّب بن قُشیر نام ایک منافق کہ

محمد (صلعم) نے تو کہا تھا کہ تم لوگ قیصر اور کسریٰ کی مملکتوں پر عمل دخل کرو گے لیکن ہم تو بیت الخلاء کے لیے بھی شہر سے باہر نہیں نکل سکتے۔(تاریخ ابن جریر طبری جلد ۳ ص ۷۴)

اوس بن قیظی اور دوسرے منافق کہنے لگے: "یا رسول اللہ! ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، اس لیے ہمیں شہر میں جانے کی اجازت دی جائے۔ لیکن اصحاب کرامؓ کی قوت ایمانی کا طلاء ان مشکلات کی آنچ میں اور بھی زیادہ جگمگانے لگا۔ ارشاد خداوندی ہے:

ولمّا رأ المؤمنون	اہل ایمان قبائل کے لشکر دیکھ کر
الاحزاب قالوا هٰذا	کہنے لگے: "یہ وہی عساکر ہیں"
ما وعدنا الله و	جن کی خدا اور اس کے رسول نے
رسوله وصدق	خبر دی تھی اور خدا اور اس کا رسولؐ
الله و رسوله و	دونوں سچے تھے"۔ اس سے اُن
مازادهم الا ایمانًا	کے ایمان اور اطاعت میں اور اضافہ
وتسليمًا۔	ہوا۔ (۳۳ : ۲۲)

سردار دو عالم صلعم اور صحابہ رضؓ پر فاقوں پر فاقے گزر گئے اور اہل ایمان کو اس درجہ رنج و تعب برداشت کرنا پڑا کہ کسی معرکے میں اس سے سابقہ نہ پڑا تھا۔ گو جنگ اُحد میں بھی سخت پریشانی اور مصیبت کا سامنا ہوا، لیکن رنج و غم کا سارا مرحلہ ایک ہی دن میں ختم ہو گیا تھا، مگر غزوہ احزاب میں انواع و اقسام کے کرب و بلا کا سلسلہ بائیس تیئیس دن تک جاری رہا۔

مخدوم انام صلعم نے اسلامی لشکر کو خندق کے مختلف حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ خندق کا ایک حصہ خود آپ کے زیر اہتمام تھا۔ چونکہ پاٹ زیادہ ہونے کے باعث خندق کو عبور کرنا مشکل تھا، اس لیے اعداء دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے۔ ابوسفیان نے جب دیکھا کہ خالی تیر افگنی اور سنگ اندازی کچھ بھی نتیجہ خیز نہیں تو اپنی فوج کے سرداروں سے کہا کوئی ایسی تدبیر کرو کہ ہم حملہ کر کے دل کے حوصلے نکالیں۔ اتفاق

سے خندق ایک جگہ سے کم چوڑی تھی، یہی جگہ حملے کے لیے تجویز کی گئی۔

اب اعداء کا سارا لشکر اس جگہ جمع ہوا۔ مختلف قبائل کے فوجی سردار آگے ہوگئے تھے۔ عرب کے جنگ آزمودہ بہادروں مثلاً عَمرو بن عبدوُدّ۔ عکرمہ بن ابی جہل، ہُبیرہ بن ابی وہب، نوفل بن عبداللہ، ضرار بن خطاب وغیرہم نے اپنے گھوڑوں کو اِس کنارے سے مہمیز کی تو اس پار تھے۔ یہ لوگ خندق کو عبور کرکے لشکرِ اسلام کی طرف بڑھے۔ تاجدارِ اعظم صلعم نے حضرت علی مرتضیٰ رضہ کو اپنی تلوار، جس کا نام ذوالفقار تھا، عطا فرما کر ایک دستۂ فوج کے ہمراہ ان کے مقابلے پر بھیجا اور ان کی کامیابی کے لیے دُعا کی۔ دُشمن کے سواروں میں عرب کا مشہور سُورما عَمرو بن عبدوُدّ سب سے آگے تھا۔ وہ جنگِ بدر میں زخمی ہوکر ایسا بھاگا تھا کہ پھر اُسے غزوۂ اُحد میں شریک ہونے کی جرأت نہ ہوئی تھی۔ اب وہ تلافیٔ مافات کے لیے دادِ شجاعت دینے آیا تھا۔

گو وہ اس وقت نوّے سال کا مُعمّر تھا لیکن اس کی شجاعت دوست دشمن سب کے نزدیک مسلّم تھی۔ حضرت علی رضہ نے فرمایا: "عَمرو! تو مقابلے کے لیے تیار ہو جاؤ" کہنے لگا: "برادرزادے! مجھے تیرا قتل پسند نہیں۔" حضرت علی رضہ نے فرمایا: "لیکن میں تیرے قتل کا آرزومند ہوں۔" یہ سُن کر عَمرو غصّے سے بے تاب ہوگیا۔ حضرت علی رضہ پیادہ تھے۔ عَمرو کی شجاعت نے گوارا نہ کیا کہ سوار پیدل سے مقابلہ کرے۔ گھوڑے سے اُترا اور حضرت علی رضہ کی طرف بڑھ کر تلوار کا وار کیا۔ حضرت علی رضہ نے ڈھال پر روکا لیکن تلوار ڈھال میں ڈوب کر نکلی اور معاً حضرت علی رضہ کی پیشانی پر آلگی، جس سے چہرۂ مبارک زخمی ہوگیا۔ اب حضرت علی رضہ نے وار کیا۔ ان کی تلوار عَمرو کا شانہ کاٹ بغل میں اُتر گئی۔

عَمرو کو قتل ہوتے دیکھ کر اس کے ساتھی بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ عَمرو کے ساتھ اس کے دو ساتھی منبہ بن عثمان اور نوفل بن عبداللہ بھی خنجر خونخوار کا لقمہ بنے۔ نوفل بھاگتے وقت خندق میں گر پڑا۔ صحابہ رضہ نے اس پر سنگ باری شروع کی۔ وہ بہ منّت کہنے لگا: "مسلمانو! کسی اچھے طریقے سے میری جان لو۔" صحابہ

نے ہاتھ روک لیے اور حضرت علیؓ نے خندق میں اُتر کر اسے ذوالفقار کی نذر کیا۔ تاریخ ابن جریر طبری جلد ۳ ص ۴۸-۴۹)

اس دن تمام محاصرین نے متفق ہو کر مسلسل تیروں اور پتھروں کا اتنا مینہ برسایا کہ چشم زدن کے لیے بھی یہ بارش تھمنے نہ پائی تھی۔ حملہ آور رات تک برابر مقابلے میں مصروف رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ پیغمبر صلعم اور آپ کے اصحابؓ کی تین نمازیں ظہر، عصر اور مغرب فوت ہوگئیں۔ اُس وقت تک صلوٰۃ الخوف شروع نہ ہوئی تھی۔ لڑائی کے بعد آپ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ انھوں نے پہلے اذان، پھر اقامت کہی اور آپ نے نماز ظہر پڑھائی۔ اس کے بعد عصر اور مغرب بھی بہ ترتیب ادا کیں۔ ان دونوں نمازوں کے لیے صرف اقامت کہی گئی۔ آپ نے حملہ آوروں پر بد دعا کی:

ملاء اللہ بیوتھم	خدا ان کے گھروں اور قبروں کو
و قبورھم نارًا کما	آگ سے بھرے کہ انھوں نے ہمیں
شغلونا عن صلوٰۃ	درمیانی نماز پڑھنے سے باز رکھا۔
الوسطیٰ۔	(مدارج النبوۃ)

یہ مشہور روایت اس امر کی مقتضی ہے کہ صرف نماز عصر فوت ہوئی تھی اور مؤطا میں نماز ظہر کے قضا ہونے کا بھی ذکر ہے۔ بعض روایتوں میں مذکور ہے کہ مشرکوں نے اہلِ ایمان کو چار نمازوں سے باز رکھا تھا۔ اور حدیث مذکور میں آپ نے صرف صلوٰۃ وسطیٰ کا ذکر اس کی فضیلت کی بناء پر فرمایا ہے۔ واللہ اعلم (مدارج النبوۃ)

یہودی مخبر کی ہلاکت

پیغمبر صلعم اور صحابہؓ کے اہل و عیال جس قلعے میں پناہ گزیں تھے، وہ یہود بنی قریظہ کی آبادی سے متصل تھا۔ یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں کی ساری جمعیت مصروفِ جنگ ہے، قلعے پر دھاوا بولنا چاہا۔ ایک یہودی مخبر قلعے کے پھاٹک پر آکر حملے کا موقع تجویز کر رہا تھا۔ حضرت سید کائنات کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے دیکھ لیا اور حضرت حسّان شاعرؓ سے جو مستورات کی حفاظت پر متعین تھے، فرمایا: "تم جا کر اس مخبر کو قتل کر دو ورنہ

ابھی جاکر دشمنوں کو ہم پر چڑھا لائے گا۔" کسی بیماری نے حضرت حسان رضؓ کو اتنا کمزور کر دیا تھا کہ وہ معرکۂ کارزار کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی بھی تاب نہ لا سکتے تھے۔ حسان رضؓ عذر کرنے لگے کہ میرا دل بہت کمزور ہے، اگر میں کسی کو قتل کر سکتا تو مجھے آپ یہاں نہ دیکھتیں۔

حضرت صفیہ رضؓ مجبوراً خود ہی اٹھیں۔ خیمے کی ایک چوب اکھاڑی اور نیچے جاکر مخبر کے سر پر اس زور سے ماری کہ وہ لڑکھڑا کر نیچے گرا۔ حضرت صفیہ رضؓ نے اوپر آکر حسان رضؓ سے فرمایا: "میں اسے ٹھکانے لگا آئی ہوں، اب تم اتنا کام کرو کہ اس کے ہتھیار اور کپڑے اتار لاؤ۔" حسان رضؓ کہنے لگے: "جانے دیجیے، میں کپڑے اور ہتھیار لے کر کیا کروں گا۔" حضرت صفیہ رضؓ نے فرمایا کہ اچھا اتنا تو کرو کہ اس کا سر کاٹ کر قلعے سے نیچے پھینک دو تاکہ یہودی مرعوب ہو جائیں اور ہماری طرف آنے کی جرأت نہ کریں۔ لیکن اس کام کے لیے بھی خود حضرت صفیہ رضؓ ہی کو جانا پڑا۔ یہودی اپنے مخبر کا سر دیکھ کر سمجھے کہ قلعے میں بھی مسلمانوں کی فوج متعین ہے۔ اس خیال سے کسی کو قلعے کی طرف نظر اٹھانے کی بھی جرأت نہ ہوئی۔ (ابن جریر طبری)

انصار کی طرف سے حصولِ اطمینان

ایک دن شدت محاصرہ اور اپنے جان نثاروں کی شبانہ روز صعوبتوں کا خیال کر کے شفیق امت صلعم کو خدشہ ہوا کہ ایسے نازک وقت میں کہیں انصار ہمت نہ ہار دیں۔ چنانچہ آپ نے انصار کے قبیلوں اوس اور خزرج کے دونوں سرداروں سعد بن معاذ رضؓ اور سعد بن عبادہ رضؓ کو بلا بھیجا اور فرمایا: "اگر تمہاری مرضی ہو تو میری طرف سے اجازت ہے، عُیینہ بن حصین اور حارث بن عوف (سرداران غطفان) کے سامنے یہ تجویز پیش کرو کہ اگر وہ محاصرے سے علیحدہ ہو جائیں تو شہر مدینہ کی آمدنی کا ایک حصہ انھیں دیا جائے گا۔ ان کی علیحدگی کے بعد محاصرے کی سختی کم ہو جائے گی۔"

ہر دو نوں رئیس عرض پیرا ہوئے: "یا رسول اللہ! یہ محض تجویز ہے یا خدائے برتر کا حکم ہے۔ اگر حکم الٰہی ہے تو مجالِ انکار نہیں اور اگر محض تجویز ہے تو گزارش ہے

کہ قبولِ اسلام سے پہلے بھی کوئی طاقت ہم سے خراج نہ لے سکی، لیکن اب کہ اسلام نے ہمارا پایہ بہت بلند کر دیا ہے اور حضور ؐ کے ظلِ عاطفت نے ہماری کلاہ افتخار کو چار چاند لگا دیے ہیں، کیا ہم مشرکوں کو خراج دیں گے؟ اہلِ شرک سے کسی شرط پر ہمارا معاہدہ نہیں ہو سکتا۔" آپ نے فرمایا: "میں دیکھتا ہوں کہ سارا عرب چڑھ آیا ہے اور تم لوگ سخت پریشانیوں میں مبتلا ہو، اس لیے میں نے غطفان سے معاہدہ کر کے محاصرین کو کمزور کرنے کی اجازت دی" حضرت سعد بن معاذ رضؓ نے عرض کی: "یا رسول اللہؐ! یہ صحیح ہے کہ سارا عرب امنڈ آیا ہے اور ہماری جمعیت بہت کم ہے، لیکن جب ہم بحمد اللہ اسلام کے دامنگیر ہیں اور حضور ؐ کی ذاتِ گرامی ہم میں موجود ہے تو ہمیں کس بات کا ڈر ہے؟" یہ استقلال اور ثابت قدمی دیکھ کر آپ ان کی طرف سے مطمئن ہو گئے۔ (ابن جریر طبری جلد ۳ ص ۴۸ وغیرہ)

خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے فتح و ظفر

محاربے کے آخری دن جب محاصرے نے انتہا درجے کی شدت اختیار کی اور حالت زیادہ پُرخطر نظر آئی تو خدا کے برگزیدہ رسول ؐ نے درگاہ رب العزت میں دعا کی:

اللھم منزل الکتاب	اے کتاب کے نازل کرنے والے
وسریع الحساب اھزم	اور جلد حساب لینے والے (حملہ آور)
الاحزاب و زلزلھم	گروہوں کو پسپا اور متزلزل کرنے
وانصرنا علیھم۔	اور ہمیں ان پر فتح نصیب کر۔

(مدارج النبوت جلد ۲ ص ۲۱۶)

یہ دعا موقفِ اجابت پر پہنچی۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ دشمن میں باہم پھوٹ پڑ گئی۔ یہود نے ساتھ چھوڑ دیا اور محاصرے کی شدت کم ہو گئی۔

اس کے بعد ایسا زبردست طوفان آیا کہ محاصرین کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں۔ کھانے کی پتیلیاں اُلٹ گئیں۔ آگ بجھ گئی۔ کسی کو کھانا میسر نہ آیا۔

Marfat.com

فاقے کی تکلیف تو کچھ مسلمان ہی برداشت کر سکتے تھے مگر فاقہ کشی پر کسی سے صبر نہ ہو سکا۔ ان مشکلات پر مستزاد یہ کہ آندھی میں گرد و غبار کے ساتھ سنگریزے اس کثرت سے اڑ اڑ کر حملہ آوروں کے سروں اور چہروں کی تواضع کرنے لگے کہ ہوش باختہ ہو گئے اور ہر شخص کو موت سامنے نظر آنے لگی۔ ربِ قدیر نے اپنے کلامِ پاک میں اپنی نصرت بخشی کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا:

یا ایھا الذین امنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جاءتکم جنود فارسلنا علیھم ریحا وجنودا لم تروھا وکان اللہ بما تعملون بصیرا۔	اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کا انعام یاد کرو، جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے تھے۔ پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی جو تمہیں دکھائی نہ دیتی تھی اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ (۳۳:۹)

اس آیت سے مترشح ہوتا ہے کہ خدائے ناصر و معین نے ظاہراً ایک آندھی سے اور باطناً ایک لشکر سے محاصرین کو پسپا و منتشر کر کے اہلِ ایمان کی امداد فرمائی تھی۔

حضرت حذیفہؓ کا اعداء کی خبر لانا

مروی ہے کہ غزوۂ خندق کی آخری شب حاملِ نبوت صلعم بہت رات گئے تک نماز پڑھتے رہے۔ پھر فرمایا کہ کوئی ہے جو محاصرین میں جائے اور ان لوگوں کے حالات اور ارادے معلوم کر کے مجھے آبتائے؟ جو کوئی اس وقت اس کام کا بیڑا اٹھائے، اسے جنت میں میری رفاقت نصیب ہوگی۔ اس وقت آندھی کا زور، جاڑے کی شدت، بھوک کی تکلیف، دشمن کا خوف، بے سروسامانی کی وحشت وغیرہ مشکلات اور پریشانیاں مسلمانوں کو چشم نمائی کر رہی تھیں۔ پیشوائے امتؐ کی یہ خواہش

معلوم کرکے حضرت حذیفہ بن یمان صحابی نے التماس کی: "یا رسول اللہ! میں تعمیل ارشاد کے لیے حاضر ہوں" آپ نے فرمایا: "جاؤ لیکن واپسی تک کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے غنیم برانگیختہ ہو۔"

حضرت حذیفہ رض کا بیان ہے کہ میں چلا۔ قدم باہر رکھتے ہی سردی کا نام و نشان نہ رہا اور ایسا محسوس ہوتا گویا حمام میں چل رہا ہوں۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ آندھی نے غنیم کو سخت بدحال کر رکھا ہے۔ خیمے گر پڑے ہیں۔ گھوڑے چھوٹ کر لشکر گاہ میں دوڑتے پھرتے ہیں، کنکر پتھر لشکر پر پڑ رہے ہیں اور ان حالات سے بدحواس ہو کر غنیم بھاگنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اس وقت ابوسفیان عالم پریشانی میں آگ تاپ رہا تھا۔ میں نے یہ دیکھ کر کہ ابوسفیان ایسے عدوئے اسلام کا کام تمام کر دینا نہایت آسان ہے، ترکش سے تیر نکالا اور کمان میں رکھ کر اسے نشانہ بنانا چاہا، مگر معاً آنحضرت صلعم کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ واپسی تک کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے غنیم برانگیختہ ہو۔ اس لیے میں نے تیر پھر ترکش میں رکھ لیا، اور غنیم کے جملہ حالات معلوم کر کے مراجعت کی۔ واپسی میں بھی برابر ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا حمام میں چل رہا ہوں۔ جب میں اپنی جگہ پہنچ گیا تو سردی نے پھر آ دبایا۔

حذیفہ رض کا بیان ہے کہ میں حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت بھی کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ اور آپ نے کسی حرم محترم کی کملی اوڑھ رکھی تھی۔ سلام پھیر کر آپ نے مجھے اپنی گودڑی میں لپیٹ لیا۔ میں نے غنیم کی پریشانیوں کی تفصیل بیان کر کے آپ کو ان کے عزم فرار کی اطلاع دی (صحیح مسلم و تاریخ ابن جریر طبری جلد ۳ ص ۵۷۲) غرض احزاب محاصرہ اٹھا کر کوچ کر گئے۔ مدینہ منورہ کا سیاسی مطلع بائیس تیئیس دن تک تیرہ و تار رہ کر صاف ہو گیا اور اعداء کے بادل ہوا ہو کر اڑ گئے۔ تمام کفار عرب اتحاد کر کے نور اسلام کی شمع گل کرنے آئے تھے لیکن خدائے قدیر اسلام کا محافظ تھا۔ آگے چل کر اس قادرِ توانا نے خود انھیں ذلیل کر کے اسلام کے قدموں پر لا گرایا:

شعلۂ شمع خدائی بھی کہیں بجھتا ہے — رہ گئے اپنا سا منہ لے کے بجھانے والے
نقش اسلام نہ اعداء کے مٹانے سے مٹا — مٹ گئے آپ ہی جلتے تھے مٹانے والے

Marfat.com

شہدائے جنگِ خندق

غزوۂ خندق میں یہ پانچ بزرگ ہستیاں درجۂ شہادت پر فائز ہوئیں (۱) حضرت انس رضؓ بن اوس بن عتیک اشہلی، جو غزوۂ اُحد میں شریک تھے (۲) حضرت عبداللہ رضؓ بن سہل زید حارثی بدری (۳) حضرت ثعلبہ رضؓ بن عنمہ بن عدی خزرجی سلمی بدری (۴) حضرت طفیل رضؓ بن مالک بن خنساء سلمی بدری، جنھوں نے غزوۂ اُحد میں اکتیس زخم کھائے تھے (۵) حضرت کعب رضؓ بن زید بدری ان فدائیان اسلام میں مہاجر کوئی نہ تھا، سب کے سب انصار مدینہ تھے۔ قبیلۂ اوس کے رئیس اعظم حضرت سعد بن معاذ رضؓ غزوۂ خندق .... میں زخمی ہو کر چند روز کے بعد انتقال فرما گئے تھے۔ اگر انھیں بھی شامل کیا جائے .... تو شہداء کی تعداد چھ ہو جاتی ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضؓ کا مجروح ہونا

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ کا بیان ہے کہ میں غزوۂ خندق کے ایام میں بنی حارثہ کے قلعے میں تھی، جو مدینہ کے قلعوں میں سب سے زیادہ مضبوط ہے۔ اس روز پیغمبر خدا صلعم کے خیمے کے برابر معرکے ہو رہے تھے۔ دونوں طرف سے تیروں کی بارش زوروں پر تھی اور آپ زرہ پہنے خیمے کے باہر کھڑے تھے۔ اتنے میں سعد بن معاذ رضؓ ہاتھ میں حربہ لیے ہوئے بڑی تیزی سے چلتے دکھائی دیے۔ ان کے برادر زادہ حارث بن اوس رضؓ بھی، جو غزوۂ بدر میں شریک رہ چکے تھے، اُن کے ساتھ تھے۔ ابھی تک عورتوں کو پردے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ جاتے وقت یہ شعر سعد رضؓ کی زبان پر تھا:۔

لبث قليلاً تدرك الهيجا جمل	ذرا ٹھہر جانا کہ لڑائی میں ایک اور شخص بھی پہنچ جائے
لا باس بالموت اذا الموت نزل	جب وقت آگیا تو موت سے کوئی خوف نہیں

سعد رضؓ بڑے قوی ہیکل اور طویل القامت جوان تھے اور ان کی زرہ اس قدر چھوٹی تھی کہ ان کے بازو کھلے رہے تھے۔ جب سعد رضؓ خندق کے کنارے پہنچے تو دشمن کی طرف سے حبان بن عرقہ نام ایک شخص نے جو مکہ معظمہ کا رہنے والا تھا، ان کے کھلے ہوئے

تیسواں باب

اکل حلال

حلال روزی کی فرضیّت مسلمان کے لیے حلال روزی کی تلاش اور اس کا حصول بھی اس کے فرائض میں داخل ہے۔
چنانچہ عبد اللہ بن مسعود رضہ سے مروی ہے کہ آقائے دو عالم صلعم نے فرمایا:
حلال کمائی کا طلب کرنا بھی فرض کے بعد فرض ہے (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) یعنی نماز وغیرہ احکام کے بعد حلال روزی کا حصول بھی فرائض ایمانی میں داخل ہے "

جس طرح ظاہری نظافت پاکیزہ لباس اور جسمانی طہارت سے حاصل ہوتی ...سی طرح باطنی پاکیزگی ذکر الٰہی اور اکل حلال کی بدولت نصیب ہوتی ہے۔
...ے امت صلعم اپنے پیروؤں کو اکل حلال کی سخت تاکید کیا کرتے تھے چنانچہ ... فرمایا۔

...وجہ ...تاہد ... اے لوگو! اللہ عزّ وجلّ پاک ہے۔ پاک عمل ہی کو قبول کرتا ہے۔ انبیاء والسلام ... جن باتوں کے مامور تھے، ربِّ جلیل نے انھیں امور کا مومنوں کو بھی ... دیا ہے۔ حق تعالیٰ نے پیغمبروں سے فرمایا:۔

...حملہ ... یا ایّہا الرّسل کلوا ... نص... من الطیبات واعلموا ... عو... صالحا انّی بما تعملون علیمٌ۔

اے پیغمبرو! پاک چیزیں اور حلال رزق کھاؤ اور نیک عمل کرو، میں تمہارے عملوں کو جانتا ہوں۔

اسی طرح مومنوں سے خطاب کرکے فرمایا:

یا ایّہا الذین اٰمنوا کلوا ... اے ایمان والو! حلال روزی او...

مِن الطَّیِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ۔ | پاک و طیب چیزیں، جو ہم نے تمہیں عطا کیں، کھاؤ"

(رواہ مسلم)

اور فرمایا: "بلا شبہہ مالِ دنیا شیرین و خوشگوار ہے۔ جس نے اسے وجہ حلال سے حاصل کیا اور حکم شریعت کے مطابق موقع پر خرچ کیا، یہ اس کے دین میں اچھا مددگار ہے اور جس نے اسے حرام وجہ سے کمایا یا راہِ خدا میں خرچ نہ کیا اور حق داروں کے حقوق سے بے اعتنائی کی، اُس کا حال اُس بیمار کا سا ہے جو جوع کلبی کی بیماری میں مبتلا ہے۔ کھائے جاتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا" (بخاری و مسلم)

مالِ حلال کا وبال ہونا

یاد رہے کہ مالِ حلال جو ذرائع حلال سے کمایا گیا ہو، اگر اس میں سے حق اللہ اور حقوق العباد ادا نہ کیے جائیں تو وہ بھی وبال ہے چہ جائیکہ مال ہی سرے سے حرام اور ذرائع حرام سے جمع کیا گیا ہو۔ چنانچہ ہادیِ اعظم صلعم نے فرمایا:۔

"جو شخص دنیا کو سوال سے بچنے، اہل و عیال کی کفالت اور ہمسایہ پر احسان کرنے کے لیے طلب کرے، وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں خدا سے بر تر سے ملاقی ہو گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح منور ہو گا اور جو کوئی دنیا کو فخر و ریا کی غرض سے جمع کرے، وہ اس حال میں خدا سے ملے گا کہ خدا اس پر غضب ناک ہو گا (رواہ البیہقی فی شعب الایمان و ابو نعیم فی الحلیہ) (مشکوٰۃ)

ہاتھ کی کمائی افضل روزی ہے

فخرِ موجودات صلعم نے فرمایا: "اپنے ہاتھ سے کما کر جو کھانا کھایا جائے، اُس سے بہتر کوئی غذا نہیں اور نبی اللہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کے عمل سے کما کر کھاتے تھے" (بخاری)

مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا معمول تھا، وہ رات کو گشت کر کے اپنا حال رعیت سے پوچھا کرتے تھے تاکہ اگر کوئی نامناسب بات معلوم ہو تو اسے

Marfat.com

ترک کردیں۔ ایک رات ایک بڑھیا سے پوچھا: "داؤد علیہ السلام کیسے حاکم ہیں؟" اس نے کہا: "حاکم تو اچھے ہیں لیکن اگر ان کی غذا ماحصل ملک سے نہ ہوتی تو خوب تھا۔" اسی وقت دست کاری کو وجہ معاش بنانے کا عزم مصمم کرلیا اور دست کاری شروع کر دی۔ خدائے قدیر نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔ آپ اپنے ہاتھ سے ان کی زرہیں بناتے اور بیچ کر روزی حاصل کرتے۔

زراعت، کتابت، خیاطت اور ہاتھ کے دوسرے کاموں کی طرح تجارت بھی ایک اچھا ذریعۂ معاش ہے، چنانچہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلعم سے پوچھا گیا، یا رسول اللہ! کون سا کسب زیادہ طیّب اور پاکیزہ ہے؟ فرمایا: آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور تجارتِ مقبول۔" (رواہ احمد) مقبول سے وہ تجارت مراد ہے جو شرعاً جائز ہو یعنی اگر کوئی ہاتھ سے کسب نہ کرے تو تجارت بھی ایک پاک اور طیّب ذریعۂ معاش ہے، بشرطیکہ دیانت، امانت اور سچائی سے ہمکنار ہو۔

والدین کے لیے اولاد کا مال بھی حلال طیّب ہے اور اپنے کمائے ہوئے مال کی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ سرورِ انبیاء صلعم نے فرمایا: "سب سے طیّب اور پاکیزہ غذا وہ ہے، جو تمہارے کسب سے حاصل ہو اور تمہاری اولاد بھی تمہارے کسب ہی کی حیثیت رکھتی ہے" (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اور ابوداؤد اور دارمی کی روایت میں آپ نے فرمایا: "آدمی کا بہترین کھانا وہ ہے، جو اسے اس کے کسب سے حاصل ہو اور اس کی اولاد بھی اس کے کسب ہی میں داخل ہے۔"

اگر والدین محتاج ہوں اور خود کمانے کے قابل نہ ہوں تو ان کی ضروریات اولاد کے ذمے واجب ہیں۔ اور اگر محتاج و عاجز نہ ہوں تو بھی اولاد کے مال پر ان کا حق ہے کیونکہ حسبِ فرمانِ نبوی صلعم اولاد کی کمائی بھی انھیں کی کمائی ہے۔

مالِ غنیمت

مالِ غنیمت بھی حلال طیّب کمائی ہے۔ پیغمبرِ خدا صلعم نے فرمایا: ہم سے پہلے کسی امت کے لیے غنیمت حلال نہ تھی لیکن خدائے برتر

نے ہمارا (جسمانی) ضعف اور عجز دیکھ کر ہمارے لیے غنیمت حلال کردی۔" (بخاری ومسلم)

جو مال غنیمت کافروں سے لڑکر ہاتھ آئے، اس کے کل پانچ حصے مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں اور ایک حصہ پھر پانچ حصوں میں منقسم ہو، ایک حصہ تو اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہے یعنی ہادی امت صلعم کا اور ایک حصہ آپ کے قرابت داروں یعنی بنی ہاشم اور بنی مطلب کا تھا، اخیں اس لیے حصہ دیا گیا کہ انھوں نے آغاز بعثت سے اخیر دم تک ہر طرح آنحضرت صلعم کی امداد کی تھی اور ایک ایک حصہ یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا ہے۔ چونکہ رسول امین صلعم دنیا کی سرائے فانی سے رحلت فرما چکے اس لیے آپ کا حصہ ساقط ہو گیا۔ اسی طرح آپ کے قرابت داروں کا حصہ جو بوجہ نصرت قدیمہ تھا اور حضور صلعم کے انتقال کے بعد وہ نصرت باقی نہ رہی، اس لیے یہ حصہ بھی ساقط ہو گیا۔

اب یہ خمس پانچ کے بجائے تین حصوں پر تقسیم ہو کر یتامیٰ، مساکین اور ابناء السبیل کو ایک ایک حصہ ملے گا۔ مساکین میں ہاشمی اور مطلبی مساکین مقدم ہوں گے۔ اگر خمس کی ساری رقم ایک ہی صنف میں صرف کر دی جائے تو بھی مثل زکوٰۃ کے جائز ہے۔ بعض علماء کے نزدیک سرور انبیاء صلعم کے بعد امیر المؤمنین کو خمس کا پانچواں حصہ یعنی کل غنیمت کا پچیسواں حصہ ملنا چاہیے۔

مالِ حرام رب العالمین نے اپنے کلام پاک میں فرمایا:

یایھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔	مسلمانو! ناحق و ناروا طریقے سے آپس میں ایک دوسرے کے مال مت کھاؤ۔

(۴: ۲۹)

اس آیت نے ان تمام طریقوں کا، جو دیانت اور ایمانداری کے خلاف ہیں، خاتمہ کر دیا کہ کسی کا مال یا کوئی چیز خواہ کوئی دھوکے فریب یا زور و ظلم سے لے یا

Marfat.com

غصب کرے یا چوری کرے یا کسی اور طریق سے خورد برد کرے، اس آیت کے عموم میں سب داخل ہیں۔

نبی صلعم نے فرمایا: "جو کوئی ناجائز طریق پر مسلمان کا مال لینے کے لیے جھوٹی قسم کھائے، وہ خدا سے ملے گا تو خدا اس پر غضب ناک ہوگا۔" (مسلم) ایک دفعہ کسی معاملے میں ایک شخص نے جھوٹی قسم کھانی چاہی تو آپ نے فرمایا: "اگر اس نے قسم کھالی تاکہ وہ ظلم سے مال حاصل کرے تو جب وہ خدا سے ملاقی ہوگا تو خدا اس سے منہ پھیر لے گا" (مسلم)

ایک دفعہ نبی صلعم بازار سے گزر رہے تھے کہ آپ نے ایک جگہ غلّے کا ڈھیر پڑا دیکھا۔ آپ نے اس میں ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ اناج اندر بھیگا اور باہر خشک ہے۔ آپ نے غلّہ فروش سے پوچھا: "یہ اندر سے گیلا کیوں ہے؟" اس نے کہا: "بارش سے بھیگ گیا تھا۔" فرمایا: "تو گیلے کو اوپر کیوں نہیں رکھا تاکہ لوگ دیکھ لیں؟" اس کے بعد فرمایا: "جو کوئی لوگوں کو دھوکا دے، وہ مجھ سے نہیں (رواہ مسلم) وہ مجھ سے نہیں یعنی رسول اللہ صلعم سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔

عہدِ حاضر کے متعلق مخبرِ صادقؑ کی پیشگوئی

عموماً دیکھا جاتا ہے کہ عہدِ حاضر میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا امتیاز اٹھ گیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا مخبرِ صادق صلعم نے اسی عہدِ ظلمت کے متعلق بطورِ پیش گوئی فرمایا تھا: "لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا جب آدمی اس بات کی کچھ پروا نہیں کرے گا کہ اس نے حلال یا حرام کس ذریعے سے مال حاصل کیا۔" (بخاری)

حرام مال اور صدقہ

مالِ حرام میں صلاحیت نہیں کہ اگر اس میں کچھ رقم کسی کارِ خیر میں خرچ کی جائے تو خدا اسے قبول کرکے اس کا اجر و ثواب دے۔ چنانچہ رسولِ اکرم صلعم نے فرمایا: "جو شخص حرام کمائی کا مال صدقہ و خیرات میں خرچ کرے، خدا اسے قبول نہیں کرتا اور کوئی شخص مالِ حرام اپنی ذات پہ خرچ کرے

کرے تو اس میں برکت نہیں ہوتی اور جو شخص اپنے پیچھے مال حرام چھوڑ جاتا ہے، وہ اس کے لیے راہ جہنم کا توشہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بُرائی کو بُرائی سے دُور نہیں کرتا بلکہ بُرائی کو نیکی سے محو کرتا ہے اور خبیث مال پلیدی کو نہیں مٹا سکتا۔" (رواہ احمد وکذافی شرح السنہ) (مشکوٰۃ)

قبولِ دُعا اور اکلِ حلال

قبولِ دعا کے لیے اکلِ حلال اور صدقِ مقال لازمی شرط ہے۔ صدقِ مقال کا مطلب یہ ہے کہ انسان نہ جھوٹ بولے، نہ کسی کی غیبت اور توہین کرے اور نہ کوئی بیجا کلمہ منہ سے نکالے۔ پیغمبرِ عالم صلعم نے اس کے لیے اکلِ حلال کو بالخصوص بہت مؤثر بتایا چنانچہ آپ نے کسی شخص کی حکایت بیان فرمائی جس نے ایسی حالت میں طویل سفر کیا کہ اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور جسم خاک آلودہ ہے۔ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے: "اے میرے رب! اے میرے رب! اے میرے رب!" حالانکہ اس کا کھانا اور پینا وجہ حرام سے ہے، اس کا بدن حرام غذا سے پلا ہے۔ ایسے شخص کی دعا کس طرح قبول ہوگی؟ (مسلم)

لُوٹ کے گوشت کی ہنڈیائیں اُلٹنا

حملہ آور سپاہ دشمن کی سرزمین میں بڑی بڑی سفاکیاں کیا کرتی ہے، دیہات کے غریب و مفلوک الحال باشندوں کو لوٹ لینا تو معمولی بات ہے۔ عرب میں بھی یہی عالت تھی، خصوصاً جب رسد تھڑ جاتی تھی اور سفر میں کھانے پینے کا کوئی سامان نہ ہوتا تھا تو لوٹ مار بالکل جائز فعل یقین کیا جاتا تھا لیکن رحمتِ عالم صلعم نے بڑی سختی سے اس کی ممانعت فرمائی۔

ایک مرتبہ مدینہ منورہ سے ایک مہم دشمن کے مُلک میں گئی۔ وہاں پہنچ کر لشکرِ اسلام کے پاس کھانے کو کچھ نہ رہا اور مجاہدینِ اسلام فاقے پر فاقے کرنے لگے۔ آگے چل کر ایک جگہ کچھ بکریاں چرتی دکھائی دیں۔ چند بھوکے نومسلموں نے، جن کے تقوے اور توکل میں ہنوز پختگی نہیں آئی تھی، بے تحاشا جا کر انھیں لُوٹ لیا اور گوشت پکنے کو

پڑھا دیا۔ نبی صلعم کو بہت دیر کے بعد اس کی اطلاع ہوئی۔ آپ ان لشکریوں کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ گوشت پک رہا ہے اور ہنڈیاؤں میں ابال اٹھ رہا ہے۔ آپ کے ہاتھ میں کمان تھی۔ اس سے تمام ہنڈیائیں الٹ دیں اور بوٹیوں کو مٹی میں لتھیڑنا شروع کیا۔ پھر فرمایا: "لوٹ اور ظلم کا مال مردار سے بدتر ہے۔" (ابوداؤد)

مشتبہ چیزوں سے بچنا

جملہ ماکولات و مشروبات تین قسم کے ہیں، حلال، حرام اور مشتبہ۔ حلال اور حرام تو وہ ہیں جن کی حلت و حرمت قرآن و حدیث میں مصرح ہے اور مشتبہ وہ ہے جس کی حلت یا حرمت اور جواز یا عدم جواز مشتبہ ہے۔ پس جس چیز کے حلال یا حرام ہونے میں شبہ ہو یا علمائے حق اس میں مختلف البیان ہوں، کسی نے اسے حلال بتایا ہو اور کسی نے حرام تو مومن کو لازم ہے کہ اسے بھی اسی طرح چھوڑ دے جس طرح حرام سے بچتا ہے۔ دین کی سلامتی اسی میں ہے کیونکہ اس امر کا احتمال ہے کہ جو علماء اس کی حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں وہی حق پر ہوں۔ جو شخص مشتبہ اور مختلف فیہ چیز سے نہیں بچتا، وہ آہستہ آہستہ حرام چیزوں میں بھی گرفتار ہو جاتا ہے۔ پس تقوےٰ اور پرہیزگاری کا اقتضاء یہ ہے کہ انسان مشتبہ چیزوں کو بھی عملاً حرام ہی قرار دے۔

ایسی اشتباہ انگیز چیزوں سے بچنے کے متعلق سید البشر صلعم نے فرمایا:

"حلال بھی بیّن اور ظاہر ہے اور حرام بھی کھلا ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں جنہیں بہت لوگ نہیں جانتے۔ لہٰذا جو شبہات سے بچا اس نے دین اور آبرو کو سلامت رکھا اور جو مشتبہ چیزوں میں پڑا وہ آخر حرام میں گرفتار ہوا۔ جیسے وہ چرواہا جو اپنے جانوروں کو چراگاہ کے رقبہ ممنوعہ کے قریب چراتا ہے، ہر وقت اس خطرے میں مبتلا ہے کہ اس کے جانور رقبہ ممنوعہ میں داخل ہو کر بھی چرنے لگیں گے۔ معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کا ممنوعہ رقبہ اس کے محارم (حرام کی ہوئی چیزیں) ہیں۔" (بخاری و مسلم)

Marfat.com

حضرت حسن رضہ بن حضرت علی مرتضیٰ رضہ کا بیان ہے: "مجھے رسُول خدا صلعم کا یہ ارشاد یاد ہے کہ وہ چیز چھوڑ دے، جو تجھے شک میں ڈالے اور اُس چیز کی طرف مائل ہو، جس میں تجھے شک نہیں کیونکہ صدق اطمینانِ قلب کا باعث ہے اور کذب شک و تردّد کا موجب ہے۔" (احمد، ترمذی، نسائی)

مشتبہ کھانا قیدیوں کو کھلانا کھانے میں پیغمبر صلعم کی احتیاط ایک مثال سے واضح کی جاتی ہے کسی عورت نے آپ کو کھانے کی دعوت دی، اور آدمی بھی مدعو تھے۔ جب لوگ کھانا کھانے لگے تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ پہلا ہی لقمہ چبا رہے ہیں لیکن حلق سے نیچے نہیں اُتارتے۔ آپ نے فرمایا: "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ گوشت اُس بکری کا ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر لی گئی ہے۔ میزبان عورت سے دریافت کیا گیا تو اُس نے کہلا بھیجا: یا رسول اللہ! میں نے اپنا ایک آدمی بکری خریدنے کے لیے بقیع بھیجا تھا۔ اُسے کوئی بکری نہ مل سکی، وہ واپس آیا تو میں نے ہمسایے کے پاس کہلا بھیجا کہ جو بکری تم نے خریدی ہے، وہ اسی قیمت پر مجھے دے دو۔ اتّفاق سے ہمسایہ گھر میں موجود نہ تھا۔ میں نے اس کی بیوی کو کہلا بھیجا۔ اس نے بکری میرے پاس بھیج دی۔ آپ نے حکم دیا کہ سارا مشتبہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو۔" (ابوداؤد)

مکروہ کھانے بعض چیزیں یُوں تو حلال طیّب ہیں لیکن کسی علّت اور عارضے کی وجہ سے اُن میں کراہت آجاتی ہے مثلاً ایسی سبزیاں جو سخت متعفن کھاد سے پرورش پائیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضہ خربوزہ اور ککڑی اس وجہ سے نہیں کھاتے تھے کہ اُن میں سخت گندی اور متعفن کھاد دی جاتی ہے (طبقات ابن سعد جزو ۴ قسم اوّل صفحہ ۱۲۰)

حضرت عبداللہ رضہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضہ کے بڑے نامور فرزند تھے۔ حضرت جابر انصاری رضہ کہتے تھے کہ حضرت عمر رضہ اور ان کے فرزند عبداللہ رضہ کے سوا ہم میں کوئی ایسا نہیں جو دنیا کی طرف مائل نہ ہوا ہو اور میمون بن مہران تابعی

Marfat.com

کا بیان ہے کہ میں نے ورع اور تقوے میں ابن عمر رضؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔ اور نافع تابعی سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضؓ اُس وقت تک دُنیا سے رخصت نہیں ہوئے جب تک انھوں نے ہزار سے زیادہ لونڈی غلام آزاد نہ کر لیے۔

ان کی سیاسی قابلیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ لوگوں کا رجحانِ طبع دیکھ کر امیر المومنین حضرت عمر رضؓ نے خیال کیا تھا، شاید ان کے بعد لوگ عبداللہ رضؓ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کریں لیکن وہ رسول الثقلین صلعم اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے اُسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر اپنے بعد اپنے خاندان میں خلافت رکھنا نہیں چاہتے تھے، اس لیے اُنھوں نے وصیت کی تھی کہ عبداللہ رضؓ سے قطع نظر کر کے باقی ان چھ حضرات عثمان رضؓ، علی رضؓ، طلحہ رضؓ، زُبیر رضؓ، عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف اور سعد رضؓ بن ابی وقاص میں سے جس کی نسبت کثرتِ رائے ہو، وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔

خلافتِ مرتضوی رضؓ میں جب حضرت علی رضؓ اور امیر معاویہ رضؓ نے اپنا معاملہ حَکَم کے ہاتھ میں دے دیا تو لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کے پاس جمع ہو کر کہا کہ تمام مسلمان آپ کی خلافت کے خواہش مند ہیں۔ آپ آمادہ ہوں تو ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں، لیکن اُنھوں نے انکار کیا۔ حضرت ابن عمر رضؓ فقہ و حدیث کے بڑے رکن مانے جاتے ہیں، ۲۶۳۵ حدیثیں ان کی روایت سے امت کے پاس پہنچی ہیں۔ ۷۳ھ میں رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے۔

پیاز اور لہسن

پیاز اور لہسن کا ان کے پکائے بغیر کھانا مکروہ (ناپسندیدہ) ہے۔ پیغمبر صلعم کو پیاز اور لہسن وغیرہ سے بُو کے سبب نفرت تھی۔ آپ نے فرمایا: "جس نے پیاز یا لہسن یا گندنا کھایا ہو وہ ہماری مسجدوں کے قریب بھی نہ پھٹکے" (ترمذی) ایسی چیزیں پکا کر کھا سکتے ہیں، لیکن اگر پکانے کے بعد بھی بو زائل نہ ہوئی ہو تو بھی ان کا کھانا مکروہ ہے۔ مولی کا بھی یہی حکم ہے بلکہ مولی تو پیاز اور لہسن سے بھی بدتر ہے کیونکہ اس کی بُو پکانے سے بھی زائل نہیں ہوتی بلکہ اور پھیلتی ہے۔

آنحضرت صلعم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ حضرت

Marfat.com

ابوایوب انصاری رضؓ کے مکان پر فروکش ہوئے۔ ایک بار آپ کے پاس کھانا آیا، لیکن آپ نے کھائے بغیر واپس بھیج دیا۔ حضرت ابوایوبؓ نے آکر دریافت کیا، یا رسول اللہؐ! آج آپ نے کھانے کو چھوا تک نہیں۔ فرمایا: "اس کی وجہ یہ ہے کہ کھانے میں لہسن ہے" انھوں نے پوچھا: "کیا لہسن کا کھانا حرام ہے؟" فرمایا: "حرام تو نہیں، لیکن مجھے اس کی بُو کے باعث اس سے نفرت ہے" (ترمذی)

اسی طرح ایک دفعہ امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضؓ جمعہ کے دن خطبہ دینے کو کھڑے ہوئے اور اللہ جلّ و علا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: "لوگو! تم لہسن اور پیاز کھاتے ہو اور میں انھیں خبیث جانتا ہوں۔ اگر کوئی انھیں کھانا چاہے تو خوب پکا کر کھائے" (ابن ماجہ)

میز پر کھانا کھانا

میز پر چیزیں رکھ کر یا کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانا ناپسندیدہ ہے۔ مروی ہے کہ ہادیٔ انامؐ صلعم نے میز پر کبھی کھانا تناول نہ فرمایا، نہ چھوٹی طشتریوں میں کبھی نوش جان فرمایا اور نہ آپ کے لیے کبھی چپاتی پکائی گئی۔ یونس راوی کہتے ہیں: "میں نے قتادہ سے پوچھا: پھر کھانا کس چیز پر رکھ کر نوش فرماتے تھے؟" انھوں نے کہا: "چمڑے کے دسترخوان پر" (ترمذی فی الشمائل)

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میز پر کھانا کھانا ہمیشہ سے متکبر لوگوں کی عادت رہی ہے اور کتاب کوکب دُرّی میں ہے کہ ہمارے زمانے میں چونکہ نصاریٰ کے ساتھ تشبہ بھی ہے اس لیے مکروہ تحریمی ہے۔

جن لوگوں کا اپنے گھروں میں کھانے کا انتظام ہے انھیں تو سنت کے مطابق ہمیشہ دسترخوان پر کھانا کھانا چاہیے لیکن جن لوگوں کو ہوٹلوں اور ریستورانوں میں جاکر کھانا کھانے سے مفر نہیں ان کے لیے میز پر کھانا کھانے کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ ان ہوٹلوں میں ٹیبلوں پر کھانا کھلایا جاتا ہے، وہاں دسترخوان نہیں بچھے ہوتے۔ پس ایسے معذور افراد فرنگیوں سے مشابہت کرنے کے بھی گناہ گار نہیں اور اصل یہ ہے کہ پہلے تو اس میں ضرور فرنگیوں کی مشابہت تھی، لیکن اب سارے عالم اسلام

Marfat.com

میں میزوں پر کھانا کھانے کا رواج عام ہوگیا ہے اس لیے اب اس فعل میں مشابہت کا دعویٰ شاید صحیح نہ ہوگا۔

مقوی اور نفیس غذا کھانا

بعض کتب تصوف میں تقلیل غذا اور بقدر سدِ رمق غذا پر اکتفا کرنے کو بڑا افضل عمل قرار دیا گیا ہے، لیکن اتنی قلیل اور ادنیٰ غذا پر اکتفا کرنا کہ جسم کو کمزور و ناتواں کردے اور دل و دماغ اور بینائی پر بُرا اثر ڈالے، منشائے شریعت کے خلاف ہے۔ امام ابن جوزیؒ نے "تلبیس ابلیس" میں کسی زاہد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "میں حلوا نہیں کھاتا کیونکہ اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔" امام حسن بصری رحمۃ اللہ نے فرمایا: "یہ شخص احمق ہے، کیا یہ سرد پانی کا شکر ادا کر لیتا ہے؟" سفیان ثوری رحؒ جب سفر کو جاتے تو اُن کے سفری دسترخوان میں حلوان کا بھنا ہوا گوشت، مرغ کا گوشت اور فالودہ ہوتا تھا۔ یہ لکھ کر امام ابن جوزی رحؒ فرماتے ہیں: "جاننا چاہیے کہ یہ نفس آدمی کی سواری ہے اور اس سے نرمی کرنا ضروری ہے تاکہ مقصود تک پہنچے۔"

شراب نوشی

شراب نوشی اُن عادات ذمیمہ میں سے ہے، جن کی برائی تمام قوموں میں مسلّم ہے، یہ اُم الخبائث پہلی امتوں میں بھی حرام رہی اور ناپاک . . . . یقین کی جاتی رہی ہے۔ بائبل کی کتاب احبار میں ہے:

"پھر خداوند نے ہارون کو فرمایا کہ جب تم جماعت کے خیمے میں ہو تو تم مے یا کوئی چیز جو نشہ کرنے والی ہو، نہ پیجیو، نہ تُو اور نہ تیرے بیٹے، تا نہ ہو کہ تم مر جاؤ اور یہ تمہارے لیے تمہارے قرنوں میں ہمیشہ تک قانون ہے تاکہ تم حلال اور حرام اور پاک اور ناپاک میں تمیز کرو اور تاکہ تم سارے احکام جن کو خداوند نے موسیٰ ؑ کے وسیلے سے تم کو فرمایا ہے، بنی اسرائیل کو سکھلاؤ۔" (احبار باب ۱۰ ورس ۸-۱۱)

اور دانیال ؑ نبی کی کتاب میں ہے:

"لیکن دانیال ؑ نے اپنے دل میں ارادہ کیا کہ اپنے تئیں بادشاہی خوراک کے

Marfat.com

روزینہ حصّے سے اور بادشاہ کی مے سے، جو وہ پیتا تھا، ناپاک نہ کرے اور اس نے خواجہ سراؤں کے سردار سے درخواست کی کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے کو ناپاک نہ کروں۔"
(دانیال علیہ السلام نبی کی کتاب باب اوّل ورس ۸)

اور لوقا کی انجیل میں ہے:

"مگر فرشتے نے اُس سے کہا: اے زکریاہ! خوف نہ کر کیونکہ تیری دعا سن لی گئی اور تیرے لیے تیری بیوی الشبع کے بیٹا ہوگا تو اُس کا نام یوحنا رکھنا اور تجھے خوشی اور خرّمی ہوگی اور بہت سے لوگ اس کی پیدائش کے سبب سے خوش ہوں گے کیونکہ وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہرگز مے نہ کوئی اور شراب پیئے گا۔" (لوقا کی انجیل باب اوّل ورس ۱۳۔۱۵)

اور پولوس نے اپنے ایک خط میں لکھا کہ "شراب میں متوالے نہ بنو کیونکہ اس سے بدچلنی واقع ہوتی ہے بلکہ روح سے معمور ہوتے جاؤ۔" (پولوس رسول کا خط افسیوں کے نام باب ۵ ورس ۱۸)

شراب اہل عرب کی گھٹی میں پڑی تھی۔ شراب پینا پلانا اچھے اچھے گھرانوں میں عام رائج تھا۔ بیبیاں شوہروں کو اور چھوٹے اپنے بزرگوں کو ہاتھ سے پلاتے تھے اور مے خواری سوسائٹی کی زینت سمجھی جاتی تھی۔ لیکن مصلحِ عالم صلعم نے آکر لوگوں کو اس مذموم عادت سے نجات دلائی۔ آپ نے حرمت شراب کے متعلق جو اعلان کیے اور فرامین جاری فرمائے، ان کی موجودگی میں کوئی مسلمان شراب نوشی کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔

چنانچہ حسب روایت ابن عمرؓ آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے شراب کے متعلق شراب پر، اُس کے پینے والے پر، اس کے پلانے والے پر، اس کے بیچنے والے پر، اس کے خریدنے والے پر، اس کے نچوڑنے والے پر، اس کے نچڑوانے والے پر اور اس شخص پر جس کے لیے وہ لے جائی جائے، لعنت کی ہے۔" (ابوداؤد و ابن ماجہ)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی طرح خود حامل نبوت صلعم نے بھی شراب کے سلسلے میں دس آدمیوں پر لعنت بھیجی ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلعم نے شراب کے بارے میں دس اشخاص پر لعنت کی۔ اس کے نچوڑنے والے پر، نچڑوانے والے پر، پینے والے پر، اٹھانے والے پر، اس شخص پر جس کی طرف اٹھائی گئی ہو اور پلانے والے پر، بیچنے والے پر، اس کی قیمت کھانے والے پر، اس کی قیمت وصول کرنے والے پر اور اس پر جس کے لیے خریدی گئی ہو۔" (ترمذی و ابن ماجہ)

دنیا کے مختلف حصوں میں شراب مختلف چیزوں مثلاً انگور، کھجور، منقیٰ، گیہوں، جَو، جوار وغیرہ سے بنتی ہے، اس لیے شارع صلعم نے شراب کی ممانعت فرماتے ہوئے اس کی ایک ایسی جامع تعریف کر دی جو تمام اقسام شراب پر حاوی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

کل مسکرٍ خمرٌ	ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور
و کل مسکرٍ حرامٌ	ہر نشہ آور چیز حرام ہے"۔

(مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

اور فرمایا:

کل شرابٍ اسکر	پینے کی ہر چیز، جو نشہ لائے وہ
فھو حرامٌ۔	حرام ہے۔

(بخاری، مسلم، ابوداؤد)

لیکن حیلہ جُو افراد کے لیے حیلہ جوئی کی اب بھی گنجائش تھی کیونکہ حرمت شراب کی اصل وجہ، جو احادیث مذکورہ سے مستنبط ہوتی ہے، نشہ ہے، لہٰذا ان کے زعم میں شراب کی کم مقدار، جو نشہ نہ لائے، حلال ہونی چاہیے تھی، اس لیے آپ نے یہ کہہ کر اس حیلے کا انسداد فرمادیا:

ما اسکر کثیرہ	جو چیز زیادہ مقدار میں نشہ لائے
فقلیلہ حرامٌ۔	اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے

(ابوداؤد کتاب الاشربہ)

شراب خواری اتنا بڑا جرم ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک حدیث میں اس سے دست بردار نہ ہونے والوں کے خلاف جہاد کا حکم دیا۔ دیلم حمیری نے مشرف باسلام ہونے کے بعد التماس کی: "یا رسول اللہ! ہم سرد ملک میں رہتے اور سخت کام کرتے ہیں، اس لیے گیہوں کی شراب پیتے ہیں کہ محنت اور سردی برداشت کرنے کی طاقت قائم رہے۔" آپ نے فرمایا: "کیا اس سے نشہ ہوتا ہے؟" انھوں نے کہا: "ہاں۔" آپ نے فرمایا: "تو اسے چھوڑ دو۔" انھوں نے التماس کی: "یا رسول اللہ! لیکن اور لوگ نہیں چھوڑیں گے۔" ارشاد ہوا: "اگر نہ چھوڑیں تو (قوت بہم پہنچا کر) ان سے جہاد کرو۔" (ابو داؤد)

سود خواری حرام روزی میں سے ایک سود خواری ہے۔ اسلام سے پہلے توراۃ نے بھی اہل ایمان سے سود لینے کی ممانعت کی تھی۔ چنانچہ بائیبل کی کتاب استثناء میں ہے:

"تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا، نہ نقدی کے سود پر، نہ غذاجات کے سود پر، نہ کسی ایسی چیز کے جس کی عاریت سود پر دی جاتی۔ تو اجنبی کو سود کا قرض دے سکتا ہے پر اپنے (مومن) بھائی کو سود کا قرض مت دینا تاکہ خداوند تیرا خدا اس سرزمین میں جس کا تو وارث ہونے جاتا ہے، ان سب کاموں میں جن میں تو ہاتھ لگائے، تجھے برکت دے۔" (استثناء باب ۲۳ ورس ۱۹-۲۰) انجیل (عہد جدید) میں بھی "ناروا نفع" کہہ کر لوگوں کو سود کی ممانعت کی ہے۔

عرب کے عہد جاہلیت میں اگر مقروض وعدے کے مطابق قرض ادا نہ کرتا تو سود کے ساتھ سود در سود کا چکر چلنے لگتا تھا، یہاں تک کہ اصل سے کئی گنا سود ہو جاتا۔ نبی صلعم نے مبعوث ہو کر یہ خرابی دور کی اور اپنی تعلیمات سے لوگوں کو سود خواری کے دلدل سے نکالا۔ آپ نے فرمایا: "شب معراج میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے شکم اتنے بڑے تھے جتنا کوئی مکان ہو۔ ان شکموں میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو شکموں سے باہر دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے جبریل ؑ سے پوچھا: "یہ

Marfat.com

کون لوگ ہیں؟" انھوں نے بتایا کہ "سُود خوار ہیں"۔ (احمد و ابن ماجہ)

سرورِ دو عالم صلعم نے اپنے ایک رؤیائے صادقہ میں سُود خواروں کو جس حال میں دیکھا، اس کی تصویر یہ ہے، فرمایا: "میں نے دیکھا کہ خون کی ایک نہر ہے، اس میں ایک آدمی تیر رہا ہے اور ایک دوسرا آدمی ہاتھ میں پتھر لیے کنارے پر کھڑا ہے۔ پہلا آدمی تھک کر جب کنارے پر آنا چاہتا ہے تو دوسرا آدمی ایسا تاک کر پتھر مارتا ہے کہ اس کا منہ کھل جاتا ہے اور وہ پتھر لقمہ بن کر اس کے پیٹ میں چلا جاتا ہے۔ وہ پتھر کھا کر پیچھے لوٹ جاتا ہے۔ جبرئیل ع نے بتایا کہ یہ جو خون کی نہر میں تیر رہا ہے، سُود خوار ہے"۔ (سیرت النبی ع جلد ششم ص ۱۰۷ بحوالہ صحیح بخاری)

داعیٔ اسلام صلعم نے حرمتِ سُود کا حکم سُنایا تو ربا کی حقیقت، اس کے اقسام، کن کن چیزوں میں کس کس قسم کا ربا ناجائز ہے، اس کی پوری تفصیل کی، اس ظلم میں لوگ کسی طرح بھی شریک ہوں، ان سب کو شریکِ جُرم ٹھہرایا۔ چنانچہ حضرت جابر انصاری رض کا بیان ہے:

لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم اكل الرّبٰوا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء (رواہ مسلم)	رسُولِ خدا صلعم نے بیاج لینے والے پر اور دینے والے پر اور سُودی حساب لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا کہ وہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔

رشوت لینا یا دینا ذرائع آمدنی میں بدترین، ناپاک ترین اور ملعون ترین ذریعہ رشوت ہے۔ مجمع البحار میں رشوت کی یہ تعریف لکھی ہے:

"اپنی باطل غرض اور ناجائز خواہش کے حاصل کرنے کے لیے کسی ذی اختیار یا کارپرداز کو کچھ دے کر ہموار کرنا۔ عرب میں یہودیوں کے نزاعی امور ان کے احبار (علماء) اور رؤساء فیصل کرتے تھے اور وہ رشوت دے کر ان سے اپنے حسب منشا فیصلے کراتے

تھے۔ قرآن کی متعدد آیتوں میں یہودی عوام اور ان کے احبار و رُوسا کے اس حرام کاروبار کی پردہ دری کی گئی ہے۔ سورۂ مائدہ کی چھٹی آیت میں علمائے یہود کی نسبت یہ الفاظ ہیں:

سمّٰعون للکذب	جھوٹ کے بڑے سننے والے
اکّٰلون للسحت	اور حرام کے بڑے کھانے والے

عرب کے غیر یہودیوں میں بھی رشوت کی گرم بازاری تھی لیکن دنیا کے مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو بڑی سختی سے ممانعت فرما کر اس عادتِ قبیح کا انسداد فرما دیا۔ اس سلسلۂ امتناع میں مروی ہے:

لعن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم الراشی والمرتشی۔	رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور لینے والے (دونوں) پر لعنت کی ہے۔

(ابن داؤد و ابن ماجہ)

لعنت کے معنی خدا کی رحمت سے دُور ہونا ہے۔ رشوت دینے والے پر اس لیے لعنت ہے کہ وہ اس جُرم میں رشوت خوار کا معاون اور آلۂ کار ہے اور جرم کی اعانت بھی قانوناً اور اخلاقاً جرم ہے۔

صحابۂ کرام رض کی بڑی عظمتِ شان ہے۔ یہ نفوسِ قدسیہ براہِ راست سرورِ انبیاء صلعم کے تربیت یافتہ تھے۔ ان میں سے کسی کی نسبت کوئی ادنیٰ امکان نہیں کہ معاذ اللہ کوئی رشوت ستانی جیسے جرم کا مرتکب ہوتا۔ تاہم تیرہ دل یہود نے ایک صحابی رض کو بھی رشوت دینے کی ناکام کوشش کی۔

خیبر کے یہودیوں سے زمین کی نصف پیداوار پر مصالحت ہوئی تھی۔ جب تقسیم کا وقت آتا تو آنحضرت صلعم جناب عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ انصاری رض کو بھیجتے۔ وہ نہایت دیانتداری اور انصاف سے پیداوار کے دو ڈھیر کر دیتے اور فرماتے کہ ان دو میں سے جو چاہو لے لو۔ یہودیوں نے ایک

عادت مستمرہ کے مطابق پہلی مرتبہ انھیں بھی رشوت دینی چاہی اور زیورات پیش کر کے کہا۔ "یہ قبول کرو اور اس کے بدلے تقسیم میں ہمارا حصہ بڑھا دو۔" اس پیشکش پر حضرت عبداللہ رضہ نے فرمایا: "رشوت حرام ہے اور ہم مسلمان مال حرام نہیں کھاتے۔" یہودی ان کا بیان سن کر کہنے لگے: "یہی وہ انصاف ہے جس سے آسمان اور زمین قائم ہیں (موطا۔ امام مالک)

نبی صلعم نے اپنے عمّال کو رعایا سے ہدیہ اور تحفہ قبول کرنے کی ممانعت فرمائی تھی۔ ایک دفعہ آپ نے قبیلہ اسد کے ایک شخص کو جسے ابن لُتبیہ کہتے تھے بنی سُلیم کے پاس صدقات وصول کرنے کے لیے مقرر فرمایا جب وہ واپس آیا تو آپ نے اس سے حساب لیا۔ وہ کہنے لگا: "یارسول اللہ! یہ تو آپ کا (بیت المال) کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے۔" آپ نے فرمایا: "اگر واقعی تمھیں ہدیہ ملا ہے تو تمھیں اپنے گھر میں بیٹھے بٹھائے آنا چاہیے تھا۔" یعنی دیکھنا یہ ہے کہ اگر تم سرکاری کارپرداز نہ ہوتے تو بھی یہ لوگ یہ دیتے یا نہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے یہ ہدیہ کسی دباؤ یا غرض سے دیا ہے اور ایسا ہدیہ رشوت اور حرام ہے۔

اس کے بعد آپ نے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا، جس میں فرمایا: "جو شخص کسی سے کوئی چیز ناحق لیتا ہے تو میں اسے قیامت کے دن ایسی حالت میں دیکھ کر پہچان لوں گا کہ کسی کی گردن پہ اونٹ لدا ہوگا اور وہ بلبلاتا ہوگا، گائے ہوگی تو وہ چلاتی ہوگی، بکری ہوگی تو وہ میں میں، ہیں ہیں کرتی ہوگی۔" اس کے بعد آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: "الٰہی! میں نے تیرا حکم پہنچا دیا۔" (صحیح مسلم)

یاد رہے کہ جس طرح رشوت کا مال یا کوئی اور حرام چیز خود کھانا گناہ ہے۔ اسی طرح اولاد کو کھلانا، بلکہ جانوروں تک کو کھلانا حرام ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی رح نے فرمایا: اس قسم کی چیز جانوروں کو خود تو نہ کھلاؤ، بلکہ ایسی جگہ رکھ دو کہ وہ خود آ کر کھالیں۔ جو شخص اپنی اولاد کو حرام مال کھلاتا ہے، وہ اس کے اندر بدی اور شرارت کی تخم ریزی کرتا ہے۔"

Marfat.com

اکتیسواں باب

اثرِ صحبت

حضرت ہادیٔ انام صلعم کے فرمودات عموماً ہدایت و ارشادِ اخلاق اور تزکیۂ نفوس پر مشتمل ہوتے تھے جو کچھ آپ حاضرین سے فرماتے تھے، وہ دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا تھا اور بد سے بدتر اور فاسق سے فاسق افراد بھی آپ کے اثرِ صحبت سے اعلیٰ درجے کا متقی و نیک کردار بن جاتا تھا۔

خود ربِ جلیل نے اپنے کلام پاک میں آپ کی مدح میں فرمایا:

ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔	یہ پیغمبر لوگوں کو بُرے اخلاق سے پاک کرتے ہیں اور انھیں خدا کی کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔

تزکیہ کے لفظی معنی پاک و صاف کرنا ہیں، کلام مجید میں جہاں یہ لفظ آیا ہے، اُس سے یہ معنی مراد ہیں، نفسِ انسانی کو ہر قسم کی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک و صاف کرنا۔ سورۂ والشمس میں ہے:

قد افلح من زکّٰھا	جس نے اپنے نفس کو صاف ستھرا بنایا، وہ فلاح پا گیا۔

غرض تزکیہ، جو سید الانبیاء صلعم کی خصوصیت اور سب سے بڑا فرض تھا، اس سے مراد نفوس کو کفر و شرک اور اخلاقِ رذیلہ کی نجاست سے پاک کرنا ہے۔ اسلام میں اخلاقِ حسنہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خدائے برتر نے اسے قرآن میں جابجا لفظ "حکمت" سے تعبیر فرمایا ہے، اور آنحضرتؐ دنیا میں حکمت اور اخلاقِ فاضلہ کے سب سے بڑے معلم و استاد تھے۔

اسلام سے پیشتر کے عملی فساد؛ رسول اللہ صلعم کی بعثت سے پہلے اعتقادی

Marfat.com

خرابیوں کی طرح لوگوں کے اعمال بھی یکسر بگڑ چکے تھے۔ ساتویں صدی عیسوی میں ایران کے اندر یہ شرمناک رواج عام تھا کہ ایک عورت بیک وقت کئی مردوں کی بیوی بن سکتی ہے۔ ہندوستان بھی اسی اخلاقی مرض میں مبتلا تھا۔

عرب اور ہندوستان میں دختر کشی رائج تھی۔ ہندوستان اور یورپ میں اولاد کو بتوں پر نذر چڑھانے کی رسم بھی جاری تھی۔ مسیحی دنیا اخلاقی پستی کی پاتال میں گر چکی تھی۔ چنانچہ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ اہل صلیب مُردوں کی روحوں اور مجسموں تک کی پرستش کرتے تھے۔ گرجوں کے اندر اقرار گناہ کے پردے میں بہت سے گناہوں کا ارتکاب کیا جاتا تھا۔ پروفیسر لین کا بیان ہے کہ محمد صلعم کی دعوت کے وقت تمام ایشیائی اور یورپی اقوام بت پرستی کے ایک ہی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں۔ یہود و نصاریٰ کی طرح بدھ مت اور دوسرے مذاہب کے پیرو عملی اور اعتقادی اعتبار سے اپنے اپنے مذہب کو رسوا کر رہے تھے۔ سارے یورپ پر جہالت کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔

کسریٰ کا بیان

اسی طرح جاہلی عربوں کی جو اخلاقی و تمدنی حالت تھی اس کا نقشہ شاہ ایران کے لفظوں میں یہ تھا: جن ایام میں سپہ سالار اسلام ... حضرت سعد رض بن ابی وقاص قادسیہ میں خیمہ زن تھے، انھوں نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رض کے حکم سے یزدگرد شاہ ایران کے پاس، جو مذہباً مجوس (آتش پرست) تھا، چند سفیر بغرض تبلیغ دار السلطنت مدائن بھیجے۔ شاہ نے مسلم سفراء کو طلب کیا اور دوران گفتگو میں ان سے کہنے لگا:

"کیا تمھیں یاد نہیں کہ دنیا میں تم عربوں سے زیادہ ذلیل اور بدبخت کوئی قوم نہ تھی۔ دنیا بھر کی برائیاں اور رذالتیں تمھارے اندر جمع تھیں۔ تم لوگ جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے زمینداروں کو حکم بھیج دیا جاتا تھا اور وہ گوشمالی کر کے تمھارا کس بل نکال دیتے تھے۔ لیکن آج تم کو ہمیں محکوم و باج گزار بنانے اور تہذیب و تمدن سکھانے کا حوصلہ ہے۔"

Marfat.com

شاہ ایران کی تحقیر آمیز تقریر کے جواب میں مغیرہ بن زرارہ نام ایک مسلمان سفیر نے اٹھ کر کہا: "اے بادشاہ! یہ سچ ہے کہ ہم بدبخت اور گمراہ تھے۔ اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ سخت قلاش اور خانہ بدوش تھے۔ ہمارے ظلم اور جہالت کا یہ عالم تھا کہ طاقتور کمزور کو پیس ڈالتا تھا۔ قبائل آپس میں لڑ کر فنا ہو جاتے تھے۔ ہم نے بہت سے خدا بنا رکھے تھے اور انھیں پوجا کرتے تھے۔ لیکن خالقِ کردگار نے ہم پر رحم کیا۔ ایک پیغمبر ہم میں مبعوث فرمایا، جو سب سے زیادہ شریف اور سب سے زیادہ نیک طینت تھے۔"

اس کے بعد سفیر نے کہا: "اوائل میں ہم نے اپنے پیغمبر کی مخالفت کی، وہ سچ کہتے تھے تو ہم جھٹلاتے تھے۔ وہ آگے بڑھتے تھے تو ہم پیچھے ہٹتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ ان کی باتوں نے دل میں اثر کیا۔ اُن کی صحبت نے ہماری حالت بدل دی اور چاہِ رذالت سے نکال کر اوجِ عظمت پر پہنچایا۔ اب ہم آسمانِ رفعت کے آفتاب ہیں۔" (تاریخ طبری واخرجہ البخاری فی معناہ)

حَکَم بن کیسان کا قبولِ اسلام

صحبتِ نبوی صلعم کی تاثیر دلوں کو کس طرح بدل دیتی تھی۔ اس کی ایک نظیر حَکَم رضؓ بن کیسان کے مشرف بہ ایمان ہونے کا واقعہ ہے۔ بدر سے واپسی کے بعد حضرت خیرالانام صلعم نے قریش کے کاروانِ تجارت کی نقل و حرکت کا پتا چلانے کے لیے حضرت عبداللہ رضؓ بن جحش کی سرکردگی میں ایک دستہ روانہ فرمایا تھا۔ کھجور کے ایک باغ کے پاس دونوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ حَکَم بن کیسان صحابی رضؓ، جو ہنوز ایمان نہیں لائے تھے، قریش کے قافلے کے ساتھ تھے۔ مسلمانوں نے انھیں گرفتار کر لیا۔ (سیرت ابن ہشام)

گرفتاری کے بعد حَکَم کو پیش گاہ نبوی صلعم میں لا کر حاضر کیا گیا۔ قریش نے ان کی رہائی کے لیے مکۂ معظمہ سے زرِ فدیہ بھیجا۔ لیکن حضرت سعد رضؓ بن ابی وقاص کو چونکہ قریش نے اسیر کر رکھا تھا، آپ نے فدیہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حَکَم بن کیسان سے فرمایا کہ جب تک سعد رضؓ رہا نہ کیے جائیں گے تمھیں مخلصی نہ مل سکے گی۔

Marfat.com

قریش نے حضرت سعد رض کو رہا کر دیا۔ آپؐ نے بھی حکم کی رہائی کا حکم دے دیا۔ حکم نے جسمانی قید سے تو رہائی پائی لیکن ایام اسیری میں رسُول خدا صلعم کی صحبت سے فیض یاب ہوئے تھے اور آپؐ کی حقانیت اور صحابۂ کرام رض کے رجوع الی اللہ کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے، اسلام کا طوق غلامی گردن میں ڈال لیا اور مکہ جانے کے بجائے یہیں سرکارِ دو عالم صلعم کی خدمت میں رہنے لگے۔ (طبقات ابن سعد)

لوگوں کا سال بھر عدالت کا رُخ نہ کرنا

جب امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رض مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے حضرت فاروق اعظم رض کو مدینۂ منورہ کا قاضی مقرر کیا۔ لیکن کامل ایک سال کی مدت تک کوئی متنفس ان کے پاس کسی نزاع و خصومت کا فیصلہ کرانے نہ آیا۔ (تاریخ مسعودی) کیونکہ روحانی دنیا کے پیشوائے اعظم صلعم کے فیضِ صحبت نے لوگوں کو یہاں تک متاثر کیا تھا کہ یا تو منازعات و مخاصمات کی نوبت ہی نہ آئی یا اگر صورت منازعت پیدا ہوئی تو لوگوں نے خود ہی باہم سمجھوتا کر لیا۔ نالش اور ارجاعِ مقدمہ تک بات نہ پہنچی۔

اُمہات المؤمنین رض کی فیض گستری

جب حضرت بشیر و نذیر صلعم فے کی سالانہ آمدنی میں سے ازواجِ مطہرات کو ہر سال ایک ایک برس کا پیشگی خرچ دے دیا کرتے تھے، لیکن آپؐ کی صحبت و تعلیم کا یہ اثر تھا کہ اُمہات المؤمنین تھوڑے ہی دنوں میں ہر چیز فقراء و مساکین پر فی سبیل اللہ خرچ کر دیتیں اور خود فاقہ کشی اختیار کر لیتیں۔

ایک مرتبہ ایک مہمان آیا۔ حضورِ انورؐ کے پاس اس وقت کچھ نہ تھا۔ اُن دنوں ازواجِ مطہرات کی تعداد نو تک پہنچی ہوئی تھی۔ آپؐ نے نوؤں میں سے ہر ایک کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر کھانے کی کوئی چیز ہو تو بھیجو۔ لیکن ہر گھر سے یہی جواب آیا کہ پانی کے سوا کچھ نہیں۔ (مسلم)

مجلس نبوی ؐ کے اندر اور باہر

ہر چند کہ ہادیٔ انام صلعم کے اثرِ صحبت نے دلوں کو مجلّیٰ ومزکّیٰ کر دیا تھا تاہم آپ کی مجلسِ اقدس اس درجہ پر کیف اور روح پرور تھی کہ آپ کی مجلس سے باہر جاکر صحابۂ کرام رضؓ اپنی دلی کیفیت میں بیّن فرق محسوس کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضؓ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوکر عرض پیرا ہوئے:
"یا رسول اللہؐ! جب ہم خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے ہیں تو دنیا ہیچ معلوم ہوتی ہے لیکن جب گھر جاکر بال بچوں میں بیٹھتے ہیں تو حالت بدل جاتی ہے" آپ نے فرمایا: "اگر ایک سا حال رہتا تو فرشتے تمہاری زیارت کو آتے" (ترمذی)

ایک دفعہ حضرت حنظلہ اسیدی رضؓ بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر شرفِ ملاقات سے سعادت اندوز ہوئے اور التماس کی: "یا رسول اللہؐ! میں منافق ہو گیا کیونکہ جب میں خدمتِ اقدس میں ہوتا ہوں اور آپ جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں تو یہ چیزیں آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں، لیکن بال بچوں میں جاکر یہ کیفیت نہیں رہتی" فرمایا: "اگر میری مجلس سے باہر نکل کر بھی وہی حالت قائم رہتی تو فرشتے آکر تم سے مصافحہ کرتے" (مسلم و ترمذی)

مُصعَب بن عُمیر رضؓ

حضرت مُصعَب بن عُمیر رضؓ اجلّۂ صحابہ اور فضلائے کاملین میں تھے۔ بدری صحابی ہیں۔ یہ مکۂ معظّمہ کے ایک نہایت حسین و خوش رُو نوجوان تھے۔ والدین نے مالدار ہونے کی وجہ سے اپنے لختِ جگر کو نہایت ناز و نعم میں پالا تھا۔ چنانچہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ لباس اور لطیف سے لطیف پوشاک جو مکۂ معظّمہ میں میسّر آسکتی تھی، استعمال فرماتے تھے۔ ان سے بڑھ کر حسین و خوش پوشاک اور پروردۂ نعمت کوئی نہ تھا۔ حضرمی جوتا جو اُس زمانے میں صرف اُمراء کے لیے مخصوص تھا، ان کے روزمرّہ استعمال میں تھا، لیکن جب اسلام لائے تو شرابِ توحید نے کچھ ایسا مست کیا کہ تمام تکلّفات بھول گئے۔

وہ اس وقت مشرّف بہ ایمان ہوئے جب مکّہ کی سرزمین مسلمانوں پر تنگ ہو رہی

Marfat.com

تھی اور حضرت سید انام صلعم اس زمانے میں زیادہ وقت ارقم کے مکان پر گذارتے تھے۔ حضرت مُصعَب رضؓ نے ایک عرصے تک اپنا اسلام پوشیدہ رکھا اور چھپ چھپ کر پیشوائے امت م کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے، لیکن ایک روز کعبے کے کلید بردار عثمان بن طلحہ نے، جو ہنوز مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے، انھیں نماز پڑھتے دیکھ لیا اور ان کی ماں اور خاندان والوں کو خبر کردی۔ انھوں نے سُنا تو محبت نفرت سے بدل گئی۔

والدین نے بارگاہِ نبوت کی حاضری سے باز رکھنے کے لیے انھیں زنجیروں میں جکڑ دیا۔ ایک عرصے تک قید کے مصائب برداشت کرتے رہے۔ آخر زندان کی تلخی نے ترکِ وطن پر مجبور کیا اور دوسرے ہلاکش جوئندگانِ امن وسکون کے ساتھ سرزمین حبشہ کی راہ لی۔ اب تو اس نازپروردہ کو نہ تو نرم ونازک لباس کی پروا تھی اور نہ دنیوی عیش وتنعم سے دل بستگی۔ اسلام کی محبت نے ماسویٰ اللہ سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا۔

کچھ مدت کے بعد حبشہ سے مکہ واپس آئے۔ ایک دن دربارِ رسالت میں اس شان سے حاضر ہوئے کہ جسم مبارک پر ستر پوشی کے لیے صرف کھال کا ایک ٹکڑا تھا جس میں جابجا پیوند لگے ہوئے تھے۔ صحابۂ کرام رضؓ نے دیکھا تو سب نے عبرت سے گردنیں جھکا لیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا: "یہ وہ نوجوان ہے جس سے زیادہ مکہ میں نازپروردہ اور خوش عشرت کوئی نہ تھا۔ خدا اور رسول صلعم کی محبت اور نیکوکاری کی رغبت نے اسے تنعمات سے بے نیاز کر دیا۔" (طبقات ابن سعد)

تعلیم نبوی صلعم کی خوبی

آپ کی تعلیم کی خوبی ملاحظہ ہو کہ اس اُمّی معلم کی درسگاہ کی حیثیت ایک جامع وعمومی دارالعلوم اور عظیم الشان یونیورسٹی کی تھی جہاں ذوق، مناسبت طبع اور استعداد کے مطابق الگ الگ تعلیم ملی۔ ایک طرف اصحمہ رضؓ شاہِ حبش، فروہ رئیس معان، ذوالکلاع رئیسِ حمیر، فیروز دیلمی، ہملان، عمان اور یمن کے رؤساء اور دوسری طرف بلال رضؓ، یاسر رضؓ، صہیب رضؓ، خباب رضؓ، عمار رضؓ کے سے غلام، غرض امیر وغریب شاہ وگدا دونوں ایک صف میں کھڑے تھے۔

ایک طرف بڑے بڑے مدبر اور عقلائے دہر، اسرارِ فطرت کے راز دان اور

ملکوں کے فرمانروا ابوبکر صدیق رضؓ، فاروقِ اعظم رضؓ، عثمان ذوالنورین رضؓ، علی مرتضیٰ رضؓ اور معاویہ رضؓ بن ابی سفیان اس درسگاہ سے تعلیم پاکر نکلے۔ یہ وہ جہانبان ہیں جنھوں نے مشرق سے مغرب تک اور افریقہ سے ہندوستان کی سرحد تک فرمانروائی کی اور ایسی فرمانروائی جس نے دُنیا کے بڑے سے بڑے شہنشاہ اور حکمران کی سیاست وتدبیر اور نظم ونسق کے کارناموں پر خطِ نسخ کھینچ دیا اور ساس عدل وانصاف سے حکومت کی جس کی نظیر صحیفۂ عالم میں نہیں مل سکتی۔

دوسری طرف سیف اللہ خالد رضؓ بن ولید، حضرت سعد رضؓ بن ابی وقاصؓ، ابوعُبیدہ رضؓ بن الجرّاح اور عمروؓ رضؓ بن عاص جیسے سپہ سالار اور فاتحین اعظم ہیں جنھوں نے روم اور ایران ایسی دو عظیم الشان سلطنتوں کی بساط الٹ کر رکھ دی، جو انسانیّت کے لیے لعنت تھیں۔ ان کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک آج بھی دُنیا پر بیٹھی ہوئی ہے۔ حضرت سعد رضؓ بن ابی وقّاص نے عراق اور ایران کا تاج شہنشاہی اُتار کر اسلام کے قدموں پر ڈال دیا۔ خالد رضؓ اور ابوعُبیدہ رضؓ نے رومیوں کو شام سے نکال کر ابراہیمؑ کی موجودہ زمین کی امانت مسلمانوں کے سپرد کی۔ عمرو بن عاص رضؓ نے فرعون کی سرزمین (مصر) رومی شہنشاہوں کے ہاتھوں سے زبردستی چھین لی۔ عبداللہ بن زبیر رضؓ اور ابن ابی سرح نے افریقہ کی سرزمین دشمنوں سے چھین لی۔ یہ وہ مشہور فاتحین اور سپہ سالار ہیں، جن کی قابلیّت کو زمانے نے تسلیم کیا ہے۔

تیسری طرف باذان رضؓ والیٔ یمن، خالد رضؓ بن سعید والیٔ صنعاء، مہاجر رضؓ بن امیہ (کندہ) زیاد رضؓ بن لبید (حضرموت) عمرو رضؓ بن حزم (نجران) یزید رضؓ بن ابی سفیان (تیماء) علاء رضؓ بن الحضرمی (بحرین) وغیرہ بیسیوں وہ صحابہ ہیں جنھوں نے صوبوں اور شہروں میں کامیاب حکومت کی اور خلقِ خدا کو آرام پہنچایا۔ع

خدمات کی صلاحیّت یہی نہیں کہ اصحابِ کرام رضؓ میں صرف ایک ایک خدمت انجام دینے کی صلاحیّت ہو بلکہ اکثر میں بیک وقت مختلف

ع من افادات المولٰنا السید سلیمان الندوی رح

خدمات انجام دینے کی قابلیت پیدا ہوگئی تھی، مثلاً ایک حضرت معاذ بن جبل انصاریؓ کو لیجیے۔ انھوں نے یمن کی عنان فرمانروائی بھی ہاتھ میں رکھی اور سفارت کی خدمت بھی انجام دی۔ مجلس ملکی کے رکن بھی تھے اور میدان جنگ میں مجاہد بھی۔ مفتی شرع بھی تھے اور جامع حمص میں قرآن و حدیث کے معلم بھی۔ حضرات عشرۂ مبشرہ خصوصاً خلفائے راشدین دوسرے صحابہ سے زیادہ جامع صفات تھے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی جامعیت کبریٰ

عرب کے اُمّی معلم صلعم کی درس گاہ کے ایک طالب علم حضرت عمر فاروق رضؓ تھے۔ علامہ شبلی نعمانی ان کی جامعیت کے متعلق "الفاروق" میں لکھتے ہیں:

دنیا میں جس قدر بڑے بڑے نامور گزرے ہیں، ان کی مفصل سوانح عمریاں تمہارے سامنے ہیں۔ تم خود فیصلہ کر سکتے ہو کہ ساری دنیا میں حضرت عمرؓ کا کوئی ہم پایہ گزرا ہے یا نہیں، قانونِ فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ فضائل انسانی کی مختلف انواع میں باہم فضیلت کا جدا راستہ ہے۔ ممکن بلکہ کثیر الوقوع ہے کہ ایک شخص ایک فضیلت کے لحاظ سے تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا، لیکن اور فضائل سے اس کو بہت کم حصہ ملا تھا۔

سکندر سب سے بڑا فاتح تھا لیکن حکیم نہ تھا۔ ارسطو حکیم تھا لیکن کشورستاں نہ تھا۔ بڑے بڑے کمالات ایک طرف، چھوٹی چھوٹی فضیلتیں بھی ایک شخص میں مشکل سے جمع ہوتی رہیں۔ بہت سے نامور گزرے ہیں جو بہادر تھے لیکن پاکیزہ اخلاق نہ تھے، بہت سے پاکیزہ اخلاق تھے، لیکن صاحب تدبیر نہ تھے، بہت سے دونوں کے جامع تھے لیکن علم و فضل سے بے بہرہ تھے۔

اب حضرت عمر رضؓ کے حالات اور ان کی مختلف حیثیتوں پر نظر ڈالو، صاف نظر آئے گا کہ وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی۔ مسیح عؑ بھی تھے اور سلیمان عؑ بھی۔ تیمور بھی تھے اور نوشیرواں بھی۔ امام ابوحنیفہؒ بھی تھے اور ابراہیم ادھمؒ بھی۔ سب سے پہلے حکمرانی اور کشورستانی کی حیثیت کو لو۔ دنیا میں جس قدر حکمران گزرے ہیں، ہر ایک کی حکومت کی

تھ میں کوئی نہ کوئی مشہور مدبر یا سپہ سالار مخفی تھا۔ یہاں تک کہ اگر اتفاق سے وہ مدبر یا سپہ سالار نہ رہا تو دفعتہً فتوحات بھی رُک گئیں یا نظام حکومت کا ڈھانچا بگڑ گیا۔

سکندر ہر موقع پر ارسطو کی ہدایتوں کا سہارا لے کر چلتا تھا۔ اکبر کے پردے میں ابوالفضل اور ٹوڈرمل کام کرتے تھے۔ عباسیہ کی عظمت وشان برامکہ کے دم سے تھی۔ لیکن حضرت عمر رضؓ کو صرف اپنے دست وبازو کا بل تھا۔ خالد رضؓ کی عجیب وغریب معرکہ آرائیوں کو دیکھ کر لوگوں کو خیال پیدا ہوگیا تھا کہ فتح وظفر کی کلید انہی کے ہاتھ میں ہے لیکن جب حضرت عمر رضؓ نے ان کو معزول کر دیا تو کسی کو احساس تک نہ ہُوا کہ کل میں سے کون سا پُرزہ نکل گیا ہے۔ سعد رضؓ بن وقاص فاتح ایران کی نسبت بھی لوگوں اسی قسم کا وہم پیدا ہو چلا تھا، وہ بھی الگ کر دیے گئے اور کسی کے کان پر جُوں بھی نہ چلی۔

یہ سچ ہے کہ حضرت عمر رضؓ خود سارا کام نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے لیکن جن لوگوں سے کام لیتے تھے، اُن میں سے کسی کے پابند نہ تھے۔ وہ حکومت کی کل کو اس طرح چلاتے تھے کہ جس پرزے کو جہاں سے چاہا نکال لیا اور جہاں چاہا لگا دیا۔ مصلحت ہوئی تو کسی پُرزے کو سرے سے نکال دیا اور ضرورت ہوئی تو نئے پرزے تیار کر لیے۔

دُنیا میں کوئی حکمران ایسا نہیں گزرا جس کو مُلکی ضرورتوں کی وجہ سے عدل وانصاف کی حدود سے تجاوز نہ کرنا پڑا ہو نوشیرواں کو زمانہ عدل وانصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے لیکن اُس کا دامن بھی اس داغ سے پاک نہیں۔ بخلاف اس کے حضرت عمر رضؓ کے تمام واقعات کو چھان ڈالو، اس قسم کی ایک نظیر بھی نہیں مل سکتی۔

دنیا کے اور مشہور سلاطین جن ممالک میں پیدا ہوئے، وہاں مدت سے حکومت کے قواعد اور آئین قائم تھے اور اس لیے ان سلاطین کو کوئی نئی بنیاد نہیں قائم کرنی پڑتی تھی۔ قدیم انتظامات یا خود کافی ہوتے تھے یا کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا، بخلاف اس کے حضرت عمر رضؓ جس خاک سے پیدا ہوئے، وہ ان چیزوں کے نام سے آشنا نہ تھی۔ خود

حضرت عمر رضؓ نے چالیس برس تک حکومت و سلطنت کا خواب بھی نہ دیکھا تھا، آغازِ شباب . . . تو اونٹوں کے چرانے میں گزرا تھا۔

ان حالات کے ساتھ ایک وسیع مملکت قائم کرنی اور ہر قسم کے ملکی انتظامات مثلاً تقسیم صوبجات و اضلاع، انتظام محاصل، صیغۂ عدالت، فوجداری اور پولیس پبلک ورکس، تعلیمات، صیغۂ فوج کو اس قدر ترقی دینی اور ان کے اصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمر رضؓ کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا تھا؟

تمام دُنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمران دکھا سکتے ہو جس کی معاشرت یہ ہو کہ قمیص میں دس دس پیوند لگے ہوں۔ کاندھے پر مشک رکھ کر غریب عورتوں کے ہاں پانی بھر آتا ہو۔ فرشِ خاک پر پڑا رہتا ہو۔ بازاروں میں پڑا پھرتا ہو۔ جہاں جاتا ہو جریدہ و تنہا چلا جاتا ہو۔ اونٹوں کے بدن پر اپنے ہاتھ سے تیل مَلتا ہو، در و دربار، نقیب و چاؤش، حشم و خدم کے نام سے آشنا نہ ہو اور پھر یہ رعب و داب ہو کہ عرب و عجم اس کے نام سے لرزتے ہوں اور جس طرف رُخ کرتا ہو، زمین دہل جاتی ہو۔

سکندر و تیمور تیس تیس ہزار فوج رکاب میں لے کر نکلتے تھے، جب ان کا رعب قائم ہوتا تھا۔ عمر فاروق رضؓ کے سفرِ شام میں سواری کے ایک اونٹ کے سوا اور کچھ نہ تھا لیکن چاروں طرف غُل پڑا ہوا تھا کہ مرکزِ عالم جنبش میں آگیا ہے۔ اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیاء کے سوا اور کون شخص اُن کا ہم پایہ مل سکتا ہے؟

Marfat.com

بتیسواں باب

کلام کا اعجاز

مقربان الٰہی کے تمام کاموں میں تائیدِ ایزدی ان کے شامل حال رہتی ہے، اس لیے ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بڑا اثر رکھتے ہیں۔ حضرت سید الانبیاء صلعم خلق کے سب سے بڑے مقرب تھے، اس لیے آپ کی زبان مبارک میں جو حلاوت و تاثیر تھی وہ کائنات انسانیت میں بے نظیر تھی۔ بالخصوص آپ کے خطبات تاثیر اور رقّت انگیزی میں اعجازی حیثیت رکھتے تھے۔ پتھر سے پتھر دل بھی انھیں سن کر موم ہوجاتے تھے۔

سیّد الانبیاءؑ کی فصاحت

ملکۂ تقریر و خطابت نبوّت کا جزو لاینفک ہے۔ سرور کائنات صلعم کو یہ وصف علیٰ وجہ الکمال عطا ہوا تھا۔ چنانچہ آپ نے بطور تحدیثِ نعمت خود فرمایا: انا افصح العرب (میں عرب میں سب سے زیادہ فصیح ہوں) اور فرمایا: اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِم (میں جامع کلمے دیا گیا ہوں) جامع کلمہ اسے کہتے ہیں جس کے لفظ تھوڑے اور مطلب بہت ہو۔ اگرچہ تمام عربی قبائل ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر فصاحت و بلاغت کے مدّعی تھے، لیکن دو قبیلے مسلّم طور پر اس میں ممتاز تھے، قریش اور بنی سعد قریش آپ کا اپنا قبیلہ تھا اور قبیلہ سعد بن بکر بن ہوازن میں آپ نے پرورش پائی تھی۔

اس ماحول میں پرورش پانے اور ہوش سنبھالنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ تمام فصحائے عرب سے زیادہ فصیح الکلام تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے گزارش کی، یا رسول اللہ! میں نے آپ سے بڑھ کر کسی کو فصیح نہیں پایا۔ آپ نے فرمایا کیوں نہ ہو، ایک تو میں خود قریش میں سے ہوں، دوسرے میری رضاعت و تربیت قبیلہ بنی سعد میں ہوئی تھی (سُہیلی شرح سیرت ابن ہشام و طبقات ابن سعد)

یہاں ہادئ انام صلعم کی اثر انگیزیٔ کلام کے چند واقعات درج کیے جاتے ہیں۔

مواعظ کا اثر حضرت داعئ اسلام صلعم کے مواعظ حسنہ اس درجہ تاثیر میں ڈوبے ہوتے تھے کہ سامعین گریہ و بکا کسی طرح منضبط نہ کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے خطبے میں فرمایا: "جو کچھ میں جانتا ہوں، وہ تم بھی جانتے تو کم ہنستے اور زیادہ رویا کرتے۔"

حضرت انس رضؓ کا بیان ہے کہ اصحابِ کرام رضؓ پر اس دن سے زیادہ سخت دن کوئی نہیں گزرا، یہ سن کر انھوں نے اپنے سر ڈھانپ لیے اور ڈھاڑیں مار مار کر رونے لگے (مسلم)

ایک مرتبہ آپ خطبہ دے رہے تھے کہ زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے: "وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ" (مجھے اسی ذات برتر کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے) یہ الفاظ آپ نے تین مرتبہ کہے۔ مجلس بیان کا اثر یہ ہوا کہ جو جہاں تھا، وہیں سر جھکا کر رونے لگا۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ، جو اس حدیث کے راوی ہیں، بیان کرتے ہیں: "شدت گریہ سے مجھے یہ بھی ہوش نہ رہا کہ آپ کس بات پر قسم کھا رہے ہیں" (نسائی) ایک صحابی رضؓ کا بیان ہے: "ایک دفعہ نمازِ صبح کے بعد آپ نے ایسا مؤثر وعظ کہا کہ آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور دل کانپ اٹھے۔" (ترمذی و ابوداؤد)

ایک مرتبہ آپ نے تقریر فرمائی۔ تمام حاضرین اس کی تاثیر سے رونے لگے۔ حضرت سعد رضؓ بن ابی وقاص اتنا روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ جب ذرا سنبھلے تو کہنے لگے کہ کاش میں (بچپن ہی میں) مر جاتا۔ یہ سن کر پیشوائے امت صلعم نے فرمایا: "اے سعد رضؓ! کیا تم میرے سامنے موت کی آرزو کرتے ہو؟" پھر فرمایا: "جس قدر تمھاری عمر دراز ہوگی اور عمل اچھے ہوں گے، اسی قدر تمھارے حق میں بہتر ہے۔" اور فرمایا: "موت کی آرزو کیا کرو کیونکہ جان کنی کا ہول بہت سخت ہے اور انسان کی سعادت یہ ہے کہ اس کی عمر طویل ہو اور حق تعالیٰ اُسے توبہ و انابت کی توفیق ارزانی فرمائے۔" (مسند احمد)

ایک مرتبہ آپ نے خطبے میں عذاب دوزخ کی وضاحت فرمائی جس میں انسان مبتلا ہوتا ہے تو حاضرین پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے (بخاری) ایک دن آپ نے مکہ معظمہ میں سورۂ النجم کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں تو اس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کے ساتھ اہلِ ایمان

Marfat.com

تو در کنار، دشمنانِ دین بھی سجدے میں گر پڑے۔ (بخاری)

عذابِ اُخروی کا خوف

لوگوں کی باہمی خصومتیں اور دوسری اُلجھنیں، جنھیں انسان کا ناخنِ تدبیر بصد مشکل حل کیا کرتا ہے، آپ کا کلمۂ حق آناً فاناً اُن کی عقدہ کشائی کر دیتا تھا۔ ایک مرتبہ دو یمنی آپ کے پاس جھگڑتے ہوئے آئے۔ ایک حضرموت کا باشندہ تھا اور دوسرا قبیلہ کندہ میں سے تھا۔ حضرمی عرض پیرا ہوا: "یا رسُول اللہ! اس شخص نے میری زمین پر قبضہ جما رکھا ہے۔" کندی نے کہا: "نہیں، یہ زمین میری اور میرے قبضے میں ہے۔" آپ نے حضرمی سے دریافت فرمایا، تمھارے پاس گواہ ہیں؟ بولا، کوئی گواہ نہیں۔ آپ نے فرمایا، اس حالت میں مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی۔ یہ ارشاد سُن کر حضرمی کہنے لگا، یا رسُول اللہ! یہ شخص ایک فاجر آدمی ہے۔ یہ تو بلا تامل جھوٹی قسم کھا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ قسم کے سوا تمھارے لیے کچھ نہیں۔

آخر کندی قسم کھانے چلا۔ آپ نے فرمایا: "جو کوئی جھوٹی قسم کھا کر کسی کا مال غصب کرتا ہے، وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں مالک الملک کے سامنے حاضر کیا جائے گا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوگا۔" یہ سُن کر کندی کہنے لگا: "میں قسم نہیں کھاتا۔ واقعی زمین مدعی کی ہے، اسی کو دلا دیجیے۔" (ابو داؤد)

مُدعی اور مُدعا علیہ دونوں کی دستبرداری

ایک بار دو آدمیوں میں وراثت کے متعلق نزاع پیدا ہوئی اور گواہ کسی کے پاس نہ تھا۔ دونوں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر اپنے اپنے برسرِ حق ہونے کے دعویدار ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں بھی ایک آدمی ہوں اور تم لوگ میرے پاس اپنے مقدمات لاتے ہو۔ ممکن ہے مدعی اور مدعا علیہ میں سے ایک چرب زبان اور طرار ہو اور... میں اُس کی لسانی سے متأثر ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ ایسی حالت میں اگر یہ اس کے فریقِ مقابل کا حق ہو تو وہ اسے ہرگز نہ لے کیونکہ میں نے اسے آگ کا ایک ٹکڑا دیا ہے۔ یہ سُن کر دونوں آدمی رونے لگے اور ہر ایک اپنے حق سے دست بردار ہونے لگا۔ (ابو داؤد)

Marfat.com

بیٹی کے طلائی کنگن

عذابِ اُخروی سے خوف زدہ ہو کر گردن اطاعت خم کرنے کا ایک اور واقعہ سنیئے۔ ایک خاتون آستانِ نبوت پر حاضر ہوئی اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی، جس کے ہاتھوں میں سونے کے موٹے کنگن تھے۔ آپ نے پوچھا، کیا اس کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ وہ بولی نہیں۔ آپ نے فرمایا، کیا تمھیں یہ بات پسند ہے کہ خدا ئے عزیز تمھیں قیامت کے دن آگ کے کنگن پہنائے؟ یہ سُن کر عورت نے کنگن اُتار دیے اور آپ کے سامنے رکھ کر عرض پیرا ہوئی، یا رسُول اللہ! جہاں آپ مناسب خیال فرمائیں، انھیں فی سبیل اللہ خرچ کر دیں (ابو داؤد)

مسروقہ تسمے کی واپسی

ایک شخص نے آپ کو ایک غلام تحفتہً بھیجا، جسے مِدعَم کہتے تھے۔ ایک غزوے میں آپ کا کجاوہ اُتار رہے تھے وقت اسے تیر آ لگا جو اس کے لیے تیرِ قضا ثابت ہوا۔ لوگ کہنے لگے کہ مِدعَم کو فلد بریں مبارک ہو۔ آپ نے یہ سُن کر فرمایا؟ ہرگز نہیں، مجھے اُسی ذاتِ برتر کی قسم کہ میری جان اس کے دستِ قدرت میں ہے، جو چادر مِدعَم نے فتح خیبر کے دن تقسیم غنیمت سے پہلے لے لی تھی وہ آگ کا شعلہ بن کر مِدعَم پر شعلہ زن ہے۔ یہ ارشاد سُن کر لوگ سخت مضطرب ہوئے۔ اتنے میں لشکر میں سے ایک شخص ایک تسمہ لے آیا جو اس نے تقسیم سے پہلے لے لیا تھا۔ آپ نے فرمایا، اگر تم یہ تسمہ داخل نہ کرتے تو یہ دارِ آخرت میں آگ ہو کر تم سے لپٹتا (بخاری و مسلم)

عمار رضؓ و خالد رضؓ

جن ایام میں حضرت خالد رضؓ بن ولید نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور ہنوز تعلیمات نبوی کا نور قوائے ذہنیہ پر مستولی نہ ہوا تھا، حضرت عمار رضؓ بن یاسر رضؓ سے، جو ایک مسکین اور مفلوک الحال صحابی رضؓ تھے، سخت کلامی کر بیٹھے۔ جب عمار رضؓ نے دیکھا کہ ان کا تشدد ساعت بساعت بڑھ رہا ہے تو وہ پیشوائے امت صلعم کے پاس شکایت لے گئے۔ خالد رضؓ بھی ان کے پیچھے گئے اور حضور انور صلعم کے سامنے انھیں ڈانٹنا شروع کیا۔ آپ بالکل خاموش بیٹھے سُن رہے تھے اور خالد رضؓ کی سخت کلامی رُو بہ ترقی تھی۔ یہ دیکھ کر

عمار رضؓ عرض پیرا ہوئے: یا رسول اللہؐ! کیا آپ خالد رضؓ کو نہیں دیکھتے کہ کتنی سختی کر رہے ہیں؟

آپ نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا: "جو کوئی عمار سے دشمنی کرے گا، خدائے برتر اس کا دشمن ہو جائے گا اور جو عمار رضؓ سے بغض رکھے گا وہ رب العزت کا مبغوض ہوگا۔" یہ سن کر خالد رضؓ ٹھنڈے ہوئے اور عمار رضؓ اٹھ کر باہر گئے۔ اب خالد رضؓ ان سے معافی مانگنے لگے اور منتیں کرتے ہوئے بولے: "خدا کے لیے راضی ہو جاؤ" آخر اُس وقت تک برابر منت سماجت کرتے رہے جب تک حضرت عمار رضؓ کو راضی نہ کر لیا۔ (مسند احمد)

ریشمیں لباس پھاڑنا

اثر انگیزی کلام کا ایک اور سبق آموز واقعہ سنیے حضرموت (مغربی حصہ، جنوبی عرب) میں ایک شہر کِندہ تھا یہاں کِندی خاندان کی سلطنت تھی۔ عہدِ نبویؐ میں اس خاندان کے حکمران اشعث بن قیس تھے۔ سنہ ۱۰ھ میں اشعث اسّی سواروں کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے ریشمیں لباس پہنے ہوئے بارگاہِ نبوی علیہ السلام میں حاضر ہوئے۔ یہ پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ جب یہ لوگ سامنے ہوئے اور سلام کیا تو آپ نے ان کے ریشمیں لباس دیکھ کر فرمایا: "کیا تم لوگ اسلام نہیں لا چکے"؟ گزارش کی: "یا رسول اللہؐ! ہم تو مسلمان ہیں" فرمایا: "پھر تم لوگوں نے ریشمیں لباس کیوں پہن رکھے ہیں؟" یہ سن کر تمام لوگوں نے فی الفور ریشمیں پوشش پھاڑ ڈالی (سیرت ابن ہشام)

اب ذیل میں چند واقعات درج کیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ آپ کے کلماتِ حقہ نے کس طرح اغیار کے دل جاذب کر کے ملتِ موحدین کے زمرے میں لا کھڑا کیا۔

عمرو رضؓ بن عبسہ کا قبولِ اسلام

جن ایام میں اہلِ بیتِ اطہار کو چھوڑ کر ابھی دو ہی بزرگ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت بلال رضؓ نعمتِ ایمان سے مشرف ہوئے تھے، حضرت عمرو بن عبسہ سُلَمی مکہ معظمہ آئے۔ یہ قبیلہ

بنی سُلیم کے ایک رئیس تھے۔ ان کا بیان ہے کہ عہدِ جاہلیت میں جب میں لوگوں کو بُت پرستی اور شرک پسندی میں منہمک پاتا تو اکثر یہ خیال میرے دل و دماغ میں موج زن رہتا تھا کہ لوگ گمراہی میں پڑے ہیں اور ان کا کوئی مسلک ہی نہیں۔ اسی تموّجِ افکار میں یہ خبر گوش زد ہوئی کہ ایک شخص مکّہ میں آسمانی خبریں دیتا ہے۔ معاً یہ خیال دل میں راسخ ہوا کہ اُس بزرگ کی ملاقات کی جائے۔ چنانچہ میں سواری کا انتظام کر کے مکّہ پہنچا اور پیغمبرِ خدا صلعم سے ملاقات کی۔ ان دنوں آپ کی دعوت بالکل ابتدائی مرحلے پر تھی اور آپ تبلیغ کا۔۔۔ قدم نہایت اخفا اور رازداری سے اٹھاتے تھے۔ میں نے سوال کیا، آپ کون ہیں؟ فرمایا، میں نبی اللہ ہوں۔ میں نے کہا، نبی کیا؟ فرمایا، مجھے حق سبحانہٗ نے خلقِ خدا کی ہدایت و رہبری کے لیے بھیجا ہے۔ میں نے عرض کی، آپ خلقِ خدا کے پاس کیا پیغام لائے ہیں؟ فرمایا: مجھے قرابت داروں سے نیکی کرنے، بُتوں کے منہدم کرنے، خدائے واحد کی پرستش کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کا پیغام دیا گیا ہے۔

عمرو بن عبسہ رض کہتے ہیں کہ میں آپ کے ارشادات سے بڑا متاثر ہوا اور چشم زدن میں میری اقلیمِ دل کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ میں نے پوچھا، اب تک کسی نے آپ کی رفاقت بھی اختیار کی ہے؟ فرمایا ایک آزاد اور ایک غلام نے۔ ان دنوں بیرونی لوگوں میں سے حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت بلال رض جو علی الترتیب آزاد اور غلام تھے، آپ پر ایمان لا چکے تھے۔ میں نعمتِ ایمان سے سرفراز ہوا اور التماس کی کہ میں بھی آپ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوں۔ ارشاد ہوا: "سردست تم میری رفاقت کے متحمل نہ ہو سکو گے۔ تم دیکھ ہی رہے ہو کہ اس وقت میری اور ان لوگوں کی کیا حالت ہے، اس لیے مناسب ہے کہ بالفعل وطن لوٹ جاؤ اور جب سنو کہ مجھے غلبہ نصیب ہوا تو میرے پاس آنا۔"

حضرت عمرو رض کا بیان ہے کہ میں نے وطن کو مراجعت کی۔ کئی سال تک لوگوں سے آپ کے حالات دریافت کرتا رہا۔ آخر جب مرکزِ نبوت ستم کدۂ مکّہ سے بیت الامن مدینہ میں منتقل ہوا اور لوگوں نے بتایا کہ آنحضرت صلعم کی قوم قریش نے آپ کو قتل کر دینا

Marfat.com

جاتا تھا مگر آپ کا بال تک بیکا نہ کر سکے اور اب لوگ جوق در جوق حلقہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں تو میں مدینہ طیبہ پہنچا اور آستانِ نبوت پر حاضر ہو کر شرفِ دید سے مشرف ہوا۔ میں عرض پیرا ہوا، "یا رسول اللہ! آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ (باوجودیکہ چودہ پندرہ سال کا عرصہ منقضی ہو چکا تھا تاہم) آپ نے فرمایا "تم وہی ہو جو مجھ سے مکہ میں ملے تھے"۔ میں نے کہا "ہاں"۔ اس کے بعد آپ کے ہاتھ پر از سرِ نو بیعت کی اور نماز پڑھنے کا طریقہ معلوم کیا (صحیح مسلم)

ضماد ازدیؓ کا قبولِ اسلام

ساقیٔ توحید کی صلائے عام پر خود اپنی قوم والوں نے کان بہرے کر رکھے تھے تشنہ کامانِ حق و صدق اطراف و اکنافِ ملک سے سفر کی صعوبتیں اٹھا کر آتے اور تشنگیٔ سعادت بجھاتے تھے۔ چند مزید نظائر ملاحظہ ہوں:

ضمادؓ ازدی نام ایک صاحب یمن سے مکہ معظمہ آئے اور آنحضرتؐ کی زبانِ مبارک سے محض خطبے کے چند فقرے سن کر گردن انقیاد خم کر دی اس کی تفصیل یہ ہے کہ ضمادؓ ازدی کو جھاڑ پھونک میں بڑا دخل تھا حضورؐ سے ان کی پرانی ملاقات تھی مکہ مکرمہ آ کر انھوں نے قریش سے سنا کہ محمد (صلعم) پر دیوانگی کا غلبہ اور آسیب کا خلل ہے اس لیے وہ آپ کی ملاقات کو آئے اور اظہارِ ہمدردی کے بعد کہنے لگے "محمدؐ! کچھ فکر نہ کرو مجھے آسیب اور دیوانگی جھاڑنے کا منتر آتا ہے میرے ہاتھ سے خدا نے بہتوں کو شفا بخشی ہے اگر تمھاری خواہش ہو تو تمھیں بھی جھاڑ دوں"۔ یہ سن کر آپ نے ان کے سامنے ایک نہایت مختصر سا خطبہ دیا جس کے الفاظ یہ تھے:

الحمد للہ نحمدہ	تمام خوبیوں کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے۔
ونستعینہ من یھدہ	ہم اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور
اللہ فلا مضل لہ و	ہر کام میں اسی کی امداد کے خواستگار
من یضللہ فلا ھادی	ہیں۔ جسے اس ذات برتر نے راہ پر لگایا
لہ اشھد ان لا الٰہ	اسے کوئی راہ پر نہیں لا سکتا۔ اور ہم اس امر کے
الا اللہ وحدہ لا شریک	شاہد ہیں کہ اللہ کے سوا قابلِ پرستش
لہ و ان محمداً عبدہ	کوئی نہیں۔ وہ مالک الملک یگانہ ہے
و رسولہ۔	کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں اور

لاریب محمدؐ اس کا بندہ اور اس کا پیامبر ہے۔

ان الفاظ کے بعد آپ ضماد کو اصل مقصد کے متعلق کچھ فرمانا چاہتے تھے۔ انھوں نے قطع کلام کرتے ہوئے عرض کی اس کلام کو مکرر فرمایئے۔ آپ نے الفاظ کو دہرایا۔ انھوں نے درخواست کی کہ ایک مرتبہ پھر کہیے۔ آپ نے تیسری دفعہ ان کا اعادہ فرمایا۔ ضماد رض کہنے لگے، میں نجومیوں، ساحروں اور شاعروں کا کلام بکثرت سن چکا ہوں لیکن میں نے ایسا پاکیزہ کلام تو پہلے کبھی نہیں سنا۔ بحر زخار کی طرح اس کلام کی فصاحت کی بھی تھاہ نہیں ملتی۔ اس کے بعد عرض پیرا ہوئے: "حضرت آپ ہاتھ بڑھایئے، میں بیعت کرتا ہوں۔" چنانچہ وہ کلمۂ توحید پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔" (مسلم)

طفیل بن عمرو دوسی رض کی سعادت ایمانی

طفیل بن عمرو رض دوسی قبیلہ دوس کے رئیس تھے جو یمن کے ایک گوشے میں آباد تھا اور بڑا طاقتور تھا۔ ایک قلعہ بھی اس کے پاس تھا۔ حضرت طفیل رض عرب کے اکابر شعرا میں تھے اور شعر و سخن میں نہایت ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ اس زمانے میں عرب کے اندر شعراء کا بڑا اثر تھا۔ وہ جدھر چاہتے تھے، قبیلے کو اپنی قوت بیانی سے مائل کر لیتے تھے۔

قریش کا معمول تھا کہ جونہی کسی اجنبی وارد کو مکۂ معظمہ میں دیکھتے اسے رسول خدا صلعم کی طرف سے اس درجہ بھکاتے اور متنفر کرتے کہ اگر وہ آپ کی ملاقات کے لیے بھی مکۂ مکرمہ آیا ہوتا تو ارادہ فسخ کر دیتا۔ قریش نے سنا کہ طفیل بن عمرو مکہ آئے ہیں تو وہ یہ خیال کر کے بہت پریشان ہوئے کہ اگر انھوں نے محمد کی پیروی اختیار کر لی تو اپنے قبیلے کو اسلام کا گرویدہ بنا دیں گے، اس لیے بڑی کوشش کی کہ وہ کسی طرح محمد صلعم تک نہ پہنچنے پائیں۔

حضرت طفیل رض کا بیان ہے کہ جونہی میں نے مکہ میں قدم رکھا، قریش کے آدمی آ آ کر مجھ سے ملنے لگے اور یہ کہنا شروع کیا: "طفیل! تم ہمارے شہر میں مہمان آئے ہو اس لیے ہم از راہ خیر خواہی آگاہ کیے دیتے ہیں کہ یہاں ایک ایسا شخص ہے جس نے ہماری جمعیت پراگندہ کر دی ہے۔ اس کی باتیں جادو کا حکم رکھتی ہیں، وہ قوت بیان سے

Marfat.com

بھائی بھائی میں، اولاد اور اس کے والدین میں، میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیتا ہے۔ اس نے ہمارا قومی شیرازہ بکھیر دیا ہے تم یہاں نو وارد ہو، اس شخص کے حالات سے بالکل بے خبر، اس لیے تمہاری طرف سے کھٹکا لگا ہوا ہے کہ کہیں اس کے دام میں نہ پھنس جائے۔ پس ہمارا یہ دوستانہ مشورہ ہے کہ تم نہ اس سے ملو اور نہ اس کی بات سنو۔"

حضرت طفیل رضہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے مجھے آنحضرت صلعم کی طرف سے اس درجہ متنفر اور وحشت زدہ کیا کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ اگر بالفرض کہیں ملاقات ہو جائے تو آپ کی کوئی بات نہ سن سکوں لیکن دوسرے دن میں نے آپ کو مسجد الحرام میں کعبے کے قریب نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ مجھے یہ طریق عبادت پسند آیا۔ میں نے دل میں کہا، میں صاحب بصیرت، شاعر اور صاحب عقل ہوں نیک و بد اور حسن و قبح میں بخوبی تمیز کر سکتا ہوں، پھر کوئی وجہ نہیں کہ میں اس شخص کی گفتگو نہ سنوں۔ اگر ان کے کلام میں کوئی خوبی ہوگی تو قبول کروں گا، ورنہ اپنا راستہ لوں گا۔

طفیل رضہ کہتے ہیں: "یہ خیال کر کے میں منتظر رہا۔ آپ نماز سے فارغ ہو کر کاشانۂ نبوت ... کو تشریف لے چلے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا۔ میں نے کہا اے محمد! (صلعم) آپ کی قوم نے مجھے بہت بہکایا اور یہاں تک خوف زدہ کیا تھا کہ میں نے آپ کے کلام سے محفوظ رہنے کی غرض سے کانوں میں روئی ٹھونس لی تھی؛ لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی رسالت کی تبلیغ کریں۔ اگر آپ کی باتوں میں حق و صدق کی روح ہوگی تو عجب نہیں کہ انھیں قبول کر لوں۔" آپ نے اسلامی اصول میرے سامنے پیش کیے۔ آپ کی باتیں میرے دل کی گہرائیوں میں اتر گئیں۔ آپ نے قرآن کی آیتیں بھی سنائیں۔ میں خود شاعر تھا۔ محاسن کلام کو بخوبی سمجھتا تھا۔ میں نے قرآن سے بہتر کوئی کلام نہ سنا تھا اور نہ آپ کے ارشادات حقہ کے مقابلے میں کوئی حکیمانہ تقریر سنی تھی۔ میں نے معاً اسلام قبول کیا اور راہِ حق کی جماعت میں داخل ہو گیا۔ رخصت کے وقت التماس کی، یا رسول اللہ! میں اپنی قوم کا سردار ہوں، قوم میں جا کر اسلام کی دعوت دوں گا۔

حضرت طفیل رضہ وطن جا کر رات کے وقت گھر پہنچے۔ ان کے والد ایک معمر بزرگ

تھے۔ وہ علی الصباح ان کے پاس آئے۔ انھوں نے کہا میں آپ کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے یہ جتا دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ آئندہ سے میرا آپ کا تعلق منقطع ہے۔ والد نے کہا کیوں فرزند کیا ہوا؟ انھوں نے کہا میں جناب محمد رسول اللہ (صلعم) کے دینِ حق میں داخل ہوگیا ہوں اور آپ کفر و شرک کی نجاست سے آلودہ ہیں۔ ان کے والد نے کہا، بیٹا! اگر وہ دین جو تم نے اختیار کیا ہے، اسی میں صداقت ہے تو میں بھی تمھارے ساتھ ہوں۔ انھوں نے کہا کہ آپ غسل کرکے پاک کپڑے پہنیے۔ انھوں نے غسل کرکے کپڑے بدلے اور حضرت طُفَیل رضؓ نے انھیں اسلام کی تلقین کی۔

اس کے بعد ان کی رفیقۂ حیات آئیں۔ انھوں نے ان سے کہا آئندہ کے لیے تم سے میرے تعلقات منقطع ہوگئے ہیں۔ وہ کہنے لگیں، میں قربان جاؤں، آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اسلام نے میرے اور تمھارے درمیان افتراق کی خلیج حائل کردی ہے اور میں نے محمد رسول اللہ صلعم کی پیروی اختیار کی ہے۔ ان کی بیوی نے کہا کہ میں بھی تمھارا دین اختیار کرتی ہوں۔ فرمایا پہلے جاکر غسل کرو اور پاک کپڑے پہن کر ذوالشریٰ کی ناپاکی دور کرو۔ ذوالشریٰ قبیلۂ دَوس کے بت کا نام تھا۔ بیوی نے کہا ایسا نہ ہو کہ ذوالشریٰ ہمیں یا ہمارے بچوں کو کوئی تکلیف پہنچائے۔ انھوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی قدرت نہیں۔ بالکل بے بس ہے بلکہ اسے اپنی ہستی تک کا کوئی علم نہیں۔ غرض بیوی بھی مشرف بہ ایمان ہوئیں۔ اسی طرح ان کی والدہ بھی حلقۂ اسلام میں داخل ہوئیں۔

اب حضرت طفیل رضؓ نے اپنے قبیلہ دَوس کو اسلام کی طرف بلایا لیکن انھوں نے یہ دعوت ٹھکرادی۔ یہ دیکھ کر وہ مکہ معظمہ آئے اور بارگاہ نبوی ؐ میں حاضر ہوکر عرض پیرا ہوئے، یا رسول ؐ اللہ! دعا فرمایئے کہ میرا قبیلہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوجائے۔ آپ نے دعا کی اور ارشاد فرمایا کہ جاکر لوگوں کو بہت نرمی سے سمجھاؤ۔ وہ واپس جاکر اپنی قوم کے قبول ہدایت میں کوشاں رہے چنانچہ ان کی کوششوں سے دَوس میں اسلام پھیلا اور وہ غزوۂ خیبر کے ایام میں یمن کے اسّی خانوادوں کو لے کر حضور سید المرسلین ؐ

کی خدمت میں حاضر ہوئے، لیکن اس وقت آپ خیبر میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے ازراہِ شفقت .... سب کو خیبر کے مالِ غنیمت میں سے حصّہ دیا۔ (سیرت ابن ہشام) حضرت ابو ہریرہؓ جو دوس ہی کے چشم و چراغ تھے، انھیں اسّی گھرانوں کے ہمراہ مدینۃ الرسولؐ آئے تھے۔ (سیرت ابن ہشام)

فاقہ کش مساکین کی امداد

تاثیرِ کلام کا ایک واقعہ یہ ہے کہ کچھ برہنہ پا، برہنہ تن مہاجرین گلے میں چمڑے کی کفنیاں ڈالے یا چمڑے کی عبائیں پہنے اور تلواریں حمائل کیے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے اکثر قبیلہ مضر کے نومسلم تھے۔ ان کا فقر و فاقہ دیکھ کر شفیقِ عالم صلعم بہت مضطرب ہوئے اور آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ آپ عالمِ اضطراب میں گھر کے اندر گئے، پھر باہر آئے۔ نمازِ ظہر کا وقت ہو چلا تھا۔ آپ نے حضرت بلال رضؓ کو اذان کا حکم دیا۔ اصحابِ کرام رضؓ حاضر ہوئے۔ آپ نے نماز کے بعد ایک خطبہ دیا، جس میں فرمایا:

يا ايها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة و خلق منها زوجها و بث منهما رجالاً كثيرًا و نساءً واتقوا الله الذى تساءلون به والارحام ان الله كان عليكم رقيبًا۔ (نساء آیت اوّل)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک متنفس سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ پھر ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو وجود بخشا۔ تم لوگ اُس خدا سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو۔ حقوقِ قرابت کا بھی پاس رکھو۔ بالیقین حق تعالیٰ تمھارے تمام حالات کی اطلاع رکھتا ہے۔

پھر آپ نے سورۂ حشر کی اٹھارھویں آیت: وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ،

تلاوت کی۔ اس کے بعد فرمایا: " درہم، کپڑا، غلہ، بلکہ کھجور کا ایک ٹکڑا، جو کچھ کسی سے بن سکے، راہ خدا میں دو۔" اس وقت تک مسلمانوں کی مالی حالت سخت کمزور تھی لیکن اس کے باوجود آپ کی رقت انگیز تقریر سے متاثر ہو کر کسی نے دینار، کسی نے درہم، کسی نے کپڑا، کسی نے گیہوں اور کسی نے کھجوریں لانی شروع کیں۔ انصار میں سے ایک بزرگ تھیلی اٹھا لائے، یہ اتنی وزنی تھی کہ بمشکل لا سکے اور لاتے لاتے تھک گئے، غرض انواع، نقد، نقد اور کپڑوں کے ڈھیر لگ گئے اور اپنے اخوان مذہب سے صحابۂ کرام رضی کی ہمدردی کی کیفیت مشاہدہ کر کے شفیق امت صلعم کا رخ انور جوش مسرت سے کندن کی طرح دمکنے لگا۔ (مسلم)

منقذ بن حیان کا شرف ایمانی

اثر کلام کا ایک واقعہ منقذ بن حیان عبدی اور ان کی قوم کا مشرف بہ اسلام ہونا ہے۔ یہ صاحب ایک مرتبہ شہر ہجر سے چادریں اور کھجوریں لے کر بغرض فروخت مدینہ منورہ آئے۔ منقذ بیٹھے اپنا مال بیچ رہے تھے کہ سرور انبیاء صلعم ادھر سے گزرے۔ منقذ آپ کو دیکھ کر بغرض تعظیم اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے فرمایا، منقذ! تمہارا اور تمہاری قوم کا کیا حال ہے؟ پھر آپ قوم کے تمام اکابر کے حالات دریافت فرمانے لگے اور ایک ایک کا نام لیا۔ منقذ یہ دیکھ کر سخت حیرت زدہ ہوئے کہ آپ کو میرا اور میری قوم کے اکابر کا نام کیونکر معلوم ہوا۔ آخر یقین ہوا کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں اور آپ کو یہ سب نام بذریعہ الہام الٰہی معلوم ہوتے ہیں۔ بڑی گرم جوشی سے اسلام لائے اور سورۂ فاتحہ و سورۂ اقرأ یاد کر کے نماز کی پابندی اختیار کی۔

جب ہجر واپس جانے لگے تو آپ نے اہل قبیلۂ عبد القیس کے نام ایک خط لکھوا دیا جو دعوت اسلام پر مشتمل تھا۔ منقذ وطن پہنچ کر سوچنے لگے کہ کوئی خوشگوار فضا پیدا ہو تو یہ خط قوم کے حوالے کروں۔ منقذ کی بیوی نے، جو منقذ کے ماموں عبد اللہ بن عوف اشج معروف بہ منذر کی بیٹی تھیں، اپنے شوہر کو روزانہ قرآن اور نماز پڑھتے دیکھا تو اپنے باپ سے اس کا ذکر کیا اور کہا کہ جب سے آپ کا بھانجا یثرب سے واپس آیا

ہے اس کی عجب کیفیت ہے۔ ہاتھ پاؤں دھوتا ہے۔ پھر ایک طرف منہ کر کے کبھی
بلیٹھ جھکاتا ہے، کبھی پیشانی کے بل زمین پر گرتا ہے۔ جب منذر اپنے بھانجے
سے ملے اور اسلام کی حقیقت دریافت کی تو وہ جواب سن کر دین حق کے گرویدہ ہو
اب بھانجے نے پیغمبر خدا صلعم کا نامۂ مبارک ماموں کو لا دیا۔ منذر خط لے کر
اعیانِ قوم کے پاس آئے اور پڑھ کر سنایا۔

اس خط نے کشت زار قلوب میں اسلام کا تخم محبت بو دیا۔ آخر فیصلہ ہوا کہ منذر
کے زیر سیادت ایک وفد بارگاہِ نبوی ؐ میں روانہ کیا جائے۔ اس وفد میں جارود نامی
ایک عیسائی رئیس اور منتقذ بھی شامل تھے۔ یہ وفد فتح مکہ کے سال مدینہ منورہ آیا
جس روز وفد مدینۃ الرسول ؐ پہنچا، اسی دن صبح صادق کے وقت آپ نے فرمایا: "آج
عبدالقیس کا وفد آئے گا۔ یہ اہل مشرق میں بہترین لوگ ہیں۔" یہ لوگ مدینۃ الرسول
پہنچ کر آپ سے ملاقی ہوئے اور جارود کے سوا سب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ یہ لوگ
رملہ رضا بنت حارث کے مکان پر ٹھہرایا گیا تھا۔ یہ لوگ دس دن کے بعد عازم وطن
ہوئے۔ مراجعت سے پہلے آپ نے جارود کو بھی دعوتِ اسلام سے سعادت بخشی۔
نہایت متأثر ہوئے اور انھوں نے اپنی قسمت اسلام کے دامن ہدایت سے وابستہ
(ابن سعد و نووی)

قبیلۂ ہمدان کا شرفِ اسلام

یمن عرب کا سب سے زرخیز صوبہ ہے۔ رکسی زمانے
میں یہاں سبا اور حمیر کی دو نہایت عظیم الشان
سلطنتیں قائم تھیں۔ عہد نبوی ؐ میں یمن شاہ ایران کے زیر نگین تھا اور یہاں کے باشندے
عموماً یہودی یا عیسائی تھے۔ یمن میں سب سے بڑا قبیلہ ہمدان تھا۔ پیغمبر خدا صلعم
نے ۹ھ میں جناب علی مرتضیٰ رض کو دعوتِ اسلام کے لیے ان کے پاس بھیجا اور ان لوگوں
کے نام ایک خط بھی لکھوا دیا۔ جب حضرت علی رضا نے ان لوگوں کو پیغمبر ؑ اسلام کا نامۂ مبارک
پڑھ کر سنایا تو اس نامے کا ان پر ایسا اثر ہوا کہ سارا قبیلہ اسی وقت مسلمان
ہو گیا۔ (ابن ہشام وغیرہ)

Marfat.com

دَوس اور ہمدان کی طرح اشعر بھی یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اسی قبیلے سے تھے۔ ان لوگوں نے جب سرورِ عالم کی بعثت کی خبر سنی تو ترپن اشخاص کا ایک قافلہ مدینۃ الرسول پہنچا جس میں حضرت ابوموسیٰ اشعری بھی تھے۔ دَوس کی طرح ان لوگوں نے بھی خیبر ہی میں آنحضرت کا شرفِ باریابی حاصل کیا تھا۔

اذان کے نقال کا مؤذن مقرر کیا جانا

تاثیر کلام کا ایک واقعہ ابو محذورہ رضی کا مکہ معظمہ کے لیے مؤذن مقرر کیا جانا ہے۔ جس طرح حضرت عمر فاروق رضی قبل از اسلام پیغمبرِ خدا صلعم کی جان ستانی کے قصد سے نکلے تھے اور طوقِ غلامی گلے میں ڈال کر واپس آئے تھے، اسی انداز پر حضرت ابو محذورہ رضی کی سرگذشت ہے جنھوں نے اذان کی نقلیں اتاریں تو مؤذن کی خدمت خود مانگ کر حاصل کی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ابو محذورہ رضی چند رفقاء کے ہمراہ کسی سفر میں تھے۔ راستے میں ایک جگہ پیغمبرِ خدا صلعم کا لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ یہ قریب پہنچے تو لشکرگاہ سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ ابو محذورہ رضی اور ان کے ساتھی، جو اسلام کے دشمن تھے اذان کی نقلیں اتارنے لگے۔ ان میں ابو محذورہ رضی کی آواز زیادہ بلند تھی اور یہ خوش آواز بھی تھے۔ جب انھوں نے نہایت بیباکی سے لشکر کے قریب ہی چلانا اور مذاق اڑانا شروع کیا تو حضور آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابی بھیج کر انھیں طلب فرمایا۔ یہ لوگ لاکر آپ کے سامنے بٹھا دیے گئے۔ آپ نے اپنے حسن اخلاق کے اقتضاء سے کسی کو کوئی سزا نہ دی اور نہ ناراضی کا اظہار کیا۔ صرف اتنا دریافت فرمایا کہ تم میں وہ شخص کون ہے جس کی آواز بلند تھی۔ ساتھیوں نے ابو محذورہ رضی کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے ابو محذورہ رضی کے ساتھیوں کو تو جانے کی اجازت دی لیکن ابو محذورہ رضی سے فرمایا کہ تم یہیں بیٹھو۔

ساتھی چلے گئے اور ابو محذورہ رضی سخت اضطراب اور سراسیمگی کے عالم میں اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ دیکھوں اس گستاخی کی کیا سزا ملتی ہے؟ حضور نے ان سے

فرمایا: "اسمعوا" اور اذان دو" ابو محذورہ رضؓ کا بیان ہے کہ ان ایام میں میرے لیے اسلام اور داعیٔ اسلام صلعم سے بڑھ کر قابلِ نفرت کوئی چیز نہ تھی۔ آپ نے اذان کا حکم دیا تو مجھ پر سخت شاق گزرا۔ میں با دلِ ناخواستہ آپ کے سامنے کھڑا ہوا۔ آپ بذاتِ خود مجھے اذان کے کلمے بتاتے گئے۔ میں نے اذان دی۔ جب فارغ ہوا تو مجھے اپنے پاس بُلا کر بٹھا لیا اور اپنا دستِ شفقت میری پیشانی پر رکھا۔ پھر دستِ مبارک میرے سینے پر پھیر کر فرمایا "خدا تمھیں برکت دے اور تم پر رحمت نازل فرمائے۔" آپ کا یہ کہنا تھا کہ میرے دل میں نورِ ایمان پرتو افگن ہُوا۔ حضور کی طرف سے جس قدر غبارِ کینہ میرے آئینہ دل پر تھا، وہ معاً دھل گیا اور آپ کی محبت و شیفتگی نے اس کی جگہ لے لی۔"

جب ابو محذورہ رضؓ پر یہ حالت طاری ہوئی تو معاً کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوئے۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد عرض پیرا ہوئے: "یا رسول اللہ! آپ مجھے مکۂ معظمہ کا مؤذن مقرر فرما دیجیے۔" آپ نے درخواست قبول فرما کر انھیں مکہ مکرمہ بھیج دیا۔ یہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس وقت آپ کی طرف سے حضرت عتاب بن اُسید صحابی رضؓ مکہ کے حاکم تھے۔ (ابن ماجہ)

قبیلۂ بنی سُلیم حلقۂ اسلام میں

اثر انگیزیٔ کلام کا ایک واقعہ قبیلۂ بنی سُلیم کا مشرف بہ ایمان ہونا ہے۔ اس قبیلے کے ایک رئیس قیس بن نُسیبہ پیغمبرِ خدا صلعم کے دعوائے نبوت کا شہرہ سُن کر مدینہ منورہ آئے اور کاشانۂ اقدس میں حاضر ہو کر آپ کا کلام سُنا۔ پھر کفر اور شرک کے متعلق چند استفسار کیے۔ خود توحیدِ الٰہی کے منادِ اعظم صلعم کی زبانِ مبارک سے ان کے جوابات سُن کر اسلام کے گرویدہ ہو گئے اور اسی مجلس میں آپ کی غلامی کا طوق گلے میں ڈال لیا۔ قیس کفر و ثنویت کی قید سے چھٹکارا پا کر اپنے قبیلے میں واپس گئے اور عمائدِ قوم کو جمع کر کے کہنے لگے:

"میں یثرب سے آ رہا ہوں۔ میں رومیوں اور فارسیوں کا کلام سُن چکا ہوں۔ میں نے عرب کے اشعار بھی سنے ہیں، کاہنوں کی کہانت سے بھی باخبر ہوں اور مجھے حمیریوں کے اقوال

وضرب الامثال پر بھی عبور ہے، لیکن میں نے محمدؐ کی زبان مبارک سے جو باتیں سُنی ہیں، وہ تو دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہیں اور صنم پرستی پر ان کی کوئی نظیر نہیں۔ پس میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ محمدؐ یقیناً خدا کے سچے رسُول ہیں۔ اس لیے میری بات مانو اور میری طرح تم بھی دینِ اسلام کے حلقہ بگوش ہو جاؤ۔" چنانچہ بہت سے لوگ بُت پرستی سے تائب ہو کر علمِ توحید کے نیچے آ گئے۔

بنی سُلیم کے مذہبی پیشوا غاوی بن عبد العزّیٰ کو اپنی بُت پرستی پر بڑا ناز تھا اور وہی اشاعت اسلام کی راہ میں سدِّ سکندری بنے ہوئے تھے، لیکن چند روز کے بعد انھیں ایک ایسا دلچسپ کرشمہ نظر آیا جس نے انھیں بُت پرستی سے متنفر کر دیا۔ انھوں نے دیکھا کہ دو لومڑیاں بنی سُلیم کے بُت پر، جس کی وہ پُوجا کرتے اور کراتے تھے، مُوت رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر معاً یہ شعر موزوں ہو کر ان کی زبان پر جاری ہو گیا۔

اربٌّ یبول الثعلبان برأسہ	کیا وہ چیز معبود بننے کے قابل
لقد ذل	ہے جس کے سر پر لومڑیاں مُوت
من بالت علیہ	رہی ہوں؟ بلاشبہ وہ ذلیل ہو
الثعالب۔	گیا، جس پر لومڑیوں نے پیشاب کیا۔

غرض غاوی اپنے معبودِ باطل کو توڑ کر بصد اشتیاق حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے ۔۔۔ اور اسلام کی صیقل ہدایت نے ان کے زنگِ وثنیت کو بالکل صاف کر دیا۔

عربی زبان میں غاوی گم کردہ راہ کو کہتے ہیں۔ اور عبد العزّیٰ بھی مُشرکانہ نام ہے، اس لیے آپ نے ان کا اور ان کے والد کا نام بدل دیا اور فرمایا کہ آئندہ تم راشد بن عبد ربہ ہو۔ راشد اور قیس کی تبلیغی جدوجہد نے سارے قبیلہ بنی سُلیم رضؓ کو اسلام کی طرف مائل کر دیا۔ چنانچہ فتح مکہ کے سال بنی سُلیم کے ہزار جوان عازم مدینہ ہوئے اور قُدَیہ کے مقام پر مخدومِ عالم وعالمیان صلعم سے مُلاقات کر کے سرچشمۂ ہدایت سے سیراب ہوئے، مشرّف بہ اسلام ہونے کے بعد یہ لوگ عرض پیرا ہوئے، یا رسُول اللہ! ہمیں اپنے لشکر کا مقدمۃ الجیش بنا دیجیے اور ہمارا جھنڈا سرخ تجویز فرما دیجیے۔ آپ نے

اس درخواست کو شرفِ قبول بخشا۔ یہ لوگ فتح مکہ میں شریک تھے۔ طائف اور حُنین کے معرکوں میں ان کی تلوار پوری طرح بے نیام رہی۔ اس قبیلے میں قیس بن نُسیبہ، عباس بن مرداس، اُنس بن عباس اور راشد بن عبد ربہ ممتاز و سر برآوردہ حضرات تھے۔ (ابن سعد)

نامۂ مبارک کی اثر انگیزی

قیصرِ روم کا وُرودِ بیتُ المقدّس

اثر انگیزی کا ایک مشہور واقعہ قیصرِ رُوم کی تصدیقِ نبوّت ہے جسے آپ کا نامۂ مبارک سُن کر آپ کی رسالت کا یقین ہو گیا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال حُدیبیہ کے مقام پر دس سال کے لیے پیغمبرِ اسلام صلعم نے قریش سے معاہدہ کر لیا تھا جب آپ کو اس معاہدے کی بدولت اعدائے دین کی حشر انگیزیوں اور شورش پسندیوں کی طرف سے کسی قدر اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوا تو آپ نے قیصرِ رُوم، شاہِ ایران، عزیزِ مصر، شاہِ حبشہ، رؤسائے یمامہ، رؤسائے شام وغیرہم کے نام دعوتی مکتوب ارسال فرمائے۔ قیصرِ رُوم کے نام جو خط بھیجا گیا، اُسے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔ ان دنوں قیصرِ رُوم اس خوشی میں کہ رُوم کو ایران پر فتح نصیب ہوئی تھی، خاص مسجدِ اقصیٰ میں نمازِ شکرانہ ادا کرنے کے لیے اپنے پایۂ تخت قسطنطنیہ سے بیت المقدّس آیا ہوا تھا۔ تمام بڑے بڑے بطارِق اور اعیانِ روم ساتھ تھے۔

قیصر کا وحشت ناک خواب

ہرقل خود کاہن تھا اور علمِ نجوم میں مہارت رکھتا تھا۔ ایک دن صبح کے وقت مصاحبوں نے اسے سخت محزون اور افسردہ پایا۔ بطارقہ کہنے لگے: "جہاں پناہ! کیا وجہ ہے کہ آج ہم حضور کے دشمنوں کو مغموم پاتے ہیں؟" قیصر نے کہا: "آج رات جب میں نے ستاروں میں نظر کی تو دیکھا کہ مختونوں کا بادشاہ مجھ پر غلبہ پا کر میری قلمرو پر قابض ہو گیا ہے۔" اس کے بعد کہنے لگا: "ذرا یہ معلوم کرو کہ عہدِ حاضر میں کس قوم میں ختنے

کا رواج ہے، بطلاقی غرض پیدا ہوئے: "یہود کے سوا کوئی ختنہ نہیں کرتا اور چونکہ یہود حضور کے دستِ قدرت میں ہیں، آپ انھیں تہس نہس کر کے بہ سہولت اس خرخشے سے نجات پا سکتے ہیں۔" مگر یہ لوگ اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ ختنہ یہود کی طرح مسلمانوں کا بھی مذہبی شعار ہے۔

قاصد کا بیتُ المقدس پہنچنا

ان ایام میں سرزمین شام کے اندر قیصر کی طرف سے جو بادشاہ برسرِ حکومت تھا، اسے حارث غسانی کہتے تھے اور اس کا پایۂ تخت حوران تھا، جسے ان ایام میں بُصریٰ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ یہ شہر حجاز اور شام کے درمیان آباد تھا۔ حضرت دِحیہ کلبی آنحضرتؐ کا نامۂ مبارک لے کر اس غرض سے شاہ حارث غسانی کے پاس حوران پہنچے کہ وہ قیصر کے پاس بیتُ المقدس بھجوا دے۔ حارث نے خود حضرت دحیہ کلبی رضؓ کو اپنے ایک خاص قاصد کے ہمراہ بیتُ المقدس بھجوا دیا۔

جس وقت بطارقۂ روم بیت المقدس میں قیصر ہرقل کو اس کے خواب کے متعلق مشورے دے رہے تھے، حارث غسانی کا قاصد سیّد کون و مکان حضرت احمد مجتبیٰؐ کا نامۂ مبارک لے کر قیصر کی خدمت میں باریاب ہوا اور حضرت دحیہ کلبی رضؓ کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا: "جہاں پناہ! یہ شخص بھیڑ، بکریاں اور اونٹ چرانے والی عربی قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے اپنی سرزمین کی نسبت ایک عجیب خبر سنائی ہے۔ کہتا ہے کہ ہمارے ملک میں ایک صاحب نے نبوّت کا دعوٰی کیا ہے اور بہت لوگ اس کے پیرو ہو گئے ہیں۔ یہ اس مدعیٔ نبوّت کی طرف سے جہاں پناہ کے نام ایک خط بھی لایا ہے۔ خط حاضر ہے۔" (ابن جریر طبری)

خط کا مضمون

قیصر نے وہ خط لے کر پڑھوایا تو اس میں لکھا تھا: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط خدا کے بندے اور اس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ہرقل کے نام ہے جو روم کا بڑا سردار ہے۔ ایسے شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اس کے بعد میں تجھے اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ اگر تو اسلام لائے تو سلامت رہے گا اور

خدا تجھے دو چند اجر دے گا اور اگر اعراض کیا تو سارے ملک (کی گمراہی) کا گناہ تیرے سر پہ ہوگا۔ اے اہلِ کتاب! ایک ایسے امر (توحید) کی طرف رجوع کرو جو ہم میں اور تم میں یکساں (اور مشترک) ہے وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، کسی کو (ذات وصفات خداوندی میں) اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ سمجھیں اور اگر تم لوگ اس حقیقت سے اعراض کرو تو ہم تو (علیٰ وجہ البصیرت) اس (توحید) کو تسلیم کرتے ہیں۔" (بخاری ومسلم)

قیصر پر نامۂ مُبارک کی ہیبت

قیصر نے خط پڑھوایا تو بڑا متاثر ہوا اور اس کی ہیبت سے کانپ اٹھا۔ اسے مضمونِ خط اور طرزِ خطاب سے لہ لہ کر یقین ہوتا تھا کہ فرستندہ ضرور خدا کا سچا نبی ہے۔ اس وقت قیصر کا بھتیجا بھی وہاں بیٹھا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ قیصر مراسلہ پڑھ کر بڑے گہرے سوچ میں پڑ گیا ہے تو اسے لے کر پڑھا اور غضب آلود ہو کر کہنے لگا: "چچا یہ مراسلہ مجھے دے دیجیے۔" قیصر نے کہا: "تو لے کر کیا کرے گا؟" اس نے کہا: "یہ تلف کر دینے کے قابل ہے کیونکہ اس میں ابتدا آپ کے نام سے نہیں کی بلکہ اپنے نام سے کی ہے۔ پھر آپ کو قیصر یا شہنشاہ کے بجائے رُوم کا بڑا سردار لکھا ہے۔" قیصر نے کہا: "تو بے وقوف ہے، چاہتا ہے کہ میں اس بزرگ ہستی کے مراسلے کی بے توقیری کر دوں، جس کے پاس ناموس لے کر (جبریل) آتا ہے۔ اگر وہ خدا کے فرستادہ ہیں تو انھیں اسی طرح لکھنا چاہیے تھا۔" (کسی دوسرے کو اس کی کہاں جرأت ہو سکتی ہے کہ صاحبِ تاج و تخت کو ایسا خطاب کرے)۔

پیغمبر عربی ﷺ کے متعلق نجومی دوست سے استصواب

اس کے بعد حضرت دحیہ رضؓ کو بڑے اعزاز و اکرام سے ٹھہرایا اور اعیان دولت کو حکم دیا کہ وہ کسی وقت قاصد کو تخلیہ میں لے جا کر دیکھیں کہ وہ مختون ہے یا نہیں؟ وہ لوگ حضرت دحیہ رضؓ کو ساتھ لے گئے اور جبراً و قہراً ان کی برہنگی دیکھ کر قیصر کے پاس آئے اور بیان کیا کہ وہ ختنہ کیے ہوئے ہیں۔ قیصر نے حضرت دحیہ رضؓ سے پوچھا

کہ اہلِ حرب مختون ہیں؟ انھوں نے کہا، ہاں، ختنہ کرتے ہیں۔ قیصر نے کہا کہ مختونوں کا بادشاہ وہ نبی ہے جس کی طرف سے میرے پاس مکتوب آیا ہے۔ اس کے بعد قیصر نے روم میں اپنے ایک دوست کو، جو علم نجوم میں اس کا ہم پایہ تھا، لکھ بھیجا کہ حجاز میں ایک مدعیِ نبوت ظاہر ہوا ہے جس نے مجھے اپنے دین کی دعوت دی ہے۔ اس کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟ اس دوست نے جواب میں لکھا کہ وہ صاحب واقعی خدا کے سچے پیغمبر ہیں۔

ابوسفیان کی طلبی

اب قیصر نے عمالِ حکومت سے دریافت کیا کہ کیا مدعیِ نبوت کی قوم کا کوئی آدمی مل سکتا ہے؟ سرکاری عہدہ داروں نے کہا، ہاں امید ہے کہ تلاش کرنے سے مل جائے گا۔ اتفاق سے انھیں ایام میں مشہور دشمنِ اسلام ابوسفیان بن حرب اور قریشِ مکہ کے چند دوسرے آدمی تجارت کی غرض سے شام گئے ہوئے تھے اور غزہ میں مقیم تھے۔ سرکاری پیادے خبر پاکر غزہ پہنچے اور ابوسفیان بن حرب اور دوسرے رؤسائے قریش سے پوچھنے لگے: "کیا تم اس شخص کو جانتے ہو جس نے حجاز میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟" ابوسفیان بن حرب نے کہا: "مدعیِ نبوت میرا قریبی رشتہ دار ہے۔" (سرورِ عالم ؐ کا پردادا ہاشم اور ابوسفیان کا پردادا عبدِ شمس دونوں حقیقی بھائی عبدِ مناف کے بیٹے تھے) کہنے لگے: "تم لوگ ہمارے ساتھ شہنشاہ کے پاس چلو۔ جہاں پناہ کو تم سے اس مدعیِ نبوت کے حالات دریافت کرنے ہیں۔" ابوسفیان اور ان کے رفقاءِ سفر بیت المقدس پہنچے۔

قیصری دربار

اب قیصر نے دربار منعقد کیا۔ بطارقہ، قسیس اور رہبان بھی بلائے گئے۔ قیصر نے ترجمان کی وساطت سے ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں سے خطاب کرکے کہا "تم میں بہ اعتبار نسب اس شخص سے زیادہ قریب کون ہے جو اپنے آپ کو پیغمبر کہتا ہے؟" یہ سوال اس خیال پر مبنی تھا کہ جو نسب میں زیادہ قریب ہوگا وہ دوسروں کی نسبت حالات سے زیادہ واقف ہوگا۔ ابوسفیان رضؓ کو قیصر کے سامنے سب سے آگے اور ساتھیوں کو ان کے پیچھے بٹھایا گیا۔ اس کے بعد قیصر نے

Marfat.com

ترجمان سے کہا: "ان لوگوں کو تاکید کر دو کہ میں اس شخص (ابوسفیان) سے مدعیِ نبوت کا حال دریافت کروں گا۔ اگر یہ جھوٹ بولے تو وہ اس کا جھوٹ ظاہر کر دیں۔"

ابوسفیان کا بیان ہے: "خدا کی قسم اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ میرے رفقاء میری کذب بیانی کو آشکارا کر دیں گے اور میری رسوائی ہوگی تو وہ جذبۂ عناد، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میرے نہاں خانۂ دل میں موجزن تھا، مجھے راست بیانی کی اجازت کبھی نہ دیتا اور میرے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکلتی جس میں محمد (صلعم) کی تعریف کا پہلو نکل سکتا ہو۔"

قیصرِ روم اور ابوسفیان کا مکالمہ

اس کے بعد حسب ذیل گفتگو ہوئی:

قیصر۔ مدعیِ نبوت خاندان کے لحاظ سے کیسے ہیں؟

ابوسفیان۔ وہ ہم میں نہایت عالی نسب ہیں

قیصر۔ کیا ان کے خاندان میں کسی اور شخص نے بھی کبھی نبوت کا دعویٰ کیا؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر۔ ان کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر۔ ان کے پیرو کون لوگ ہیں؟ امراء یا ضعفا؟

ابوسفیان۔ عموماً غریب اور کمزور لوگ ہیں۔

قیصر۔ ان کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟

ابوسفیان۔ بڑھتے جاتے ہیں۔

قیصر۔ کیا ان کے پیرووں میں سے کوئی شخص ان کے دین کو برا جان کر ان سے منحرف بھی ہوا ہے یا نہیں؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر۔ کیا انھوں نے کبھی وعدہ کر کے اس کی خلاف ورزی کی؟

Marfat.com

ابوسفیان - آج تک تو نہیں کی۔ ہم سے اس سے دس سال کا معاہدہ (عہد نامۂ حدیبیہ) ہوا ہے۔ سو آئندہ چل کر معلوم ہوگا کہ وہ اس کی پابندی کرتا ہے یا نہیں؟

قیصر - کیا ان سے کبھی کوئی دشمن جنگ آزما ہوا؟

ابوسفیان - ہاں ہم (قریش مکہ) سے جنگیں ہوئیں۔

قیصر - نتیجہ جنگ کیا رہا؟

ابوسفیان - کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ۔

قیصر - ان کی تعلیمات کیا ہیں؟

ابوسفیان - وہ شخص بتوں کی پرستش سے روکتا ہے۔ صرف ایک خدا کی عبادت پر زور دیتا ہے۔ خدا کا شریک بنانے سے منع کرتا ہے۔ نماز پڑھنے، سچ بولنے، حرام سے بچنے، عہد پورا کرنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی اور عفت و عصمت اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہے۔

قیصر کا اظہار اطمینان

ان جوابات پر قیصر پوری طرح مطمئن ہوگیا اور کہنے لگا: "تم نے انھیں شریف النسب بتایا۔ خدا کے نبی ہمیشہ بہترین خاندانوں میں سے منتخب ہوتے رہے ہیں۔ تم نے بتایا کہ ان کے خاندان میں کسی اور شخص نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر اس خاندان میں کوئی اور مدعیٔ نبوت بھی پیدا ہوا ہوتا تو میں سمجھتا کہ انھیں اپنے باپ دادا کا ملک حاصل کرنے کے لیے بادشاہی کی ہوس پیدا ہوئی ہے۔ تم نے بیان کیا کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص مخلوق سے جھوٹ نہیں بولتا، وہ خالق پر بھی کبھی افتراء نہ باندھے گا۔ تم نے بتایا کہ غرباء و ضعفاء نے ان کی پیروی کی ہے سو انبیاء کے پیرو شروع میں غریب لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ تم کہتے ہو کہ ان کا مذہب ترقی پذیر ہے۔ سو سچے مذہب کا یہی خاصہ ہے کہ ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے۔"

اس کے بعد قیصر بولا: "اور میں نے تم سے دریافت کیا کہ ان کا دین قبول کرنے کے بعد لوگ ان کے دین کو برا جان کر ان سے برگشتہ ہوتے ہیں یا نہیں؟ تو تم نے

اس کا نفی میں جواب دیا۔ ایمان و ایقان کا یہی خاصہ ہے کہ جب کوئی قلب اس سے متاثر ہوتا ہے تو اس کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے تم نے تسلیم کیا ہے کہ انھوں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی ۔ وہ وعدہ خلافی نہیں کر سکتے کیونکہ وعدہ خلافی شانِ نبوت کے منافی ہے۔ انبیاء وعدہ کر کے ہمیشہ اس کا ایفا کرتے رہے ہیں۔ تم نے بتایا کہ لڑائی میں کبھی تم غالب آئے اور کبھی وہ۔ سو اسی طرح کچھ عرصے تک پیغمبروں کی آزمائش کی جاتی ہے لیکن انجام کار وہی غالب رہتے ہیں اور ان کے اعداء یا تو پامال ہو جاتے ہیں یا اطاعت و سرافگندگی اختیار کرتے ہیں۔ تم کہتے ہو کہ وہ راست بیانی، ایفاءِ عہد، تقویٰ و طہارت، نیکی، صلہ رحمی، عفت و عفاف، نماز، زکوٰۃ وغیرہ مبرات کی ہدایت کرتے ہیں۔ اگر یہ حالت ہے تو یقین ہے کہ میری مملکت ان کی عنانِ اقتدار میں چلی جائے گی"۔

پرچمِ اسلام کی بشارت

اس کے بعد قیصر کہنے لگا: "مجھے پختہ یقین تھا کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ تمھاری قوم میں پیدا ہوگا۔ اگر میں وہاں تک جا سکتا تو اس کے لیے بڑا اہتمام کرتا اور وہاں پہنچ کر ان کے پاؤں دھوتا اور ان کی خاکِ پا کو آنکھوں کا سرمہ بناتا۔ یقین ہے کہ ان کی حکومت کا جھنڈا اس جگہ لہرائے گا، جہاں ہم سب بیٹھے ہیں"۔ ابوسفیان کا بیان ہے کہ ہم وہاں سے اٹھے لیکن میں دستِ تاسف مل کر کہہ رہا تھا کہ افسوس! ابن ابی کبشہ[ع] کا درجہ یہاں تک بڑھ گیا کہ بنی اصفر (روم) کے بادشاہ شام میں بیٹھے ہوئے اس کی شوکت سے لرز رہے ہیں لیکن اس دن سے مجھے اس امر کا یقین ہو گیا کہ محمد (صلعم) ہم پر بھی غالب آئیں گے۔ (بخاری، مسلم، ابن جریر، طبری)

اُسقفِ اعظم کو اسلام کی دعوت

اس کے بعد قیصر ہرقل نے حضرت دحیہ رضہ سے کہا: "واللہ! میں اس بات کا یقین رکھتا ہوں کہ تمھارا صاحب نبیِ مرسل ہے۔ وہ وہی برگزیدۂ خلق ہے جس کا ہم انتظار کر رہے تھے اور کتابِ مقدس میں ان کا تذکرہ پڑھا کرتے تھے۔ اگر مجھے اپنی قوم کی طرف سے جان کا خطرہ

ع مکہ کے دشمنانِ اسلام حضور سید المرسلین صلعم کو از راہِ توہین ابن ابی کبشہ کہا کرتے تھے۔

نہ ہوتا تو ضرور ان کا اتباع کرتا۔ لیکن تم ایک کام کرو یہاں عیسائی مذہب کا صدر الصدور بھی موجود ہے، جسے ہم اسقفِ اعظم کہتے ہیں، اطراف واکنافِ ملک میں اس کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ اس کے پاس جاکر اپنے پیغمبر کے مبعوث ہونے کی اطلاع دو اور قبولِ اسلام کی تحریک کرو۔ ''دحیہ رضؓ اسقفِ اعظم کے پاس گئے اور یہ ظاہر کرکے کہ عرب میں نبی آخر الزماں حضرت احمد مجتبیٰ صلعم مبعوث ہوئے ہیں، قبولِ اسلام کی تحریک کی۔

اُسقف کی تصدیقِ نبوت

اُسقفِ اعظم بہت دنوں سے دنیا کے آخری نبی کا ذکرِ خیر سن رہا تھا۔ آپ کے حالات دریافت کرنے لگا۔ اس کے بعد بولا: ''تمہارے آقا حضرت احمد نبی (صلعم) بلاشک و شبہ نبی مرسل ہیں۔ ہم انھیں ان کی صفتوں سے پہچانتے اور اپنی مذہبی کتابوں میں ان کا نام نامی پاتے ہیں'' معلوم ہوتا ہے کہ اُسقفِ اعظم حضورؐ کی رسالت پر پہلے سے ایمان لا چکا تھا مگر مخالفت کے خوف سے خاموش تھا لیکن اب دحیہ رضؓ کی تحریک سے فیصلہ کر لیا کہ اپنے اسلام کا اعلان کرکے قوم کو دینِ حنیف کی دعوت دے۔ چنانچہ اسی وقت سیاہ کپڑے اُتار کر سفید لباس پہنا اور عصا ہاتھ میں لے کر بیت المقدس کے کنیسہ میں پہنچا اور کہنے لگا: ''اے گروہِ رُوم! ہمارے پاس احمد نبی (صلعم) کی طرف سے ایک خط آیا ہے جس میں آپ ہمیں اللہ عزوجل کی طرف بلاتے ہیں۔ پس میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی ذات قابلِ عبادت نہیں اور احمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''

اُسقف کی شہادت

جونہی یہ الفاظ اُسقف کی زبان سے نکلے، کنیسہ میں کھلبلی مچ گئی۔ لوگ چاروں طرف سے امنڈ آئے۔ . . . آوازیں بلند ہونے لگیں کہ مارو مارو مرتد ہو گیا ہے، دینِ حق سے پھر گیا ہے۔ اپنے ساتھ لوگوں کو بھی تباہ کرے گا۔ عامۃ الناس پل پڑے اور اتنا مارا کہ جان لے کر پیچھا چھوڑا۔

بجرمِ عشقِ توام می کُشند غوغا ئیست ۔۔۔ تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشا ئیست

Marfat.com

جب عقل کے اندھے اپنے مذہبی پیشوا کو جام شہادت پلا کر روضۂ رضوان میں بھیج چکے تو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ بارگاہ قیصری میں از سر نو تشریف فرما ہوئے۔ قیصر کہنے لگا: "غور فرمائیے کہ اسقف اعظم سے جو سلوک روا رکھا گیا، وہ ان لوگوں کے ہاتھ سے ہوا جو اس کے پیرو اور انتہا درجے کے معتقد تھے اور ملک میں مجھ سے زیادہ اس کی قدر و منزلت تھی۔"

قوم کو مشرف بہ اسلام ہونے کی ترغیب

قیصر کو یقین تھا کہ اگر وہ نبی آخر الزمان پر ایمان لایا تو قوم مخالف ہو جائے گی۔ اور وہ تخت شاہی سے علیحدہ کر دیا جائے گا، اس لیے اس کی یہ عزیز خواہش تھی کہ کسی طرح قوم بھی حلقۂ اسلام میں داخل ہو تاکہ تاج و تخت پر بھی آنچ نہ آئے اور دولت ایمان بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ لہٰذا اس نے ارادہ کیا کہ اعیان دولت کو بھی ہموار کرنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ جس روز قیصر بیت المقدس سے قسطنطنیہ واپس جانے لگا، شاہی عمائد و اعیان کو محل سرائے میں طلب کیا اور محل کے تمام دروازے مقفل کرا دیے۔ پھر ان سے کہنے لگا: "اے عمائد روم! میں تمہارے سامنے ایک تجویز پیش کر کے تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ جس شخص نے عرب میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے، وہ درحقیقت خدا کا سچا مرسل ہے؟ ہم اپنی کتابوں میں اس کا ذکر پاتے ہیں اور ان اوصاف و خصائص سے پہچانتے ہیں، جو ہماری مذہبی کتابوں میں مذکور ہیں۔ پس آؤ ہم سب مل کر اس کی پیروی کریں تاکہ دنیا اور آخرت کی فلاح پائیں۔" ارکان و اعیان روم کہنے لگے: "اگر ہم پیغمبر عربی (صلعم) پر ایمان لائیں تو ہمیں اہل عرب کے سامنے جھکنا پڑے گا حالانکہ ہم سلطنت و مملکت میں ان پر بہت فائق ہیں اور جمعیت کے لحاظ سے ان سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔" قیصر نے کہا: "اچھا، اگر تمہاری رائے ہو تو کچھ سالانہ رقم انھیں دے دیا کریں۔" اعیان دولت کہنے لگے: "اس کے تو یہ معنی ہوں گے کہ ہم ان کے ماتحت اور باج گزار ہیں۔" قیصر بولا: "اچھا، سوریہ کی سرزمین (فلسطین، اردن، دمشق اور حمص کا علاقہ) انھیں دے دیں۔" انھوں نے کہا: "واللہ!

یہ بھی کبھی نہ ہوگا کیونکہ سُوریہ تو شام کی ناف ہے۔

قوم کو انتباہ قیصر نے کہا: "اگر سعادتِ ابدی اور فلاحِ سرمدی چاہتے ہو اور تمہیں سلطنتِ رُوم کے قیام و دوام کی خواہش ہے تو اس پیغمبر پر ایمان لاؤ ورنہ یاد رکھو کہ اس پیغمبر کے پیرو، جیسا کہ میں خواب میں دیکھ چکا ہوں، رُوم کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔" یہ سُن کر عمائدِ رُوم سخت برانگیختہ ہوئے اور گورخروں کی طرح بدک کر دروازے کی طرف بھاگے۔ لیکن کواڑ بند تھے، باہر نکلنے پر قدرت نہ پائی۔

قیصر کا روئے سخن بدلنا جب قیصر نے دیکھا کہ یہ حرمان نصیب عرب اور داعی اسلام ....کے نام سے وحشت زدہ ہیں تو ان کے عناد وعداوت سے بچنے کے لیے جھٹ روئے سخن بدلا اور انھیں واپس بلا کر کہنے لگا: "شاباش! اعیانِ قوم شاباش! اب مجھے تمہاری طرف سے کامل اطمینان ہو گیا کہ تم میری وفادار رعیت ہو۔ میں نے وہ سب باتیں تمہارے ایمان اور یقین کی آزمائش کے لیے کہی تھیں۔ موجودہ عقائدِ حقّہ کو کبھی ہاتھ سے نہ دینا۔" یہ سُن کر ان کی وحشت سکون میں تبدیل ہوئی اور سب نے واپس آکر بادشاہ کو سجدہ کیا۔ (تاریخ ابن جریر طبری)

اسلام قبول کرنے والے فرمانروا قیصرِ رُوم پر حضرت سیّدِ موجودات صلعم کی نبوّت کی حقیقت منکشف ہو چکی تھی، لیکن وہ اپنی قوم کے خوف سے حلقۂ اسلام میں داخل نہ ہوا۔ اس حرمان نصیب نے تاج و تخت کی چند روزہ دل آویزی کو آخرت کی ابدی مسرّتوں پر قربان کر دیا اور ساری قوم کی گمراہی کا وبال اپنے سر لے کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کے تقریباً تمام ایشیائی مقبوضات اسلام کے علمِ اقبال کے نیچے آگئے۔ شاہِ ایران نے بڑی برافروختگی سے آپ کا نامۂ مبارک چاک کر دیا تھا اور آپ نے سُن کر فرمایا تھا کہ جس طرح اس نے میرا خط چاک کیا ہے، اسی طرح خدا اس کی سلطنت کو چاک کرے گا۔ چنانچہ ساری ایرانی قلمرو پارہ پارہ ہو کر حضرت عمر فاروق رضؓ اور حضرت ذوالنورین رضؓ کی خلافتوں میں اسلامی

اقتدار کے تحت آگئی۔

قیصر اور کسریٰ تو ایمان کی نعمتِ جاوید سے محروم رہے البتہ حبشہ یعنی ابی سینیا اور یمن اور عمان کے فرمانروا دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ شاہِ مصر نے، جس کا نام مقوقس تھا، آپ کے مکتوبِ گرامی کے جواب میں لکھا: "آپ کا دین نہایت مبارک دین ہے کہ آپ لوگوں کو توحیدِ الٰہی کی دعوت دیتے اور انھیں بت پرستی سے روکتے ہیں۔ جناب مسیح علیہ السلام کے بعد ایک پیغمبر ظاہر ہونے والے تھے لیکن میرا گمان تھا کہ وہ کسی اور جگہ مبعوث ہوں گے۔" بادشاہ نے اس نیاز نامے کے ساتھ کچھ سونا اور دُلدل نام ایک خچر اور ایک لونڈی بھی روانہ کی۔

تینتیسواں باب

شجاعت

جبّار اور غالب اللہ تعالیٰ کے دو صفاتی نام ہیں۔ جب بندے کے دل پر ان دو صفتوں کا عکس پڑتا ہے تو اس سے شجاعت کے کام ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

شجاعت کا محلِ استعمال

اسلام کے سوا دُنیا بھر میں کوئی مذہب ایسا نہیں، جو اپنے پیروؤں میں شجاعت کا کمال پیدا کرنے کی سعی و جہد کرتا ہو اسلام سے پیشتر اہلِ عالم ظلم وجور اور سفاکی کو قوتِ شجاعت کا نتیجہ قرار دے کر اسے نیست و نابود کر دینے کے خواہاں تھے لیکن رسول اللہ صلعم کے درس و ارشاد نے اس حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھائی کہ قوت بذاتِ خود مذموم نہیں، بلکہ اس کا محل صرف مذموم ہوتا ہے۔ لہٰذا حضور صلعم کی تعلیم و تلقین نے شجاعت کو محمود قرار دیا اور اس کے لیے مناسب موقعے مقرر کر کے بتایا کہ اسے حق کی تائید وحمایت اور باطل کی شکست و ہلاکت کے لیے استعمال کرنا چاہیئے کیونکہ نیک آدمی اسی قوت کے بل بوتے پر جبر و تشدد کا انسداد اور باطل قوتوں کا شجاعانہ مقابلہ کر سکتے ہیں، چنانچہ جہاد کی کامیابی میں یہی روحِ شجاعت کارفرما ہے۔

سختیوں اور مصیبتوں کا دلیرانہ مقابلہ کرنے اور جنگوں میں دادِ شجاعت دینے والے مسلمانوں کی تعریف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

والصّابرین فی البأساء	اور جو سختی اور تکلیف اور لڑائی
والضّرّاء وحین البأس	کے وقت ثابت قدم رہیں، وہی
اولٰئک الّذین صدقوا	لوگ ہیں جو سچّے ہوئے اور وہی
و اولٰئک هم	پرہیزگار ہیں۔
المتّقون۔	(بقرہ - ۲۲)

اس سے ظاہر ہے کہ جنگ میں ثابت قدمی اور بہادری کے جوہر دکھانا کس طرح راست بازی اور اتقاء کی طرف انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔

شجاعت کی خدائی تعلیم

ایک اور موقع پر قوی و عزیز خدا کی طرف سے مومنوں کو شجاعت کی علانیہ تعلیم یوں ملتی ہے۔

یاایہا الذین امنوا	اے ایمان والو! جب تم کافروں
اذا لقیتم الذین	سے میدانِ جنگ میں مقابل ہو تو
کفروا زحفا فلا	انھیں پیٹھ مت دو۔
تولوھم الادبار۔	(انفال - ۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ دشمن سے مقابلے کے وقت مومنین پیٹھ پھیر کر بزدلی کا اظہار نہ کریں بلکہ معرکۂ کارزار میں شجاعت و مردانگی سے چٹان بن کر جمے رہیں۔ خدائے تعالیٰ کا مسلمانوں کو "ایمان والے" کہہ کر خطاب کرنا اس رمز کی چہرہ کشائی کرتا ہے کہ "ایمان" ہی شجاعتِ مومنین کی روح ہے کیونکہ ارشادِ باری ہے، جو نامرد مسلمان اس روز بزدلی سے غنیم کو پیٹھ دکھائے گا، وہ غضبِ الٰہی کا مستوجب ہوگا:

ومن یولھم یومئذ	اور جو انھیں اس روز پیٹھ دے گا،
دبرہ الا متحرفا	لیکن یہ جنگ کا کوئی پیچ کرتا ہو
لقتال او متحیزا الی	یا کسی مسلمان دستے سے جا ملتا
فئۃ فقد باء بغضب	ہو تو وہ اللہ کا غضب لے پھرا اور
من اللہ وماواہ	اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ
جہنم و بئس	کتنا برا ٹھکانا ہے۔
المصیر۔	(انفال - ۲)

اس سلبی تعلیم کے بعد ہی ایجابی حکم یوں ملتا ہے:

یاایہا الذین امنوا	اے ایمان والو! جب تم کسی دستے

Marfat.com

اذا لقیتم فئۃً سے مقابل ہو تو ثابت قدم

فاثبتوا۔ رہو۔ (انفال - ۶)

مسلمانوں کی تعریف میں ارشاد ہوتا ہے:

اشدّاء علی الکفّار وہ کافروں پر زور آور ہیں۔

(فتح - ۴)

اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو حق اور بالخصوص مخالفین اسلام کے مقابلے میں قوی و زبردست ہونا لازم ہے۔

اسلحہ سے لیس رہنے کا فرمانِ الٰہی

ایک اور آیت میں فرمایا:

واعدّوا اور ان کے لیے

لہم ما تم سے جو ہو سکے،

استطعتم من قوّۃٍ یعنی زور و قوّت اور گھوڑے

ومن رباط الخیل باندھنا تیار رکھو کہ اس سے اللہ

ترہبون بہٖ عدوّکم کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو

واٰخرین من دونہم اور دوسروں کو، جنھیں تم نہیں

لا تعلمونہم ۰ اللہ جانتے، اللہ جانتا ہے، مرعوب

یعلمہم۔ کرو۔ (انفال - ۸)

"قوّت" ایک عام لفظ ہے، جس سے مراد ہے ہر قسم کا جنگی سامان۔ غرض اس آیت میں خدا نے مسلمانوں کو تلقین فرمائی ہے کہ اپنے آپ میں مبارزانہ جوہر پیدا کرو، ہر قسم کے اسلحہ سے لیس رہو اور ان کے طریقِ استعمال میں مہارت پیدا کرو تاکہ دشمنانِ حق تمھاری تیاری سے مرعوب و خائف رہیں اور معاہدہ شکنی کا تصور بھی نہ کر سکیں۔

کمزوری و بزدلی کی مذمّت

برعکس اس کے کمزوری و بزدلی کی مذمّت کی گئی ہے۔ چنانچہ تاریخِ اسلام کی سب سے پہلی

جنگ غزوۂ بدر میں بعض مسلمانوں پر گھبراہٹ طاری ہو رہی تھی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

کانما یساقون	جیسے وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے
الی الموت وھم	ہیں اور وہ دیکھ رہے
ینظرون۔	رہیں۔ (انفال ۱۰)

منافقوں کی دلی کمزوری کی یہ تصویر دیکھیے:

فاذا جاء الخوف	جب ڈر کا وقت آئے تو تو انھیں
رایتھم ینظرون	دیکھے کہ تیری طرف تکر تکر دیکھتے
الیک تدور اعینھم	ہیں۔ اُن کی آنکھیں گردش کھاتی
کالذی یغشیٰ علیه	ہیں، جیسے کسی پر موت کی غشی آجائے
من الموت۔	(احزاب ۲)

ان کی کمزوریٔ دل کے اس نقشے پر بھی نظر ڈالیے:

فاذا انزلت سورۃٌ	جب اتری کوئی ثابت سُورت
محکمة و ذکر فیھا	اور مذکور ہو اس میں لڑائی تو تُو
القتال رایت الذین	انھیں، جن کے دلوں میں روگ
فی قلوبھم مرضٌ	ہے، دیکھے گا کہ تیری طرف
ینظرون الیک نظر	تکتے ہیں ٹکٹکی لگائے، اُس جس
المغشیّ علیه من	پر موت کی بے ہوشی ہے اسو
الموت فاولیٰ لھم۔	خرابی ہو ان کی۔

(محمد - ۳)

منافقوں کی بے ہمتی | ایک اور آیت میں یہ کیفیت بیان کی گئی:

واذا رایتھم تعجبک	اور جب تُو انھیں دیکھے تو ان
اجسامھم وان یقولوا	کے جسم اچھے معلوم ہوں اور اگر

تسمع لقولھم کانھم | بولیں تو تُو ان کی بات سُنے،
خشب مسندۃ ط یحسبون | جیسے ٹیک سے کھڑی کی ہوئی
کل صیحۃ علیھم ط | لکڑیاں ہیں۔ جو کوئی تیجنے،
(منافقون ۱۔) | سمجھیں ہمیں پر کوئی آفت آئی۔

اس سے یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ شجاعت و دلیری جسم کی موٹائی سے نہیں بلکہ دل کی قوت سے ہے۔ جس سے منافق یکسر تہی دامن ہیں اور انھیں ٹیک لگا کر ... کھڑے کیے ہوئے لٹھے اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ ان کی بنیادیں مستحکم نہیں، اس لیے وہ معمولی سا بھی ٹھو کا دینے سے اڑا اڑا کے گر جاتے ہیں۔

اسلام کی تعلیم شجاعت اسلام اپنے حلقہ بگوشوں کو جس قسم کے شجاع و دلاور بنانا چاہتا ہے، ان میں مادّی و جسمانی مردانگی کے ساتھ ساتھ اساساً روحانی شجاعت و بہادری کے نمایاں خصائص دیکھنے کا خواہاں ہے۔ ان کی بنیاد اس نے چند مضبوط عقیدوں پر رکھی ہے، جو ایمانِ صحیح اور یقینِ محکم کے بدیہی نتائج ہیں:

۱۔ حکم الٰہی کے سوا کسی چیز کا ہونا ممکن نہیں، لہٰذا تعداد کی کمی و بیشی بے معنی ہے۔ صرف خدا کا فضل اور اللہ کی مدد چاہیے۔

۲۔ موت کا ایک وقت معیّن ہے، وہ آجانے پر ٹل نہیں سکتی اور نہ آنے تک کوئی کسی کو ہلاک نہیں کر سکتا۔

۳۔ راہِ خدا میں جان دے دینا زندگی کا سب سے عمدہ مصرف ہے۔ اس خون کی مسلسل چھینٹیں تمام گناہ دھو ڈالتی ہیں۔ جو اس غزا میں مارا نہ جائے، وہ بھی عظیم ثوابوں کا حق دار بن جاتا ہے۔

تعداد کی کمی و بیشی جنگ میں فتح اور شکست فوج کی زیادتی اور کمی پر منحصر نہیں بلکہ اس کا مدار کلیتہً جنگجویوں کی ایمانی و اخلاقی کیفیت پر ہے۔ رزم آرا گنتی میں خواہ کتنے ہی کم ہوں، اگر ان کی رگوں میں

Marfat.com

ایمان و یقین کا خون موجزن ہے تو تائید ایزدی سے حریفوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد بھی ان کے مقابلے کی تاب نہیں لا سکتی۔ اس فلسفے پر قرآن کریم ان لفظوں میں روشنی ڈالتا ہے:

کم مّن فئۃٍ	کتنی ہی مرتبہ چھوٹا دستہ حکم الٰہی
قلیلۃٍ غلبت فئۃً	سے بڑی فوج پر غالب آ گیا
کثیرۃً باذن اللہ	ہے۔

(البقرۃ-۲۴۳)

بدر اور اُحد کے ضمن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ولن تغنی عنکم	اور تمھیں تمھارا جتھا کچھ کام نہ
فئتکم شیئًا و	آئے گا، اگرچہ تعداد میں بہت
لو کثرت وانّ	ہو اور خدا ایمان والوں کے
اللہ مع المؤمنین۔	ساتھ ہے۔

(انفال-۲)

فاذا عزمت فتوکّل	تو جب ارادہ پکا ہو چکا تو خدا
علی اللہ انّ اللہ یحبّ	پر بھروسا کر بے شک خدا توکل
المتوکّلین ہ ان	کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔
ینصرکم اللہ فلا	اگر خدا تمھاری مدد کرے گا تو کوئی
غالب لکم و ان	تم پر غالب نہ ہو گا اور اگر وہ تمھیں
یخذلکم فمن ذالذی	چھوڑ دے گا تو اس کے بعد
ینصرکم مّن بعدہٖ	کون تمھاری مدد کرے گا اور مومنوں
و علی اللہ فلیتوکّل	کو چاہیے کہ خدا ہی پر بھروسا
المؤمنون۔	کریں۔

(آلِ عمران-۱۷)

Marfat.com

فتح و شکست کا مدار خدا ہی کے حکم پر ہے اور مدد وہیں سے آتی ہے:

وما النصر الا من عند الله ان الله عزیز حکیم۔	اور مدد نہیں، مگر خدا ہی کی طرف سے۔ بلا شبہ خدا غالب حکمت والا ہے۔

(انفال - ۱)

ایمان کی طاقت کمی تعداد کو پورا کرتی ہے۔ خدا نے یہ بھید ایک قاعدے کی صورت میں منتقل کر کے مسلمانوں کو بشارت دی۔ فرمایا کہ ایک سچا مسلمان دس حریفوں کے مقابل ہے۔ دس ثابت قدم مسلمان سو پر اور بیس دو سو کی فوج پر غالب آئیں گے:

یا ایها النبی حرض المؤمنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین و ان یکن منکم مائة یغلبوا الفا من الذین کفروا بانهم قوم لا یفقهون۔	اے پیغمبر! مومنوں کو لڑائی کا شوق دلا۔ اگر تم مسلمانوں میں سے بیس صابر۔ ثابت قدم ہوں تو وہ دو سو پر غالب ہوں گے، اور اگر تم میں سے سو ہوں تو ہزار کافروں پر غالب ہوں کیونکہ وہ سمجھ نہیں رکھتے۔

(انفال - ۹)

پھر اس امتحان کی سختی میں قدرے نرمی کرتے ہوئے فرمایا:

فان یکن منکم مائة صابرة یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن الله	تو اگر تم سے سو صابر۔ ثابت رہیں تو دو سو پر غالب ہوں اور اگر تم سے ہزار ہوں تو حکم الٰہی سے دو ہزار پر غالب ہوں اور خدا صابروں

واللّٰہ مع الصّابرین۔ کے ساتھ ہے۔

(انفال-۹)

کافروں پر مسلمانوں کا رُعب

اس تعلیم نے مسلمانوں کی رگ رگ میں بجلیاں بھر دیں ۔۔۔ اور انھیں پختہ یقین ہوگیا کہ ایک مومن جنگ میں دو کافروں پر غالب آجاتا ہے۔ چنانچہ آج ہر سرزمین کا مسلمان اپنے سے دُگنی تعداد خاطر میں نہیں لاتا اور تائیدِ ایزدی پر اعتماد رکھنے کے باعث مسلمانوں کا زبردست رُعب کافروں کے دلوں میں بیٹھا ہوا ہے

سنلقی فی قلوب — ہم کافروں کے دِلوں میں — تمہارا
الذین کفروا الرّعب — رُعب ڈال دیں گے۔

(آلِ عمران-۱۶)

سالقی فی قلوب — میں کافروں کے دلوں میں —
الذین کفروا — تمہارا — رُعب ڈال دوں گا۔
الرّعب

(انفال-۲)

اللّٰہ تعالیٰ نے یہ وعدہ اس صورت میں پُورا کیا کہ دُمی یہود، جو قلعوں اور اسلحہ کے بل بوتے پر ہوا سے باتیں کرتے تھے، انھوں نے مسلمانوں کی تیغ شجاعت کا لوہا مانتے ہوئے جنگ کے بغیر ان کے آگے سرِ اطاعت خم کر دیا:

وقذف فی قلوبہم — اور خدا نے ان کے دلوں میں
الرّعب۔ — رُعب ڈال دیا۔

(احزاب-۳)

وقذف فی قلوبہم — اور خدا نے ان کے دلوں میں
الرّعب۔ — رُعب ڈال دیا۔

(حشر-۱)

یہ حقیقت محتاجِ تشریح نہیں کہ جب تک مسلمانوں کے دل قوتِ ایمانی کے نور

Marfat.com

سے درخشاں ہیں، اللہ تعالیٰ یہ وعدہ ہمیشہ پورا کرتا رہے گا۔

موت کا وقت معین ہے

موت کا خوف تمام انسانی کمزوریوں کی جڑ ہے۔ اس باب میں اسلام نے مسلمانوں کو یہ کہہ کر موت سے بے خوف کر دیا کہ موت کا تو ایک خاص وقت معین ہے۔ وہ اس سے آگے پیچھے کبھی آ ہی نہیں سکتی یہ بلند و پاکیزہ عقیدہ مسلمانوں کی نس نس میں رچ گیا اور وہ موت سے کلیۃً بے خوف و بے پرواہ ہو گئے۔ جنگِ اُحد میں خدا نے مسلمانوں کو یہ عقیدہ اس طرح یاد دلایا:

وما کان لنفس	اور کسی جان کے بس میں نہیں کہ
ان تموت الا باذن	وہ حکمِ الٰہی کے سوا مر سکے۔ لکھا ہوا
اللہ کتبا مؤجلا۔	وقت معین ہے۔

(آلِ عمران ۱۴۵)

غزوۂ احزاب میں منافقوں کے گھبرا جانے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قل لن ینفعکم	اے پیغمبر ان سے کہہ کہ اگر
الفرار ان فررتم	تم موت سے یا مارے جانے
من الموت او القتل	سے بھاگے بھی تو یہ بھاگنا تمہیں
(احزاب ۱۶)	کام نہ آئے گا۔

یہ خیال بالکل غلط ہے کہ اگر ہم شاملِ جنگ نہ ہوتے تو مرنے سے بچ جاتے۔ جن کی تقدیر میں یہاں مرنا لکھا تھا، وہ خود ہی اپنی جگہ پہنچ کر ختم ہو جاتے فرمایا:

قل لو کنتم فی	اے پیغمبر! ان سے کہہ دے
بیوتکم لبرز الذین	کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے
کتب علیھم القتل	تو بھی جن کا مارا جانا لکھا جا چکا
الی مضاجعھم۔	تھا، وہ آپ نکل کر اپنے پڑاؤ پر
(آلِ عمران ۱۶۰)	آجاتے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے کہا کہ تمہارا عقیدہ کافروں جیسا نہیں ہونا چاہیے جو یہ کہتے رہیں:

لو کانوا عندنا	اگر یہ ـ مرنے یا مارے جانے
ما ماتوا وما قتلوا ط	والے ـ ہمارے پاس رہتے تو
لیجعل اللہ ذالک	نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔
حسرۃً فی قلوبہم ط	اور یہ خیال اس لیے ان کے دل میں
واللہ یحیی ویمیت ط	آتا ہے ـ تاکہ اللہ ان کے اس
	خیال کو ان کی دلی حسرت بنائے اور
(آلِ عمران ـ ۱۷)	ـ واقعہ تو یہ ہے کہ ـ اللہ جلاتا
	اور مارتا ہے۔

جب بعض کمزور لوگوں نے کہا کہ اگر یہ شخص جنگ میں شامل نہ ہوتا تو موت کا نشانہ نہ بنتا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

قل فادرءوا عن	اگر تم سچے ہو تو اپنی جانوں
انفسکم الموت	سے موت ہٹا تو لو۔
ان کنتم صدقین۔	(آلِ عمران ـ ۱۷)

کمزور دل مُسلمانوں کی تسلّی

کمزور دل مسلمانوں کے خطرے کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تسلّی یُوں کی گئی:

فلمّا کتب علیہم	پھر جب انھیں لڑائی کا حکم ہوا
القتال اذا فریقٌ	تو اچانک ان میں سے ایک گروہ
مّنہم یخشون	لوگوں سے ایسا ڈرنے لگا،
النّاس کخشیۃ اللہ	جیسے خدا سے ڈر ہو یا اس سے
او اشدّ خشیۃً ط	بھی بڑھ کر اور کہنے لگے کہ اے
وقالوا ربّنا لم	ہمارے پروردگار! تُونے کیوں

Marfat.com

كتب علينا	ہم پر لڑائی فرض کی ؟ کیوں نہ
القتال ۚ لولا	ہمیں تھوڑے دن اور مہلت
اخرتنا الى اجل	دی - اے پیغمبر! - جواب
قريب ط قل متاع	دے کہ دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے
الدنيا قليلٌ والآخرة	اور آخرت پرہیزگار کے لیے
خيرٌ لمن اتقى	بہتر ہے اور تمہارا حق ذرا بھی
ولا تظلمون فتيلا	دبایا نہ جائے گا - جہاں
اين ما تكونوا	تم ہوگے ، موت تمہیں
يدرككم الموت	پالے گی ، اگرچہ تم مضبوط قلعوں
ولو كنتم في	میں ہو -
بروج مشيدة ط	(نساء - ۱۱)

مجاہد بننے کا حکم

غرض موت سے کسی بھی مقام پر نجات نہیں ، پھر معرکۂ کارزار سے پریشانی کیسی ؟ بلکہ ایسے مجاہد بنو جن کی تازگیٔ ایمان کو جہاد کا نام اور بھی تقویت بخشتا ہے:

الذين قال لهم	وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں
الناس ان الناس	نے تم سے لڑنے کے لیے بڑا
قد جمعوا لكم	سامان کیا ہے سو تم ان سے
فاخشوهم فزادهم	خوف کرو تو اس نے ان کا ایمان
ايمانا و قالوا	اور بڑھا دیا اور بول اٹھے کہ
حسبنا الله و نعم	ہمیں خدا کافی ہے اور وہ کیسا
الوكيل ۔ (آلِ عمران - ۱۸)	اچھا کارساز ہے ۔

شہادت اور غزا کا مرتبہ

راحت و عیش کا خیال بھی جہاد کی راہ میں حائل ہو سکتا تھا ۔ اسلام کی تعلیم نے اس

Marfat.com

خیال کی بھی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ یعنی مجاہدوں کی جان اور مال خدا کے ہاتھ اس کی رضا اور جنت کے معاوضے میں بکا ہوا ہے اور وہاں انھیں ایسا آرام ملے گا جس کی نظیر اس دنیا میں ناپید ہے:

ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسہم و اموالہم بان لہم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون و یقتلون۔	خدا نے مسلمانوں سے اُن کی جانیں اور مال اس قیمت پر خرید لیے ہیں کہ ان کے لیے جنت ہے۔ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں، پھر مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔

(توبہ - ۱۴)

یہ بھی فرمایا:

فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالاٰخرۃ و من یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل او یغلب فسوف نؤتیہ اجرًا عظیماً	تو جو دنیا کی زندگی آخرت کے لیے بیچتے ہیں، وہ خدا کی راہ میں لڑیں اور جو خدا کی راہ میں لڑے، پھر مارا جائے، یا وہ غالب ہو تو ہم اسے بڑا معاوضہ دیں گے۔

(نساء - ۱۰)

فرمایا اُن کے گناہوں پر خطِ عفو کھینچ دیا جائے گا:

فالذین ھاجروا و اخرجوا من دیارھم و اوذوا فی سبیلی و قاتلوا و قتلوا	تو جو لوگ اپنے وطن سے چھوٹے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے مارے گئے ممکن

لاکفرن عنهم	سے اُن کی بُرائیاں اُتاروں گا۔
سیاٰتهم ولادخلنهم	اور انھیں جنت میں داخل
جنٰت۔	کروں گا۔

(آلِ عمران - ۲۰۰)

شہید زندہ ہیں شہیدوں نے اس راہ میں زندگی کی بے مثال دولت نثار کردی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اسی وقت نئی زندگی عطا کردی۔ چنانچہ فرمایا، انھیں مُردہ نہ سمجھو، وہ زندہ ہیں:

ولا تحسبن الذین	اور جو خدا کی راہ میں مارے
قتلوا فی سبیل الله	گئے، انھیں مُردہ نہ سمجھو،
امواتاً بل احیاءٌ	بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے
عند ربهم یرزقون	پروردگار کے پاس روزی پاتے
فرحین بما اتٰهم	ہیں۔ اللہ نے انھیں اپنی مہربانی
الله من فضله۔	سے جو دیا، اس سے خوش ہیں۔

(آلِ عمران - ۱۷۰)

اہلِ دُنیا شہیدوں کی اس زندگی سے بے خبر ہیں، بہرحال انھیں زبان سے بھی مردہ کہنا زیبا نہیں:

ولا تقولوا لمن	اور جو اللہ کی راہ میں مارے
یقتل فی سبیل الله	جائیں، انھیں مُردہ نہ کہو بلکہ
امواتٌ بل احیاءٌ	زندہ ہیں، لیکن تمھیں اس کی
و لکن لا تشعرون	خبر نہیں۔

(البقرہ - ۱۵۴)

جہاد کے یہ تمام انعامات و محاسن انھیں کے لیے ہیں، جو محض رضائے الٰہی کے لیے رزم آرا ہوں اور ان اوصاف سے متصف مجاہدین کا مقام بہت اُونچا

ہے۔

ایک حدیث میں ہے: "قیامت کے روز ایک شخص سے اس کے اعمال کے باب میں سوال کیا جائے گا تو وہ جواب دے گا: "اے خدا! میں نے تیری راہ میں جہاد کیا اور شہید ہوا" خدا کہے گا کہ تم جھوٹ کہتے ہو، تم اس لیے لڑے کہ بہادر کہے جاؤ سو تم اپنا اجر پا چکے اور دنیا میں تمہیں بہادر کہا جا چکا"۔ (صحیح مسلم)

حقیقی شجاعت

غرض اسلام میں وہی شجاعت قابلِ ستائش ہے، جس کا اصلی مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہو، محمود دریا سے اسے کچھ سروکار نہ ہو، نمائش کا خفیف سا بھی لوث شجاعت کے تمام کارناموں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

بہشت تلواروں کی چھاؤں میں

رسول اللہ صلعم کا حسبِ ذیل ارشاد جہاد کی روح رواں اور چودہ سو سال سے ہر فرزندِ توحید کے وردِ زبان ہے:

واعلموا انّ الجنّۃ	یقین کرو کہ بہشت تلواروں
تحت ظلال السیوف	کی چھاؤں میں ہے۔

(صحیح بخاری)

حضرت فاروق اعظمؓ کی جرأت و شجاعت

میدانِ کارزار، عقیدے کا اظہار، ظالم بادشاہ کا دربار، یہ تین مقام ایسے ہیں، جہاں جرأت و شجاعت کا امتحان ہوتا ہے۔ صحابۂ کرامؓ نے غزوات میں جو شجاعانہ کارنامے انجام دیے، ان سے تاریخ اسلام کے اوراق مزین ہیں۔ اظہارِ عقیدہ میں حضرت فاروق اعظمؓ نے جس حیرت انگیز جرأت و شجاعت کا ثبوت دیا، اس کی جھلک اس واقعے میں نظر آئے گی۔

حضرت فاروق اعظمؓ مشرف بہ اسلام ہوئے تو سب سے پہلے ماموں کے

Marfat.com

گھر آکر دروازے پر دستک دی۔ انھوں نے دروازہ کھولا تو کہا "تمھیں علم ہے کہ میں صابی ہو گیا؟" وہاں سے آئے تو ایک سردارِ قریش سے مل کر یہی بات کی۔ پھر ایک شخص نے کہا؟ "تمھیں اپنے اسلام کا اعلان مطلوب ہے؟" فرمایا: "ہاں" وہ بولا "تو ایسا کرو کہ جب کفار حجرِ اسود کے پاس اکٹھے ہوں تو وہاں جاؤ۔ ان میں ایک شخص بھید ظاہر کرنے میں بدنام ہے، اسے نہایت آہستہ یہ راز بتا دو، وہ اعلانِ عام کر دے گا" انھوں نے خانۂ کعبہ میں جاکر اس کے کان میں کہا تو وہ بڑی اونچی آواز سے پکارا: "عمر ابن الخطاب صابی ہو گیا" اسی وقت کفار ان پر پل پڑے اور مار پیٹ ہونے لگی۔ آخر ان کے ماموں نے اشارہ کیا کہ میں اپنے بھانجے کو پناہ دیتا ہوں۔ اس پر کفار رک گئے۔ (اسد الغابہ)

حضرت علی مرتضیٰ کی شجاعت

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ شجاعت میں بالخصوص شہرۂ آفاق تھے اور اس صفت میں وہ تمام معاصرین سے گوئے سبقت لے گئے تھے۔ غزوۂ بدر میں انھوں نے ایسی دادِ شجاعت دی کہ اس کے بطل قرار پائے۔ غزوۂ خندق میں عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود کو زیر کر کے نام پایا۔ غزوۂ خیبر کی فتح کا سہرا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کے سر رہا۔ اجمالاً واقعہ یوں ہے کہ جب قلعۂ خیبر کے سر ہونے میں زیادہ تاخیر ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کل میں علم ایسے شخص کے سپرد کروں گا۔ جو اللہ اور اللہ کے رسول صلعم کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول صلعم اسے محبوب رکھتے ہیں" چنانچہ اگلے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم عطا فرمایا۔ کفار کی طرف سے مرحب رئیس خیبر تلوار گھماتا اور رجز پڑھتا ہوا میدانِ کارزار میں آ اترا۔ مسلمانوں کی جانب سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ رجز خواں مقابلے کے

لیے آگے بڑھے۔ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ نے ذوالفقار سے مرحب پر ایسا وار کیا کہ اس کا سر پھٹ گیا اور خیبر سر ہو گیا۔ فتح خیبر کو حضرت علی مرتضیٰ[۴] رضی اللہ عنہ کے جنگی کارناموں میں امتیازِ خصوصی حاصل ہے۔

Marfat.com

چونتیسواں باب

اعداء سے کریمانہ سلوک

اخلاق انسانی کا امتحان انسان کے اخلاق کا امتحان بالعموم اُس وقت ہوتا ہے جب یہ دیکھا جائے کہ وہ دشمن سے کیسا سلوک کرتا ہے۔

اس باب میں اخلاقِ نبوی صلعم کا آئینہ وہ جلوے برساتا ہے، جن کی درخشانی کی تلاش ہو کر انسان پیکرِ حیرت بن جاتا ہے۔ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ دشمنوں سے اچھا برتاؤ کرو۔ بدخواہوں سے نیکی کرو۔ بددعائیں دینے والوں کو دعا دو۔ خطاکاروں کو معاف کرو۔ ظالموں سے عدل و انصاف برتو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

یاایھا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنآن قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی ۵ واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون۔	اے ایمان والو! خدا کے لیے کھڑے ہو جایا کرو انصاف سے گواہ بن کر اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل و انصاف کرنے سے باز نہ رکھے۔ انصاف کرو کہ انصاف کرنا پرہیزگاری سے بہت نزدیک ہے اور خدا سے ڈرو کہ اسے تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

(مائدہ - ۲)

ارشادِ باری تعالیٰ پھر ارشاد ہوتا ہے:-

ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع	اور بھلائی اور برائی برابر نہیں۔ برائی کو بھلائی سے دفع کرو تو

Marfat.com

بالتی ھی احسن فاذا	دفعتہً وہ جس کے اور تمھارے
الذی بینک و بینہٗ	درمیان دشمنی ہے، رشتہ دار
عداوۃ کانہٗ ولیٌّ	درست کی مانند ہو جائے گا
حمیمٌ ۝ وما یلقھآ	اور اس پر عمل کی توفیق انھیں
الا الذین صبروا	کو ہوتی ہے، جو صبر کرتے
وما یلقھآ الا ذو	ہیں اور انھیں کو یہ سعادت
حظٍّ عظیمٍ و امّا	ملتی ہے، جو بڑی قسمت
ینزغنّک من	والے ہیں اور اگر شیطان
الشّیطان نزغٌ	تمھیں اکسائے تو خدا کی پناہ
فاستعذ باللہ	مانگو کہ وہ سننے والا، جاننے
انّہٗ ھو السّمیع العلیم۔	والا ہے۔

(حٰمٓ السجدہ ۔ ۵)

نامور مفسر حضرت ابن عباس رضؓ اس آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیظ و غضب کی حالت میں صبر کا اور کسی کی برائی کرنے پر حلم اور عفو و درگزر کا حکم دیا ہے۔ وہ ایسا کریں گے تو خدا انھیں شیطان کے تسلط سے چھڑائے گا اور اُن کا دشمن بھی دوست کی طرح اُن کے آگے سر جھکا دے گا۔"

فرمانِ رسولؐ رسول اللہ صلعم نے فرمایا: "صلۂ رحم یہ نہیں کہ صلۂ رحم کرنے والوں سے صلۂ رحم کرو، بلکہ یہ ہے کہ جو قطعِ رحم کرے، اس سے صلۂ رحم کرو" (صحیح بخاری) بیشک دوستی وہ ہے، جو دشمنوں سے کی جائے ورنہ دوستوں سے تو ہر کوئی دوستی کرتا ہے۔

Marfat.com

ایک مرتبہ ایک بدوی نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں عرض کی: "کوئی ایسی نصیحت فرمایئے، جس پر عمل کرنے سے بہشت مل جائے" حضورؐ نے چند نصیحتیں فرمائیں، جن میں سے ایک یہ ہے: "ظالم رشتہ دار پر عنایتوں کی بارش کردو" (مستدرک حاکم)

قرآن عزیز میں کفار و مشرکین جیسے بدترین دشمنانِ اسلام سے بھی عفو و درگزر کی تعلیم دی گئی ہے:-

قل للذین امنوا	اے پیغمبر۔ مسلمانوں سے کہہ
یغفروا للذین لا	دے کہ انھیں، جو اللہ کے دنوں
یرجون ایام اللہ	پر یقین نہیں رکھتے، معاف
یجزی قوما بما	کردیا کریں تاکہ اللہ ایسے لوگوں
کانوا یکسبون۔	کو ان کے کرتوت کا بدلا دے۔

(جاثیہ - ۲)

اُسوۂ رسولؐ اب چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں، جن سے اس حقیقت پر تیز روشنی پڑتی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے دشمنوں سے ایسا کریمانہ سلوک کیا، جس کی نظیر تاریخ عالم کے صفحات میں نہیں مل سکتی۔

رحمۃٌ للعالمین صلعم نے فتح مکہ کے دن، جو اعداء سے بدلا لینے کا سب سے بڑا موقع تھا، ان بے شمار دشمنوں کو، جو آپ کے خون کے پیاسے تھے اور جن کے ہاتھوں حضورؐ کو شدید ترین تکلیفیں پہنچی تھیں، یہ کہہ کر چھوڑ دیا:-

لا تثریب علیکم	تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤ،
علیکم الیوم اذھبوا	تم سب آزاد ہو۔
وانتم الطلقاء۔	

چچا کے قاتل سے سلوک رسول اللہ صلعم کے عزیز ترین چچا حضرت حمزہؓ کو وحشی نے، جو مکہ معظمہ میں رہتا تھا، شہید کیا تھا۔

Marfat.com

وحشی ڈر کے مارے وہاں سے بھاگ کر طائف پہنچا، لیکن وہ مقام بھی اس کے لیے امن گاہ ثابت نہ ہوا کیونکہ اہل طائف بھی سرِ اطاعت خم کر چکے تھے۔ آخر چار و ناچار وہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں پہنچ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوا۔ حضورؐ نے صرف اس قدر فرمایا: ”میرے سامنے نہ آیا کرنا کہ تمہیں دیکھ کر مجھے چچا کی یاد آتی ہے۔“ (صحیح مسلم)

ابوسفیان کی بیوی ہند نے حضرت حمزہ رضؓ کا سینہ چاک کر کے دل و جگر کے ٹکڑے کیے تھے وہ فتح حرم کے روز زیرِ نقاب آئی کہ پہچانی نہ جا سکے، لیکن حضورؐ نے اسے پہچان لیا۔ جب اس نے اسلام قبول کیا تو آنحضرت صلعم نے اس واقعے کے متعلق تغافل سے کام لے کر اس کا نام تک نہ لیا۔ ہند کے دل پر آنحضرت صلعم کے اس اعجاز آفریں حسنِ سلوک کا اتنا اثر ہوا کہ وہ بے ساختہ بول اٹھی: ”یا رسول اللہ! میری نظر میں آپ کے خیمے سے مبغوض تر خیمہ کوئی نہ تھا، مگر آج آپ کے خیمے سے محبوب تر خیمہ میری نگاہ میں دوسرا نہیں۔“ (صحیح بخاری)

عکرمہ بن ابوجہل
عکرمہ اسلام سے قبل اپنے باپ ابوجہل کی طرح اسلام کے شدید ترین دشمن تھے۔ وہ بھاگ کر یمن چلے گئے تھے۔ ان کی بیوی اسلام قبول کر چکی تھیں۔ وہ یمن پہنچیں اور انھیں مسلمان کر کے رسول اللہؐ کی خدمت میں لے آئیں۔ حضورِ انور صلعم جوشِ مسرت سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ایسی تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسمِ مبارک پر چادر تک نہ تھی (موطا) فرمایا: مرحبا یا لراکب المہاجر (مشکوٰۃ) (اے ہجرت کرنے والے سوار! تمھارا آنا مبارک ہو)۔

صفوان بن امیہؓ
صفوان بن امیہ کفارِ قریش کے ایک رئیس اور اسلام کے خوفناک دشمن تھے۔ انھیں نے عمیر بن وہب کو انعام کا لالچ دے کر رسول اللہ صلعم کے قتل پر آمادہ کیا تھا۔ عمیر نے حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، صفوان ڈر سے بھاگ گئے ہیں کہ سمندر میں کود پڑیں۔ یہ سن کر

آنحضرت صلعم نے انھیں امان دے دی۔ جب وہ عمیر کے ساتھ حاضر حضور ﷺ ہوئے تو عرض کی: "مجھے دو مہینے کی مہلت دیجیے"۔ فرمایا: "دو نہیں تمھیں چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے"۔ اس کے بعد انھوں نے بہ طیبِ خاطر اسلام قبول کرلیا۔

ابُوسفیان ابوسفیان مسلمان ہونے سے پیشتر اسلام اور رسُول اللہ صلعم کے بڑے بھاری دشمن تھے۔ جب فتح مکّہ کے دن حضرت عباس ؓ انھیں لے کر دربارِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں حاضر ہوئے تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے کریمانہ سلوک کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے جوشِ انتقام میں انھیں قتل کرنا چاہا، لیکن آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انھیں منع کرنے کے علاوہ یہ بھی فرمایا: "جو ابُوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے گا، اس کا قصور معاف ہوگا"۔ (صحیح بخاری)

کفّار، مُشرکین، منافقین اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو کریمانہ سلوک فرمایا، اس سے تاریخ کے اوراق مزیّن ہیں۔

مخالفوں سے حضرت علی ؓ کا سلُوک رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "بہادر وہ نہیں، جو دشمن کو پچھاڑ دے بلکہ وہ ہے، جو اپنے نفس کو زیر کرے"۔ حضرت علی مرتضیٰ نے اس پر پُوری طرح عمل کرکے دکھایا۔ انھیں زندگی میں اکثر دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے کے موقعے پیش آئے اور ہمیشہ حسنِ سلوک سے کام لیا۔ ایک مرتبہ کسی جنگ میں ان کا مقابل گرتے ہی برہنہ ہوگیا تو فوراً دُور جا کھڑے ہوئے تاکہ وہ شرمسار نہ ہو۔

جنگِ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی فریقِ مخالف تھیں، لیکن جب ان کا اونٹ مجروح ہوکر گرگیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے استمزاج کے بعد انھیں ان کے حامی بصری رئیس کے گھر میں اُتارا اور فوجِ مقابل کے تمام مجروحین بھی اسی

جگہ پناہ گزین تھے۔ اسی جنگ میں مخالفین کے متعلق عام منادی کرادی کہ بھاگنے والوں کا پیچھا کرنے کی ممانعت ہے۔ مجروحوں کو گھوڑوں سے پامال نہ کیا جائے۔ غارت گری سے کام نہ لیا جائے۔ ہتھیار ڈال دینے والے کو امان دی جائے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے سب سے بڑے دشمن اور قاتل ابن ملجم کے باب میں آخری وصیّت یہ کی تھی: "قصاص لیتے وقت اس پر جبر و تشدّد نہ کرنا اور قطعِ اعضا کی سزا نہ دینا۔" ابن سعد میں ہے کہ "جب قاتل آپ کے سامنے لایا گیا تو فرمایا: "اسے اچھا کھانا دو اور ملائم بچھونے پر لٹاؤ۔ اگر میں زندہ بچ گیا تو اسے معافی دینے یا قصاص لینے کے بارے میں مجھے اختیار حاصل ہوگا اور اگر میں جانبر نہ ہوا تو اسے مجھ سے ملا دینا، میں اللہ کے روبرو اس سے نپٹ لوں گا۔" (طبقات)

پینتیسواں باب

اداء قرض کا اہتمام

رسول اللہ صلعم حسن معاملہ کا خاص اہتمام رکھتے تھے۔ اس یگانہ خوبی کا نتیجہ یہ تھا کہ غیر مسلم بھی آپ کا کلمہ پڑھتے تھے۔ جب کبھی آپ کو قرض لینے کی ضرورت پڑتی آپ بے تکلف لوگوں سے فرما دیتے اور لوگ نہایت شوق سے بلا تامل مطلوبہ چیز پیش کر دیتے کیونکہ انھیں حضور صلعم کی طرف سے اداء قرض کے متعلق پورا پورا اطمینان ہوتا۔

ایک مرتبہ نبی اکرم صلعم نے کسی شخص سے کچھ کھجوریں قرض لیں۔ تھوڑے دنوں کے بعد وہ آ کر تقاضا کرنے لگا۔ حضور صلعم نے ایک انصاری کو ادائے قرض کا حکم دیا۔ انصاری نے کھجوریں تو دے دیں لیکن وہ اچھائی اور عمدگی میں قرض خواہ کی کھجوروں جیسی نہ تھیں۔ اس نے کھجوریں لینے سے انکار کر دیا۔ انصاری نے کہا، تم رسول اللہ صلعم کی عنایت کردہ کھجوریں لینے سے انکاری ہو؟ بولا، بیشک، رسول اللہ صلعم انصاف نہ فرمائیں گے تو اور کس سے امید رکھی جا سکتی ہے؟ حضور صلعم نے یہ سنا تو آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا، یہ بالکل سچ ہے۔ (ترغیب و ترہیب بحوالہ مسند احمد)

آنحضرت صلعم اور ایک قرض خواہ بدّو

رسول اکرم صلعم پر ایک بدّو کا کچھ قرض تھا۔ ایک روز وہ لینے آیا تو شدید بد کلامی کرنے لگا۔ صحابہ رضہ نے اسے ڈانٹا ڈپٹا اور کہا، تو جانتا ہے، کس سے بات کر رہا ہے؟ بولا، میں تو اپنے حق کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ حضور صلعم نے صحابہ رضہ سے فرمایا، تمھیں اسی کی تائید کرنی چاہیے کیونکہ وہ حق رکھتا ہے۔ پھر صحابہ رضہ سے اداء قرض کے لیے فرمایا اور زیادہ دلوایا۔ (ابن ماجہ)

پیغمبر عالم صلعم کو اداء قرض کا اس قدر خیال تھا کہ جب کبھی کوئی جنازہ لایا

Marfat.com

جاتا تو سب سے پہلے یہ دریافت فرماتے کہ میت مقروض تو نہیں۔ مقروض ہوتی تو صحابہ رضؓ کو نماز جنازہ پڑھانے کا حکم صادر فرماتے اور خود شامل نہ ہوتے۔

ایک بار کسی سے اونٹ بطور قرض لیا، لیکن واپس کرتے وقت اس سے بہتر اونٹ دیتے ہوئے فرمایا، سب سے بہتر وہ لوگ ہیں، جو حسن معاملہ سے قرض ادا کرتے ہیں۔ (ترمذی)

ایک دفعہ کسی سے ایک پیالہ عاریتاً لیا، لیکن وہ کہیں کھو گیا تو تاوان فرمایا (ترمذی)

حضور صلعم فرمایا کرتے تھے، میں تین روز سے زیادہ ایک دینار بھی پاس رکھنا پسند نہیں کرتا، سوا اس دینار کے جو اداء قرض کے انتظار میں رکھ چھوڑتا ہوں۔ (بخاری)

قصّاب پر حضورؐ کے حُسن معاملہ کا اثر

ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے کسی بدو سے ایک وسق چھواروں پر اونٹ کا گوشت خریدا، حضور صلعم کو خیال تھا کہ چھوارے گھر میں رکھے ہوئے ہیں، تلاش کرنے پر وہ نہ ملے۔ قصّاب سے فرمایا کہ میرا خیال غلط نکلا۔ چھوارے گھر میں موجود نہیں۔ قصاب نے شور مچایا کہ ہائے بددیانتی! لوگوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ اور بددیانتی! فرمایا، نہیں، جانے دو۔ یہ کہنے کا حق رکھتا ہے۔ پھر قصّاب سے مخاطب ہو کر وہی فقرہ ادا فرمایا: اس نے وہی لفظ دہرائے۔ لوگوں نے پھر منع کیا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا، اسے کہنے دو، یہ کہنے کا حق رکھتا ہے۔ اور یہ جملہ بار بار دہراتے رہے، بعد ازاں آپ نے قصاب کو ایک انصاریہ کے ہاں بھجوا دیا کہ مقررہ چھوارے وہاں سے لے لے۔ وہ چھوارے وصول کر کے واپس ہوا تو آپ صحابہ رضؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اس کے دل پر حضور صلعم کے حسن معاملہ اور حلم و عفو کا بہت زیادہ اثر ہوا۔ وہ بے ساختہ بول اٹھا محمدؐ!

Marfat.com

تمھیں خدا جزائے خیر دے ۔ تم نے قیمت پوری پوری اور اچھی ادا کی (مسند ابن حنبل)

صفوان سے حضورؐ کا معاملہ

غزوہ حنین میں رسول اللہ صلعم کو اسلحہ کی ضرورت پیش آئی صفوان اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے ۔ ان کے پاس متعدد زرہیں تھیں حضورؐ نے طلب کیں ۔ بولے محمدؐ! کیا کچھ غصب کا خیال ہے؟ فرمایا نہیں ، میں عاریتاً طلب کرتا ہوں ، کسی ایک کے بھی تلف ہو جانے پر تاوان ادا کروں گا ۔ انھوں نے چالیس زرہیں دے دیں ۔ حنین سے واپسی پر اسلحہ کا جائزہ لیتے وقت کچھ زرہیں کم نکلیں ۔ آپ نے صفوان سے کہا تمھاری چند زرہیں کم ہیں ۔ ان کا معاوضہ لے لو ۔ صفوان نے عرض کی ، یا رسول اللہؐ! اب میرے دل کی حالت پہلی سی نہیں (ابو داؤد) (اسلام قبول کر لیا ، اب معاوضے کی ضرورت نہیں)

زید بن سعنہ کی طرف سے حضورؐ کی آزمائش

زید بن سعنہ پہلے یہودی تھے ۔ وہ ایک دفعہ کہنے لگے ۔ میں پیغمبر عالمؐ کی آزمائش کے لیے موقع کی جستجو میں تھا ۔ ایک روز آپ مجھے حضرت علی رضؓ کے ساتھ مل گئے ۔ اسی وقت وہاں ایک شخص آیا اور عرض کی ، یا رسول اللہؐ! میری قوم نے اسلام قبول کر لیا ہے ۔ میں نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ اسلام سے مشرف ہو جاؤ گے تو رزق کی لہر بہر ہو جائے گی ۔ لیکن اب قحط پڑ جانے کے باعث وہ سخت پریشان ہیں ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کہیں اسلام کے حلقے سے باہر نہ چلے جائیں ۔ اگر مناسب سمجھیں تو ان کی امداد فرمائیں ۔ حضورؐ نے حضرت علی رضؓ کی طرف دیکھا ۔ انھوں نے گزارش کی کہ حضورؐ! اس وقت کچھ موجود نہیں ۔ میں یہ منظر دیکھ رہا تھا ۔ میں نے کہا اگر آپ ایسا کر سکیں کہ فلاں شخص کے باغ سے اتنی کھجوریں مقررہ وقت پر مجھے دے دیں تو میں اسی وقت قیمت پیشگی ادا کر دوں گا اور مقررہ وقت پہ کھجوریں لے لوں گا ۔ حضور صلعم نے فرمایا ، یہ تو ممکن نہیں ، البتہ تعیین باغ نہ کرنے کی صورت میں مجھے منظور ہے ۔ میں نے اسے مان لیا اور اسّی مثقال سونا (ایک مثقال ۴½ ماشہ) دے دیا ۔ آپ نے وہ سونا اس شخص کو عنایت کر کے تاکید فرما دی کہ رعایت انصاف کے پیش نظر

Marfat.com

اس سامان کی ضرورت پوری کر لو۔

جب کھجوروں کی ادائی کے مقرّرہ وقت میں دو تین دن باقی رہ گئے تو میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ میں نے آپ کے کرتے اور چادر کے پلّے پکڑ کر انتہائی غصّے سے کہا، اے محمدؐ! آپ میرا قرض ادا نہیں کرتے۔ واللہ! میں تم سب کو، جو عبدالمطّلب کی اولاد ہو، خوب جانتا ہوں کہ سخت نادہندہ ہو، حضرت عمرؓ نے مجھ پر غیظ و غضب کی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ اے دشمنِ خدا! کیا بکواس کر رہا ہے، واللہ! اگر مجھے حضورؐ کا خوف نہ ہوتا تو ابھی تجھے قتل کر دیتا۔ حضور صلعم بے حد سکون سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ تبسّم کے انداز میں حضرت عمرؓ سے فرمایا، عمرؓ! میں اور یہ ایک اور چیز کے زیادہ محتاج تھے۔ وہ یہ کہ مجھے حق کی ادائی میں خوبی روا رکھنے کو کہتے اور اسے تقاضے میں بہتر طریق کی نصیحت کرتے۔ جاؤ، اس کا حق ادا کر دو اور تم نے جو اسے ڈانٹا ہے، اس کے بدلے میں بیس صاع (تقریباً دو من) کھجوریں اس کے مطالبے سے زیادہ دے دینا۔ حضرت عمرؓ نے تعمیل ارشاد کی۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ بیس صاع کیسے؟ حضرت عمرؓ نے کہا، حضورؐ کا حکم یہی ہے۔

میں نے کہا، عمرؓ! تم مجھے پہچانتے ہو؟ انھوں نے فرمایا، جو یہود کا علّامہ ہے۔ میں نے کہا، ہاں۔ فرمانے لگے، اتنے بڑے آدمی ہو کر تم نے حضورؐ سے یہ کیسا سلوک کیا؟ میں نے جواب دیا، علاماتِ نبوّت میں سے دو علامتیں ایسی رہ گئی تھیں، جنھیں میں اب تک آزما نہیں سکا تھا۔ ایک یہ کہ آپ کا حلم آپ کے غصّے پر سبقت لے جائے گا۔ دوسری یہ کہ ان سے انتہائی جہالت کا سلوک ان کے حلم میں اضافہ کرے گا۔ اب ان دونوں کو بھی آزما لیا، اس لیے میں تمھیں اپنے اسلام کا گواہ بناتا ہوں اور میرا نصف مال امّتِ محمدؐی پر قربان ہے۔

اس کے بعد زید بن سعنہ دربار نبوی صلعم میں حاضر ہو کر اسلام لے آئے۔ وہ بہت سے غزوات میں شریک رہے اور جنگِ تبوک میں جامِ شہادت نوش کیا۔

Marfat.com

(جمع الفوائد و جمع الرسائل)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور اداء قرض

حدیث شریف میں ہے :-

خیار الناس احسنہم قضاء بہترین لوگ وہ ہیں، جو قرض بطریقِ احسن ادا کرتے ہیں۔

صحابۂ کرام رضؓ اس حدیث کی ایک ناطق و متحرک تصویر تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ نے کسی سے چند درہم مستعار لیے۔ اداء قرض کے وقت اس سے بہتر درہم دیے۔ قرض خواہ نے کہا، "آپ کے درہم تو میرے درہم سے عمدہ ہیں۔" فرمایا، "مجھے علم ہے، مگر میں نے خوشی سے دیے ہیں" (موطائے امام محمدؒ)

ایک دفعہ حضرت ممدوح نے کسی شخص سے دو ہزار درہم قرض لیے۔ ادائی کے موقع پر دو سو درہم زائد دے دیے۔ اس نے کہا "قرض کی اصل رقم سے آپ کے دو سو درہم زیادہ ہیں۔" فرمایا "وہ بھی تمہارے ہیں"۔ (طبقاتِ ابن سعدؒ)

چھتیسواں باب

امر معروف و نہی منکر

معاشرے پر کڑی نگرانی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے معنی یہ ہیں کہ اچھی باتوں کے لیے کہنا اور بُری باتوں سے روکنا۔

اسلامی شریعت میں جماعت کے ہر فرد کا یہ اخلاقی فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ دوسرے افراد کی نگرانی کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

کنتم خیر امۃ	تم سب سے بہتر امت ہو، جو
اخرجت للناس	لوگوں کے لیے باہر لائی گئی۔ اچھی
تامرون بالمعروف	بات کا حکم دیتے ہو اور بری
وتنھون عن المنکر	بات سے روکتے ہو۔

(آلِ عمران ۔ ۱۲)

پھر ارشاد ہوا:۔

یامرون بالمعروف	وہ اچھی بات کا حکم دیتے ہیں اور
وینھون عن المنکر	بُری بات سے باز رکھتے ہیں۔

(توبہ ۔ ۹)

اور بالخصوص یہ حکم ہوا:۔

وامر بالمعروف و	اچھی بات کا حکم دے اور بُری
انہ عن المنکر (لقمان ۲)	بات سے روک دے۔

مومنوں کی شان یہ ہے:۔

وتواصوا بالحق و	اور وہ ایک دوسرے کو سچائی
تواصوا بالصبر	اور ثابت قدمی کی نصیحت کرتے ہیں

(العصر)

Marfat.com

اور :۔

وتواصوا بالصبر	اور ایک دوسرے کو ثابت قدم
وتواصوا بالمرحمۃ	اور مہربان ہونے کی نصیحت کرتے
(بلد–۱)	ہیں۔

اس تعلیم سے مذاہب عالم کے مقابلے میں اسلام کا یہ نہایت درخشاں جوہر نمایاں ہوتا ہے کہ وہ اخلاقی نگرانی کو فرض قرار دیتے ہوئے اپنے قابل و عالی حوصلہ افراد کو حکم دیتا ہے، معاشرے پر کڑی نگرانی رکھتے ہوئے اس کی حفاظت کے ساتھ ہی خرابی کی اصلاح کرتے رہیں۔

عیسائیت اور اسلام

توراۃ میں قابیل کہتا ہے: "کیا میں اپنے بھائی کا رکھوالا ہوں؟" (سفر تکوین ۴–۹) اس فقرے نے ...... اخلاقِ عیسائیت کے ایک اہم اصول کی شکل اختیار کرلی ہے اور یورپ کے قانونی مسئلے، شخصی آزادی کی بحالی، کی بنیاد اسی اصول پر قائم ہے، لیکن اس کے برعکس اسلام کا قانون حکم دیتا ہے کہ ہر شخص اپنے بھائی کا رکھوالا بنے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا:۔

کلکم راع وکلکم	(تم میں ہر شخص نگہبان ہے اور
مسئول عن رعیتہ	تم میں ہر شخص سے اس کے

زیرِ ذمہ داری لوگوں کے متعلق بازپرس ہوگی۔

قرآن عزیز میں اصلاح معاشرہ کے اس زریں اصول پر کاربند رہنے کی شدید تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف میں بنی اسرائیل کا ایک قصہ درج ہے کہ سبت کے دن ان لوگوں کے لیے دنیا کا ہر کام حرام تھا۔ بنی اسرائیل کا ایک گروہ سبت کے دن مچھلی پکڑ لیتا تھا۔ اب ان کی تین جماعتیں بن گئیں۔ ایک وہ جو کھلم کھلا یہ گناہ کرتی تھی۔ دوسری وہ جو انھیں اس گناہ سے منع کرنے کی سعی کرتی تھی تیسری وہ، جو اگرچہ اس گناہ کی مرتکب نہ ہوتی تھی لیکن انھیں منع کرنے کی کوشش بھی نہ کرتی تھی۔ جب ان پر خدا کا قہر نازل ہوا تو صرف دوسری جماعت محفوظ

رہی، جو تبلیغ کا فرض ادا کر رہی تھی۔ پہلی اور تیسری جماعت تباہ ہوگئی۔ پہلی گناہ کی پاداش میں اور تیسری ترکِ تبلیغ کے جرم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

واذ قالت امّۃ منھم لم تعظون قوماً ن اللہ مھلکھم او معذّبھم عذاباً شدیداً ط قالوا معذرۃً الیٰ ربّکم و لعلّکم یتّقون ۝ فلمّا نسوا ما ذکّروا بہٖ انجینا الّذین ینھون عن السّوٓء و اخذنا الّذین ظلموا بعذاب ٍبئیسٍ بما کانوا یفسقون۔	اور جب ان میں سے ایک فرقہ بولا کہ تم کیوں ایسے لوگوں کو نصیحت کرتے ہو جنھیں خدا برباد کرنے یا سزا دینے والا ہے، انھوں نے جواب دیا کہ ہم تمھارے پروردگار کے سامنے اپنے سے الزام اتارنے کے لیے انھیں نصیحت کرتے ہیں اور شاید یہ نیک بن جائیں تو انھیں سمجھایا گیا تھا تو ہم نے انھیں، جو منع کرتے تھے، بچا لیا اور گنہگاروں کو ان کی بے حکمی کے باعث بڑے عذاب میں پکڑا۔ (اعراف - ۲۱)

اس سے ظاہر ہے کہ اسلام کے نزدیک دوسرے بھائیوں کو لغزش سے بچانا کس قدر اہم ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہ اخلاقی فرض انجام نہ دینے والا گناہ کرنے والے کے برابر مجرم ہے، البتہ بھائی کا فرض صرف یہیں تک ہے کہ اسے سمجھا دے، جبراً منوانے سے اسے کوئی تعلق نہیں، چنانچہ خود رسول اللہ صلعم کے متعلق بھی خدا نے یہی فرمایا:۔

ما علی الرّسول الّا البلاغ (مائدہ ۱۲ و نور)	رسول کا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔

اگر یہ فرض انجام پا جائے تو گویا اس کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

یا ایھا الذین آمنوا	اے ایمان والو! تم پر اپنی
علیکم انفسکم	جان کی فکر لازم ہے۔ اگر تم
لا یضرکم من ضل	سیدھے راستے پر ہو تو جو کوئی
اذا اھتدیتم۔	بھٹکا، وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا۔

(مائدہ ۔ ۱۴)

ارشادِ نبویؐ

رسول اللہ صلعم نے اس آیت کی تفسیر یوں فرمائی: "نہیں بلکہ نیکی کا باہم حکم کرو اور بدی سے ایک دوسرے کو روکو، لیکن جب دیکھو کہ حرص اور بخل کی اطاعت ہے اور خواہشِ نفسانی کی پیروی ہے اور دنیا کو دین پر ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر ایک اپنی رائے پر آپ غرور کر رہا ہے تو عوام کو چھوڑ کر اپنی خبر لو کہ تمہارے بعد وہ زمانہ آنے والا ہے، جس میں ثابت قدم رہنا شعلے کو ہاتھ سے پکڑنا ہے۔" (ترمذی)

اخلاقی امور کے دُور رس نتائج

حقیقت یہ ہے کہ جب جماعت اخلاقی تعلیمات کی نگرانی کرے گی تو انفرادی برائیاں خود بخود دُور ہوتی چلی جائیں گی۔ اسی اصول پر عمل کرنے سے قوموں کی اصلاح ہوتی ہے۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اخلاقی امور ہر شخص ...... کی نجی باتیں ہیں، جن کا اثر صرف اسی کی ذات تک محدود رہتا ہے لیکن بنظرِ غائر دیکھنے سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے کہ اخلاقی امور کے اثرات و نتائج ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے تک پہنچتے ہوئے پورے معاشرے کو متاثر کرتے ہیں۔ اگر برائیوں کا انسداد نہ کیا جائے تو قوم کی قوم اخلاقی پستی کے گڑھے میں گر جاتی ہے۔

تعلیم و تبلیغ کا مجاز

واضح ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعلیم دینے کا حق دار ہر عامی نہیں بلکہ یہ حق اسی کو پہنچتا ہے

Marfat.com

جو اپنے آپ کو برائیوں سے بچا لیتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم۔ — کیا تم دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو؟

(بقرہ - ۵)

اسی طرح لازم ہے کہ دوسرے کو نرمی اور حسن اسلوب سے نصیحت کی جائے، چنانچہ خود حضورؐ سے فرمایا گیا:-

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ۔ — تو اپنے پروردگار کے راستے کی طرف دانائی اور اچھی نصیحت سے بلا۔

(نحل - ٦)

یہ تاکید اس لیے کی گئی ہے کہ لوگ ہٹ پر نہ اتر آئیں اور نفع کے بجائے نقصان کا احتمال نہ ہو۔

غیبت کی ممانعت اس ضمن میں اسلامی تعلیم نے تجسس اور غیبت کو قطعاً ممنوع قرار دیا ہے۔ کسی کی غیر حاضری میں اس کی برائی کرنا اچھا نہیں کیونکہ اس سے اس کے دل میں ناصح کے متعلق رنج پیدا ہوگا اور مخالفانہ ضد کرنے لگے گا جس سے اس کی اصلاح کا رہا سہا امکان بھی ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

یاایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرًا من الظن ان بعض الظن اثم و لا تجسسوا ولا یغتب — اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچتے رہو کہ بیشک بعض گمان گناہ ہے اور نہ کسی کا اندر کا بھید ٹٹولا کرو اور نہ پیٹھ پیچھے کسی کو برا کہو۔ بھلا

بَّعضکم بعضاط	تم میں سے کوئی یہ پسند کرسکتا
ایحبُّ احدکم ان	ہے کہ وہ اپنے مُردہ بھائیُ
یّاکل لحم اخیه	کا گوشت کھائے، سو تھیں
میتاً فکرھتموہُ	گھن آئے، اور خدُا سے ڈرو
واتقوا اللّٰہ ط انّ	لاریب خدا معاف کرنے والا
اللّٰہ توّابٌ رّحیمٌ	مہربان ہے۔

(حجرات - ۲)

رسُول اللہ صلعم نے فرمایا، "اگر تم لوگوں کی کمزوریوں کی ٹوہ لگاتے پھروگے تو انھیں برباد کردو گے"۔

اللہ اللہ! کس قدر بلند و پاکیزہ اخلاقی تعلیم ہے، جس کے رموز و نکات اصلاح نوع انسانی کے آئینہ دار ہیں۔

حضرت عمرؓ کی اخلاقی و مذہبی نگرانی

صحابۂ کرام رضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر پوری طرح عمل پیرا تھے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضہ نے مسلمانوں کی اخلاقی و مذہبی نگرانی کا خاص اہتمام فرمایا تھا، جس کا سلسلہ حکام سے عوام تک دراز تھا۔ انھوں نے مغرور عربوں کا فخر و تکبر مٹا کر رکھ دیا حتیٰ کہ خواجہ و بندہ ایک ہوگئے اور ان میں فرق و امتیاز باقی نہ رہا۔ ایک روز صفوان بن امیہ ایک خوان لے کر آئے۔ حضرت عمر رضہ نے غلاموں اور فقیروں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا اور فرمایا: "اللہ ان لوگوں پر لعنت بھیجے، جو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار محسوس کرتے ہیں"۔ (ادب المفرد)

ایک مرتبہ عظیم المرتبت صحابی حضرت ابی بن کعب رضہ ایک مجلس سے نکلے تھے پر اٹھے تو لوگ احتراماً ساتھ ہولیے۔ اتفاقاً حضرت عمر رضہ ادھر تشریف لے آئے اور انھیں ایک کوڑا مارا۔ وہ حیرت سے کہنے لگے، خیر تو ہے؟ حضرت عمر رضہ نے فرمایا: "تمھیں علم نہیں کہ یہ امر متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت ہے"؟ (المسند دارمی)

Marfat.com

حضرت عمرؓ نے ہجوگوئی کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ ڈالا۔ وقت کے مشہور ہجوگو شاعر حطیہ کو قید و بند میں ڈال دیا اور آخر رہا بھی کیا تو اس شرط پر کہ وہ آئندہ ہجو سے توبہ کرے گا (اسد الغابہ) اسی طرح آوارگی، ہوس پرستی اور رندی کا استیصال کیا اور شاعروں کو شعروں میں عورتوں کا نام لینے سے کلیتہً روک دیا۔ مے نوشی کی سزا میں اضافہ کر کے چالیس سے اسّی دُرّوں کا حکم دے دیا۔

حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ لوگوں کو تعیش، تنعّم اور تکلف سے نفور کر کے سادہ زندگی کے سانچے میں ڈھال دیں، چنانچہ وہ پارسیوں اور عیسائیوں کی تہذیب و معاشرت کے شدید مخالف تھے اور جو افسر اس رنگ میں رنگے ہوئے تھے، انھیں سخت تو بیخ فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار شام کے سفر میں مسلمان حاکموں کے ریشمی لباس اور قیمتی قبائیں دیکھ کر اتنے برانگیختہ ہوئے کہ انھیں سنگریزے مار کر فرمایا: ”تم اس وضع میں میرا خیر مقدم کرتے ہو؟“ (طبری)

حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو برائیوں سے روکنے کے ساتھ ہی نیک کام کرنے کی بھی تعلیم دی۔ عزتِ نفس اور مساوات پر بہت زور دیا کرتے تھے۔ تمام عاملین کے نام احکام صادر کر رکھے تھے کہ مسلمانوں کو زدوکوب نہ کریں۔ اس طرح وہ ذلیل ہو جائیں گے۔ (ابن سعد)

Marfat.com

سینتیسواں باب

اخلاقِ نبوی صلعم ازواجِ مطہرات کی زبان سے

اس سے پہلے کہ حضرتِ رسالت مآب صلعم کے اخلاقِ مبارکہ کے جزئی اور تفصیلی واقعات معرضِ بحث میں آئیں، اُن حضرات کے بیانات پیش کرنا مناسب ہے جنھیں مدتہائے دراز تک آپ کا شرفِ رفاقت نصیب رہا اور جو آپ کے اخلاق و شمائل کے ایک ایک جزیئے سے واقف تھے۔ امہات المومنین سے بڑھ کر آپ کے اخلاق و عادات کا رازداں کوئی نہیں ہو سکتا، اس لیے پہلے ان دو حرم طاہرہ کا بیان سنیے، جنھیں اوروں سے زیادہ آپ کا قرب نصیب تھا۔

حضرتِ خدیجۃ الکبریٰ رض کا بیان

اُمّ المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ رض کو نبوت سے پہلے اور نزولِ وحی کے بعد پچیس سال کے طویل زمانے تک آپ کا شرفِ زوجیت نصیب رہا۔ آنحضرت صلعم کے اخلاقِ عالیہ کے متعلق ان کے خیالات لکھے جاتے ہیں۔

غارِ حرا میں حضرت جبرئیل ع کی رؤیت اور ہیئتِ مقام سے سید کونین صلعم سخت خوف زدہ ہوے تھے اور جب حضرت جبرئیل ع نے آپ کے باطن میں انوارِ ملکوتی داخل اور قبولِ وحی کی استعداد پیدا کرنے کے لیے آپ کو بھینچا تھا تو اس سے آپ کو نہ صرف سخت تکلیف پہنچی تھی بلکہ مقامِ نبوت کی ہیبت اور جلال نے آپ کو لرزہ براندام کر دیا تھا۔ آخر آپ نے خوف و ہراس کے عالم میں گھر آ کر سارا ماجرا اپنی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رض کے گوش زد کیا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خوف لاحق ہے تو اس وقت ام المومنین نے آپ کو ان الفاظ میں تسلی دی تھی:

”آپ غم نہ کھائیں، خدائے قدوس آپ کو کبھی ضائع نہ کرے گا بلکہ سرفراز فرمائے گا، کیونکہ آپ صلۂ رحم کرتے رہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں، مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں، مسکینوں

کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کے حامی ہیں، مصائب میں لوگوں کے کام آتے ہیں، درماندوں کی مدد کرتے ہیں، امانت دار، خوش خصال، نیک کردار، بلند فطرت، بلند حوصلہ ہیں۔" (بخاری، مسلم وغیرہما)

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ

مروی ہے کہ سعد بن ہشام نے حکیم بن افلح سے کہا تم ذرا میرے ساتھ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ کے پاس چلو۔ دونوں اُمّ المؤمنین کے دراقدس پر پہنچے اور پیغام بھیجا کہ "اذن دیجیے! میں اندر آنا چاہتا ہوں"۔ اُمّ المؤمنین نے فرمایا: "تم کون ہو؟" حکیم نے کہلا بھیجا: "میں حکیم بن افلح ہوں۔" دریافت فرمایا: "تمہارے ساتھ دوسرا کون شخص ہے؟" حکیم نے جواب دیا: "سعد بن ہشام ہیں۔" اُمّ المؤمنین نے دونوں کو حاضری کی اجازت دی۔ جب دونوں حاضر خدمت ہوئے تو اُمّ المؤمنین نے سعد سے فرمایا: تمہارے والد ہشام انھیں عامر کے بیٹے ہیں، جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے؟ عرض کی: "ہاں وہی"۔ اُمّ المؤمنین نے فرمایا: .... "عامر کیسے ہی نیک آدمی تھے۔"

اس کے بعد سعد اصل حرف مطلب زبان پر لائے اور عرض پیرا ہوئے:

"اُمّ المؤمنین! ازراہ نوازش ہم سے رسول اللہ صلعم کے اخلاق بیان فرمائیے۔"

اُمّ المؤمنین نے فرمایا:

انّ خُلق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم	آپ کا اخلاق سراپا قرآن تھا۔
کان القرآن۔	(رواہ ابوداؤد)

یعنی قرآن میں اخلاق کی جو تعلیم ہے، اُسی میں آپ مجسّم ڈھلے ہوئے تھے۔

اُمّہات المؤمنین میں حضرت عائشہ رضؓ سے بڑھ کر کسی نے رحمت عالم صلعم کے اخلاقی کمالات کی تفصیل نہیں بیان کی۔ فرماتی ہیں: "آپ کسی کو بُرا بھلا نہیں کہتے تھے۔ بُرائی کے بدلے میں بُرائی نہیں، بلکہ درگزر کرتے اور معاف فرما دیتے تھے۔ اگر آپ کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا جاتا تو ان میں سے جو آسان تر ہوتی، اسے اختیار

Marfat.com

فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ آپ نے کبھی کسی سے ذاتی معاملے میں انتقام نہیں لیا الا یہ کہ جو کوئی احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا، اسے سزا دیتے تھے!! (بخاری، مسلم، ابوداؤد)

آپ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہ کی، کسی لونڈی غلام یا خادم کو، کسی عورت کو، کسی جانور کو کبھی نہ مارا، کسی کی درخواست ردّ نہ فرمائی، بجز اس صورت کے کہ وہ ناجائز ہو (حاکم وغیرہ) باتیں اس طرح ٹھہر ٹھہر کر کرتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہتا تو رکھ سکتا (ابن سعد)

ہند بن ابی ہالہ تمیمیؓ ہند بن ابی ہالہ تمیمی رضؓ جو اُم المؤمنین حضرت خدیجہ رضؓ کے فرزند اور گویا آنحضرتؐ کے پروردہ تھے، بیان کرتے ہیں: "سرورِ عالم صلعم نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے، کسی کی توہین روا نہیں رکھتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر پروردگارِ عالم کا شکر بجا لاتے تھے، کسی چیز کو بُرا نہیں کہتے تھے، کھانا جس قسم کا سامنے آتا۔ . . . . تناول فرماتے اور اس کی بُرائی نہ کرتے، اگر کوئی کسی امرِ حق کی مخالفت کرتا تو آپ کو غصّہ آ جاتا اور آپ امرِ حق کی پوری حمایت کرتے، لیکن خود ذاتی معاملے پر کبھی غصّہ نہیں آیا اور نہ کسی سے انتقام لیا۔" (شمائل ترمذی)

اڑتیسواں باب

اختلاف و تشتت

حضرت رحمتِ عالم صلعم مدت العمر تفرقے مٹانے اور اپنے پیروؤں کو بھائیوں کی طرح متحد و یک دل رہنے کی تاکید فرماتے رہے۔ آپ کو اختلاف و تفرقہ سے جو نفرت تھی، اس کا اندازہ آپ کے ان ارشاداتِ گرامی سے ہو سکتا ہے۔ فرمایا: میں اُس مومن کے لیے جنت کے کنارے ایک محل کا ضامن ہوتا ہوں جو برسرِ حق ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے (ابو داؤد) اور فرمایا: آپس میں اختلاف نہ کیا کرو تم سے پہلے لوگ اختلاف ہی کی وجہ سے تباہ ہوئے (بخاری)

آپ نے ایک مرتبہ صحابہ رضہ سے فرمایا کیا میں تمھیں ایسا عمل بتاؤں جو درجے میں نماز، روزے اور زکوٰۃ سے بھی افضل ہے۔ صحابہ رضہ نے کہا ہاں یا رسول اللہ صلعم ضرور بتائیے۔ فرمایا: آپس کی محبت نماز روزے اور زکوٰۃ سے بھی افضل ہے، پھوٹ اور آپس کا تفرقہ دین کو مونڈ دیتا ہے (ترمذی) اور فرمایا: بندگانِ خدا میں بہترین لوگ وہ ہیں کہ جب ان کے چہروں پر نظر کی جائے تو خدا یاد آجائے اور بدترین افراد وہ ہیں جو ادھر اُدھر چغلیاں کھاتے اور پھوٹ ڈالتے پھریں۔ دوستوں میں جدائی ڈلوائیں اور بے لوث لوگوں کو تہمت لگائیں (مشکوٰۃ)

تفرقہ انداز واجب القتل ہے کفر و شرک کے بعد مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے سے بڑھ کر شاید کوئی جرم نہ ہوگا۔ اسی پھوٹ کی بدولت قومیت روز بروز روبہ زوال ہے جسدِ ملت نحیف و نزار ہے۔ تفرقہ اندازی اور فتنہ پردازی ایسا سنگین جرم ہے جس کی سزا سرورِ کائنات صلعم کے ارشادات میں قتل و جانستانی سے کم نہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا میرے بعد نئے نئے فتنے کھڑے ہوں گے، لہٰذا جس شخص کو دیکھو کہ اس نے مسلمانوں

کی جماعت سے الگ ہو کر ربقۂ ارتداد گلے میں ڈال لیا کوئی شخص مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا اور آتش فساد مشتعل کرنا چاہتا ہے، اسے قتل کر ڈالو خواہ کوئی بھی ہو (النسائی)

دوسری روایت میں آپ نے فرمایا: میرے بعد فتنے اور فساد رونما ہوں گے، پھر جو کوئی اس امت کے اتفاق کو بگاڑنا چاہے، اسے تلوار سے مار دو خواہ کوئی بھی ہو (مسلم) تفرقہ انداز کو نرمی سے سمجھانا چاہیے کہ فتنہ انگیزی سے باز آئے۔ اگر وہ باز آجائے تو بہتر ورنہ اس کا خون ہدر ہوگا۔ چنانچہ فرمایا: جو شخص ایسی حالت میں تمہارے پاس آئے کہ تم شخص واحد پر متفق ہو اور وہ تم میں پھوٹ ڈالنا چاہے تو اسے قتل کر ڈالو (مسلم) اور فرمایا: جو کوئی میری امت میں پھوٹ ڈالنے کو نکلے، اس کی گردن مار دو (النسائی) اور فرمایا: اگر کوئی شخص مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ڈالنے کا قصد کرے تو اس کی گردن اڑا دو، پھر کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے (ابوداؤد)

گو صرف مسلمان حکام ہی ان ارشادات عالیہ کی تعمیل کے مامور ہیں، رعایا بھی سے کوئی شخص اس تعزیری اقدام کا مجاز نہیں، تاہم ان سے کم از کم یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا کتنا بڑا جرم ہے اور یہ کہ داعیٔ اسلام صلعم کو اس سے کتنی نفرت تھی۔ کاش یہ وعیدیں ان تفرقہ پسند مارہائے آستین کے اجساد بے حمیتی کے لیے تازیانۂ عبرت و تنبیہ ثابت ہوں، جو جامۂ مسلمین کو ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے آلۂ کار برادری بناتے ہیں۔ اگر اس قسم کے لوگ قوم کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے تو کم از کم نیش زنی ہی سے باز رہیں:

زنبور صفیہ بے حمیت را گو سے ... بار سے چو عسل نمی دہی نیش مزن

نفاق پرور مسلمانوں کی بے حمیتی بعض لوگ سوال کیا کرتے ہیں کہ مسلم قوم دنیا میں غیر معمولی عظمت و اقتدار کی مالک تھی، لیکن موجودہ عہد میں یہ کیوں اس درجہ قعر پستی میں گری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے زوال و انحطاط کا سب سے بڑا سبب ان کی پھوٹ، باہمی رقابتیں اور خود غرضیاں ہیں۔ اسلام سے پہلے بھی عربوں میں اسی قسم کی پراگندگی پائی جاتی تھی۔

لیکن جب دنیا کے مصلح اعظم صلعم نے دنیا میں مبعوث ہو کر انھیں متحد و مربوط کیا تو ان کی . . . . جو قوتیں خانہ جنگی کی نذر ہو جاتی تھیں، اب اعداءِ ملت کے مقابلے میں صرف ہونے لگیں اور اس کا نتیجہ عروج و اقبال کی شکل میں ظاہر ہوا۔ جو قوم کل تک خود اپنے وطن میں بھی مدافعت کی طاقت نہ رکھتی تھی اسلام کی تعلیم اخوت کی برکت سے اس قدر شجاع اور صاحب عزیمت بن گئی کہ سرزمین عرب سے نکل کر بڑی بڑی اقلیموں کو پامال کرتی ہوئی یورپ میں فتح کے پھریرے اڑانے لگی۔

جب تک اتحاد و اتفاق کی اسلامی تعلیم مسلمانوں کے دل و دماغ پر مسلط رہی، وہ برابر میدانِ ترقی میں گام زن رہے اور باوجودیکہ اس دورِ اقبال میں بھی ان میں باہم رقابتیں پیدا ہوئیں اور بسا اوقات جنگ و جدال تک نوبت پہنچی تاہم ان کے اندر سیرت کی خوبی یہاں تک ودیعت تھی کہ جب کوئی حریف کسی مسلم حکمران پر یورش کرتا تو تمام مسلم فرمانروا باہمی افتراق و انشقاق کو بالائے طاق رکھ کر حریف کے مقابلے میں متحد ہو جایا کرتے تھے۔ اسی بنا پر مسلمانوں کی دینی اخوت اور ان کا اتحاد و اتفاق اس درجہ ضرب المثل ہو گیا کہ کسی مسلمان حکمران سے ہنگامہ آرا ہونا تمام مسلمانوں کو پیامِ جنگ کا مرادف یقین کیا جاتا تھا۔ آخر جب مسلمانوں میں اتحاد و اخوت کی روح مردہ ہو گئی، خود غرضیوں نے ایثار و مواسات کی جگہ لے لی اور ان کی قوتیں باہمی آویزشوں کی نذر ہونے لگیں تو تمام قومیں ان کے خلاف دلیر ہو گئیں۔ اعداء چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے اور اکثر مقبوضات ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ بے اتفاقی کا یہ لازم نتیجہ تھا جو ظاہر ہو کے رہا، حالانکہ خدائے قدوس کی لسانِ وحی نے اربابِ ایمان کو پہلے ہی سے نہایت واضح الفاظ میں متنبہ کر دیا تھا کہ اگر تم نے اتحاد و اتفاق کی حبل متین ہاتھ سے چھوڑ دی تو ذلیل ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی، چنانچہ ارشاد ہے:۔

واطیعوا اللّٰہ ورسولہ	اللہ اور اس کے رسول صلعم کی اطاعت
ولا تنازعوا فتفشلوا	کا التزام رکھو اور باہم خصومت نہ

ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین۔ (۸ : ۴۶)

کرو اور نہ پست ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور (اگر کوئی ناگوار امر پیش آئے تو) صبر کرو۔ حق تعالیٰ صابروں کے ساتھ (ان کا مددگار) ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا و لا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانًا۔ (۳ : ۱۰۲)

اور سلسلۂ الٰہی (اسلام) کو سب مل کر مضبوط پکڑے رہو اور آپس میں پراگندہ نہ ہو اور خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ خدا نے تمہارے دلوں میں الفت اور محبت ڈال دی اور تم خدا کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے۔

بے حمیتی کا خوفناک انجام

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے لیکن بے حمیتی کا کمال دیکھو کہ عہد زوال و ادبار میں اگر کسی مسلم فرمانروا پر کوئی عدوے اسلام یورش کرتا تھا تو دوسری ہمسایہ اسلامی حکومت نہ صرف بیٹھی اس کی بربادی کا تماشا دیکھتی رہتی، بلکہ بسا اوقات اپنے مشترک دشمن کی مالی اور عسکری امداد کر کے اسلامی سلطنت کی بیخ کنی میں برابر کی حصہ دار بنتی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ نہ صرف وہ اسلامی سلطنت پامال ہو جاتی جس پر اعدائے ملت کی یورش تھی، بلکہ انجام کار وہ اسلامی حکومت بھی اغیار کی ہوس استعمار کی نذر ہو جاتی جس نے نہایت بے غیرتی و بے حیائی سے اعداء کو امداد دی تھی۔ غرض ہماری بداعمالی اور بے حمیتی نے کوئی بھی سلطنت محفوظ نہ رہنے دی۔ بعض کا ہمیشہ کے لیے نام و نشان مٹ گیا اور جو بچیں وہ خستہ و نیم مردہ تھیں۔ افسوس صدیوں سے ہماری

Marfat.com

بہرحالت ہے :۔

بھیڑیا ایک ایک کرکے گوسفندوں کا شکار کر رہا ہے اور نہیں ہے گوسفندوں کو خبر

جب کوئی مسلمان اغیار کی خاطر اسلام کو زخمی کرتا ہے تو مجھے حیرت ہوتی ہے کہ الٰہی کیا یہ بھی حضرت محمد رسول اللہ صلعم کا نام لیوا ہے؟ کیا اسے بھی امید ہے کہ فردائے قیامت کو جناب سید المرسلینؐ کے جھنڈے تلے کھڑا ہوگا؟ اس کا تو فرض تھا کہ اسلام کی خاطر جان پر کھیل جاتا اور دنیا جہان کی سلطنت وجہانبانی بھی پیش کی جاتی تو اسے ٹھکرا دیتا اور یہ کبھی گوارا نہ کرتا کہ اس کے ہاتھ سے کسی مومن کو کوئی ادنیٰ سا بھی گزند پہنچے۔ لیکن یہ برگشتہ بخت چند سنہری سکوں کی خاطر اسلام کی خانہ براندازی کا سامان کر رہا ہے۔

اب یہاں اہلِ اسلام کی عبرت پذیری اور سبق آموزی کے لیے یہ بتانا مناسب ہے کہ ہسپانیہ کی اسلامی سلطنت آسمان عروج کی کن بلندیوں پر پہنچی ہوئی تھی، لیکن آخر مسلمانوں کے باہمی افتراق وانشقاق نے اسے کس طرح قعرِ مذلت اور چاہ زوال میں گرا دیا۔

مسلمانانِ اندلس کا زوال عربوں نے ہسپانیہ فتح کرنے کے بعد اسلامی اخلاق واعمال کے جو قابلِ تقلید نمونے پیش کیے ان کی نظیر مسیحی دنیا میں تلاش کرنا عبث ہے۔ جن دنوں غرناطہ کے اندر دوبارہ عیسائیوں کی حکومت قائم ہوئی، وہاں کا اسقفِ اعظم مشہور دشمنِ اسلام ہرنینڈ و ڈی ٹلاویرا تھا۔ اسلامی اخلاق وعادات کی تعریف اسی عدوئے اسلام کی زبان سے سنیے۔ مسٹر ہنری چارلس لی لکھتے ہیں: ہرنینڈو ڈی ٹلاویرا ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ مسلمانوں کو ہمارا دین اور ہمیں ان کے اخلاق وعادات اختیار کر لینے چاہئیں (موریسکوز آف سپین مطبوعہ لندن صفحہ) مسٹر ہنری چارلس لی لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی دیانت وامانت اور قول وقرار دور ونزدیک مشہور تھے یہاں تک کہ عیسائیوں میں یہ ضرب المثل تھی: "اگر غرناطہ کے مسلمان کی پابندیٔ عہد اور قشتالہ کے عیسائی کے مذہبی عقیدے کسی شخص میں جمع ہو جائیں تو وہ سچا عیسائی بنتا ہے۔" مسلمان کھانے پینے میں اعتدال ملحوظ رکھتے تھے۔ معاملات اور مصارف میں نہایت سلامت رو تھے۔ ان میں بھیک مانگنے والا ایک بھی متنفس دکھائی نہ دیتا تھا کیونکہ وہ اپنی قوم کے

Marfat.com

یتامیٰ ومساکین کی مدد دل کھول کر کرتے تھے۔ وہ اپنے مناقشات خود ہی نپٹا لیتے تھے کیونکہ یہ امر اُن کے نزدیک عصیان و معصیت اور خلافِ شرع تھا کہ کسی مسلمان بھائی پر مسیحی عدالت میں دعویٰ دائر کریں۔ غرض وہ ایسے لوگ تھے کہ کسی ملک کے باشندے اُن سے بہتر انسان نہیں ہو سکتے (مورِسکو زاوف سپین مطبوعہ لندن ص ۶،۷)

صنعت و ایجادات اور علوم وفنون

مسٹر ہنری چارلس لی رقم طراز ہیں کہ ہسپانیہ کے مسلمان فنِ زراعت کے بہت بڑے ماہر تھے اور محنت سے تھکنا جانتے ہی نہ تھے۔ اُن کی یہ خصوصیات علوم وفنون کی ہر شاخ اور صنعت وحرفت کے ہر شعبے میں ظاہر ہوتی تھیں معماری اور جہاز سازی میں بھی اُنھیں کمال حاصل تھا۔ چنانچہ کسٹلان کی جو بحری طاقت بحیرۂ رُوم میں تھی، وہ مسلمان انجینیروں ہی کی محنت و ہنر مندی کی شرمندۂ احسان تھی۔ اُن کا وہ حیرت انگیز طریقۂ آب پاشی جس کے ذریعے سے انھوں نے بلنسیہ کو یورپ کا سرسبز گلشن بنا دیا تھا، اب بھی اپنی وسعت اور پانی کی حیرت انگیز تقسیم سے بصیرت افروز ناظرین ہے۔ مسلمانوں ہی نے ہسپانیہ میں نیشکر [کی کاشت ہو]ئی اور چاول کی کاشت شروع کی یہاں تک کہ اُس سرزمین کا ایک انچ گوشہ بھی ایسا نہ رہا، جسے اُن تھک دست و بازو نے چھوڑ دیا ہو۔ انھیں کی بدولت ریشم کے کیڑے ملک میں آئے اور اس صنعت کو ترقی ہوئی۔ شریعتِ اسلامی کے بموجب محنت و مشقت مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔ یہاں کے مسلمانوں نے اس فریضے کی حرف بحرف تعمیل کی۔ دنیا کا کوئی کام ایسا نہ تھا جس میں ہر گھر اور ہر خاندان کا ہر فرد ایک دوسرے کا معاون نہ ہو۔ کاموں کے ایجاد و استعمال میں دنیا کی کوئی قوم یا کوئی شخص مسلمانوں کی برابری نہ کر سکتا تھا۔ ملاغہ کے ظروف، مرسیہ کے کپڑے، المیریا اور غرناطہ کے ریشمی پارچات قرطبہ کا چرمی سامان طلیطلہ کے ہتھیار مسلمانوں کی مشہور صنعتیں تھیں ممالکِ غیر میں ان چیزوں کی بڑی مانگ اور قدر تھی۔ ان اشیاء سے تاجر بڑا نفع اٹھاتے تھے۔ اس تجارت کو اس وجہ سے اَور بھی زیادہ فروغ تھا کہ مسلمان بڑے دیانت دار اور عہد کے نہایت پابند تھے (مورِسکو زاوف سپین ص ۶۔۷)

Marfat.com

بلادِ اسلامی میں طلبۂ یورپ کا ہجوم

اسی طرح مسٹر رچانڈ کرسے نے سٹینلے لین پول کی کتاب "موز ان اسپین" کے دیباچے میں لکھا ہے کہ تقریباً آٹھ صدیوں تک ہسپانیہ نے مسلمان حکمران کے ماتحت سارے یورپ کے سامنے مہذب اور درخشاں مملکت کی نہایت شاندار مثال پیش کی۔ اندلس کے ذی زرع صوبے مسلم فاتحین کی صنعت وحرفت اور ہندسہ وآلات سازی کے کمال کی بدولت دو چند زرخیز ہو گئے اور سو گنا ثمرآور ہوئے۔ گواڈیل کوبیور اور گوآدیاناکی وادیوں میں ان گنت شہر ظاہر ہو گئے جن کے نام اور صرف نام اب تک اپنی گزشتہ شوکت واقبال کی یاد دہانی کر رہے ہیں۔ علوم وفنون اور ادب وحکمت کو نشوونما ہوا اور ان چیزوں کو ہسپانیہ کے سوا یورپ میں کسی اور جگہ عروج وترقی نصیب نہ تھی۔ جرمنی، فرانس اور انگلستان کے طلبہ علم وفضل اور حکمت وفنون کے اسی سرچشمے سے سیراب ہونے کے لیے جمع ہو رہے تھے، جو صرف عربوں کے شہروں میں موجزن تھا۔ اندلوسیا کے مسلمان ڈاکٹر اور سرجن سائنس اور حکمت کے ہادیٔ اعظم تھے۔ عورتوں کو مطالعۂ کتب کے انہماک کی ترغیب دی جاتی تھی۔ قرطبہ میں ڈاکٹری کرنے والی خواتین کی کمی نہ تھی۔ لوگ ریاضی، ہیئت، تاریخ، فلسفہ اور فقہیات میں ہسپانیہ اور صرف ہسپانیہ جاکر کامل الفن بنتے تھے۔ اندلس کے عربوں نے زراعت اور آبپاشی کے علمی طریقوں، قلعہ بندی اور جہازرانی کے فنون، پارچہ بافی کی نہایت اعلیٰ اور سخت محنت طلب ایجاد، سنگ تراشی اور قلم کاری، گل کاری وغیرہ صنعتوں کو انتہائے کمال تک پہنچا دیا تھا۔ عربوں کو فنون حرب اور اسلحۂ حرب کی تیاری میں امن وآسائش کے صنائع وبدائع سے کچھ کم کمال حاصل نہ تھا۔ وہ قرنہا قرن ان فنون میں سب پر فائق رہے۔ اگر ایک طرف ان کے بحری بیڑے بحیرۂ روم میں فاطمی شاہانِ مصر کے بیڑے کو نیچا دکھانے میں مصروف تھے تو دوسری طرف ان کے حبش عیسائی فوجوں پر آگ اور تلوار کی بجلیاں تڑپا رہے تھے۔ جو کچھ بھی کسی سلطنت کو اقبال مند بناتا اور آسمان عظمت پر بٹھا سکتا ہے، جو صفات محاسن بھی طہارت، پاکیزگی اور تہذیب وتمدن کے ضامن وکفیل ہو سکتے ہیں، وہ سب اسلام

اندلس میں بدرجۂ اتم ودیعت تھے۔ لیکن آخر ۱۴۹۲ء میں جب ہسپانیہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلا تو اس کی عظمت کا آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔" (مؤرخانِ سپین مطبوعہ لندن طبع سوم) اسی طرح ایک اور شہادت ہے:-

یورپ پر مسلمانوں کا احسانِ عظیم

مسٹر ایس پی سکاٹ رقمطراز ہیں کہ ہسپانیہ کی عظیم الشان اسلامی سلطنت سارے یورپ میں ایک اعجوبۂ روزگار اور محیّر العقول سلطنت تھی۔ قرونِ وسطیٰ کی ذلیل سوسائٹی اور وحشیانہ مراسم کو انسانیت کا لباس پہنانے میں جو مفید کام اندلسی مسلمانوں نے کیا، اس میں اب کسی شخص کو کلام نہیں۔ فلسفی مسائل کی تحقیقات کی جو تجویز زورِ تحریک انھوں نے قائم کی اور ادبی جوہروں کے اظہار پر انعام واکرام کی جو رسم وہ ڈال گئے وہ اب تک نسلاً بعد نسل چلی آتی ہے۔ یورپ پر جو احسانات اندلسی عربوں نے کیے ہیں، اہلِ یورپ اُن کے بارے کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتے۔ اگر اہلِ یورپ اپنی ترقی کا اصلی باعث مسلمانانِ اندلس کو قرار دیں جن کے جوہروں نے انھیں بامِ ترقی پر پہنچایا تو ان کے احسانات کا ایک ادنیٰ شمہ ہوگا (ہسٹری آف دی مُورِش امپائر ان یورپ مطبوعہ لندن جلد ۳ ص ۴۰۷) مسلمانوں کا ہسپانیہ کو فتح کرنا اور ترقی کے اوجِ کمال پر پہنچنا چنداں تعجب خیز ہو یا نہ ہو، حیرت کی بات یہ ہے کہ عیسائیوں میں بالعموم مشہور رہے ان ... انھوں نے کوئی تہذیب وتمدن ہی پیدا نہیں کیا۔ عیسائیوں کے مذہبی تعصب، عربی زبان سے ناواقفیت اور اس عزمِ راسخ نے کہ غیر مسیحیوں کا احسان کسی طرح نہ مانیں گے، اس بیہودہ خیال کو اور بھی پختہ کر دیا اور کلیسا نے اس خیال کے پھیلانے میں پوری طاقت صرف کر دی۔ باوجودیکہ پوری تنظیم اور باقاعدگی سے واقعات کو چھپایا گیا اور برسوں بلکہ صدیوں تک غلط بیانیاں کی گئیں تاہم اس وقت کسی کو مجال انکار نہیں کہ کسی قوم نے انسانی فلاح وبہبود بلکہ جہاں تک نسلِ انسانی کا تعلق ہے تمام امورِ خیر پر وہ اثر نہیں ڈالا جو مسلمانانِ ہسپانیہ نے ڈالا ہے۔ یہ وہ تہذیب تھی جسے مسلمانانِ اندلس وصقلیہ (سسلی) یورپ کے لیے بطور میراث

Marfat.com

چھوڑ گئے۔ ان کے فتوحات و ترقیات، ان کے صنعتی و حرفتی اختراعات، ان کی اقتصادی ایجادات اور تہذیب و تمدن پر اُن کا دوامی اثر وہ چیزیں ہیں جن کا اگر اعتبار نہ آئے تو کچھ تعجب نہیں۔ وہ جو کچھ کر گئے، اُس کی نظیر دنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔ (ایضاً صفحہ ۷۴۴)

عالم مسیحیت مسلمانوں کی فوجی قوت کے سامنے کانپتا تھا۔ ان کے بحری بیڑے تمام سمندروں پر مالکانہ اور فاضلانہ اثر رکھتے تھے۔ (ایضاً صفحہ ۷۴۵)

مسلمانوں کا تجارتی تفوق

مسٹر سکاٹ لکھتے ہیں کہ ممالک شرقیہ و غربیہ کے تمام تجارتی مرکزوں میں، کینٹن واقع چین اور دہلی واقع ہندوستان کی منڈیوں میں، دمشق کے بازاروں میں، اسکندریہ کی بندرگاہ میں، صحرائے افریقہ میں، سویڈن، جرمنی، روس میں اور قسطنطنیہ کی پُر رونق تجارت گاہ میں ہسپانیہ کے مسلمان تاجروں اور یہودی دلالوں کو دنیا بھر کے سوداگروں سے خرید و فروخت اور سودا کرنے میں تفوق حاصل تھا اور اپنے تجارتی مقابلے، خرید و فروخت اور تاجرانہ حزم میں دنیا کے کسی سوداگر کو اپنے برابر نہ ہونے دیتے تھے۔ اس وسیع تجارت سے جو دولت و ثروت اہل ہسپانیہ کو حاصل ہوئی، اس کا اندازہ کسی طرح ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے زرعی اور معدنی ذرائع کو، جو فی نفسہ نہایت وسیع تھے، اتنے عروج پر پہنچا دیا، جس کی نظیر دنیا میں ناپید ہے۔ جو خزانے اس طرح حاصل ہوتے تھے، انھیں یا تو رفاہِ عام کے اُن کاموں پر خرچ کیا جاتا تھا جن کے کھنڈر دیکھ کر اب تک سیّاح محوِ حیرت رہ جاتے ہیں یا اس تعلیم کو ترقی دینے اور مفید تر بنانے پر جس کی کیفیت یہ تھی کہ عہدِ حاضر کی تعلیم باہمہ تجربہ و کوشش اُس تک نہیں پہنچ سکی۔ یا بڑے بڑے کتب خانے قائم کرنے میں یا دربار شاہی کی آراستگی میں، جس کے تزک و احتشام کا کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ بھی مقابلہ نہیں کر سکا یا مساجد کی تعمیر و تزئین میں جن کا سامان بلحاظ قیمت و حسن یورپ کے نیم وحشیانہ مراسمِ عبادت سے بدرجہا بڑھا ہوا تھا۔ (ایضاً صفحہ ۷۴۵، ۷۴۶)

آپس کی پھوٹ کیا رنگ لائی؟

غرض مسلمانانِ اندلس کی پاکیزگی، اخلاق اور مادّی ترقی ہی تھی جس نے یورپ پر اپنی عظمت و برتری کا سکّہ جما رکھا تھا اور اسی کی بدولت لاکھوں عیسائی مسیحیت کو چھوڑ چھوڑ کر بطیب خاطر حلقہ بگوشِ اسلام ہو رہے تھے اور اگر مسلمانوں کی باہمی رقابت و بے اتّفاقی اسلام کی مذہبی اور سیاسی ترقی میں حائل نہ ہو جاتی تو دنیا کا مذہبی اور سیاسی نقشہ یہ نہ ہوتا جو بدقسمتی سے آج دکھائی دے رہا ہے بلکہ آج سے صدیوں پہلے نہ صرف یورپ اور امریکہ بلکہ ساری ہی دنیا علَمِ اسلام کے نیچے آ چکی ہوتی۔ یہ مسلمانوں کی نااتّفاقی ہی کا نتیجہ ہے کہ ہسپانیہ اور صقلیہ کی پرشکوہ اسلامی سلطنتیں نصاریٰ کے ہاتھ میں چلی گئیں اور یورپ پر مذہبی، سیاسی اور اقتصادی حکمرانی کرنے کے بجائے آج مسلمان اہلِ مغرب کے محکوم اور ان کے دستِ نگر ہیں۔ مسٹر سکاٹ مسلمانوں کے مناقشات پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: "خانہ جنگی اور قبائل کی باہمی رقابت نے سارے یورپ کو مسلمانوں کے زیر نگیں آنے اور مسلمان ہونے سے بچا لیا۔ ہسپانیہ کی عربی سلطنت کو اتنا نقصان عیسائیوں نے نہیں پہنچایا جتنا عربی قبائل کی باہمی عداوت نے اس کی بنیادوں کو کھوکھلا کیا۔ (ہسٹری آف دی مورش امپائر ان یورپ جلد ۳ ص ۴۴۷)

اختلافِ مقبول و اختلافِ مردود

ابتداءً احادیث نبویہ کی روشنی میں اختلاف و تشتّت کی برائی ظاہر کی گئی تھی۔ اسے پڑھ کر ایک سطحی نظر کا آدمی شاید یہ نتیجہ نکالنے پر مائل ہو گا کہ ہر اختلاف مذموم ہے اور اسلام نے کسی حالت میں اختلاف کی اجازت نہیں دی، حالانکہ ایسا نہیں جس طرح پیشوائے امت صلعم نے بڑی شدّ و مدّ کے ساتھ تشتّت و افتراق سے نفرت و استکراہ کا اظہار فرمایا، اسی طرح آپ نے اختلافِ امّت کو رحمت بھی قرار دیا چنانچہ فرمایا:

اختلاف اُمّتی رحمة" میری امت کا اختلاف رحمت ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف کی حیثیتیں مختلف ہیں کسی حیثیت سے وہ مردود

Marfat.com

ہے اور کس اعتبار سے مقبول ۔ لہٰذا اس کی تشریح کر دینا مناسب ہے کہ کون سا اختلاف پسندیدہ اور باعث اجر و ثواب ہے اور کون سا ناپسندیدہ و معصیت ہے ۔ ذیل میں اس کے انواع و اقسام بیان کر کے ان کا حسن و قبح زیر بحث لایا جاتا ہے ۔

پہلا اختلاف: جو اختلاف کسی دنیوی امر میں ہو اور کسی منشاء صحیح پر مبنی ہو جیسے دو طبیبوں کا طریق علاج میں اختلاف یا دو وکیلوں کا کسی قانونی دفعہ کا مفہوم سمجھنے میں اختلاف یا اہل الرائے یا اہل تجربہ کا باہمی اختلاف، جب تک وہ اپنے حدود تک رہے ہرگز قابل مذمت نہیں، لیکن حدود سے خارج ہو جائے تو مذموم ہے ۔ مثلاً کسی فریق کا مقصد اختلاف تحقیق و خیر خواہی نہیں بلکہ اپنی بات کی پچ اور دوسرے کی تحقیر و تذلیل ہو یا دوران بحث میں فریق مقابل کی غیبت یا ایذا تک نوبت پہنچ جائے تو یہ اختلاف قابل مذمت ہے ۔ جب تک کسی فریق پر اپنی غلطی ظاہر نہ ہو جائے، وہ اختلاف و انکار میں معذور ہے لیکن توضیح حق کے بعد اپنی بات پر مصر رہنا معصیت ہے ۔

اگر کوئی برسر حق ہونے کے باوجود دوسرے سے نزاع ترک کر دے اور اپنے حق سے دست بردار ہو جائے تو یہ بڑی عزیمت اور فضیلت کا کام ہے، البتہ اگر اپنے دعوے سے دست بردار ہونے میں کوئی شرعی معذوری لازم آئے تو مصالحت اور دعوے سے دست برداری نادرست ہے ۔ مثلاً بیوی کے روبرو اس کے شوہر نے طلاق دی، پھر وہ اس سے منکر ہو گیا تو عورت کو جائز نہیں کہ اس دعوے سے دست بردار ہو کر اس کے انکار کو تسلیم کرے ۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا:

الصلح جائز بین المسلمین	مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے،
الا صلحاً حرم حلالاً	مگر وہ صلح کہ حلال کو حرام یا حرام کو
او احل حراماً ۔	حلال کرتی ہو ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ ۔ مشکوٰۃ)

یہ تو اہل معاملہ کا حکم ہے ۔ دوسرے لوگوں میں سے جب تک دلیل شرعی سے ایک کا حق پر ہونا ثابت نہ ہو جائے محض کسی کے برسر حق ہونے کے احتمال کی بنا پر کسی کی امداد دوسرے کے مقابلے میں جائز نہیں اور جب

دلیل شرعی سے ایک کا برسرِ حق ہونا ثابت ہو جائے تو اس کی نصرت و امداد بدین تفصیل واجب ہے کہ اگر یہ ناصر حاکم یا اس کا کوئی مامور ہے تو قوت استعمال کرے اور اگر حاکم یا اس کا مامور نہیں اور کسی فتنے کا بھی اندیشہ نہیں تو زبانی وعظ و نصیحت سے اس کی تائید کرے اگر تائید و امداد میں کسی دینی یا دنیوی فتنے کا اندیشہ ہے تو دل سے غلط کار و جفا کار کو برا سمجھے اور صاحبِ حق کی کامیابی کے لئے دعا گو رہے۔

دوسرا اور تیسرا دوسرا اختلاف وہ ہے جو کسی دنیوی امر میں ہو اور اس کا کوئی صحیح منشا نہ ہو بلکہ سراسر نفسانیت اور دنیا طلبی پر مبنی ہو تو وہ سراسر مذموم ہے خواہ یہ نفسانیت و دنیا طلبی ایک طرف سے ہو یا دونوں جانب سے۔ تیسرا اختلاف وہ ہے جو دین کے کسی فرعی مسئلے میں ہو اور با دلیل ہو خواہ دلیل نص ہو یا مجتہد کا اجتہاد ہو اور یہی وہ اختلاف ہے جو اہل حق میں عہد رسالت سے اج تک چلا آرہا ہے۔

اس اختلاف کی بنیاد کئی اسباب ہیں۔ ایک مسئلے میں احادیث نبویہ مختلف الدلالة ہیں جن میں تطبیق مشکل ہے اور نسخ بھی متفق علیہ نہیں۔ ایک مجتہد نے ایک پر عمل کیا دوسری کو متروک العمل سمجھا۔ دوسرے مجتہد نے اس کے برعکس کیا کبھی نصوصِ مختلفہ میں اوصاف رواۃ کی بناء پر ترجیح دینے میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اجماع کے بعض اقسام کا بعض کے نزدیک حجت ہونا اور بعض کے نزدیک حجت نہ ہونا بھی اسباب اختلاف سے ہے۔ ابواب فقیہہ میں ایسے مسائل بکثرت ہیں۔

یہ اختلاف باتفاق و باجماعِ امت محمود و مقبول ہے۔ اس میں اہل حق میں سے ایک کا دوسرے سے عناد رکھنا اور اسے گمراہی سے منسوب کرنا، جیسا آج کل غالیوں میں تحریراً و تقریراً معمول ہے، سخت بدعت اور معصیت ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور دوسرے اسلافِ کرام میں بھی یہ جزئی و فرعی اختلاف موجود تھا لیکن انھوں نے ایک دوسرے پر زبانِ طعن کبھی دراز نہ کی تھی۔

چوتھا اختلاف کی چوتھی قسم ایسے امر و نہی میں اختلاف ہے جو فروع میں سے ہو اور بلا دلیل محض رائے سے ہو جیسے عہدِ حاضر کے مدعیان عقل میں عام مرض۔۔۔۔

ہوگیا ہے کہ بلا تحصیل علم دین دینی مسائل میں دخل دینے لگتے ہیں اور بجائے دلیل پیش کرنے کے یہی کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ "ہمارا یہ خیال ہے"، اور اپنی علمی بے مائیگی کے باوجود علماء سے الجھتے ہیں۔ یہ اختلاف سخت معصیت اور مذموم ہے۔

پانچواں پانچویں قسم اُس اصولی اختلاف پر مشتمل ہے جو دین میں یعنی کفر اور اسلام کے درجے میں ہو۔ اس کا حکم ظاہر ہے کہ اہل کفر سے اختلاف کرنا اہل اسلام پر واجب ہے گو معاملات و معاشرات کا حکم اس سے خارج ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا اہل حق کو اہل باطل سے دینی اختلاف کرنے کا حکم مؤکد وارد ہے، البتہ تبلیغ و مناظرہ میں اخلاق کی رعایت اور قول خشن سے احتراز لازم ہے۔

چھٹا چھٹا اختلاف مسلمانوں کا وہ باہمی اختلاف ہے جو اصول دین میں سے ہے۔ یہ اختلاف سنت اور بدعت کے درجے میں ہے۔ اس اختلاف کا حکم بھی باستثناء احکام مخصوصہ بالکفار وہی ہے جو قسم پنجم میں مذکور ہوا۔ مندرجہ ذیل احادیث میں اسی اختلاف کا تذکرہ ہے۔

حضرت خیر الانام صلعم نے فرمایا: کہ جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا وہ دیکھے گا کہ کتنے زیادہ اختلاف رونما ہوتے ہیں، ایسی حالت میں تم لوگ میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو اپنے آپ لازم کر لینا۔ ان سنتوں کو ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑ لینا۔ اسی کے ساتھ اُن محدثات اور اختراعی امور سے دامن بچانا جو دین میں پیدا کر دیے گئے ہوں گے کیونکہ دین میں کی ہر اختراعی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (رواہ احمد و ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

اس حدیث میں محدثات سے وہ بدعت مراد ہے، جس کے بدعت ہونے پر اہل متفق ہوں، لیکن جس مسئلے میں اہل حق کے اجتہاد کی گنجائش ہو، وہ دوسرے مختلف فیہ مسائل کی مانند ہے۔

اور فرمایا بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں منقسم ہوئے تھے اور میری اُمت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ ایک کے سوا تمام فرقے جہنم میں جائیں گے۔ حاضرین میں سے کسی نے

Marfat.com

گزارش کی یا رسول اللہ! وہ ایک ناجی فرقہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو میرے اور میرے اصحاب کے طریق پر ہوگا۔ (رواہ الترمذی)

تنبیہات اختلافات شش گانہ کی یہ تقسیم مولانا اشرف علی تھانوی رح کے ایک رسالہ "الایتلاف فی احکام الاختلاف" سے ماخوذ ہے۔

یہ تحریر اس رسالے کی نہایت مختصر تلخیص ہے۔ میں نے ان سطور میں اپنی طرف سے کہیں کہیں معمولی سا تصرف اور اضافہ کیا ہے۔ مولانا ممدوح رح نے اختلاف کی دس قسمیں حوالۂ قرطاس کی تھیں لیکن میں نے پہلی چھ قسموں کے ذکر پر اکتفا کیا۔ مولانا ممدوح رح نے یہ بھی فرمایا کہ اختلاف مذموم چار ہیں، قسم دوم، چہارم، پنجم اور ششم، وہ بھی جانبین سے نہیں بلکہ صرف باطل کی طرف سے اور اختلاف محمود کے بعض اقسام وہ بھی ہیں جو صرف محمود ہی نہیں بلکہ واجب ہیں اور ان کے مقابلے میں اتفاق و اتحاد کرنا شرعاً حرام ہے۔

اختلاف کے دہ گانہ اقسام کی تشریح کے بعد مولانا مرحوم نے دس تنبیہات بھی قلمبند فرمائی ہیں، جن میں سے پہلی تنبیہ میں فرماتے ہیں کہ اگر اختلاف اطبار میں ہو تو ان کے معتقدین و منتسبین میں گروہ بندی ہو جاتی ہے اور ایک فریق حدود شریعت یا حدود تہذیب سے متجاوز ہو کر دوسرے فریق پر طعن و تنقیص کرتا ہے، جس کا سبب طمع مال و زر یا حب جاہ و شہرت یا حسد و تکبر اور نفسانیت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اور اگر یہ اختلاف علماء میں ہو جاتا ہے تو کچھ لوگ ایک عالم کے طرفدار ہو جاتے ہیں اور کچھ دوسرے کے حامی و مؤید۔ پھر ان میں بعض تو وہ ہیں جنھیں حق و باطل کی کچھ خبر نہیں نہ تحقیقاً نہ تقلیداً۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ بسا اوقات انھیں یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ ہمارا متبوع باطل پر ہے یا حدود سے تجاوز کر رہا ہے۔ پھر بھی اس کی نصرت عمیاء کیے جا رہے ہیں۔

پھر اس نصرت میں نہ غیبت سے پرہیز ہے، نہ بہتان سے، نہ جھوٹ سے اور نہ اس کی پرواہ ہے کہ اس کا اثر کسی اصلاحی قوت مقصودہ پر کیا پڑے گا یا دین کو ضعف پہنچے گا یا ان حرکات سے مخالفین دین کی آرزوئیں پوری ہو رہی ہیں اور

Marfat.com

اس سے ان کی تقویت ہو رہی ہے۔ اس جماعت کا عاصی اور مورد وعید شدید ہونا ظاہر ہے اور بعض وہ ہیں جو اپنے متبوع کو حق پر سمجھ کر ان کی نصرت کرتے ہیں، مگر حدود شریعت کے اندر رہ کر۔ وہ اپنے متبوع سے مدافعت کرتے ہیں لیکن اس کے مقابل کو کوئی نفسانی یا مالی یا جسمانی ضرر نہیں پہنچاتے اور اگر مدافعت سے بڑھ کر انتقام لیتے ہیں تو اس میں جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا سے تجاوز نہیں کرتے۔ یہ لوگ نصرت حق میں ماجور اور مجازاۃ بالمثل میں معذور ہیں۔

اور جو دونوں سے بیزار ہیں نہ وہ ہیں جنھیں پہلے ہی دین سے کوئی محبت و انس نہیں اور نہ وہ اطاعت احکام کو ضروری سمجھتے ہیں نہ انھیں فکر عقبیٰ ہے نہ ان کے دل میں علماء کی کوئی وقعت ہے۔ انھیں اعمال سے بچنے اور علماء پر اعتراض کرنے کا ایک بہانہ مل گیا۔ سو ان کی حالت کا فیصلہ محتاج تشریح نہیں۔ نہ ان سے خطاب کچھ نتیجہ خیز ہے۔

مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ چھٹی تنبیہ میں فرماتے ہیں کہ بعض لوگ جو زیادہ غالی ہیں، اسلام اور کفر کے اختلاف میں بھی تنگی کو پسند نہیں کرتے۔ ان کا مقولہ یہ ہے کہ موسیٰ بدین خود اور ان کے دلائل اس قسم کے (لچر) اقوال ہیں

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

باطل پرستی کی تردید یہاں یہ جتا دینا بھی لازم ہے کہ باطل فرقوں کی تردید کرنا فریضۂ نہی عن المنکر کا ایک اہم شعبہ ہے۔ اگر کوئی اس تردید کو تفرقہ اندازی قرار دے تو وہ جاہل ہے۔ حامل شریعت صلعم جس طریق قویم پر اپنے اصحاب اور اہل بیت کو چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے، اس کے خلاف جس قدر نئے نئے فرقوں نے آج تک بطن گیتی سے جنم لیا، وہ سب باطل ہیں، باطل پرست فرقے ہمیشہ امت میں جرم تفرقہ اندازی کے مرتکب رہے، اس لیے ان کی

Marfat.com

مخالفت اور فرقۂ حقۂ اہل سنت کی تائید میں آواز بلند کرنا علماء حق کے فرائض میں داخل ہے۔ باطل کی تردید میں قوم کی زندگی اور عامۃ الناس کے دین کا تحفظ ہے، اس لیے یہ تردید بلاشبہہ بہت بڑی عبادت ہے۔ امام ابن جوزی کتاب تلبیس ابلیس میں رقم طراز ہیں:۔

حدثت عن سهل البخاری قال کنا عند الغزالی فجعل یذکر اهل البدع فقال له رجل لو حدثتنا کان اعجب الینا فغضب و قال کلامی فی اهل البدع احب الیّ من عبادة ستین سنة۔ (تلبیس ابلیس)	محمد بن سہل کا بیان ہے کہ ہم لوگ امام غزالی رح کی خدمت میں حاضر تھے۔ انھوں نے بدعتی فرقوں کی تردید شروع کر دی۔ ایک شخص عرض پیرا ہوا کہ آپ یہ ذکر چھوڑ کر ہمیں حدیث نبی صلعم سناتے تو بہتر تھا۔ یہ سن کر امام غزالی رح ناخوش ہوئے اور فرمایا، بدعتی فرقوں کی تردید مجھے ساٹھ سال کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے۔

Marfat.com

اُنتالیسواں باب

اتلافِ حقوق

رہبانیت کا مسیحی نظریہ

فرقۂ مانویہ اور اہلِ صلیب تجرّد اور ترکِ نکاح کو عبادت اور کارِ ثواب سمجھتے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلعم نے چونکہ دنیا کی بربادی اور اتلافِ حقوقِ انسانی کو مستلزم تھا، داعیٔ اسلام (صلعم) نے اسے باطل ٹھہرایا اور اگر یہ کوئی خوبی کی چیز ہوتی تو دینِ حنیف کے پیرو اس پر سب سے زیادہ گرم جوشی کے ساتھ عمل پیرا ہوتے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کا بیان ہے کہ جب عثمان بن مظعون رضؓ نے تبتّل و انقطاع کی اجازت چاہی تو ہادیٔ انام صلعم نے اس درخواست کو مسترد فرما دیا اور اگر اس کا اذن ہو جاتا تو ہم لوگ (صحابہ رضؓ) خصّی ہو جاتے (بخاری و مسلم)

شاید دنیا میں مسیحیت ہی سب سے پہلا آسمانی مذہب ہے جس نے اپنے پیرووں کو خصّی بننے اور شادی بیاہ ترک کر دینے کی ترغیب دی۔ چنانچہ حسب بیان نصاریٰ مسیح ؑ نے فرمایا: "بہت سے ایسے خصّی پائے جاتے ہیں جنھوں نے آسمانی بادشاہت (نجات اور فلاحِ اُخروی) کے لیے اپنے تئیں خصّی بنا ڈالا ہے" (متّی ۱۹: ۱۲)
اور عیسائیوں کے پولوس رسول نے لکھا: "مرد کے لیے اچھا ہے کہ عورت کو نہ چھوئے" (کرنتھیون اول ۷: ۱) اور لکھا: "جس نے دل میں قصد کر لیا ہو کہ میں اپنی لڑکی کو بے نکاح رکھوں گا، وہ اچھا کرتا ہے، پس جو اپنی کنواری لڑکی کو بیاہ دیتا ہے، وہ اچھا کرتا ہے اور جو نہیں بیاہتا وہ اور بھی اچھا کرتا ہے (ایضاً ۷: ۳۸-۳۹)

راحتوں سے کنارہ کشی

نصاریٰ رہبانیت کا طریقہ جاری کر کے ترکِ دنیا کو تقربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھنے لگے اور اس میں یہاں تک غلو کیا کہ تمام راحتیں اور جائز لذتیں اپنے آپ پر حرام کر لیں۔ حسب زعم نصاریٰ اس سلسلے میں

جناب مسیح ؑ نے عیسائیوں کو روپیہ رکھنے کی بھی ممانعت کی۔ چنانچہ فرمایا: "کوئی شخص اپنے کمربندوں میں سونا چاندی اور تانبا نہ رکھے اور نہ راستے کے لیے کوئی توشہ دان اور نہ دو کپڑے اور نہ دو جوتے اور نہ لاٹھی (متی ۱۰: ۱۰-۱۱) اور فرمایا اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو" نجات حاصل کر سکے۔ متی ۱۹: ۲۵)

غرض نصاریٰ کے زعم میں فلاحِ ابدی جبھی حاصل ہو سکتی تھی کہ دنیا اور اہلِ دنیا سے قطع تعلق کر لیں اور سمجھ رکھا تھا کہ روحانی سعادت اور خدا پرستی کے لیے لازم ہے انسان آسائشوں سے کنارہ کش رہے، لیکن ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر بنی نوعِ انسان ان مسیحی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں تو نہ صرف یہ کہ تمام مادی ترقیاں یکسر رُک جائیں اور انسانی تمدن و معاشرت اسی سطح پر آ جائے جہاں سے ہزارہا سال پیشتر انسانی تاریخ کا آغاز ہوا تھا بلکہ نسلِ انسانی منقطع ہو جائے اور انسانی بستیاں درندوں اور حشرات کا مسکن بن کر رہ جائیں۔

اسلام کا مسلکِ اعتدال

لیکن داعئ اسلام صلعم نے نہ تو نصرانیت کی طرح خصی بننے اور خلقِ خدا سے منقطع ہو کر حلال چیزوں سے دست بردار ہونے کو پسند فرمایا اور نہ عام دنیا داروں کی طرح تن پروری اور دنیوی مشاغل کی شدتِ انہماک کی اجازت دی بلکہ دونوں کے درمیان اعتدالِ حقیقی کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا چنانچہ قرآن کی اس آیت میں اسی جامعیت اور میانہ روی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:۔

وابتغ فیما آتاک اللہ الدار الآخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا۔ (۲۸: ۷۷)	اور یہ جو خدا نے تمھیں دنیا کا ساز و سامان دے رکھا ہے، اس میں سے عالمِ آخرت کی بھی جستجو کیا کرو اور دنیا سے بھی اپنے حصے کو فراموش نہ کرو۔

Marfat.com

اسلام نے ظاہر ہو کر اعلان کیا کہ زندگی کی زینتیں ترک کے لیے نہیں، بلکہ اس لیے پیدا کی گئی ہیں کہ ان سے فائدہ اٹھایا جائے چنانچہ خدائے قدوس کی لسان وحی نے فرمایا:

قل من حرم زینة الله التی اخرج لعباده والطیبات من الرزق (۷-۳۲)	اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے پوچھیے کہ اللہ نے جو زینت کے سازوسامان اور کھانے پینے کی ستھری چیزیں اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں، انھیں کس نے حرام کر دیا؟

غرض قرآن نے اس آیت کی تنزیل کے ساتھ انسان کی دینی ذہنیت کی تقویم بالکل بدل ڈالی۔ پہلے دنیا نجات ابدی اور سعادت اُخروی کے لیے صحرانوردی اور دُنیوی تخریب کا شیوہ اختیار کر رہی تھی لیکن اب اسی نجات و فلاح کو دنیا کی تعمیر و ترقی میں تلاش کرنے لگی۔

اسلام اپنے پیروؤں کو علوم نظریہ اور جدید تحقیقات و اکتشافات میں معروف ہونے سے مانع نہیں بلکہ وہ صلائے عام دیتا ہے کہ اپنی طبعی اور جائز خواہشوں سے حظ اٹھانے میں بنی نوعِ انسان آزاد ہیں بشرطیکہ ان امور میں شریعت الٰہی اور سنّت فطری کے حدود سے قدم باہر نہ رکھیں۔ ظاہر ہے کہ اگر نصرانی مسلک کے بموجب صحرانوردی اور ترکِ لذات کو شعار بنایا جائے تو مادّی ترقیوں کا انسداد تو در کنار انسان اپنے جسمانی حوائج و ضروریات اور متعلقین کے حقوق سے بھی کبھی عہدہ برآ نہ ہو سکے گا۔ پس صحیح اور معتدل عمل وہی ہے جس کی طرف اسلام نے رہنمائی فرمائی ہے۔ ذیل میں چند واقعات درج کیے جاتے ہیں جو ہادیٔ اعظم صلعم کے مسلک حق پر روشنی ڈالتے ہیں۔

ترکِ لذّات کی ممانعت

چونکہ تجرّد و تبتّل، رہبانیت و انقطاع، ترکِ لذّات اور صوم وصال وغیرہ افعال سے حقوق اللہ، حقوق العباد یا حقوقِ نفس میں سے پہنچتا ہے، اس لئے روحانی دنیا کے پیشوائے اعظم صلعم صحابہ اکرام کو ایسے اقدام سے

برابر روکے رہتے تھے۔ ایک مشہور مہاجر صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ کا رھبانیت کی طرف شدید میلان تھا۔ ایک مرتبہ صحابہ رضؓ نے پیغمبر خدا صلعم کی زبان مبارک سے قیامت کے حالات سنے تو دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور دل دنیا سے بالکل سرد ہو گئے۔ نو اصحاب رضؓ، جن میں حضرات ابوبکر رضؓ، علی رضؓ، عبداللہ رضؓ بن مسعود، مقداد رضؓ، ابوذر رضؓ اور سلمان شامل تھے، عثمان رضؓ بن ظعون کے گھر میں جمع ہوئے اور سب نے عہد کیا کہ "باقی عمریں راہبوں کی طرح ترکِ دنیا اور ترکِ لذات میں گزار دیں گے۔ دن کو ہمیشہ روزہ رکھیں گے اور رات بھر عبادت کریں گے۔ گوشت، دودھ، گھی اور ہر قسم کے دوسرے تنعمات سے دست بردار رہیں گے۔ فرش پر نہ سوئیں گے۔ عورتوں سے علیحدہ رہیں گے۔ کمل اور ٹاٹ کے لباس پر اکتفا کریں گے" اس پر رب جلیل نے اپنے حبیب صلعم پر یہ آیت نازل فرما کر انھیں اس ارادے سے منع کر دیا:-

یا ایھا الذین آمنوا لا تحرموا ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔	مومنو! خدا نے جو اچھی چیزیں تم پر حلال کی ہیں انھیں اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

(لباب النقول)

صوم وصال کا امتناع

نبی صلعم صوم وصال یعنی متصل کئی کئی دن کے روزے رکھا کرتے تھے۔ غروب کے بعد سے طلوعِ فجر تک بھی کچھ کھاتے پیتے نہ تھے۔ آپ کو دیکھ کر صحابہ کرام رضؓ نے بھی متصل روزے رکھنے شروع کر دیئے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ متصل ایک ایک ہفتے کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ (اسد الغابہ) لیکن دنیا کے ہادیٔ اعظم ؐ نے صحابہ رضؓ کو اس کی ممانعت کی اور فرمایا: "میری حالت تم سے مختلف ہے۔ مجھے تو خدائے برتر کھلا پلا دیتا ہے (مسلم) یعنی روحانی طاقت بخشتا ہے کہ کئی کئی دن ملائکہ کی طرح بے آب و دانہ گزار سکتا ہوں۔

عثمان رضؓ بن مظعونؓ کو پند و نصیحت

اوپر لکھا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ بن مظعونؓ رہبانیت اور انقطاع کی طرف بڑے مائل تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے ارادہ کیا کہ خصی ہو کر قوائے شہوانیہ کو فنا کر دیں۔ لیکن مصلح اعظم نے انھیں اس ارادے سے روک دیا اور فرمایا۔ "کیا میری ذات تمھارے لیے نمونہ نہیں؟ میں بیویوں سے ملتا ہوں۔ روزے رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں۔ میری امت کا خصی ہونا صرف روزے رکھنا ہے، اس لیے جو شخص خصی ہوگا، وہ میری امت سے نہیں۔"
(ابن سعد)

دوسری روایت میں حضرت عثمان رضؓ بن مظعون عرض پیرا ہوئے: "یا رسول اللہؐ مجھے خصی بننے کی اجازت دیجیے۔" فرمایا: "وہ ہم میں سے نہیں (ہماری سنت کا پیرو نہیں) جو کسی کو خصی کرے یا اپنے آپ کو خصی بنائے اور میری امت کا خصی ہونا روزے رکھنا ہے (کیونکہ اس سے حیوانی خواہشات میں کمی آجاتی ہے)" اس کے بعد حضرت عثمان رضؓ نے التماس کی: "یا رسول اللہ! مجھے ترہّب (ترکِ دنیا اور عزلت گزینی) کی اجازت دیجیے۔" فرمایا: "میری امت کی رہبانیت مسجدوں میں بیٹھ کر نمازِ جماعت کا انتظار کرنا ہے۔" (مشکوٰۃ بحوالۂ شرح السنہ)

ایک روایت میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان رضؓ بن مظعون رات بھر عبادت کرتے اور دن کو روزہ رکھا کرتے اور اہل و عیال کی طرف سے بے نیازی برتتے تھے۔ ایک مرتبہ اُن کی زوجۂ محترمہ حضرت خولہ رضؓ بنت حکیم حرمِ نبویؐ میں آئیں۔ امہات المؤمنین رضؓ نے انھیں میلے کچیلے کپڑوں اور خراب حالت میں دیکھ کر پوچھا: "تم نے ایسی ہیئت و وضع کیوں بنا رکھی ہے؟ تمھارے شوہر تو قریش میں بڑے مالدار ہیں۔" وہ بولیں: "مجھے ان سے کیا سروکار؟ وہ تو رات بھر عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں۔" امہات المؤمنین رضؓ نے سرکارِ رسالت سے اس کا ذکر کیا۔ آپ اسی وقت بنفسِ نفیس ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: "عثمانؓ! کیا میری ذات تمھارے لیے نمونہ نہیں؟" بولے: "یا رسول اللہؐ! میرے ماں

آپ پر قربان ہوں، کیا بات ہوئی؟" ارشاد ہوا: "تم رات بھر عبادت کرتے ہو، دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہو؟" عرض کی: "ہاں یا رسول اللہ ایسا ہی کرتا ہوں" فرمایا: "ایسا نہ کرو۔ تمہاری آنکھ کا، تمہارے اہل و عیال کا تم پر حق ہے۔ رات کو عبادت بھی کرو اور آرام بھی کرو۔ دن کو روزے بھی رکھا کرو اور افطار بھی کرو" غرض اس فہمائش کے بعد جب حضرت خولہ رضہ پھر ازواج طاہرات کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو خوب معطر تھیں اور نفیس لباس پہن رکھا تھا (ابن سعد)

فرزندِ ارجمند کی شکایت

حضرت عثمان رضہ بن مظعون کی طرح جناب عبداللہ رضہ بن عمرو رضہ نے بھی اپنے آپ کو شکنجۂ ریاضت و تقشف میں کس رکھا تھا، شب و روز عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن ان کے والدِ محترم حضرت عمرو رضہ بن عاص ان کے گھر آئے تو بہو کو دیکھا کہ بہت پرانے اور میلے کچیلے کپڑے پہنے ہے۔ اس کا سبب پوچھا۔ بولیں: "آپ کے صاحبزادہ شب و روز عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور ہر روز روزہ رکھتے ہیں اور میری طرف التفات نہیں کرتے"

جناب عمرو رضہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور حضرت عبداللہ رضہ کی شکایت کی۔ آپ نے انھیں بلا بھیجا اور فرمایا: "مجھے تمہاری نسبت معلوم ہوا ہے کہ تم بلاناغہ روزہ رکھتے ہو، کسی دن افطار نہیں کرتے اور رات بھر نماز میں کھڑے رہتے ہو۔ سو ایسا نہ کرو کیونکہ تمہاری دونوں آنکھوں کا بھی حق ہے، جان کا بھی حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی حق ہے، تمہارے مہمان کا بھی حق ہے، اس لیے کسی دن روزہ رکھا کرو اور کبھی ناغہ کرو۔ رات کو نماز (تہجد) بھی پڑھو اور سویا بھی کرو۔ ہر مہینے تین دن روزہ رکھ لیا کرو تو تمھیں سارے مہینے کے روزوں کا ثواب مل جایا کرے گا۔ اور ہر مہینے ایک قرآن ختم کر لیا کرو۔

دوسری روایت میں آپ نے یہ بھی فرمایا: "اگر تم موجودہ طریق عمل جاری رکھو گے تو تمہاری آنکھیں ناتوانی سے اندر گھس جائیں گی اور جان ضعیف و ناتوان ہو جائے گی" حضرت عبداللہ رضہ کے شوقِ فضیلت کو اس سے تسکین نہ ہوئی.....

Marfat.com

عرض پیرا ہوئے: "یا رسول اللہ! مجھ میں اتنی نمازوں اور روزوں سے زیادہ کی طاقت ہے"
ارشاد ہُوا: "اچھا تو پھر داؤدؑ کا روزہ رکھا کرو جو بہتروں روزہ ہے، یعنی ایک
دن کا ناغہ دے کر دوسرے دن روزہ اور ہر ہفتے میں ایک قرآن ختم کر لیا کرو اور
اس پر اضافہ نہ کرو" حضرت عبداللہ رضؓ نے اس کا التزام کر لیا (بخاری و مسلم)

اذیّتِ جان کی بندش

اسی طرح مروی ہے کہ ایک صحابی ایک بار بارگاہِ نبوی
میں حاضر ہوئے اور فیضانِ صحبت سے شرف یاب ہو کر
واپس چلے گئے۔ دوسرے سال پھر حاضرِ خدمت ہوئے تو شکل و صورت اس قدر متغیر
تھی کہ آپ انھیں نہ پہچان سکے۔ اس بنا پر انھوں نے خود اپنا تعارف کیا اور عرض پیرا
ہوئے "یا رسول اللہ! میں وہی شخص ہوں جو پچھلے سال آیا تھا" فرمایا "تمہاری
صورت اس قدر کیوں بدل گئی ہے؟" عرض کرنے لگے: "جب سے حضورؐ سے رخصت
ہُوا ہوں، دن کو کبھی کھانا نہیں کھایا۔ ہمیشہ صائم رہا" ارشاد ہُوا: "تم نے کیوں اپنی جان
کو تکلیف میں ڈالا، صرف رمضان کے روزے رکھا کرو اور اس کے علاوہ ہر مہینے
ایک دن کا (نفلی) روزہ بھی رکھ سکتے ہو" (ابوداؤد)

غار میں گوشہ نشین ہونے کا امتناع

بعض عبادت گزار کسی پہاڑ یا غار یا جنگل بیابان میں رہ کر
مصروفِ عبادت رہنے کو بڑا افضل عمل گمان کرتے ہیں مگر اس
سے چونکہ جمعہ جماعت سے محرومی کے علاوہ بیشمار حقوق اللہ
کا اتلاف لازم آتا ہے، اس لیے اسلام میں اس کی اجازت نہیں دی گئی۔ مشہور صحابی
ابوامامہ باہلی رضؓ کا بیان ہے کہ ایک سریے میں ہم حضرت خیر الانام صلعم کے ہمرکاب
تھے۔ ہم میں سے ایک صحابی رضؓ کا ایک غار پر گزر ہُوا، جس میں تھوڑا سا پانی تھا اور
آس پاس کچھ جھاڑیاں اور بوٹیاں تھیں، جو ترکاری کا کام دے سکتی تھیں۔ ان کے دل
میں ترکِ دنیا کر کے اسی غار میں سکونت پذیر ہو جانے کا خیال موجزن ہُوا۔ پھر اپنے
ساتھیوں سے کہنے لگے: "میں پیغمبر صلعم کی خدمت میں پہنچ کر اپنا یہ خیال ظاہر کروں گا"
آخر عرض پیرا ہوئے: "یا رسول اللہ! مجھے ایک غار مل گیا ہے جس میں بسر اوقات

Marfat.com

کی چیزیں مہیا ہیں اور میرا جی چاہتا ہے کہ وہاں گوشہ گزیں ہو کر ترکِ دنیا کرلوں۔" آپ نے فرمایا: "میں نہ تو یہودیت کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں اور نہ نصرانیت کے ساتھ۔ میں آسان اور سہل دینِ ابراہیم علیہ السلام لے کر آیا ہوں۔" (مسند امام احمد جلد پنجم ص ۲۶۶)

خیثمہ رح کا بیان ہے کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے، اتنے میں ان کا داروغہ آیا۔ انھوں نے اس سے پوچھا کہ غلاموں کو خرچ دے دیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا جا کر ابھی دے دو۔ نبی صلعم نے فرمایا ہے، "انسان کے لیے اتنا گناہ بھی بہت ہے کہ جس کا خرچ اس کے ذمّے ہے، اسے روک رکھے۔" (مسلم)

بے اطلاع اپنا حق لینا

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہند بنت عُتبہ نے (فتح مکہ کے ایام میں) بارگاہ نبوی صلعم میں حاضر ہو کر التماس کی: "یا رسول اللہ! میرا شوہر ابوسفیان بخیل آدمی ہے۔ اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میرے بچوں کو کافی ہو، اس لیے میں اس کے مال میں سے بقدرِ ضرورت..... لیتی ہوں اور اسے اس کی خبر نہیں ہوتی۔ کیا مجھ پر اس کا گناہ ہوگا؟" آپ نے فرمایا: "ابوسفیان کے مال میں سے دستور کے موافق اتنا لے لیا کرو جتنا تمھیں اور تمھارے بچوں کو اکتفا کرے۔ مگر اس کی اجازت نہیں کہ بیجا خرچ کرو۔" (مسلم)

امام نووی رح رقمطراز ہیں: "اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر دوسرے پر کسی کا کچھ حق ہو اور وہ نہ دے یا یہ اسے خبر کیے نہ لے سکے تو اس کے مال میں سے اپنے حق کے موافق لے لینا درست ہے۔ امام شافعی رح کا یہی فتویٰ ہے، لیکن امام ابوحنیفہ رح اور امام مالک رح نے اسے ناجائز کہا ہے۔ ان دونوں کا استدلال دوسری مرویات سے ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلعم کو ذاتی طور پر ابوسفیان کے بخل کا حال معلوم ہوگا جس کی وجہ سے آپ نے ہند کو بے خبری میں بقدرِ ضرورت مال لینے کی اجازت دی ہوگی، پس یہ اجازت آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔

Marfat.com

چالیسواں باب

اسراف وتبذیر

حضرت خیر الانام صلعم کو اسراف، تکلفات، تصنّع اور ظاہرداری سے بڑی نفرت تھی۔ اسراف حد سے بڑھنے کو کہتے ہیں خواہ مال خرچ کرنے میں ہو یا کسی اور کام میں۔ کلام پاک میں اسراف سرکشی اور دوسرے معنی میں بھی آیا ہے لیکن بالعموم یہ مال کے بیجا خرچ کرنے پر مستعمل ہے۔

بیجا خرچ کرنا شیطان کا اتباع ہے

قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں بیجا خرچ کرنے والوں کے خلاف سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ عرب کے محاورے میں جو شخص کسی قوم کی روش پر چلے، اُسے اُس قوم کا بھائی کہا جاتا ہے اور حق تعالیٰ نے صرفِ بیجا کے متعلق فرمایا ہے:

انّ المبذرین کانوا	بیجا خرچ کرنے والے شیطانوں
اخوان الشیاطین	کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے
وکان الشیطٰن	پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔
لربہٖ کفورًا	(۱۷ : ۲۷)

کیونکہ وہ بے محل خرچ کرنے میں شیطانی خواہشات کی تعمیل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انسان کے لیے اخوان الشیاطین کے لقب سے ملقّب ہونا اس کی اتنی بڑی مذمت ہے کہ اس سے بڑھ کر شاید کوئی اور توہین متصوّر نہ ہوگی کیونکہ شیطان سے بدتر دو فرومایہ اور کوئی مخلوق نہیں اور انسان وہ اشرف المخلوق ہستی ہے جس کی طرف رُخ کرکے ابلیس کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لہٰذا اگر انسان اسراف وتبذیر کا مرتکب ہو کر اسی شیطان کی اطاعت کرے تو گویا وہ اپنے ساجد کا ساجد ہو کر اسفل السافلین میں جا گرا۔

Marfat.com

مال کا صرف بیجا مال و زر خدائے ذوالجلال کی بڑی نعمت ہے۔ اس سے ہر قسم کی دینی اور دنیوی حاجات پوری ہوتی ہیں۔ اسے بیجا خرچ کرنا منعم تعالیٰ کی سخت ناشکری ہے جو اغوائے شیطانی سے وقوع میں آتی ہے اور ناشکری کرنے والا انسان ابلیس کے مشابہ ہے جس نے خدائے ذوالجلال کی عطا کردہ قوتوں کو عصیان و اضلال میں خرچ کیا اور خرچ کر رہا ہے۔ مالداروں کو خدا نے مال کی دولت بخشی ہے اور فضول خرچ اسے خدا کی نافرمانی میں صرف کرتے ہیں۔ باری تعالیٰ نے کارہائے خیر میں زر و مال خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، اڑانے اور برباد کرنے کی اجازت نہیں دی۔

اعتدال کی تعلیم اسلام کی نظر میں ایسے لوگ سخت قابل سرزنش ہیں جو بیاہ شادی اور خوشی و غم کی تقریبوں میں فضول خرچی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اسراف سے بچنے کی تعلیم فیاضی کے خلاف نہیں کیونکہ فیاضی بخل اور اسراف کی درمیانی راہ کا نام ہے اور خدائے حکیم و برتر نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے، چنانچہ فرمایا:۔

ولا تجعل یدك	اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے
مغلولة الی عنقك	باندھ لو اور نہ بالکل ہی پھیلا دو
ولا تبسطها كل	ورنہ موردِ ملامت ہو گے اور تہی
البسط فتقعد ملوماً	دست ہو کر بیٹھ رہو گے۔
محسوراً۔	

(۱۷ : ۲۹)

اس آیت میں مومن مامور ہے کہ اعتدال اور میانہ روی کا شیوہ اختیار کرے۔ یعنی نہ تو اتنا بخل کرے کہ مٹھی ہی نہ کھلے اور ہاتھ سکیڑ کر بیٹھ رہے گویا گردن میں بندھا ہوا ہے اور نہ اتنی فراخ دستی اختیار کرے کہ خود تہی دست اور محتاج ہو جائے بلکہ بین بین طرز عمل ہو۔ یہی اصل کرم و سخاوت ہے۔ غرض دوسرے مصارف بیجا تو الگ رہے، صدقات و مبرات میں بھی زیادہ خرچ کرنا پسندیدہ نہیں۔

اسراف اور تبذیر میں فرق حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا:

كلوا واشربوا ولا تسرفوا ۔ (۷ : ۳۱)
کھاؤ اور پیو لیکن اسراف نہ کرو۔

اور فرمایا :۔

ولا تبذر تبذيرًا (۱۷ : ۲۶)
اور روپے پیسے کو بیجا مت اڑاؤ۔

سوال یہ ہے کہ اسراف اور تبذیر میں کیا فرق ہے ؟ سو معلوم ہو کہ ان دونوں کا حاصل ایک ہی ہے یعنی معصیت میں خرچ کرنا خواہ وہ معصیت بالذات ہو، جیسے شراب نوشی، قمار بازی، زنا کاری پر خرچ کرنا یا بالغیر ہو جیسے جائز و مباح فعل میں بہ نیت شہرت و تفاخر خرچ کرنا، غیر ضروری اشیاء خریدنا، ضرورت سے زیادہ مکان تعمیر کرنا۔ اسی طرح بیاہ شادی، دعوت مہمانی، کھانے پینے اور لباس میں بھی اعتدال سے بڑھنا اسراف ہے۔

اسراف و تبذیر کی تشریح

ابو سعید خدری رضہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سرورِ کائنات صلعم ...... منبر پر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے ہم لوگ آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا: "عنقریب تمہارے پاس مال و زر کی فراوانی ہوگی، لیکن مجھے خدشہ ہے کہ تم لوگ کہیں دُنیوی زیب و زینت کے شیفتہ نہ ہو جاؤ"۔ ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! کیا نیکی سے برائی پیدا ہو جائے گی؟" اس سوال کا منشا یہ تھا کہ جب ہم لوگ تجارت وغیرہ جائز ذرائع سے مال حاصل کریں گے تو اس میں شر کا پہلو کہاں سے نکل آئے گا؟ آپ نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور خاموش ہو گئے۔ اتنے میں ہم نے دیکھا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ وحی موقوف ہوئی تو آپ نے اپنی جبینِ مبارک سے پسینا پونچھا (وحی کی گرانی کے باعث سخت جاڑے کے دنوں میں بھی آپ پسینا پسینا ہو جایا کرتے تھے)

آپ نے پوچھا، وہ مستفسر کہاں ہے؟ وحی الٰہی سے اطلاع پانے کے بعد

Marfat.com

آپ نے فرمایا: "بیشک نیکی سے برائی رونما نہیں ہوتی اور مالِ حلال میں کوئی قباحت نہیں، لیکن موسم ربیع میں ایک قسم کی گھاس پیدا ہوتی ہے جسے جانور کھالے تو اس کا پیٹ پھول جاتا ہے۔ پھر وہ ہلاک ہو جاتا ہے یا ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا ہے، یہ گھاس جانور کو کچھ فائدہ نہیں پہنچاتی بلکہ مہلک ہے، لیکن جس جانور نے سبز گھاس کھائی، پھر آسودہ ہو کر آفتاب کے سامنے بیٹھا اور جگالی کر کے اسے ہضم کر لیا اسے ہلاکت کا کوئی خوف نہیں۔

"یہی حال مالِ حلال کا ہے، جب اسے حلال ذرائع سے حاصل کر کے اعتدال کے ساتھ برمحل خرچ کیا جائے گا تو کارآمد ہوگا اور اسراف کیا جائے گا تو نقصان دے گا۔"

اس کے بعد فرمایا: "یتیم پروری، مسافر نوازی اور مسکین پروری کی جائے تو حلال مالِ مومن کا بہترین رفیق ہے، لیکن جو شخص مالِ حلال کو بیجا خرچ کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے، جو کھائے جاتا ہے، مگر اس کا پیٹ نہیں بھرتا، یہ مال قیامت کے دن اس کے خلاف شہادت دے گا۔" (بخاری و مسلم)

دُوسروں کی چیز میں اسراف

یاد رہے کہ زائد از ضرورت مال خرچ کرنے ہی کا نام اسراف نہیں بلکہ جو چیز بھی کفاف اور ضرورت سے زیادہ استعمال کی جائے گی وہ شرعاً اسراف کہلائے گی، یہاں تک کہ غسل اور وضو میں زائد از ضرورت پانی صرف کرنا بھی اسراف میں داخل ہے، گو دریا یا نہر ہی پر غسل یا وضو کر رہے ہوں۔

چنانچہ ایک مرتبہ پیغمبرِ خدا صلعم حضرت سعد رضؓ بن ابی وقاص کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ اس وقت وضو کر رہے تھے اور ضرورت سے زیادہ پانی خرچ کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: "سعد رضؓ! کیا اسراف ہے؟" انھوں نے عرض کی: "یا رسول اللہؐ! کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟" فرمایا: "ہاں، اگرچہ تم جاری نہر ہی پر وضو کر رہے ہو۔" (احمد و ابن ماجہ)

غیر ضروری عمارت پر ناگواری

پیغمبرِ خدا صلعم ان کاموں کو، جن کا مقصد محض

نام و نمود اور اظہار فخر و مباہات ہو، اسراف قرار دیتے تھے، بالخصوص نمائش از ضرورت تعمیرات سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ البتہ ایسی بناء کو آپ نے بڑا کار ثواب بتایا جس کا مقصد نفع عام ہو مثلاً مسجد، مدرسہ، کنواں، مسافر خانہ، شفاخانہ، پُل، حوض وغیرہ۔ غیر ضروری عمارت کو آپ جس قدر ناپسند فرماتے تھے اس کا اندازہ آپ کے ان ارشادات گرامی سے ہو سکتا ہے۔ فرمایا: "اس مٹی (تعمیر) کے سوا مومن جہاں بھی (اسراف سے بچ کر) خرچ کرے، اسے اس کا ثواب ملتا ہے۔" (ترمذی و ابن ماجہ)

اور فرمایا: "مومن (بہ نیت تقرب) جو کچھ بھی خرچ کرے، وہ سب انفاق فی سبیل اللہ ہے لیکن عمارت پر خرچ کرنے میں کوئی نیکی نہیں" (ترمذی) اور فرمایا: "جو شخص اپنا مال بھلائی میں خرچ نہیں کرتا، وہ اسے پانی اور مٹی (عمارت) میں برباد کرتا ہے" (بیہقی فی الشعب) اور فرمایا: "قیامت کی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ لوگ اپنی عمارتوں پر فخر کریں گے" (مسلم)

گنبد تعمیر کرانے پر انصاری سے ترک کلام آپ نے ایک بے مصرف گنبد کی تعمیر پر ایک انصاری سے بولنا چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دن پیغمبر خدا باہر نکلے، ہم لوگ بھی ساتھ تھے، ایک بلند گنبد پر آپ کی نظر پڑی، آپ نے دریافت فرمایا: "یہ کیا ہے؟" آپ کے صحابؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ، انصار میں سے فلاں شخص کا گنبد ہے۔ آپ خاموش ہو گئے لیکن یہ بات اپنے دل میں رکھی۔ اس کے بعد گنبد کے مالک نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر حضورؐ کو سلام کیا، آپ نے منہ پھیر لیا۔ اس کے بعد اس نے متعدد مرتبہ سلام کیا، لیکن آپ ہر مرتبہ روگردانی فرماتے رہے۔ آپ کے اعراض اور چہرۂ مبارک پر غصے کے آثار دیکھ کر اس شخص کو یقین ہو گیا کہ آپ ناخوش ہیں۔

اس کے بعد اس نے آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے شکوہ کیا کہ "حضورؐ کے مزاج مبارک میں برہمی کے آثار دیکھتا ہوں، معلوم نہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟" انھوں نے کہا: "آپ ہمارے ساتھ اُدھر کو تشریف لے گئے تھے، اور تمہارا گنبد دیکھ لیا تھا۔" وہ انصاری مکان پر گیا اور اسی وقت گنبد منہدم کرادیا، یہاں تک کہ اسے زمین کے برابر کر دیا۔ اس کے بعد ایک دن ادھر سے پھر آپ کا گذر ہوا۔ آپ نے گنبد نہ پاکر دریافت فرمایا: "وہ قبہ کیا

ہوا ؟ صحابہ رضنے عرض کیا : " یارسول اللہ ! قبے کے مالک نے ہم سے حضور کے اعراض کی وجہ دریافت کی تھی اور ہم نے اس کی وجہ تعمیرِ قُبّہ بتائی تھی ، اس لیے اس نے جاکر اسے منہدم کرادیا " آپ نے فرمایا : " اُس بنا کے سوا جس کے بغیر انسان کو چارۂ نہیں آخرت میں ہر عمارت اس کے مالک کے لیے وبال اور عذاب کا باعث ہوگی ۔ (ابوداؤد)

تزئینِ مساجد کی ناپسندیدگی آپ کو سادگی پسند اور ظاہری طمطراق سے اس درجہ نفرت تھی کہ مسجدوں کی زیب و زینت تک کو آپ نے پسند نہ فرمایا کیونکہ مسجد کا مقصد خدا کی عبادت ہے اور عبادت نقش و نگار اور سونے چاندی کا پانی پھرائے بغیر بھی ہوجاتی ہے ، بلکہ سچ پوچھیے تو یہ تکلفات خشوعِ صلوٰۃ میں خلل انداز ہوتے ہیں ۔ انھیں معنی میں آپ نے بر سبیلِ انکار فرمایا : " یہود و نصاریٰ نے اپنی عبادت گاہوں کو زینت دے رکھی ہے ۔" (ابوداؤد)

اسلام نے سادگی پسند کی ہے ، بلند ، مزین اور مطلّٰی مساجد تعمیر کرنے کا حکم نہیں دیا ، چنانچہ حاملِ وحی صلعم کا ارشاد ہے : " مجھے مسجدوں کے بلند کرنے (اور ان کی ظاہری آراستگی) کا حکم نہیں دیا گیا " ابن عباس رضنے جو اس حدیث کے راوی ہیں ، اس کی یہ شرح کی ہے کہ مسلمان بھی مسجدوں کو مطلّا بناکر اور ان پر نقش و نگار کر کے ایسی ہی زینت دیں گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے معابد کو مزین کیا " (ابوداؤد)

ظاہر پرستی اور مخلصانہ اعمال ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے ۔ اسی بناء پر حضرت رسالت مآب نے فرمایا : " جب کسی قوم نے مسجدیں آراستہ کیں ، اس کے اعمال بگڑ گئے " (ابن ماجہ)

اور فرمایا : " قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک لوگ مسجدوں (کی آرائش اور ظاہری شان و شوکت) پر فخر نہیں کریں گے ۔" (ابوداؤد ، نسائی ، ابن ماجہ)

بعض علماء کا خیال ہے کہ دورِ حاضر میں مساجد کی بلندی اور زینت و آرائش پر سکوت کرنا چاہیے کیونکہ نصاریٰ اپنے گرجے بہت خوبصورت اور بلند بنا رہے ہیں اور اگر مسجدوں کو سادہ وضع پر رکھا جائے تو غیر مسلمین کی نظر میں اسلام کی وقعت نہ ہوگی ۔ " لیکن ہمیں اس خیال سے تعلق نہیں ، اسلام کو اپنی سادگی پہ ناز ہے ، تزئین

ظاہری شان و شوکت اور بھڑک کچھ غیر مسلموں ہی کو زیب دیتی ہے۔ آرائش مساجد کے متعلق حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت اوپر درج ہو چکی ہے کہ "تم بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے معابد کو مزین کر دو گے" بہت سی قومیں اپنی عبادت موسیقی سے ادا کرتی ہیں یہ فعل سنجیدگی اور وقار کے خلاف ہے۔ اس سے روحانیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ آج کل گرجوں میں راگ اور باجوں کے نغمے مسیحیت کی روح و رواں ہیں۔ وہاں اس سے بالاتر کوئی چیز نہ مل سکے گی۔ لیکن اسلام سادگی سے انسان کے اعلیٰ روحانی جذبات سے اپیل کرتا ہے۔ مساجد میں نمائشی شان و شوکت کا نام نہیں۔ نہ نغمہ ہے نہ باجا، نہ تصویریں ہیں نہ نقوش۔ نہ آثار پرستی ہے نہ رسوم۔ مسجد مراقبے اور مجاہدے کا مقام ہے جہاں ایک عاجز نمازی خدائے برتر کے حضور میں اپنی خودی فراموش کر دیتا ہے۔ اور اس کے باطن میں اخلاق خداوندی کا رنگ جلوہ گر ہوتا ہے۔ یہاں کسی انسان کی توجہ ایک نقطے پر مرکوز کرنے کے لیے کسی خارجی محرک باجے یا نغمے یا آرائش مکان کی ضرورت نہیں بلکہ یہ چیزیں تو الٹی نمازی کے خشوع و خضوع میں مخل ہوتی ہیں۔

مسجدیں مُعطّر کرنا

لیکن یاد رہے کہ مسجدیں معطّر رکھنا مسنون اور باعث ثواب ہے، چنانچہ جب آنحضرت صلعم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے محلوں میں مسجدیں بنانے اور انھیں معطّر و خوشبودار رکھنے کا حکم دیا۔ (ابوداؤد، ترمذی) بعض علماء نے عطر اور زعفران سے مساجد کا معطّر کرنا مستحب بتایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کا بیان ہے جب امیرالمؤمنین حضرت عمر رضؓ منبر پر خطبہ دینے کے لیے بیٹھتے تو لوبان اور عود کی دھونی کی جاتی اور جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ نے کعبے کی جزوی تعمیر کی تو اس کی دیواروں پر کستوری ملوائی (ابن ابی شیبہ)

چھت گیر اور پردوں کی ناپسندیدگی

پیغمبر خدا صلعم کا معمول تھا کہ جب سفر سے مراجعت فرما ہوتے تو سب سے پہلے سیدہ جنت حضرت فاطمہ زہرا رضؓ سے ملنے جاتے۔ ایک مرتبہ سفر سے مراجعت کرنے کے بعد حضرت سیدہ رضؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس وقت سیدہ فاطمہ رضؓ نے زینت کے لیے

دروازے پر پردہ لٹکا دکھا تھا۔ آپ اندر نہ گئے۔ باہر ہی سے لوٹ آئے تھوڑی دیر میں جناب علی مرتضیٰ رضہ گھر گئے تو سیدہؓ کو ملول پایا۔ پوچھنے لگے: "اس غم واندوہ کی وجہ کیا ہے؟" فرمایا: "رسولِ خدا یہاں تشریف لائے تھے لیکن باہر ہی سے واپس چلے گئے۔" یہ سُن کر حضرت علی رضہ آستانۂ نبوت میں حاضر ہوئے اور التماس کی: "یا رسول اللہ! آپ فاطمہ کے یہاں تشریف لے گئے اور اندر گئے بغیر لوٹ آئے اس وجہ سے آپ کی صاحبزادی بہت غمگین ہیں۔" فرمایا: "مجھ سے اور نقش ونگار سے کیا علاقہ اور مجھے دنیا سے کیا واسطہ؟" یہ سُن کر حضرت علی رضہ گھر پہنچے اور حضورؐ کا ارشاد جا سنایا۔ حضرت سیدہ رضہ نے فرمایا: "اچھا ذرا جاکر آنحضرتؐ سے یہ پوچھ آؤ کہ اب اس پردے کو کیا کروں؟" حضرت علی رضہ نے آکر پوچھا تو آپ نے فرمایا: "فلاں فلاں لوگوں کے پاس بھیج دو" (ابوداؤد) ایک مرتبہ کسی نے حضرت علی رضہ کی دعوت کی اور کھانا تیار کرکے ان کے گھر بھجوا دیا۔ حضرت سیدہ رضہ کہنے لگیں: "اگر رسول اللہؐ بھی تشریف لاتے اور ہمارے ساتھ کھانے میں شامل ہوتے تو خوب تھا۔" حضرت علی رضہ نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوکر شریکِ طعام ہونے کی درخواست کی۔ آپ تشریف لے گئے لیکن دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ دیواروں پر پردے لٹک رہے ہیں۔ حضرت خیرالبشرؐ وہیں سے واپس چلے آئے۔ حضرت علی رضہ نے واپسی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا: "یہ نبی کے شایاں نہیں کہ وہ کسی زیب وزینت کے مکان میں داخل ہو" (ابوداؤد)

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کا بیان ہے: "ایک مرتبہ سیدِ عالم صلعم سفر میں تھے اور میں آپ کے قدوم کی منتظر تھی۔ میں نے ایک پردہ لے کر دروازے کی دیوار پر لٹکا دیا۔ جب آپ تشریف لائے تو میں استقبال اور سلام کے لیے اُٹھی اور کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ اس کے بعد میں نے کہا: خدائے برتر کا ہزار ہزار شکر ہے جس نے آپ کو نوازا اور عزت بخشی۔ مگر آپ کی نظر مبارک پردے پر جا پڑی۔ آپ نے میرے سلام کا کچھ جواب نہ دیا اور میں نے دیکھا کہ آپ کے رُخِ انور پر ناراضی کے آثار نمایاں ہیں۔ آپ پردے کے پاس تشریف لائے

اور اسے اُتار کر فرمایا: "خدا نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ ہم اس کے عطیے میں سے اینٹ اور پتھر کو بھی کپڑے پہنائیں" ام المومنین فرماتی ہیں: "میں نے یہ پردہ کاٹ کر دو تکیے بنا لیے اور ان کے اندر خرما کا پوست بھر دیا" (ابوداؤد) بخاری اور مسلم نے بھی یہ واقعہ مختصراً روایت کیا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رض کا بیان ہے: "ایک بار آپ جہاد کو تشریف لے گئے تو میں نے ایک چادر لے کر دروازے پر لٹکا دی۔ جب آپ مراجعت فرما ہوئے تو چادر دیکھ کر ناخوش ہوئے، آپ نے اسے کھینچا، یہاں تک کہ پھاڑ ڈالا یا کاٹ ڈالا۔ پھر فرمایا: "ہمیں پتھر اور مٹی کو کپڑا پہنانے کا حکم نہیں دیا گیا" میں نے اسے کاٹ کر دو تکیے بنا ڈالے، جن کے اندر کھجور کی چھال بھری (رواہ مسلم) اس چادر کے ناپسند فرمانے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اس پر تصویریں بنی تھیں۔ (رواہ مسلم)

اکتالیسواں باب

عہد شکنی اور غدّاری

اسلام نے اپنے پیرووں کو نرمی اور سختی دونوں قسم کی مناسب قوتوں کے امتزاج کی تعلیم دی ہے، حضرت خاتم الانبیاء صلعم جس طرح تواضع اور خاکساری کی صفت سے موصوف تھے، اسی طرح شجاعت و اولوالعزمی میں سرآمد روزگار تھے۔ جس طرح آپ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہ لیا اور ہمیشہ عفو و درگزر سے کام لیا، اسی طرح آپ غدّاروں اور عہد شکنوں کو قرار واقعی سزا بھی دیتے تھے۔ یہاں بطور نمونہ دو یہودی قبیلوں بنی نضیر اور بنی قریظہ کی غدّاری و عہد شکنی پر روشنی ڈال کر بتایا جائے گا کہ آپ نے ان ظالموں کو کس طرح کیفر کردار تک پہنچایا

یہود سے معاہدہ مدینہ منورہ کے اندر اور اس کے باہر تین مشہور یہودی قبیلے آباد تھے۔ بنی نضیر، بنی قریظہ، اور بنی قینقاع۔ حضرت خیرالانام صلعم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان یہودی قبائل سے ایک معاہدہ کیا تھا جسے ابن ہشام نے پوری تفصیل سے نقل کیا ہے۔ یہ دستاویز خاصی طویل ہے لیکن میں صرف وہ الفاظ یہاں درج کرتا ہوں جن کا اس بات سے براہِ راست تعلق ہے۔

۱۔ یہود اور مسلمان ایک متحدہ سیاسی قوم تسلیم کیے جائیں گے، البتہ یہود کو اپنے دین پر رہنے کی آزادی ہوگی اور مسلمانوں کو اپنے پر۔ وہ خود بھی اور ان کے موالی بھی۔ ہاں اگر کوئی ظلم یا عہد شکنی کرے تو اس کا وبال اس کی ذات یا خاندان کے سوا کسی دوسرے پر نہیں پڑے گا۔

۲۔ یہود اس وقت تک مسلمانوں کے ساتھ مصارفِ جنگ برداشت کرتے رہیں گے، جب تک وہ مل کر مصروف پیکار رہیں۔

۳۔ ان میں سے کوئی بھی محمد (صلعم) کی اجازت کے بغیر کسی پر فوج کشی

گھر نہ سمجھیے) نہیں نکلے گا۔

۴۔ جو کوئی ان معاہدین سے جنگ کرے، یہود اور مسلمان ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

۵۔ اگر ان معاہدین کا آپس میں کوئی جھگڑا ہو جائے تو یہ معاملہ فصل خصومت کے لیے رسولِ خدا (صلعم) کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

۶۔ قریشِ مکہ کو کسی حال اور کسی شکل میں پناہ نہیں دی جائے گی اور نہ ایسے شخص کو، جو ان کا مددگار ہو۔

۷۔ اگر کوئی بیرونی طاقت مدینہ پر حملہ آور ہوگی تو یہودی اور مسلمان مل کر مدافعت کریں گے اور ایک دوسرے کے مددگار ہوں گے۔

بنی نضیر کی غداری بنی نضیر مدینہ منوّرہ سے باہر جنوب مشرق میں دو میل کی مسافت پر اپنے قلعوں میں سکونت پذیر تھے۔ زمینداری کے علاوہ ساہوکارہ اور تجارتی کاروبار بھی کرتے تھے۔ قریشِ مکہ سے ان کے گہرے تجارتی تعلقات تھے۔ بنی نضیر شروع میں تو نبی صلعم سے معاہدہ کر کے آپ کے حلیف ہو گئے تھے مگر جنگِ اُحد میں مسلمانوں کو کفارِ قریش سے ہزیمت ہوئی تو بنی نضیر کے دماغوں میں بھی سرکشی کے جراثیم پیدا ہو گئے۔ اس سے پہلے غزوۂ بدر کے بعد قریش کے سردار ابوسفیان کو، جو نبی صلعم پر شبخون مارنے آئے تھے، بنی نضیر کے سردار سلام بن مشکم نے اپنے پاس مہمان رکھا اور ہر طرح امداد دینے کا یقین دلایا۔ چنانچہ ابوسفیان نے اس کی مدد سے بعض انصار مدینہ پر، جو اپنے کھیتوں میں مصروفِ کار تھے، رات کو حملہ کیا اور صحابہ کرام رضا نے خبر پا کر تعاقب کیا۔ اس کے بعد بنی نضیر کفارِ مکہ سے نامہ و پیام کرنے لگے۔ آخر ان کے بڑے سردار کعب بن اشرف نے چالیس سواروں کے ساتھ مکہ جا کر مسلمانوں کے خلاف قریش سے عہد و پیمان کیا۔

سنہ ۴ھ میں بنی عامر نے سرورِ کون و مکان صلعم کے ستر قاری اصحاب، بیر معونہ میں تیغ جفا سے شہید کر دیے تھے اور ایک صحابی حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری رضا نے اس

Marfat.com

حادثے سے بچ کر مدینہ منورہ کی راہ لی۔ وہ مدینہ واپس جا رہے تھے کہ انھیں راستے میں قبیلہ بنی عامر کے دو آدمی ملے۔ انھوں نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور انتقاماً ان دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حالانکہ ان دونوں کے پاس رسولؐ خدا کا پروانۂ راہداری موجود تھا مگر حضرت عمرو بن اُمیہ رضؓ کو اس کا علم نہ تھا۔ جب وہ آستانِ نبوت میں حاضر ہوئے اور بنی عامر کے دو مقتولوں کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ دونوں ناحق مارے گئے۔ اب ان کا فدیہ ادا کرنا پڑے گا۔

بنی عامر یہودی قبیلہ بنی نضیر کے حلیف تھے۔ حضرت سرورِ کون و مکان صلعم اپنے اصحابِ کبار کی ایک جماعت کے ساتھ جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، حضرت عمر فاروق رضؓ، حضرت علی مرتضیٰ رضؓ، حضرت طلحہ رضؓ، حضرت زُبیر رضؓ، حضرت سعد بن مُعاذ رضؓ، حضرت سعد رضؓ بن عبادہ اور حضرت اُسید رضؓ بن حُضیر شامل تھے، بنی نضیر کے پاس اس غرض سے تشریف لے گئے کہ اُن سے اُن دو عامری مقتولوں کے خون بہا کا تصفیہ کریں جنھیں عمرو بن اُمیہ ضمری رضؓ نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔

جب آپ نے اُن سے اس مسئلے پر گفتگو فرمائی تو بنی نضیر کا رئیس اعظم حیی بن اخطب آپ سے کہنے لگا: "اے ابوالقاسم! آپ ذرا توقف فرمائیے اور اطمینان رکھیے۔ جو کچھ آپ فرمائیں گے، ہم دل و جان سے اس کی تعمیل کریں گے۔ بالفعل آپ اور آپ کے اصحاب تشریف رکھیں۔ ہم آپ کے لیے کھانا تیار کراتے ہیں۔ کھانے سے فراغت پا کر اطمینان سے بات چیت ہوگی۔" سرورِ دو جہان صلعم نے یہ التماس قبول فرمائی۔

قتلِ رسولؐ کی تدبیر

اب ان لوگوں نے خلوت میں جا کر مشورہ کیا کہ کوئی ایسی تدبیر اختیار کی جائے جس سے محمد (صلعم) اور ان کے اصحاب کا کام یہیں تمام کر دیا جائے۔ اس وقت آپ پشت بدیوار بیٹھے تھے۔ بنی نضیر کا رئیسِ اعظم حیی بن اخطب اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: "ایسا سُنہری موقع

پھر کبھی ہاتھ نہ آئے گا۔ مصلحت وقت یہ ہے کہ چند آدمی نہایت خاموشی سے چھت پر چڑھ کر ایک بڑا پتھر محمد (صلعم) پر لڑھکا دیں کہ آناً فاناً کام تمام ہو جائے چنانچہ عمرو بن حجاش اور چند دوسرے جوان اس کام پر متعین ہوئے۔

لیکن خود ایک یہودی سردار نے اس تجویز کی مخالفت کی اور کہنے لگا: "محمد صلعم سے تمہارا معاہدہ ہے اور ان کی طرف سے کبھی نقض عہد نہیں ہوا۔ اگر ان کے سر پر پتھر گرانے کا فیصلہ ہوا تو انھیں آسمان کی طرف سے اس کی اطلاع پہنچ جائے گی اور ہماری طرف سے نقض عہد ہونے کے بعد قوم کو بہت بری طرح اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔" مگر کسی نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ یہ موقع ہاتھ سے دینا انتہا درجے کی حماقت ہے۔ آخر ایک بڑا پتھر پچھلی جانب سے آنحضرتؐ کے اوپر لایا گیا۔ معاً جبریل امینؑ نے بہ امر رب العالمین آکر آپ کو اس کی خبر کر دی۔

آپ انتہا درجے کے دور اندیش تھے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے اس کا ذکر نہ کیا کیونکہ اگر یہود کو معلوم ہو جاتا کہ ان کا راز فاش ہو گیا ہے تو ممکن تھا کہ وہ بے دھڑک لڑائی پر آمادہ ہو کر حملہ آور ہونے۔ ادھر آپ کے ساتھ کل آٹھ جاں نثار تھے، جو سب کے سب نہتے اور غیر مسلح تھے۔ آپ گویا شیر کے بھٹ میں گھس آئے تھے اور حالت جتنی مخدوش تھی، وہ ظاہر تھی۔ اس لیے آپ نے ساتھیوں کو وہیں چھوڑا اور خود تنہا چپکے سے نکل کھڑے ہوئے۔ اور یہودی یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ اور آپ کے اصحاب یہیں موجود ہیں۔ جب آپ دیر تک مراجعت فرما نہ ہوئے تو آپ کے رفقاء بھی مدینہ لوٹ آئے۔

غداروں سے حضورؐ کا سلوک

اس کے بعد جب آپ مسجد میں تشریف لائے اور اس فوری مراجعت کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے یہود کے فاسد اقدام کی اطلاع دی۔ لیکن اس غداری کے باوجود بنو نضیر کے خلاف کوئی جا[ر]حانہ اقدام نہ کیا گیا۔ بنی نضیر قبیلہ اوس کے حلیف تھے، اس لیے پیشوائے امت صلعم

محمد بن مسلمہ اوسی رضؓ کو یہ پیغام دے کر ان کے پاس بھیجا کہ ہمارا تمھارا عہد و پیمان ٹوٹ گیا کیونکہ تم نے بدعہدی کی ہے، تمھارا ظاہر اور باطن یکساں نہیں اور مسلمانوں کے حق میں تمھاری ہمسایگی سخت خطرناک ہے، اس لیے تمھیں دس دن کی مہلت دی جاتی ہے، اس مدت میں یہاں سے چلے جاؤ، جائداد منقولہ ساتھ لے جا سکتے ہو، ہر سال بہ سال آ کر اپنے نخلستانوں کی فصل لے جانے کی تمھیں اجازت ہوگی۔

عبداللہ بن اُبی کا پیغام

جب انھیں معلوم ہوا کہ ہمارے حلیف اوس کسی طرح ہمیں مدد دینے کو تیار نہیں تو ان کی طرف سے مایوس ہو گئے، لیکن انھیں اپنے مضبوط قلعوں پر جن میں وہ رہتے تھے، بڑا ناز تھا، اس کے علاوہ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کو نضیریوں کے اس قصد کا علم ہوا تو اس نے انھیں پیغام بھیجا کہ "تم محمد (صلعم) سے ہرگز نہ دبو۔ بنی قریظہ اور حلفائے غطفان بھی تمھاری اعانت کریں گے، علاوہ بریں میرے پاس دو ہزار بہادروں کی جمعیت ہے، یہ لوگ جانیں دے دیں گے مگر تم لوگوں پر آنچ نہ آنے دیں گے۔" مگر یہ محض چکما تھا کیونکہ رئیس المنافقین کی تو یہ خواہش تھی کسی طرح بنی نضیر سرورِ عالم ﷺ سے مقابلہ کریں اور وہ تماشا دیکھے۔ وہ خود تو علانیہ اسلام کے مقابلے میں نہیں آسکتا تھا کیونکہ منافق تو اپنے آپ کو مسلمان ہی ظاہر کرتے تھے۔

اگرچہ بنی نضیر کے ضعیف العمر اور معاملہ فہم افراد نے پھر بھی یہی مشورہ دیا کہ آنحضرت صلعم کی پیش کردہ شرطوں پر صلح کر لی جائے، مگر رئیس قبیلہ حیی بن اخطب رئیس المنافقین کا پیغام پہنچنے پر اکڑ گیا، مقابلے کا فیصلہ کیا اور قلعہ بند ہو کر رسولِ خدا صلعم کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم یہاں سے نہیں نکلیں گے، تم جو کچھ ہمارا بگاڑ سکتے ہو بگاڑ لو۔ اس پیغام کے بعد سرورِ انبیاء ع نے حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم رضؓ کو شہر میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور جاں نثار صحابہ رضؓ کو پیش قدمی کا حکم دیا۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں جاں نثارانِ اسلام کی فوج ظفر موج ان کے سر پر تھی۔

آپ نے وہاں پہنچ کر نماز عصر ادا کی اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ اب قلعوں سے

Marfat.com

تیر اور پتھر برسنے لگے، گیارہ یا پندرہ شبانہ روز محاصرہ رہا۔ بنو نضیر جان محصوری ... برابر اس کے منتظر رہے کہ کسی طرف سے کوئی کمک آتی ہے مگر کسی میں کوئی ادنیٰ حرکت بھی پیدا نہ ہوئی۔ جب قلعوں میں چھپے ہوئے یہودیوں کے باہر نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوئی تو آپ نے وحی الٰہی کے مطابق حکم دیا کہ ان کے باغ کاٹ ڈالو اور کھجور کے درخت اکھاڑ دو تاکہ باہر نکل کر جلد فیصلہ کرنے پر مجبور ہوں۔ جب درخت کٹنے لگے تو بنی نضیر نے پیغام بھیجا کہ خیر ہم تو مجرم سہی، جس کی وجہ سے ہمارے درپئے قتل ہو، لیکن ان بیچارے درختوں نے کیا قصور کیا ہے، جس کی سزا میں ان کے سر قلم ہو رہے ہیں۔ ان کے اس پیغام کا منافقوں میں چرچا ہوا اور بعض مسلمانوں کو بھی ان کی باتیں سن کر کچھ پریشانی ہوئی۔ اس پر سورۂ حشر کی یہ آیت نازل ہوئی:-

ما قطعتم من	اُن کے کھجوروں کے درخت جو
لینۃٍ او ترکتموھا	تم نے کاٹے یا انھیں جڑوں سمیت
قائمۃً علیٰ اصولھا	کھڑا رہنے دیا تو یہ سب کچھ خدا
فباذن اللہ ولیخزی	ہی کے حکم سے ہے اور خدا کو منظور
الفسقین ۔ (سورہ حشر)	تھا کہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔

بنی نضیر کا اخراج درخت کٹتے دیکھ کر محصور یہودی سخت وحشت زدہ اور مرعوب ہوئے اور کہلا بھیجا کہ ہمیں جان کی امان دی جائے تو ہم خود ہی یہاں سے نکل جانے پر تیار ہیں۔ پیغمبرؐ خدا نے کہلا بھیجا: "تم اطمینان سے نکل جاؤ، تمہارے جان و مال سے کوئی تعرض نہ کرے گا، مگر ہتھیار یہیں چھوڑ جاؤ کہ یہ تمہاری سرکشی کی سزا ہے۔ بنی نضیر اس پر راضی ہو گئے۔ ان میں سے بعض شام کو چلے گئے اور بعض نے خیبر میں بود و باش اختیار کی۔ جاتے وقت حسد کے مارے اپنے گھروں کے کواڑ، تختے، بازو، کڑیاں، چوکھٹ تک اکھاڑ کر اونٹوں پر بار کر لیے، لیکن کسی نے ان سے تعرض نہ کیا۔ سامان سے لدے ہوئے چھ سو اونٹ ان کے

Marfat.com

ساتھ تھے۔ یہ لوگ دف اور مزامیر بجاتے ناچتے کودتے اس طرح گئے جیسے وہ وطن عزیز سے نہیں بلکہ جشن منانے جا رہے ہیں۔ زمین سوچالیس تلواریں، پچاس زرہیں اور پچاس خود مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ سورۂ حشر کی مندرجہ ذیل آیتوں میں انھیں بنی نضیر کے اخراج کا ذکر ہے:

ھو الذی اخرج	وہ خدا ہے برتر ہی تو ہے جس
الذین کفروا من	نے کفار، اہل کتاب کو پہلے ہی
اھل الکتب من دیارھم	حشر یعنی اجتماع لشکر پر ان
لاول الحشر ط ما	کے گھروں سے نکال باہر کیا۔
ظننتم ان یخرجوا	مسلمانو! تم کو تو وہم و گمان بھی
وظنوا انھم	نہ تھا کہ وہ اپنے گھروں سے
مانعتھم حصونھم من	نکل جائیں گے اور وہ اس خیال میں
اللہ فاتھم اللہ من	مست تھے کہ اُن کے قلعے اُن
حیث لم یحتسبوا و	کو خدا کی پکڑ سے بچا لیں گے
قذف فی قلوبھم	تو جدھر سے اُن کو گمان بھی نہ
الرعب یخربون	تھا خدا (کے لشکر) نے ان کو
بیوتھم بایدیھم	آلیا اور ان کے دلوں میں مسلمانوں
و ایدی المؤمنین	کی دھاک بٹھا دی کہ اپنے گھروں
فاعتبروا یا اولی	کو اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے
الابصار۔ ولو لا	ہاتھوں اجاڑنے لگے سو اے
ان کتب اللہ	چشم بینا رکھنے والو! اس واقعے
علیھم الجلاء لعذبھم	سے عبرت پکڑو اور اگر خدا نے
فی الدنیا ولھم فی	جلا وطن ہونا ان کی تقدیر میں
الاخرۃ عذاب النار۔	نہ لکھا ہوتا تو خدا انھیں (دوسری

طرح) دنیا میں سزا دیتا اور آخرت میں تو انھیں دوزخ کا عذاب ہونا ہی ہے۔

(۵۹ : ۲-۳)

یہ واقعہ ربیع الاول ۴ھ کا ہے۔ پھر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رض نے اپنے دورِ خلافت میں تمام یہودیوں کو شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔ یہ دونوں جلاوطنیاں حشرِ اول اور حشرِ دوم کہلاتی ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: اے مسلمانو! ان کی شوکت اور سر و سامان کو دیکھ کر تمہیں وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ وہ کبھی اپنے گھروں سے نکلیں گے۔ وہ اپنے قلعوں کے استحکام پر ایسے مطمئن اور نازاں تھے کہ ان کے دل میں انتقامِ غیبی کا کبھی خیال بھی نہ آیا تھا۔

بنی قریظہ کی مسلسل بد عہدیاں

رب العالمین عزّ اسمہٗ نے اپنے کلامِ پاک میں فرمایا:

الذین	جن سے
عاهدت	آپ نے
منهم ثم ينقضون	صلح کا عہد و پیمان کیا۔ پھر اپنے
عهدهم في كل	عہد و پیمان کو ہر مرتبہ توڑتے
مرة و هم لا	ہیں اور بد عہدی کے وبال سے
يتقون ۝ فاما	نہیں ڈرتے تو اگر آپ لڑائی
تثقفنهم في الحرب	میں اُن لوگوں پر غالب پائیں تو
فشرد بهم من	ان کو ایسی عبرتناک سزا دیجیے
خلفهم لعلهم	کہ جو لوگ ان کی پشت پناہ ہیں
يذكرون ۔	ان کی حالت دیکھ کر بھاگ کھڑے

ہوں اور انہیں احساس ہو کہ نقضِ امن کا یہ وبال ہے۔ (۸ : ۵۶ - ۵۷)

یہ آیت یہود بنی قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور اوپر معلوم ہوا ہوگا، اُن سے بھی سید العرب والعجم صلعم کا معاہدہ تھا۔ بنی قریظہ کی طرف سے عہد و پیمان تھا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں کسی کا ساتھ نہ دیں گے اور کسی کے مددگار نہ ہوں گے۔ لیکن انہوں نے عہد شکنی کی۔ غزوۂ بدر میں ہتھیاروں سے دشمنانِ اسلام کی مدد کی۔

لڑائی کے بعد جب انھیں عہد شکنی پر ملامت کی گئی تو کہنے لگے کہ ہم تو معاہدہ بالکل بھول گئے تھے، یہ جو کچھ ہُوا، سہواً ہُوا۔ اس عذر داری پر دوبارہ عہد و پیمان ہُوا اور انھوں نے حتمی وعدہ کیا کہ وہ آئندہ قطعاً دشمنانِ اسلام کو منہ نہ لگائیں گے۔ لیکن غزوۂ خندق میں از سرِ نو اعدائے رسالت سے مل کر مسلمانوں سے لڑے غزوۂ احزاب میں انھوں نے دشمنانِ اسلام کی جو رفاقت کی اس کی تفصیل یہ ہے:۔

بنی نضیر کے سردار

بنی نضیر کے جو یہودی مدینہ سے خارج البلاد ہو کر خیبر میں جا آباد ہوئے، ان میں حیی بن اخطب، سلام بن ابی حقیق اور کنانہ بن ربیع اپنی قوم کے معزز آدمی تھے۔ خیبر میں ان تینوں کی بڑی آؤ بھگت ہوئی اور ہر جماعت نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ان کا اتنا اعزاز و اکرام ہُوا کہ سب نے انھیں سردارِ قوم تسلیم کر لیا، لیکن اس عزت افزائی سے ان کے دل کی جلن کم نہ ہوئی۔ انھیں اپنی ذلت اور جلا وطنی کا بڑا صدمہ تھا۔ وہ مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے تڑپ رہے تھے۔ چنانچہ یہاں پہنچ کر انھوں نے مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جال پھیلا دیا۔ یہ تینوں مکہ معظمہ پہنچے اور روٴسائے قریش سے کہنے لگے کہ اگر تم ہمارا ساتھ دو تو مسلمانوں کا (خدانخواستہ) قلع قمع بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ قریش نے رفاقت پر ہمہ تن آمادگی ظاہر کی۔

قریش کو آمادۂ پیکار کر کے یہ تینوں دشمنانِ اسلام قبیلۂ غطفان کے پاس گئے اور ان کے سامنے خیبر کے نصف محاصل کی رشوت پیش کر کے انھیں بھی تیار کیا۔ اس کے بعد قبائل بنی اسد، بنی سُلیم اور بنی سعد کو گانٹھا۔ غرض تمام قبائل عرب سے ایک لشکرِ گراں تیار ہو کر مدینہ طیبہ کی طرف بڑھا۔ چونکہ بنی قریظہ نے سرورِ انبیاء صلعم سے معاہدہ کر رکھا تھا، وہ قبائل کے اس اتحاد میں شامل نہ ہوئے۔

لیکن حیی بن اخطب کو یہ کہاں گوارا تھا کہ وہ الگ تھلگ رہیں۔ بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا۔ قلعے کا دروازہ بند تھا۔ حیی نے دربان کے ذریعے سے اپنی آمد کی اطلاع کرائی۔ کعب اس کا نام سن کر کہنے لگا: "یہ شوم بوالفضول اس

Marfat.com

غرض سے آیا ہو گا کہ محمد (صلعم) سے ہمارا جو معاہدہ ہے، ہم اسے توڑ دیں۔ اس لیے جواب دینا ضروری نہیں۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو دروازہ کھٹکھٹانے اور زور زور سے چلانے لگا کہ کعب دروازہ کھلوا دو۔ کعب نے دربان کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ تو بنی نضیر کو قعرِ ہلاکت میں ڈال دینے کے بعد اس لیے آیا ہے کہ اپنی شامت ہم پر ڈالے، ہم تو محمد (صلعم) سے کبھی نقضِ عہد نہیں کریں گے۔

اس کے جواب میں حیی نے کہلا بھیجا: "میں تمھارے لیے دائمی عزت کا سہرا لایا ہوں۔ اس وقت تمام اشرافِ قریش کنانہ غطفان بنی اسد، بنی سُلیم، بنی سعد جمع ہیں اور سب عہد و پیمان کر چکے ہیں کہ جب تک محمد (صلعم) اور ان کے اصحاب کی (معاذ اللہ) بیخ کنی نہ کر لیں گے، پیچھے جانے کا نام نہ لیں گے۔" کعب نے کہلا بھیجا کہ تو عزت نہیں بلکہ ذلّت کا پیغام لایا ہے، چلا جا مجھے تجھ سے کوئی سروکار نہیں۔ ابن اخطب بڑا گرگ باراں دیدہ تھا۔ اب اس نے دوسرا پہلو بدلا اور ازراہِ فریب کہنے لگا کہ تو اس خیال سے دروازہ نہیں کھولتا کہ کہیں کھانا نہ کھلانا پڑے۔ کعب تو بڑا فیاض تھا، یہ بخل کا شیوہ کب سے اختیار کیا ہے؟ چونکہ عرب میں بخل خِسّت سے بڑھ کر اور کوئی برائی نہ تھی، کعب پر یہ طعن بہت شاق گزرا۔ مجبور ہو کر دروازہ کھلوا دیا اور اس کی ضیافت کرنی پڑی۔

حیی بن اخطب کی تجویز

اب مزید سلسلۂ گفتگو شروع ہوا۔ حیی نے کہا: "مسلمان دین موسوی ؑ کے دشمن ہیں۔ دینِ حق کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے ہیں، اس لیے میں نے فوجوں کا دریائے بیکراں مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا ہے، اس وقت قریش اور سارا عرب امنڈ آیا ہے۔ تم بھی ساتھ دو تو محمد (صلعم) اور ان کے پیروؤں کو صفحۂ عالم سے محو کر دیں۔ دیکھو، یہ موقع ہاتھ سے دینے کا نہیں۔" کعب نے جواب دیا: "میں نے محمد (صلعم) کو ہمیشہ صادق القول و صادق الوعد پایا ہے۔ ان سے ہمارا معاہدہ ہے۔ پھر یہ بھی تو سوچو کہ اگر قریش اور دوسرے حلفاء نے ہزیمت کھا کر مراجعت کی تو محمد (صلعم) ہم بنی قریظہ میں سے

کسی کو زندہ نہ چھوڑیں گے کیونکہ ان کے نزدیک بدعہدی سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں۔"

ابن اخطب نے کہا: "خدا کا نام لو، ایسا کیوں ہونے لگا۔ سارے عرب کے مقابلے میں مٹھی بھر جماعت کی کیا حقیقت ہے اور اگر بفرضِ محال ایسا ہو بھی تو میں ہر طرح تمہارا شریکِ حال ہوں۔

غرض حیی نے کعب کو ایسے ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ عہد شکنی پر راضی ہو گیا اور عہد نامہ منگوا کر چاک کر ڈالا۔ ابن اخطب یہاں سے فائز المرام ہو کر مجمع احزاب میں پہنچا اور بنی قریظہ کے نقضِ عہد کا مژدہ سُنا کر سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ جب یہ خبر حضرت سید الانام صلعم کے سمعِ مبارک میں پہنچی تو آپ نے حضرت زبیر بن عوام رضؓ کو تحقیقِ احوال کے لیے روانہ فرمایا۔ انھوں نے واپس آکر عرض کی کہ بنی قریظہ لڑائی کی تیاریاں کر رہے ہیں اور بکثرت سامان حرب اور مال مویشی جمع کیے ہیں۔

سردارانِ اوس کی سعیِ تفہیم

یہ سُن کر آپ نے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن مُعاذ رضؓ، قبیلہ خزرج کے رئیس اعظم سعد بن عُبادہ رضؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ اور حضرت خوّات بن جُبیر رضؓ کو روانہ فرمایا کہ تم جاکر.....کر انھیں سمجھاؤ، بدعہدی سے باز رہیں۔ اور یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر انھوں نے واقعی معاہدہ توڑ دیا ہے تو واپس آکر لوگوں کے سامنے صاف لفظوں میں اس کا اظہار نہ کریں تاکہ مسلمانوں میں بددلی نہ پھیلے۔ یہ چاروں حضرات وہاں پہنچے تو کعب بن اسد قرظی سے ملاقات کرکے اسے ایفائے معاہدہ کی تلقین کی لیکن اس پر حیی کا جادو چل چکا تھا، کچھ اثر نہ ہوا۔ انھوں نے افہام و تفہیم کا جو حق تھا وہ ادا کیا اور کہا کہ عہد شکنی کا انجام تمھاری تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ وہ بولا: "ہمارا محمد (صلعم) سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا، بلکہ ہم اس شخص کو جانتے تک نہیں، وہ کون ہے" غرض یہ حضرات ناکام واپس گئے اور بنی قریظہ نے متحدہ قبائل کے ٹڈی دل میں شامل ہو کر ان کی جمعیت میں اور اضافہ کر دیا۔

دشمنوں کا خوفناک حملہ

اب سارے عرب کی متحدہ فوجوں نے جن کا اندازہ دس ہزار سے چوبیس ہزار تک کیا گیا ہے، مدینہ کے تین طرف اس زور سے حملہ کیا کہ دار الہجرت میں زلزلہ آگیا۔ مدینہ میں مہاجرین اور انصار

کے چھوٹے پڑاؤں کی تعداد تین ہزار سے متجاوز تھی ۔ اس جنگ کو غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب کہتے ہیں ۔ گو بیرونی دشمنوں کی تعداد بہت کثیر تھی اور وہ ہر وقت برابر حملے کر رہے تھے ، مگر ان سے بھی زیادہ خطرناک گھر کے بھیدی بنی قریظہ تھے ۔ ان کی آبادی شہر کے جنوب میں دو اڑھائی میل کے فاصلے پر تھی ۔ چونکہ یہ لوگ مسلمانوں کی پشت پر تھے ، اس لیے ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ نہ معلوم کب یہ پشت کی طرف سے حملہ کر دیں ۔ نبی صلعم نے تمام مسلمان عورتوں اور بچوں کو بخیال حفاظت اسی طرف ایک گڑھی میں بھیج دیا تھا جو بنی قریظہ کی آبادی کے قریب تھی ۔

بنی قریظہ نے ازراہ شقاوت اس پر تاخت کرنے کی تجویز کی اور اس تجویز کو لباس عمل پہنانے سے پہلے ایک ہوشیار آدمی کو یہ تحقیق کرنے کے لیے بھیجا کہ کس طرف سے حملہ کرنا زیادہ موزون رہے گا ۔ ان مستورات میں خلاصۂ کائنات حضرت رسول اکرم صلعم کی پھوپھی حضرت صفیہ رض بنت عبد المطلب بھی تھیں ۔ انھوں نے اُس یہودی کو مشتبہ حالت میں چکر لگاتے دیکھا تو اپنے محافظ حضرت حسان رض بن ثابت (مشہور شاعر) سے فرمایا : " دیکھتے کیا ہو ، اتر کر اس یہودی کو موت کے گھاٹ اتار دو ورنہ یہ واپس جا کر یہودیوں کو ہم پر چڑھا لائے گا ۔ " لیکن انھوں نے کچھ لیت و لعل کی تو انھیں خود ہی یہ فرض ادا کرنا پڑا ۔ انھوں نے خیمے کا ایک بانس اکھاڑا ۔ اچانک اس کے سر پر پہنچیں اور اس زور سے اس کے سر پر مارا کہ یہودی وہیں چت ہو گیا ۔ پھر اس کی لاش گھسیٹ کر دیوار پر سے یہودی آبادی کی طرف پھینک دی ۔ بنی قریظہ نے لاش دیکھ کر خیال کیا کہ عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے خاصی فوج موجود ہے اور اس طرح وہ خوف زدہ ہو کر اپنے خطرناک ارادے سے باز رہے ۔

ایک مرتبہ بنی قریظہ نے شہر پر شبخون مارنے کا قصد کیا اور اس کام میں قریش حملہ آوروں سے بھی مدد مانگی ۔ حامل نبوت صلعم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت زید بن حارثہ رض کو تین سو جوان دے کر اور حضرت سلمہ بن اسلم اوسی بدری رض

کو دو سو کی جمعیت کے ساتھ شہر کی حفاظت کے لیے بھیج دیا۔ یہ دیکھ کر یہودی غداروں کو اپنے عزم فاسد کی تکمیل کا حوصلہ نہ ہوا۔

قبائل عرب کا فرار

قبائل عرب کی متحدہ فوجیں بیس بائیس دن کے بعد محاصرہ اٹھا کر بھاگ گئیں اور بنی قریظہ پیچھے رہ گئے، جن سے ہنوز نبٹنا باقی تھا۔ غزوۂ خندق سے فراغت پانے کے بعد رسول اکرم صلعم گھر تشریف لائے اور غسل کیا۔ اتنے میں حضرت جبریلؑ آئے اور فی الفور بنی قریظہ کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے کہا۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن اُمّ کلثوم رضؓ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر فرما کر بنی قریظہ کا قصد کیا اور حکم دیا کہ تمام مسلمان فی الفور تیار ہو جائیں۔ آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور صحابۂ کرام رضؓ کو ساتھ لیے تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ گئے اور جاتے ہی بنی قریظہ کا محاصرہ کر لیا۔ اب قریظیوں کا سردار کعب بن اسد اپنی حماقت پر بہت کچھ دست افسوس ملتا اور پچھتا رہا تھا لیکن اب پچھتانے سے کیا ہو سکتا تھا۔

بنی قریظہ کے مشورے

بنی قریظہ پچیس دن مسلسل محاصرے کے بعد گھبرا اٹھے اور عالم اضطراب میں باہم مشورے کرنے لگے کہ اب صلاح کار کیا ہے؟ کعب بن اسد اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے بولا کہ میں تمہارے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہوں، ان میں سے جو چاہو اختیار کر لو۔ اوّل اس پیغمبر کی حقیقت از روئے تورات تم پر ظاہر ہو چکی ہے۔ ہم لوگ محض ضد اور ہٹ کر کے برسر مخالفت ہیں۔ لہٰذا پہلی تجویز یہ ہے کہ ہم محمد (صلعم) کی پیروی اختیار کریں۔ قریظیوں نے اس سے انکار کیا اور کہا: "ہم تورات چھوڑ کر کسی اور کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں"۔

کعب نے کہا: اگر یہ گوارا نہیں تو دوسری تجویز یہ ہے کہ ہم اپنے اہل و عیال کو اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالیں کیونکہ ہم سب یقیناً موت کے گھاٹ اُتار دیے جائیں گے۔ ہماری موت کے بعد ہمارے بال بچے لونڈی غلام بن کر ذلیل نہ ہوں اور

Marfat.com

تلواریں سونت کر باہر نکل پڑیں۔ پھر جو فیصلہ خدا ہمارے اور محمد (صلعم) کے درمیان کردے۔ اگر ہلاک ہوگئے تو یہ غم تو نہ ہوگا کہ ہائے ہمارے پیچھے ہمارے اہل عیال کا کیا حشر ہوگا اور اگر فتح پا گئے تو اولاد اور بیویاں پھر مل جائیں گی۔" انھوں نے جواب دیا: "اگر ان جرم ناآشناؤں کو ناحق نہنگ شمشیر کے حوالے کردیں تو ان کے کے بعد زندگی میں کیا لطف رہ جائے گا؟" اب کعب بولا: "تیسری تجویز یہ ہے کہ کل سبت (ہفتہ) ہماری تعطیل کا دن ہے۔ مسلمان ہماری طرف سے بالکل مطمئن اور بے خوف ہوں گے، کل غفلت میں ان پر ٹوٹ پڑو اور ان کی جمعیت کو تباہ کردو۔"

لیکن اعیانِ بنی قریظہ نے کہ حیی بن اخطب بھی انھیں میں شامل تھا، تیسری تجویز کو بھی مسترد کردیا۔ کعب نے جل کر کہا: "تم میں سے کسی کی عقل ٹھکانے نہیں رہی ہے جو چاہو کرو، اب تمھاری نجات اور رستگاری کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔" اب یہود نے سرور انبیاء صلعم کے پاس پیغام بھیجا کہ ابولبابہ بن منذر کو ہمارے پاس بھیج دیجیے تاکہ ہم اس سے الگ کچھ مشورہ کریں۔ حضرت ابولبابہ رفاعہ بن عبدالمنذر انصاری رضا قبولِ اسلام سے پہلے بنی قریظہ کے حلیف تھے۔ آنحضرت صلعم نے ابولبابہ رضا کو ان کے پاس بھیج دیا۔ انھوں نے بنی قریظہ سے کہا: "رسولِ خدا صلعم کے حکم کی تعمیل کے سوا تمھارے لیے کوئی چارۂ کار نہیں۔"

بنی قریظہ اہل مدینہ کے قبولِ اسلام سے پہلے قبیلۂ اوس کے حلیف و ہم عہد تھے۔ ہجرت سے چند سال پہلے اوس اور خزرج کی جو خوفناک جنگ ہوئی تھی اور جو جنگ بعاث کے نام سے مشہور ہے، اس میں بنی قریظہ اوس کی طرف سے خزرج کے خلاف معرکہ آرا ہوئے تھے۔ اس بنا پر بنی قریظہ نے سرورِ کائنات صلعم کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارے متعلق سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں منظور ہے۔ حضرت سعد بن معاذ رضا قبیلۂ اوس کے رئیسِ اعظم تھے اور انھیں یقین تھا کہ سعد ہم سے نرمی کا برتاؤ کریں گے۔ آپ نے یہ شرط قبول کرلی اور انھیں حکم دیا کہ سب باہر نکل آئیں۔

کسی کے پاس ہتھیار نہ ہو وہ عالم سراسیمگی و اضطراب میں قلعے سے نکل آئے۔
آپ نے حضرت محمدؐ بن مسلمہ انصاری رضؓ اور چند دوسرے حضرات کو حکم دیا کہ ان سب کے ہاتھ ان کی گردنوں سے باندھ دو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور محاصرہ اٹھالیا گیا۔ اس کے بعد نبی صلعم نے حضرت عبداللہ بن سلام رضؓ سے، جو مشرف بہ اسلام ہونے سے پہلے یہود کے اعلم العلماء مانے جاتے تھے، فرمایا:
"ان کا مال اسباب نکلوا کر انھیں ایک جگہ جمع کیجیے اور اس کی فہرست مرتب کیجیے۔"
اس حکم کی بھی تعمیل ہوئی۔

نوجوانانِ اوس کی التماس

اب قبیلہ اوس کے چند نوجوانوں نے پیش گاہ نبوی صلعم میں التماس کی: "یا رسول اللہ! جس طرح آپ نے یہود بنی قینقاع خزرج کو بخشے تھے، اور ان کی جرم بخشی فرمادی تھی، اسی طرح آپ بنی قُرَیظہ ہمیں بخش دیجیے۔" آپ نے فرمایا: "بنی قریظہ نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ ان کے حق میں سعد بن معاذ رضؓ سے فیصلہ کرایا جائے اور یہ کہ جو فیصلہ وہ کریں گے، وہ انھیں منظور ہوگا۔ اگر میں بھی تمھارے سردار سعد بن مُعاذ رضؓ ہی کو حَکَم ٹھہراؤں تو کیا ان کا فیصلہ پسند کروگے؟" اوسیوں نے کہا: "ہاں، یا رسول اللہ! وہ جو فیصلہ کریں، سب کے لیے قابلِ قبول ہوگا۔" آپ نے حکم دیا کہ بنی قُرَیظہ کے متعلق سعد بن مُعاذ رضؓ جو فیصلہ صادر کریں، اسی پر عمل کیا جائے۔

حضرت سعد بن مُعاذ رضؓ غزوۂ خندق میں زخمی ہوگئے تھے اور اب تک زخمی پڑے تھے۔ انھیں طلب کیا گیا۔ اوسی نوجوان ان کے استقبال کے لیے گئے اور راستے میں ان سے کہنے لگے کہ رسولِ خداؐ نے بنی قُرَیظہ کے بارے میں آپ کو ثالث مقرر فرمایا ہے۔ یہ لوگ ہمارے پرانے حلیف ہیں۔ حرب بعاث میں اور دوسرے مواقع پر ہمیشہ ہمارے معاون رہے ہیں، اس لیے ہماری خواہش ہے کہ جس طرح عبداللہ بن اُبَیّ خزرجی نے رسولِ خداؐ کی منت سماجت کرکے اُن کی جرم بخشی کرائی

تھی۔ اس طرح آپ بنی قریظہ کی جان بخشی کرا دیں۔ حضرت سعدؓ ان کی باتیں سنتے چلے گئے۔ لیکن کسی بات کا جواب نہ دیا۔ جب انھوں نے اپنی بات پر بہت زیادہ اصرار کیا تو کہنے لگے: "یہ وقت ایسا نہیں کہ میں خدا کی راہ میں ملامت اختیار کروں۔" یہ سن کر اوسی نوجوانوں کو یقین ہو گیا کہ سعدؓ یقیناً ان کے قتل کا فیصلہ صادر کریں گے۔

حضرت سعدؓ کا فیصلہ حضرت سعدؓ مجلس نبوی صلعم میں حاضر ہوئے۔ بنی اوس نے انھیں نہایت احترام اور توقیر سے اتارا۔ اب قبیلۂ اوس کے بعض معمرؓ و معتدر حضرات نے حضرت سعدؓ سے کہا: "رسول خدا صلعم نے قریظیوں کا قضیہ فیصل کرنے کے لیے آپ کو حکم مقرر فرمایا ہے۔ اس لیے ان کے بارے میں فیصلہ کر دیں۔" حضرت سعدؓ اپنی قوم کی طرف خطاب کر کے کہنے لگے: "کیا تم لوگ میرا فیصلہ منظور کرو گے؟" سب نے کہا: "ہم منظور کریں گے۔" اس کے بعد حضرت سعدؓ نے بنی قریظہ اور رسول خدا سے اقرار لیا کہ وہ جو بھی فیصلہ صادر کریں، فریقین کو منظور ہو گا۔

اس کے بعد انھوں نے اس حقیقت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کہ رسول خدا صلعم کے سامنے جب بھی کسی یہودی کا مقدمہ پیش ہوتا تو آپ تورات کے مطابق فیصلہ فرماتے اور یہ دیکھ کر کہ قریظیوں کی مسلسل غداریاں اس قابل نہیں کہ کوئی معمولی سزا ان کے جرائم کی تلافی کر سکے، تورات کے رو سے ان کی قسمت کا فیصلہ کرنا چاہا۔ تورات میں لکھا ہے:-

> "اگر وہ شہر تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے جنگ کرے تو تو اس کا محاصرہ کر اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کر دے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کا سارا لوٹ اپنے لیے لے" (بائبل کتاب استثنا باب ۲۰ ورس ۱۳-۱۵)

تورات کی اس تعلیم کے بموجب حضرت سعدؓ نے فیصلہ کیا کہ بنی قریظہ کے سب بالغ مرد، جو ان غداریوں اور بد عہدیوں کے ذمہ دار ہیں، قتل کر دیے جائیں،

Marfat.com

ان کی عورتیں اور بچے قیدی بنا لیے جائیں اور اموال غنیمت میں محسوب ہو کر اسلامی لشکر میں تقسیم کر دیے جائیں۔ ان کا مال اسباب غازیوں میں تقسیم کر دیا جائے۔" یہ فیصلہ سُن کر سرور دوجہان صلعم نے فرمایا: "یہ فیصلہ عین منشائے خداوندی کے مطابق ہُوا ہے۔" اب اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ ڈیڑھ ہزار قبضۂ شمشیر، دو ہزار نیزے، تین سو زرہیں، پانسو ڈھالیں اڑھائی ہزار اونٹ اور دیگر مال اسباب غازیوں میں تقسیم ہُوا۔

(یہ مندرجات سیرۃ ابن ہشام، بخاری، مسلم، مدارج النبوت وغیرہ کتب سے ماخوذ ہیں۔

بیالیسواں باب

دریوزہ گری

عادت سوال اور گداگری میں بہت سی دینی اور دنیوی مضرتیں ہیں، کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کرنا اور چہرے پر بے غیرتی کا داغ لگانا ہے۔ مصلح عالم صلعم پر مسلمان کی عادت گدائی بڑی شاق تھی اور آپ مختلف پیرایوں میں اپنے جاں نثاروں کو اس عادتِ قبیحہ سے باز رہنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلۂ تعلیمات میں آپ نے فرمایا:

"کسی سے مانگنا اپنے منہ کو زخم لگانا ہے۔ ایسی حالت میں جس کا جی چاہے، اپنی آبرو باقی رکھے اور جس کا جی چاہے، حیا چھوڑ دے۔" (ابوداؤد) اور فرمایا: "مجھے اُسی ذات برتر کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر تم رسی سے لکڑی کا گٹھا باندھ کر اپنی پیٹھ پر لادو اور بازار میں فروخت کرو تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ کسی مالدار کے پاس جا کر اس کے سامنے دستِ سوال پھیلاؤ۔" (موطاء مالک و صحیح بخاری)

فرمایا: "جو شخص اپنے اوپر سوال و درخواست کا دروازہ کھولتا ہے خدا تعالیٰ اس کے لیے فقر اور احتیاج کے دروازے کھول دیتا ہے۔" (ترمذی) اور فرمایا "جو شخص سرمایہ جمع کرنے کے لیے بھیک مانگتا ہے، وہ بلا شبہ آگ کا انگارا مانگتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ کم مانگے یا زیادہ فراہم کرے۔" (صحیح مسلم) اور فرمایا: "جو کوئی مستغنی ہونے کے باوجود سوال کرتا ہے وہ اپنے لیے جہنم کی آگ تیز کرتا ہے۔" (ابوداؤد) اور آپ نے سوال سے پرہیز کرنے کی تاکید میں یہ بھی فرمایا: "اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے، اوپر کا ہاتھ خرچ کرنے والا ہاتھ ہے اور نچلا مانگنے والا ہاتھ ہے۔" (بخاری و مسلم)

Marfat.com

فرمایا: "جو شخص عادتاً لوگوں سے مانگتا ہے، وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں حاضر کیا جائے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہ ہوگا" (بخاری و مسلم) یعنی بھیک مانگنے والا قیامت میں نہایت ذلیل ہوگا یا فی الحقیقت اس کا یہی حال ہوگا کہ اصلاً اس کے چہرے پر ماس نہ ہوگا۔ قیامت کے دن اسے گدائی کی یہ سزا ملے گی یا اس کا چہرہ اس غرض سے بے گوشت کے ہوگا کہ لوگ اسے فوراً پہچان لیں، یہ شخص دنیا میں لوگوں سے سوال کیا کرتا تھا۔ اس پر سخت ذلت اور رسوائی اس کے شامل حال رہے گی۔ چونکہ اس نے بذات خود لوگوں سے بھیک مانگ کر اپنے نفس کو ذلیل کر ڈالا تھا اور اپنی آبرو کھو دی تھی، اس لیے خدائے عزیز اسے آخرت میں اس طرح ذلیل کرے گا، اور ظاہر ہے کہ آخرت کی رسوائی دنیا کی بے عزتی کے مقابلے میں سخت عذاب متصور ہے۔

افسوس ہے کہ عہد حاضر میں بہت سے لوگوں نے کسب حلال چھوڑ کر گدائی کو پیشہ ہی بنا لیا ہے اور وہ آخرت کی رسوائی کا کچھ خیال نہیں کرتے۔ امام احمد بن حنبل رح دعا مانگا کرتے تھے: "الٰہی! جیسا کہ تو نے اپنی رحمت سے میرے منہ کو غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنے سے بچایا ہے، اسی طرح میرے منہ کو غیر اللہ سے سوال کرنے سے بچا۔"

کملی اور پیالے کا نیلام

باوجودیکہ شفیق انام صلعم کی عطا و بخشش کا ابر رحمت ہر وقت برس رہا تھا لیکن اگر آپ کسی جوان تندرست کو مانگتا دیکھتے تو آپ پر سخت گراں ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک مسکین و نادار انصاری نے آستان نبوت پر حاضر ہو کر آپ سے سوال کیا۔ آپ نے پوچھا: "تمہارے گھر میں کوئی چیز موجود ہے؟" بولے: "ہاں، ایک موٹی کملی ہے، جس کا ایک حصہ نیچے بچھاتا ہوں اور دوسرا حصہ اوڑھتا ہوں اور ایک پیالہ ہے، جس میں پانی پیتا ہوں۔" آپ نے فرمایا: "دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔" وہ لے آئے۔

اب آپ نے دونوں چیزیں ہاتھ میں لے کر فرمایا: "دونوں چیزیں کون خریدتا

ہے ؟" ایک شخص بولا: "میں دونوں چیزیں ایک درہم میں خریدتا ہوں۔" اس کے بعد آپ نے دو یا تین دفعہ فرمایا: "ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے؟" ایک آدمی نے کہا: "میں دونوں چیزیں دو درہم میں خریدتا ہوں۔" آپ نے دونوں چیزیں اسے دے دیں اور دو درہم لے کر انصاری کے حوالے کیے ساتھ ہی فرمایا: "ایک درہم کی غذا خرید کر اپنے گھر میں پہنچا دو اور دوسرے درم سے ایک تیشہ خرید لاؤ۔" جب تیشہ آیا تو آپ نے اس میں اپنے ہاتھ سے لکڑی کا ایک مضبوط دستہ ٹھونک دیا۔ اس کے بعد فرمایا: "اب تم جنگل جاکر لکڑیاں لے آؤ اور بیچو۔" اس کے بعد فرمایا: "پندرہ دن تک میں تمھیں نہ دیکھوں۔"

پندرہ روز کے بعد جب وہ انصاری دوبارہ آستانِ نبوت پر حاضر ہوئے تو ان کے پاس دس درہم جمع ہو چکے تھے۔ اب انھوں نے چند درہموں کا کپڑا خریدا اور کچھ درہم اناج کی خریداری میں خرچ کیے۔ رحمتِ عالم صلعم نے ان سے فرمایا: "یہ اچھا ہے یا یہ کہ قیامت کے دن چہرے پر گدائی کا داغ لے کر جاتے؟" (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

ترکِ سوال کا عزمِ صمیم

حکیم بن حزام صحابی رضؓ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضؓ کے برادر زادہ تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ نبی صلعم سے کچھ مانگا اور آپ نے مجھے دیا۔ پھر مانگا، پھر دیا لیکن ساتھ ہی مجھ سے فرمایا: "اے حکیم! یہ مال سرسبز اور شیریں چیز ہے۔ جس نے نفس کی بے پروائی سے اسے لیا، اس کے لیے اس میں برکت کی جاتی ہے اور جو اسے طمعِ نفس سے حاصل کرتا ہے اس کے لیے اس میں برکت نہیں کی جاتی اور وہ اُس شخص کی مانند ہوتا ہے جو کھاتا ہے، مگر آسودہ نہیں ہوتا۔ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔"

یہ اخلاقی نصیحت سُن کر حضرت حکیم رضؓ نے آئندہ کے لیے ترکِ سوال کا عزم مصمم کرلیا اور بارگاہ نبوی صلعم میں عرض پیرا ہوئے: "یا رسُول اللہ! خدا کی قسم!

اب میں آئندہ کسی سے کچھ نہ لوں گا" چنانچہ رسول خدا کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضنے انھیں بلاکر عطیہ دینا چاہا، لیکن انھوں نے لینے سے انکار کیا۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضنے انھیں عطیہ دینے کے لیے بلا بھیجا لیکن انھوں نے پھر بھی انکار ہی کیے رکھا۔ پھر بقیۃ العمر ان کی حالت یہ رہی کہ کسی سے کوئی چیز نہ لی۔ (بخاری و مسلم)

گرا ہوا کوڑا سواری سے اتر کر اٹھانا

اپنے محدود وسائل پر انحصار رکھ کر بسر اوقات کرنا، دوسروں سے توقع نہ رکھنا اور کسی انتہائی مجبوری کے بغیر قرض سے دامن کش رہنا بھی عالی حوصلگی کی دلیل اور تقویٰ شعاری کا ایک اہم جزو ہے۔ مروی ہے کہ آٹھ نو آدمیوں نے ہادیٔ انام صلعم کے ہاتھ پر بیعت کی جن امور پر بیعت کی گئی تھی ان میں سے ایک یہ تھا کہ کسی سے کوئی سوال نہیں کریں گے اس کے بعد صحابۂ کرام رض کی حالت یہ ہوگئی کہ اگر کسی کا کوڑا زمین پر گر پڑتا تھا تو وہ کسی سے یہ بھی درخواست نہ کرتا کہ میرا کوڑا اٹھادو۔ (ابوداؤد)

ایک مرتبہ حضور سرور دوجہاں صلعم نے فرمایا: "جو شخص میری ایک بات قبول کرلے کرے، میں اس کی جنت کا ضامن ہوتا ہوں" آپ کے مولیٰ (حریت یافتہ غلام) حضرت ثوبان رض نے عرض کی: "یا رسول اللہ! حضور کا فرمان میرے سر آنکھوں پر، حضور مجھے حکم دیں، میں ہزار جان سے اس کی تعمیل کروں گا" آپ نے فرمایا: "کبھی کسی سے کچھ نہ مانگنا" اس کے بعد حضرت ثوبان رض کا حال یہ تھا کہ اگر گھوڑے یا اونٹ پر سوار ہوتے اور ہاتھ سے کوڑا گر پڑتا تو پیدل چلنے والوں سے اتنا نہ کہتے کہ میرا کوڑا اٹھادو بلکہ خود اتر کر اٹھاتے۔ (ابن ماجہ)

اس طرح حضرت صدیق اکبر رض ناقہ پر سوار ہوتے تھے اور کبھی ہاتھ سے لگام گر جاتی تھی تو اونٹنی کو بٹھا کر اتر پڑتے تھے۔ لوگ عرض کرتے کہ آپ نے ہم سے کہا ہوتا تو ہم اٹھا دیتے تو فرماتے کہ: "میرے حبیب رسول خدا نے فرمایا ہے۔ کسی سے کچھ نہ مانگو" (مسند امام احمد جلد اول ص ۱۱)

استغناء کی فضیلت گو اس قسم کے سوال میں کوئی مضائقہ نہیں کہ سوار پیدل

چلنے والے سے کوڑا اٹھا دینے کی درخواست کرے لیکن تربیت یافتگانِ رسولِ امین صلعم کی شان بہت ارفع تھی، وہ ادنیٰ سوال و استعانت سے بھی احتراز فرماتے تھے اور انھوں نے اپنی ہر ضرورت میں خدا اسے ناصر و معین کی نصرت بخشی پر بھروسا کر رکھا تھا۔

استغناء کی فضیلت حاملِ نبوت صلعم کی لسانِ وحی سے سنیے، آپ نے فرمایا: "جو شخص سوال سے بچتا ہے، حق تعالیٰ اسے استغناء کی توفیق ارزانی فرماتا ہے اور جو شخص استغناء کو معمول بناتا ہے، خدا اسے لوگوں سے بے پروا کر دیتا ہے اور جو صبر چاہے، خدا کے معین اسے دولتِ صبر سے نواز تا ہے اور کوئی عطا و بخشش صبر و شکیب سے بہتر اور وسیع نہیں۔" (بخاری و مسلم)

لیکن اگر کبھی کوئی چیز حرص و سوال کے بغیر کہیں سے مل جائے تو اس کا لے لینا استغناء کے منافی نہیں، چنانچہ مروی ہے کہ رسولِ خدا صلعم نے حضرت عمرؓ کو عطیہ دینا چاہا تو انھوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! جو شخص مجھ سے زیادہ اس کا حاجت مند ہو اسے مرحمت فرمایئے۔" لیکن آپ نے فرمایا: "اسے لے لو اور اس کے ذریعے سے آسودگی اور مرفۃ الحالی کی خواہش کرو، تم اسے اپنے پاس رکھو، ورنہ صدقہ کر دو۔ تمھیں ہر طرح اختیار ہے اور یاد رکھو کہ جو مال تمھیں حرص اور سوال کے بغیر مل جائے اسے لے لو اور جو نہ ملے اس کے پیچھے نہ پڑو۔" (بخاری و مسلم) اس ارشادِ نبوی صلعم کی بناء پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کسی سے کسی چیز کے طالب نہ ہوتے تھے، لیکن اگر کوئی چیز مل جاتی تھی تو اسے واپس بھی نہ کرتے تھے۔ (صحیح مسلم)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جو مال کہیں سے بدون توقع اور بغیر حرص و سوال کے ملے وہ حلال ہے اور اگر زبان سے صاف لفظوں میں سوال کیا، یا دل میں تاک لگائی اور اس کی طرف خیال لگا کر باطنی سوال کیا تو وہ مال حلال طیب نہیں۔

چمٹ کر مانگنے والے

نبی صلعم نے فرمایا: "جو کوئی چمٹ کر مجھ سے مانگے اور میں ناگواری سے کچھ دوں تو وہ بے برکت ہوگا۔" (صحیح مسلم) علماء نے لکھا ہے کہ سخی و قانع کے مال میں خدا برکت دیتا ہے اور وہ آسودہ رہتا ہے، حریص کے مال میں برکت نہیں رکھتا ہی اسے لئے اس کا پیٹ نہیں بھرتا

اور اس کی حالت جوع الکلب کے مریض کی سی ہے کہ کتنا ہی کھائے، وہ آسودہ نہیں ہوتا۔ امام غزالی رقم فرماتے ہیں: "جو کوئی کسی سے کچھ مال حاصل کرے اور دینے والا جانتا ہو کہ مطلع نے جو مجھے یہ چیز دی تو وہ محض میری یا اہل مجلس کی شرم کے سبب سے دی تو لینے والے پر بالاجماع یہ مال حرام ہے۔ وہ مال دینے والے یا اس کے وارثوں کو واپس دے۔"

سوال کا حلال اور حرام ہونا

جوان اور تندرست کے لیے بغیر کسی انتہائی مجبوری کے سوال کرنا حرام ہے۔ مروی ہے کہ سرور انبیاء صلعم جب حجۃ الوداع کے ایام میں مکہ معظمہ تشریف لائے اور مستحقین میں مال زکوٰۃ تقسیم فرمانا شروع کیا تو ایسے دو آدمیوں نے بھی آپ سے مانگنا شروع کیا جو اچھے جوان اور توانا تھے۔ آپ نے سر مبارک اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ پھر آنکھیں جھکا لیں ...... آپ نے فرمایا: "تم صدقے کے خواہش مند ہو، لیکن اس میں ایسے شخص کا کوئی حصہ نہیں، جو خود صاحب نصاب ہو یا جوان اور قوی ہو، محنت مشقت کر سکتا ہو اور کما کر کھا سکتا ہو۔" (ابوداؤد)

جو شخص قرض میں بری طرح دبا ہوا ہو اور ادائے قرض کے وسائل مہیا نہ ہوں یا انقلاب زمانہ نے پامال کر کے اس کی حالت زبوں کر دی ہو، اس کے لیے سوال جائز ہے۔ چنانچہ نبی صلعم نے فرمایا: "غنی اور صحیح الاعضا مضبوط آدمی کے لیے سوال حلال نہیں اور اگر کسی کو انتہائی افلاس نے خستہ حال کر دیا ہو یا کوئی مقروض بھاری قرض رکھتا ہو تو اس کے لیے حلال ہے۔" (ترمذی) اور فرمایا: "سلطان سے مانگنے میں مضائقہ نہیں یا ایسی حالت میں کہ فاقے اور تنگ دستی نے مضطر کر رکھا ہو۔" (ابوداؤد)

ضامن اور مصیبت زدہ کو بھی سوال و استعانت کی اجازت ہے۔ چنانچہ قبیصہ بن مخارق کا بیان ہے کہ میں کسی کے قرض کا ضامن ہوا تھا اور چونکہ مدیون نے ادائے قرض پر قدرت نہ پائی، اس لیے ادائے قرض کا بوجھ مجھ پر آ پڑا۔ لیکن اس وقت میری اپنی حالت کمزور تھی۔ اس لیے میں نبی صلعم سے طالب امداد ہوا۔ آپ نے

فرمایا: "تم انتظار کرو۔ جب مال زکوٰۃ آئے گا تو تمھاری امداد کا حکم دوں گا۔" اس کے بعد فرمایا: "اے قبیصہ! تین اشخاص کے سوا استعانت صحیح نہیں۔ ایک وہ شخص جسے ضمانت میں رقم ادا کرنی پڑے۔ اسے سوال حلال ہے، یہاں تک کہ اس بارے سبکدوش ہو۔ دوسرا وہ شخص جس کا سرمایہ کسی مصیبت میں تباہ ہوگیا ہو، اسے بھی سوال درست ہے، یہاں تک کہ احتیاج دور ہو اور تیسرا وہ شخص کہ فاقہ کشی میں مبتلا ہو اور تین عاقل شہادت دیں کہ فلاں شخص فاقے میں مبتلا ہے۔ اسے بھی سوال حلال ہے یہاں تک کہ اس کی احتیاج دور ہو۔" اس کے بعد فرمایا: "اے قبیصہ! جو شخص ان تین صورتوں کے سوا مانگ کر کچھ حاصل کرتا ہے، وہ حرام کھاتا ہے۔" (صحیح مسلم)

علماء نے لکھا ہے کہ فاقہ کشی کی شہادت میں تین آدمیوں کی شرط احتیاط اور اچھائی کے اعتبار سے ہے، ورنہ لازمی شرط نہیں۔

جس کے پاس دو وقت کی خوراک کا انتظام ہو اس کے لئے بھی سوال حلال نہیں۔ چنانچہ نبی صلعم سے دریافت کیا گیا کہ اُس غنا کی کیا حد ہے جس میں سوال کرنا جائز نہیں؟ تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: "وہ غنا صبح اور شام کا کھانا ہے۔" لیکن راوی کو شک ہے کہ آپ نے صبح اور شام فرمایا تھا یا صبح یا شام (ابو داؤد) یعنی دونوں وقت کا کھانا مہیا ہونے کی صورت میں آپ نے سوال ناجائز بتایا یا ایک وقت کا کھانا موجود ہونے کی صورت میں بھی آپ نے ناروا بتایا۔

جو شخص چالیس درم رکھتا ہو یا اتنی قیمت کی کسی چیز یا چیزوں کا مالک ہو، اسے بھی سوال ممنوع ہے۔ چنانچہ نبی صلعم نے فرمایا: "جس کے پاس چالیس درم یا اتنی قیمت کا اثاثہ ہو اور وہ مانگنے لگے تو وہ ان لوگوں میں داخل ہے جو ناحق مانگ کر لوگوں کو تنگ کرتے رہیں۔" (مشکوٰۃ بحوالہ مالک، ابو داؤد، نسائی)

شاہ ولی اللہ رح حجۃ اللہ البالغہ میں رقم فرما ہیں کہ وہ تونگری جو سوال سے مانع ہے، اس کی مقدار چالیس یا پچاس درم ہیں اور یہ بھی مروی ہے کہ جس کے پاس

Marfat.com

صبح و شام کا کھانا ہو، وہ غنی ہے۔ سو یہ حدیثیں کچھ متعارض نہیں کیونکہ لوگوں کے حالات مختلف ہیں اور ہر ایک کا ایک پیشہ ہے جسے وہ چھوڑ نہیں سکتا۔ لہٰذا حرفت والا جب تک اپنے حرفے کو آلات نہ پائے، وہ معذور ہے، اسے سوال درست ہے اور کاشت کار جب تک کھیتی کا سامان نہ پائے، وہ معذور ہے۔ اسی طرح تجارت پیشہ کو جب تک سرمایہ فراہم نہ ہو، وہ معذور ہے اور جو سپاہی و ملازمت پیشہ ہو، اس کا معیار ہے کہ اُس کے پاس چالیس پچاس درم ہوں اور جو مزدور کا مزدور ہو جیسے ہانڈی یا لکڑیاں بیچنے والا تو اس کی عزمتِ سوال کا پیمانہ یہ ہے کہ اس کے پاس ایک دن کا کھانا ہو۔

صدقے کے حقیقی مستحق

آج کل ہزاروں لاکھوں انسانوں نے بے غیرتی کا لباس پہن کر دریوزہ گری کو ایک مستقل پیشہ بنا رکھا ہے۔ یہ لوگ مسکین اور قابلِ امداد نہیں کیونکہ ان بھکاریوں میں اکثر افراد غنی اور صاحبِ نصاب ہوتے ہیں بلکہ مسکین فی الحقیقت وہ نادار اور مفلوک الحال ہیں، جو کسی سے سوال نہیں کرتے۔ چنانچہ سرورِ کون و مکان صلعم نے فرمایا: "مسکین وہ نہیں جو در بدر پھرتے ہیں کہیں سے ایک کھجور، کہیں سے دو کھجور، کہیں سے ایک لقمہ، کہیں سے دو لقمے پاتے ہیں بلکہ حقیقی مسکین وہ ہے جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا اور نہ لوگ اس کا حال جانتے ہیں جو اسے کچھ دیں۔" (ابوداؤد)

جو قانع محتاج کسی سے سوال نہیں کرتا، اسے صدقہ و خیرات دینے میں بہت زیادہ ثواب ہے کیونکہ جنھوں نے گدائی کو حیثیتِ پیشہ اختیار کر رکھا ہے، وہ ایک جگہ سے نہیں پاتے تو دوسری جگہ سے حاصل کر لیتے ہیں لیکن وہ بے زبان مساکین، جو شرم و غیرت یا قناعت کی وجہ سے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے، اعانت و امداد کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ انھیں معنی میں سید الخلق صلعم نے فرمایا: "مسکین وہ نہیں جسے ایک دو چھوارے یا ایک دو لقموں کی طمع در بدر پھراتی ہے بلکہ حقیقی مسکین وہ ہے جو سوال اور مال حرام سے بچتا ہے۔" چنانچہ خدائے عزوجل فرماتا ہے:

نے انھیں کا الفقین کے متعلق قرآن حکیم میں فرمایا :-

ولا یسئلون الناس الحافا۔	لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے کہ بغیر لیے پیچھا نہ چھوڑیں۔

(رواہ البخاری مسلم)

افراط صدقہ کی ناپسندیدگی

جس طرح غیر معذور کے لیے سوال اور گدائی نامشروع ہے۔ اسی طرح بساط سے بڑھ کر دست سخاوت دراز کرنا بھی ناپسندیدہ ہے۔ امام ابن جوزی رح نے کتاب تلبیس ابلیس میں ایک صوفی بزرگ کا ذکر کیا ہے جنھوں نے باپ کے ترکے میں لاکھوں دینار پائے تھے لیکن وہ ساری دولت ایک ہی دن میں فقراء و مساکین میں بانٹ کر تہی دست ہو گئے حالانکہ صدقہ و خیرات میں اتنی افراط بھی پسندیدہ نہیں کہ انسان بالکل نادار و قلاش رہ جائے اور شیطان اسے دوسروں کے آگے دست سوال پھیلانے پر مائل کر دے۔

مروی ہے کہ ایک شخص (مرغی کے) انڈے کے برابر سونا لے کر مصلح اعظم صلعم کے پاس آیا اور عرض کی: "یا رسول اللہ! میں نے یہ سونا ایک کان میں پایا ہے۔ آپ اسے قبول فرمائیے۔" آپ نے دریافت کیا: "کیا تمھارے پاس کچھ اور بھی ہے؟" وہ بولا: "اور کچھ نہیں۔" آپ نے وہ سونا پھینک دیا اور فرمایا: "تم لوگ اپنا سارا مال فی سبیل اللہ خرچ کر دینا چاہتے ہو، پھر محتاج ہو کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو۔ بہتر صدقہ وہی ہے جس کے بعد بھی دینے والا بدستور مال دار رہتے۔" (ابوداؤد)

گدائی کے جواز پر استدلال

سطور بالا میں احادیث صحیحہ کے محکم دلائل سے پوری طرح واضح ہو چکا کہ غیر معذور اور غیر مجبور کے لیے سوال کرنا حرام ہے، لیکن ان ارشادات گرامی کی موجودگی میں بعض لوگ جواز گدائی پر اس حدیث سے استدلال کیا کرتے ہیں:-

للسائل حق وان	مانگنے والے کا حق ہے اگرچہ

جاء علی فرس موصل — گھوڑے پر سوار ہو کر آیا ہو۔

(رواہ احمد ابوداؤد و فی المصابیح مشکوٰۃ المصابیح باب الاجارہ)

مگر یہ حدیث ضعیف بلکہ موضوع ہے۔ حواشی مشکوٰۃ میں ہے کہ شوکانی نے فوائد میں قزوینی سے اس کا موضوع ہونا نقل کیا ہے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے کہا: "اس حدیث کی کوئی سند جس سے احتجاج درست ہو، میرے علم میں نہیں" اور ابن عدی نے اس حدیث کو بطریق عبداللہ بن زید موصولاً روایت کیا ہے لیکن عبداللہ ضعیف ہے، بالجملہ اس کا کوئی طریق علت سے خالی نہیں معلوم ہوتا۔

غیر معذور بھکاری کو بھیک دینا

اگر کوئی پیشہ ور جوان، تندرست شخص، مرد ہو یا عورت بھیک مانگے تو اسے جواب تک نہ دینا چاہیے، چہ جائیکہ کچھ رقم دے کر اس کی گدائی کو مزید تقویت پہنچائی جائے۔

اگر لوگ غیر معذور دریوزہ گروں کو نہ دینے کا عہد کرلیں اور اس عہد کی پوری پابندی کریں تو غیر مستحق بھکاری پیشہ گدائی سے دست بردار ہو جائیں، اگر حالت یہ ہے کہ اچھے اچھے تعلیم یافتہ عاقل آدمی اندھا دھند ہر بھک منگے کو بھیک دیتے ہیں، جس سے پیشۂ گدائی آئے دن رُو بہ ترقی ہے۔ لاہور میں جمعرات خیرات کا دن ہے۔ اس روز ہر طرف بھکاریوں کی یورش ہوتی ہے، لیکن ان مانگنے والوں میں معذور اور صدقے کے حقیقی مستحق شاذ و نادر ہی دکھائی دیتے ہیں۔ دکانداروں کی عام عادت ہے کہ آنکھیں بند کر کے مستحق اور غیر مستحق میں امتیاز کیے بغیر ہر سائل کو دیتے ہیں جس سے یہ پیشہ خوب ترقی پذیر ہے۔ حالی پانی پتی نے "گدائی کی ترغیب" کے زیر عنوان خوب لکھا تھا:۔

اک مرد توانا کو جو سائل پایا — کی میں نے ملامت اور بہت شرمایا!

بولا کہ ہے اس کا اُن کی گردن پہ وبال — دے دے کے جنھوں نے مانگنا سکھلایا

فقہائے نے لکھا ہے کہ جو شخص کسب پر قادر ہو، اسے دینا حرام ہے کیونکہ سوال کرنا ایسے شخص کو حرام ہے اور اسے بھیک دینا اعانت علی المعصیت ہے اس لیے

Marfat.com

وہ بھی حرام ہے۔ چنانچہ کلامِ پاک میں ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ | اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار نہ ہو۔

اور مجھے یاد نہیں کہ میں نے دہلی، حیدر آباد دکن، کلکتہ، بمبئی یا بھارت کے کسی دوسرے حصے میں کبھی کسی جوان عورت کو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتے دیکھا ہو بخلاف سرزمین پنجاب کے کہ یہاں دریوزہ گر جوان عورتوں کی بھی کمی نہیں۔

ہندوستان میں بیوہ اور بے وسیلہ عورتیں خادماؤں کی حیثیت سے لوگوں کے گھروں میں کام کرتی ہیں اور وہاں خادمہ عورتیں بسہولت مل جاتی رہیں لیکن پنجاب کی بیوہ یا مطلقہ عورت محنت مشقت یا کسی کی فرمان پذیری سے جان چراتی ہے، اس لیے وہ عموماً مانگنا شروع کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں گھروں میں کام کرنے والی خادماؤں کا سخت قحط ہے۔ کاش عورتوں کو پیشۂ گدائی سے باز رکھنے کی طرف خاص توجہ کی جاتی۔

قرض لینے کی ناپسندیدگی جس طرح پیشوائے اُمت صلعم کو مسلمان کا دوسروں سے مدد مانگنا اور کاسۂ گدائی لے کر نکلنا ناگوار تھا، اسی طرح آپ قرض لینے کو بھی ناپسند فرماتے اور چاہتے تھے کہ لوگ حتی الامکان اپنے ہی وسائل و ذرائع پر اکتفا کرنے کے عادی ہوں۔ حضرت ابوسعید خدری رضا کا بیان ہے کہ میں نے رسولِ اکرم صلعم کو یہ کہتے ہوئے سُنا:۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْكُفْرِ وَالدَّيْنِ۔ | میں کفر اور قرض سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

یہ سُن کر ایک شخص کہنے لگا: "یا رسول اللہ! کیا آپ کفر اور قرض کو ایک حیثیت دیتے ہیں؟" فرمایا: "ہاں" رواہ النسائی والحاکم من طریق دراج عن ابی الھیثم وقال صحیح الاسناد (الترغیب والترھیب جلد ۲ ص ۵۵۲)

اور حسب روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضا رسولِ خدا صلعم ایک شخص

وصیت فرما رہے تھے: "کم سے کم گناہ کرو تو تم پر موت آسان ہو جائے گی اور قرض کو کم سے کم کرو تو آزادانہ زندگی بسر کرو گے (رواہ البیہقی) اور فرمایا: اپنی جانیں مامون کرنے کے بعد انھیں خوف زدہ نہ کرو" پوچھا گیا: "یا رسول اللہ! کس چیز سے"؟ فرمایا: "قرض سے (رواہ احمد والبو یعلی والحاکم والبیہقی) فرمایا: "جس کی روح نے ایسی حالت میں جسم سے مفارقت کی کہ وہ تین باتوں سے بری ہے وہ جنت میں داخل ہو گا: غنیمت میں خیانت، قرض اور تکبر" (رواہ الترمذی وابن ماجہ وابن حبان فی صحیحہ وقال صحیح علی شرطہما (ایضاً))

اللہ کے سوا کسی سے نہ مانگنا غیر اللہ سے استعانت خواہ حاضر سے ہو یا غائب سے شارع صلعم کو کسی طرح گوارا نہ تھی۔ ارشادِ خداوندی اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ط میں مومن اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ خدا ہی کی عبادت کرے اور اسی سے طلب حاجات کرے۔ انھیں معنی میں ہادی انام صلعم کا ایک ارشادِ گرامی ملاحظہ ہو:۔

سیّدِ موجودات صلعم کے عم زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضا کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ آنحضرت صلعم کے پیچھے سوار تھا۔ آپ مجھ سے فرمانے لگے: "اے لڑکے! میں تمھیں چند باتیں بتاتا ہوں۔ اللہ کو یاد رکھو، وہ تمھیں اپنی یاد میں رکھے گا۔ اگر اللہ کی یاد میں رہو گے تو اسے اپنے آگے پاؤ گے اور جب کچھ مانگنا ہو تو اللہ ہی سے چاہو اور یاد رکھو کہ اگر ساری مخلوق جمع ہو کر اس بات کی کوشش کرے کہ تمھیں کوئی نفع پہنچا سکے تو اسی قدر نفع پہنچا سکے گی جتنا اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے مقدر کر رکھا ہے اور اگر دنیا کے تمام باشندے مل کر تمھیں کچھ نقصان پہنچانے پر متحد و متفق ہو جائیں تو اس سے زیادہ کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے جس قدر خدائے عزیز و برتر کے دستِ قدرت نے لکھ دیا ہے (مقدرات کے لکھنے والے) قلم اٹھا لئے گئے اور کتابت تقدیر کے صحیفے خشک ہو چکے (ترمذی)

سیّد عبدالقادر جیلانی رح کی تصریحات اور رئیس الواصلین قطب الاقطاب

محی الدین ابو محمد سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ فتوح الغیب کے بیالیسویں مقالے میں رقم فرماتے ہیں: "یہ جو کچھ لکھا گیا اس کی بنیاد حضرت ابن عباس رضؓ کی حدیث ہے جو بواسطہ عطا مروی ہے۔ ابن عباس رضؓ کا بیان ہے کہ میں رسول خدا صلعم کا ردیف تھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: "اے لڑکے! حقوق اللہ کی حفاظت کرو تو اللہ تمھاری حفاظت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کو نگاہ رکھو تو اسے اپنے سامنے پاؤ گے اور جب کچھ مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو اور جب امداد درکار ہو تو اللہ ہی سے مدد مانگو۔ تقدیر کے لکھنے والا قلم خشک ہو چکا ہے اور اگر ساری مخلوق جمع ہو کر تمھیں کوئی ایسا نفع پہنچانا چاہے جو اللہ تعالیٰ نے مقدر نہیں کیا تو وہ ہرگز نفع نہ پہنچا سکے گی اور اگر تمام لوگ جمع ہو کر تمھیں کوئی ایسا نقصان پہنچانا چاہیں جو تمھارے لیے مقدر نہیں تو وہ ہرگز تمھیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔"

حضرت محبوب سبحانی رحؒ یہ حدیث نبوی صلعم نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فینبغی لکل مومن	پس ہر مومن کو چاہیے کہ اس
ان یجعل ھذا الحدیث	حدیث کو اپنے دل کے لیے
مرآۃ لقلبه وشعارہ	آئینہ بنالے اور اپنے حال
ودثارہ وحدیثه	کے لیے لازم اور شعار جامہ
فیعمل فی جمیع حرکاته	قرار دے اور اپنے تمام حرکات
وسکناته حتی یسلم	وسکنات میں اس پر عمل پیرا ہو تاکہ
فی الدنیا والآخرۃ	دنیا اور آخرت میں جمیع آفات سے
ویجد العزۃ فیھما	محفوظ رہے اور دنیا اور آخرت
برحمة اللہ۔	میں خدا کی رحمت اور اس کے فضل

سے غلبے اور ارجمندی سے سرفراز ہو۔

اور فتوح الغیب کے تینتالیسویں[۴۳] مقالے میں فرماتے ہیں:

ما سأل الناس من	جس کسی نے لوگوں سے سوال کیا،

Marfat.com

سئال الا لجھلہ باللہ وضعف ایمانہ و معرفتہ ویقینہ وقلۃ صبرہ تعفف عن ذالک الا علمہ باللہ عز وجل و قوۃ ایمانہ و یقینہ و تزاید معرفتہ بربہ۔

اُس نے خدائے عزّ وجل کو نہ سمجھنے اور اُس سے ناشناسا ہونے کی وجہ سے اور اپنے ضعفِ معرفت ولیقین اور قلتِ صبر کی وجہ سے سوال کیا کیونکہ اگر اس کا ایمان و یقین محکم ہوتا تو خالق کو چھوڑ کر مخلوق سے سوال نہ کرتا اور جس نے مخلوق سے سوال اور درخواست کرنے سے اجتناب کیا، اس نے خدا اور اس کے صفات کا زیادہ علم رکھنے کے باعث اور اپنی قوتِ ایمان و یقین اور مافزوں معرفت الٰہی کی وجہ سے ایسا کیا۔

غیر اللہ سے استعانت اور شیخ علی ہجویری رح

شیخ علی ہجویری رح جُنیدی سلسلے کے ایک پیر طریقت تھے جو تبلیغ اسلام کے سلسلے میں غزنہ سے قدوم فرمائے لاہور ہوئے۔ شرک پسند جہلاء نے انھیں داتا گنج بخش کے نام سے مشہور کر رکھا ہے مگر معلوم نہیں انھوں نے کب، کہاں اور کن لوگوں کو خزائن و دفائن بخشے تھے جو اس لقب سے مشہور کیے گئے۔ کتاب کشف المحجوب ان کی مشہور تصنیف ہے، کہتے ہیں کہ فارسی زبان میں اس سے پہلے کوئی کتاب علم تصوف پر نہیں لکھی گئی۔ شیخ فریدالدین عطار رح نے تذکرۃ الاولیاء میں اور مولانا عبدالرحمٰن جامی رح نے نفحات الانس میں اس کتاب کا ذکر فرمایا ہے بلکہ مؤخر الذکر نے اس کتاب سے کچھ حالات بھی اخذ کیے ہیں۔

شیخ علی ہجویری رح کشف المحجوب میں رقم فرماتے ہیں:۔

اما بندہ ازاں عاقل تراست کہ مر جز او بجز اہد و بجز و ذکر او بیارامد

لیکن بندہ اس سے زیادہ عقل مند ہے کہ اللہ کے سوا کسی اَور سے

چوں اندر نیست و ہست کردن
تو شریک نیا لیست محال باشد کہ
اندر تربیت تو شریک باید
(کشف المحجوب مطبوعہ لاہور ص ۲۲۱)

مراد چاہے اور ذکر الٰہی کے سوا کسی
اور چیز سے تسکین پائے جس صورت میں
اُس ذات برتر کو تیرے نیست اور
ہست کرنے میں کسی شریک کی ضرورت
نہیں محال ہے کہ تیری پرورش اور کفالت میں اس کا کوئی شریک ہو سکے،

اور فرماتے ہیں:

چوں بندہ بداند کہ خیریت امور
اندر کسب و تدبیر وے باز بستہ
نیست کہ صلاح بندگان خداوند تعالیٰ
بہتر داند و خیر و شر وے
کہ بہ بندہ متقارن ست جز تسلیم
چہ روے باشد مر قضاء او را
خواستن اندر وے تاشر نفس
و آزادگی آں از بندہ دفع کند
اندر کل افعال و احوال وے
و خیریت و صلاح وے را
بدو ارزانی دارد پس باید کہ
اندر بدو ہمہ اشغال بندہ
استخارہ کند تا خداوند تعالیٰ
وے را از خطا و خلل و آفت
و زلل آں کار نگاہ دارد و باللہ
التوفیق (کشف المحجوب ص ۲)

جب بندہ یقین رکھتا ہے کہ کاموں
کی بہتری اور کامیابی اپنے کسب و
تدبیر سے وابستہ نہیں کیونکہ بندوں
کی بہتری کا حال خداوند تعالیٰ ہی کو
بہتر معلوم ہے اور انسان پر نیکی یا
بدی اسی ذات پاک کے حکم سے وارد
ہوتی ہے چنانچہ سب کچھ پہلے ہی
سے مقدر ہو چکا ہے تو پھر اپنے جملہ
امور کو اس کے حوالے کر دینے
کے سوا کیا چارہ ہے۔ اس لیے ضروری
ہے کہ تمام اشغال کے شروع کرتے
وقت اسی سے طلب خیر کریں تاکہ
خداوند تعالیٰ اسے خطا اور خلل اور
آفت اور کج روی اور لغزشوں سے
محفوظ رکھے اور ہر کام کی توفیق اللہ
تعالیٰ ہی سے ملتی ہے۔

ختم شد

Marfat.com

شمائلِ کبریٰ

رسول اللہ صلعم کے اخلاقِ عظمیٰ پر محققانہ و مؤرخانہ
جدید اور دلآویز اسلوب بیان میں نہایت اہم کتاب

تالیف

مولانا ابو نعیم عبد الحکیم خاں نشتر جالندھری

مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری (مرحوم)

نظرِ ثانی: مولانا غلام رسول مہر

شیخ غلام علی اینڈ سنز - پرنٹرز و پبلشرز

کشمیری بازار | نذر باغ | ہسپتال روڈ | بندر روڈ | اردو بازار
لاہور | پشاور | حیدر آباد | کراچی | لاہور

Marfat.com